تفسیر المقامُ المحمود (جلد اوّل)

منتخب

سُورۃُ الفاتحۃ تا سُورۃُ النّسآء

ترجمہ قرآن حکیم:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ

تفسیر قرآن حکیم:

امام انقلاب شارح حکمت ولی اللہی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا عبداللہ لغاری تلمیذ امام سندھی رحمہما اللہ

تحقیق تصحیح تعلیق

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب مدظلہ العالی

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

رئیس دارالافتاء مدرسہ اشاعت العلوم چشتیاں

ناشر: مکّی دارالکتب غزنی سٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: ۷۲۳۱۷۷۸

https://ibnyousaf.weebly.com/

تفسیر المقام المحمود (جلد اوّل)

منتخب

سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النسآء

ترجمہ قرآن حکیم:
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
نور اللہ مرقدہٗ

تفسیر قرآن حکیم:
امام انقلاب، شارح حکمت ولی اللّٰہی
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب

حضرت مولانا عبد اللہ لغاری تلمیذ امام سنّدھی رحمہما اللہ

تحقیق
تصحیح
تعلیق

حضرت مولانا مفتی عبد القدیر صاحب مدظلہ العالی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی
رئیس دار الافتاء مدرسہ اشاعت العلوم چشتیاں

ناشر: مکّی دار الکتب غزنی سٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: ۷۲۴۱۷۷۸

تفسیر
المقام المحمود (جلد اوّل)

منتخب

سُورۃُ الفاتحہ تا سُورۃُ النّساء

ترجمہ قرآنِ حکیم:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی

نور اللہ مرقدہٗ

تفسیر قرآنِ حکیم:

امامِ انقلاب، شارح حکمت ولی اللّٰہی

حضرت مولانا عُبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب

حضرت مولانا عبد اللہ لغاری تلمیذِ امام سِندھی رحمہما اللہ

تحقیق
تصحیح
تعلیق

حضرت مولانا مُفتی عبد القدیر صاحب مدظلہ العالی

فاضلِ جامعہ علومِ اسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

رئیس دار الافتاء مدرسہ اشاعت العلوم۔ چشتیاں

ناشر: مکّی دار الکتب غزنی سٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: ۷۲۴۱۷۷۸

حوالہ نمبر م۔ د 34/07-97/

- کتاب : تفسیر المقام المحمود۔ جلد اوّل
- مصنّف : مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ
- اہتمام : محمد عباس شاد
- ناشر : محبوب الرحمٰن انور
- اشاعت : ستمبر ۱۹۹۷ء
- مطبع : حاجی حنیف اینڈ سنز۔ لاہور
- کتابت : شبیر احمد و نیکے تارڑ۔ حافظ آباد
- قیمت :

فہرست تمہیدی مضامین تفسیر المقام المحمود جلد اوّل

فہرست مضامین

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ آيَاتٍ ۷ رُكُوعٌ ۱

فہرست مضامین

سُورَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ اٰیَاتٌ ۲۸۶ رُکُوْعَاتٌ ۴۰

فہرست مضامین

سورۂ آل عمران،، مدنی، آیات ۲۰۰ رکوع ۲۰

فہرست مضامین سورۃ النساء مدنی آیات ۱۷۶ رکوع ۲۴

نقشِ اوّل

آج ہمارے لیے لمحۂ شکر ہے کہ ہم علمأ ہند میں سے ایک نامور عالمِ دین حضرت مولانا عبیدُ اللہ سندھیؒ تلمیذِ خاص حضرت شیخ الہند مولانا محمُود حسن رحمہا اللہ کی تفسیر" **المقام المحمود**" جلد اوّل چھاپنے میں کامیاب ہوگئے۔ الحمدللہ

اس تفسیر کا قلمی نُسخہ ہمیں جناب قاری **عبد الرّشید** صاحب اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول مزنگ لاہور کے ذریعہ حضرت مولانا علامہ **محمّد صِدّیق** صاحب ولی اللّٰہی مدظلہ، سے ملا۔ جنہوں نے تفسیر کے جامع مولانا **محمّد عبدُ اللہ** لغاریؒ تلمیذِ رشید حضرت سندھیؒ سے حاصل کیا تھا۔

اس کے علاوہ اس نُسخے کے فوٹو اور نقلیں پاک و ہند کی متعدد لائبریریوں میں موجُود ہیں۔ انہیں میں سے ایک ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری اسلام آباد ہے جس میں اس نسخے کی نقل حضرت مولانا **نُور الحق علویؒ** تلمیذ حضرت سندھیؒ کے ہاتھ کی لکھی ہُوئی موجُود ہے۔ جس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں :

> مجھے مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اپنے تفسیری نوٹ (جو انھوں نے "نظارۃُ المعارف القرآنیہ" میں حضرت سندھیؒ کے درسِ قرآن کے دوران ۱۹۱۵ئہ میں قلمبند کیے تھے) اور مولانا عبداللہ لغاری کی تفسیر (جو انہوں نے ۱۹۳۵ئہ میں مکّہ معظمہ میں حضرت سندھیؒ سے درس لیتے ہُوئے قلمبند کی تھی) عنایت کی، جن کی فوٹو کاپیاں انتہائی خستہ تھیں، مَیں نے انہیں دوبارہ تحریر کر کے محفوظ کر لیا ہے۔

اِس تفسیر کی اہمیّت اور افادیت بعض اصحابِ قلم کی تحریروں سے عیاں ہے جو تفسیر کے تمہیدی مضامین میں شامل ہیں۔

اس قلمی نسخہ پر محترم مولانا مفتی **عبد القدیر** صاحب مدظلہ، نے جو تحقیق، تصحیح، تعلیق کی محنت کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے جس طرح ادارہ کی درخواست پر اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور جس تندہی اور جانفشانی سے اس کو سرانجام دیا اس پر ہم تمام شائقین علوم ولی اللٰہی کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور بقیہ جلدوں پر تحقیق و تصحیح کے اسی معیار کی توقع رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ادارہ حضرت مولانا مفتی **عبد الخالق** آزاد صاحب مدظلہ، کا بھی انتہائی ممنون ہے کہ آپ نے باوجود اپنی مصروفیات اور بعض پریشانیوں کے اس مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔ ـــــــ اور طباعت کے مراحل میں ان کے علمی اور فنی مشورے ہمارے لیے بہت مفید رہے۔

ناسپاسی ہو گی اگر میں اپنے محترم دوست جناب محمود الرشید صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں، کیونکہ انہی کی تحریک اور فکرمندی سے یہ تفسیر اتنی جلدی منظرِ عام پر آکر شائقینِ علومِ قرآن کو فیض یاب کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ ادارہ کے انتظامی امور میں جناب قاری **محبوب الرحمٰن انور** صاحب، شبیر حسین صاحب اور خوش نویس جناب طارق صاحب اور شبیر احمد صاحب ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی انتھک محنت اور لگن سے کتاب طباعت اور جلد بندی کے مراحل سے بحسن و خوبی گزری۔

کتاب کا معیار اور خوبصورتی محتاجِ بیان نہیں ؏

مُشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

محمد عباس شاد

۲۱۔ اگست ۱۹۹۷ء

اُردو بازار۔ لاہور

تفسیر "المقام المحمود"
کے مسودّے پر ایک نظر

تفسیر "المقام المحمود" آپ کے ہاتھوں میں موجود ایڈیشن اس قلمی نسخہ سے تیار ہوا ہے۔ جو ہمیں حضرت امام سندھیؒ کے معروف تلمیذ المخدوم، اُستاذ نا المکرم، محترم المقام حضرت مولانا علامہ محمد صدیق ولی اللہی مدظلہٗ کے تفضّل و توسّل سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت امام سندھیؒ کی یہ تفسیر مسلمہ اصولِ تفسیر کے عین مطابق ہے جس سے قرآن پاک، رسول اللہؐ، صحابہ کرامؓ، جماعتِ انبیاءؑ اور اُن کے متبعین علماء ربانیین و مجددین عُظّام اور تمام شعائر اللہ کی عظمت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ زیر نظر ایڈیشن کو قارئین کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید اور معلومات افزا بنائیں۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل امور پر ہم نے کام کیا ہے۔

۱۔ عربی کے مشکل اور اصطلاحی الفاظ کی "بین القوسین" عبارتوں میں وضاحت کردی گئی ہے۔ اسی طرح جدید انگریزی الفاظ کی بھی توضیح کردی گئی ہے" تاکہ جدید اور قدیم تعلیم یافتہ دونوں طبقے بآسانی استفادہ کرسکیں۔

۲۔ حضرت امام سندھیؒ کی تفسیر میں بین السطور تفسیری رموز اور علمی نکات کو ہم نے حواشی میں عنوانات کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ اس میں اکثر جگہوں پر حضرت امام کی عبارت کے الفاظ ہی سے عنوان قائم کیا گیا ہے تاہم چند مقامات پر حضرت امام کے مقصد اور علمی تفسیری نکتہ کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

۳۔ جہاں کہیں امام سندھیؒ نے کسی قدیم آسمانی کتاب کا حوالہ دیا یا کتبِ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف،

تاریخ وغیرہ کے حوالے دیے ہیں۔ اِن حوالوں کی اصل عبارات جدید ایڈیشنوں سے مطلوبہ مقامات پر درج کر دی گئی ہیں۔ حوالہ میں کتاب کا پورا نام، مصنّف، طبع اور سنِ طبع کی پوری پوری نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۴۔ قارئین کی سہولت کے لیے شروع میں عنوانات کی فہرست بھی قائم کر دی ہے اور ہر عنوان کے ماخذ یعنی آیت نمبر کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔

آخر میں محترم دوست محقق علوم ولی اللّٰہی حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب مدظلہٗ کا بھی انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے مسودہ پر نظرِثانی کی اور حواشی وعنوانات میں اصلاحات فرمائیں، اور اپنے ان تمام دوستوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے حوالہ جات کی تلاش اور مسودہ کی دوبارہ کتابت میں معاونت کی۔

جزاھم اللّٰہ احسن الجزاء

اسی طرح مولانا محمد عباس شاد صاحب اور قاری محبوب الرحمٰن انور صاحب انتہائی مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے حصّہ میں طباعت کے عظیم کام کی ذمّہ داری آئی۔ انہوں نے چار پانچ مرتبہ کتابت وتصحیح کے بعد نہایت دیدہ زیب انداز میں اس تفسیر کو چھپوایا۔

اللّٰہ پاک ہماری اس جدوجہد کو قبول ومنظور فرمائے اور تمام اُمّتِ مُسلمہ میں بیداری اور فہمِ قرآن کا ذریعہ بنائے اور پوری انسانیت کو اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

فقیرِ بے نوا

عبدالقدیر عفا اللّٰہ عنہ

مقیم جوار جامع مسجد چشتیاں (بہاولنگر)

۲۰۔ اگست ۱۹۹۷ء

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا منفرد تفسیری اسلوب جدید تقاضوں کے تناظر میں

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنے دور کی نابغہ روزگار شخصیت ہیں، انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی جدوجہد میں بڑی جرأت اور کمال مستقل مزاجی کے ساتھ حصہ لیا۔ اور اس حوالہ سے انہیں طویل جلاوطنی اور بڑی صبر آزما جدوجہد اور مشکلات سے گزرنا پڑا، اور ان تمام مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے آزادی و حریت کے لیئے اپنی زندگی کی تمام توانائیوں کو صرف کیا۔

اصل حقیقت جو انہیں اپنے ہم عصر دینی اور قومی راہنماؤں سے ممتاز حیثیت عطا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے آزادی کے حصول کے لئے طویل جلاوطنی کے دوران ایک دوسرے سے الگ جغرافیائی حدود میں واقع مختلف ممالک کی سیاحت کی، اور وہاں پر موجود قدیم سماجی اداروں اور پرانے نظام ہائے حیات کو اپنی آنکھوں سے ٹوٹتے دیکھا، اور جدید نظام پر سماجی تشکیل نو کے تیز رفتار کاموں کا بھی بخوبی مشاہدہ کیا، اس طرح مختلف معاشروں کی بنیادی ساخت اور ان میں کام کرنے والے واقعی کردار اور سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا خوب غور وفکر اور تجزیاتی نقطہ نگاہ سے آپ نے مشاہدہ کیا۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، معاشی اور سماجی شناخت سے محرومی کا معروضی حقائق کی بنیاد پر ایک ایسا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جو معمولی رد و بدل کے ساتھ آج بھی اس خطے میں موجود معاشرتی حقائق کے صحیح خدوخال کو واضح کرتا ہے۔

قدیم و جدید سماجیات کے اس وسیع مطالعہ اور سائنسی بنیادوں پر حقیقت پسندانہ غور و فکر نے ان کے سامنے برصغیر کی سماجی تشکیل نو کے راہنما خطوط واضح کر دیئے۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں سایہ حرم میں بیٹھ کر ان پر مزید غور و فکر کیا اور سماجی تشکیل نو کے لیئے ایک مربوط فکر اور جامع فلسفہ ترتیب دیا۔ اس کی روشنی میں ایسا نظام عمل تجویز کیا جس سے برصغیر پاک و ہند میں بسنے والی تمام اقوام اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے مسائل حل کر سکتی تھیں۔ مولانا کو ہمیشہ اپنے اس تجزیہ اور اس کی بنیاد پر پیش کردہ فلسفہ و فکر پر اتنا اعتماد رہا کہ ان کے خیال میں اس اعلیٰ فکر و فلسفہ اور راہ عمل کے بغیر یہاں کی اقوام ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتیں اور جلد یا بدیر انہیں اسی طرف آنا ہوگا، مولانا کے خیال میں اس خطے میں بسنے والی اقوام کو جذباتی اور رومانوی انداز فکر و عمل سے پرہیز کرنا ضروری

ہے اور سندھی نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھ کر زمین پر موجود حقائق کو قبول کر کے راہ عمل متعین کرنا ہی قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

مشکلات سے بھرپور جدوجہد آزادی کے اس طویل اور پرپیچ راستہ پر چلتے ہوئے اور اس اعلیٰ فکر اور راہ عمل کو متعین کرتے ہوئے جس چیز نے انہیں اعتماد اور یقین کی قوت بخشے رکھی اور ان کی قوت فکر و عمل کو جس کتاب نے مہمیز دیئے رکھی وہ یقیناً قرآن کریم اور اس کی آفاقی حکمت ہی تھی، انسانی سوسائٹی کے حوالے سے قرآنی حکمت کے اعلیٰ اور بلند تر فکر و شعور کا وہ ادراک تھا، جسے مولانا نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز کے ہر مرحلہ پر ایک نئی جہت سے اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا، قرآن حکیم کے لازوال اور بلند تر فکر و عمل نے قدم قدم پر آپ کی راہنمائی کی۔

اس دوران انہیں قرآن حکیم پر غور کرنے کا خوب موقع ملا، اجتماعی زندگی کے حقائق و واقعات کی سماجی تحلیل اور انسانی زندگی میں اس کے دور رس اثرات جانچنے کے لیئے انہوں نے قرآن حکیم سے مدد لی۔ یوں قرآن حکیم کے عالمگیر فکر اور اس کے آفاقی شعور کی روشنی میں انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر نو کی جدوجہد، مولانا کی زندگی کا بنیادی اور اساسی مقصد قرار پائی۔

قرآن حکیم کے حوالے سے مولانا سندھی کے فکری ارتقاء کا سفر ابتدائی تعلیم کے زمانہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اس کے لیئے آپ نے اپنے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کی راہنمائی میں متقدمین و متاخرین کی تفاسیر کا مطالعہ کیا، بالخصوص امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتابوں سے آپ کو بہت مدد ملی اور ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد قرآن حکیم کو سمجھنے کے حوالے سے ایک مربوط فکر اور راہ عمل سامنے آ گئی۔

اس تناظر میں آپ نے قرآن حکیم پر تدبر کا سلسلہ شروع کیا اور قرآن پاک کے معروضی مطالعہ کی روشنی میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے "الفوز الکبیر" میں جن اصول تفسیر کی نشاندہی کی تھی انہیں اپنے پیش نظر رکھا۔ نیز حجۃ اللہ البالغہ میں دین کے جن بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ہر سطح پر جس طرح سیاسی تشکیل و تفسیر کے بلند شعور کا اس کتاب میں تذکرہ ملتا ہے مولانا نے اس سے بہت حد تک استفادہ کیا۔ اس طرح گردوپیش میں موجودہ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے لیئے مولانا کے سامنے ایک مربوط فکر پر مبنی قرآنی حکمت کا بڑا وسیع افق روشن ہو گیا۔ یوں مولانا سندھی کے منفرد تفسیری اسلوب کا آغاز ہوتا ہے، دس بارہ سال کا عرصہ انہوں نے سندھ میں قرآنی حکمت کی تعلیم و تدریس پر صرف کیا، اس دوران جو سوالات اُبھرتے رہے اور جن مقامات پر مشکلات پیدا ہوتی رہیں اس سلسلے میں انہوں نے اپنے اُستاد اور مربی شیخ الہند مولانا محمود حسن سے رجوع کیئے رکھا اور ان کی راہنمائی میں قرآنی حکمت کے شعور و تدبر کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔

سندھ سے دیوبند اور پھر وہاں سے دہلی آمد تک قرآن فہمی کے حوالے سے آپ کا فکری اُسلوب ایک پُراعتماد مقام حاصل کر لیتا ہے۔ آپ کو اپنے تفسیری اسلوب اور قرآن فہمی کے منہج پر کامل اعتماد اور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے استاد کے حکم پر دہلی میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے قرآنی حکمت کو عام کرنے کے لیئے ایک

ادارے کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے، اس میں آپ کے پیش نظر قدیم تعلیم یافتہ حضرات ہی نہ تھے بلکہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآنی حکمت سے آشنا کرانا بھی آپ کا بنیادی مقصد تھا۔ اس ادارے میں تین سال تک آپ نے اپنے اسی تفسیری اسلوب پر درس قرآن حکیم کا سلسلہ قائم کئے رکھا جس سے استفادہ کرنے والے جدید و قدیم تعلیم یافتہ سبھی حضرات تھے۔ اس سے آپ کا ایک مقصد ان کے درمیان موجود خلیج کو پاٹ کر ایک مقصد اور مشن پر متفق کرنا بھی تھا، اس کا براہ راست تعلق جدوجہد آزادی کے مشن سے تھا۔ اس حوالے سے جدید سیاسی، معاشی اور سماجی افکار اور جدید سائنسی تجربات و نظریات کے پیش نظر جو مسائل دنیا بھر کے معاشروں میں پیدا ہو چکے تھے۔ انہیں قرآن حکیم کے لازوال فکر کی روشنی میں حل کرنے کا سلسلہ بھی آپ نے شروع کیا اور یوں "قرآن حکیم کو بطور ایک عالمگیر فکر کے پیش کرنے اور اسے اس حوالے سے متعارف کرانے کا سلسلہ قائم کیا۔

اس کے بعد آپ کا تحریک ریشمی رومال کے حوالے سے افغانستان جانا ہوا اور اگلے مراحل میں ماسکو اور استنبول کا سفر کیا دس بارہ سال کی اس طویل سیاحت اور صبر آزما جدوجہد کے دوران آپ کو اس خطے میں آنے والے مختلف انقلابات اور اس پر قائم ہونے والے نئے معاشروں کی تشکیل نو کو قریب سے دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملا، یوں اجتماعی زندگی کے اہم مراکز اور اعلیٰ اداروں کے راہنماؤں سے اس قدر قربت سے آپ کو ان معاشروں میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے عوامل، ان کی ساخت اور ان کے کردار کے مختلف گوشوں کا خوب تدبر سے سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ہاتھ آیا۔

اس مطالعہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ معاشروں کے عروج و زوال کے بنیادی عوامل کا رخ کیا ہوتا ہے؟ سوسائٹی میں پیدا ہونے والی مختلف اجتماعی لہریں اپنا راستہ کس رخ پر اور کیونکر متعین کرتی ہیں؟ اور اپنے ابھار اور کردار کے لئے کونسا طریقہ کار اپناتی ہیں؟ پیچیدہ معاشرتی لہروں کا حامل قبائلی خطہ افغانستان تھا اس کی آزادی و حریت کا کارنامہ تو خود آپ کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے۔ افغانستان کی آزادی کے تحریری معاہدے پر انگریز سفیر دستخط کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ حقیقت میں عبیداللہ سندھی کی فتح ہے۔

اس کے بعد سوویت یونین کے انقلاب کو آپ نے سفر ماسکو میں قریب سے دیکھا، آپ نے مشاہدہ کیا کہ انسانی عقل کے اپنے تیار کردہ افکار و نظریات کی بنیاد پر کس طرح سماجی تبدیلی اور انقلاب کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، چنانچہ ان افکار و نظریات کو صحیح تناظر میں آپ نے سمجھا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس نئے فکر و فلسفہ اور اس کے نظام عمل کا آپ نے حقیقت پسندانہ صحیح اور جامع تجزیہ کیا، اس کی خامیوں اور خوبیوں کو نوٹ کیا، پھر ترکی کے سفر میں وہاں کے انقلاب کو قریب سے دیکھا اور ترکی کے معاشرہ کی ساخت اور اس کے کردار کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا۔

دس بارہ سال کی اس طویل تجرباتی زندگی کے بعد آپ مکہ معظمہ پہنچتے ہیں، یہاں آپ کو ان تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں ایک بار پھر غور و فکر کا موقع ملتا ہے، ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ آپ اپنے فکر و فلسفہ پر قرآنی حکمت

کی روشنی میں دوبارہ غور و فکر کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ کے قیام کے دوران آپ کا فکری ارتقاء پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور آپ کا تفسیری اسلوب اور قرآن فہمی کا منہج بڑی جامعیت کے ساتھ سامنے آتا ہے، چنانچہ بارہ سال کے طویل عرصہ میں آپ نے حرم محترم کے سایہ میں بیٹھ کر درس قرآن کا سلسلہ قائم رکھا، اور قرآن حکیم کی حکمت کے وہ پہلو جن کا تعلق اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل سے ہے آپ نے انہیں خوب نکھارا، دور زوال میں جو تقاضے اور ذمہ داریاں قرآن حکیم کی روشنی میں سامنے آئیں، آپ نے ان کی نشاندہی کی، اپنے ماننے والوں سے قرآن حکیم جس عملی کردار کا مطالبہ کرتا ہے۔ مولانا نے اس پر سیر حاصل بحث و گفتگو فرمائی، سیاسی حوالے سے کسی سوسائٹی میں جو ذمہ داریاں قرآن حکیم عائد کرتا ہے۔ اور عوام اور حکمرانوں کے درمیان جو معاہدہ عمرانی، قرآن تشکیل دینا چاہتا ہے۔ مولانا نے اس کو جدید پیرایہ بیان میں واضح کیا، معاشی حوالے سے سوسائٹی میں موجود افراد کے درمیان جو پیداواری رشتے اور تعلقات وجود میں آتے ہیں، ان کی حقیقی نوعیت کے متعلق قرآن حکیم کی جو تعلیمات اور مختلف طبقوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مولانا نے جدید اسلوب میں اس پر روشنی ڈالی ہے، فکر و فلسفہ کے میدان میں سماجی زندگی کو باہم مربوط وحدت اجتماعی عطاء کرنے والے فکری مرکزہ کی، قرآن کریم جس طرح وضاحت کرتا ہے مولانا سندھی نے اس حوالہ سے سماجی فلاسفی کے دقیق اور پیچیدہ مسائل کو ایک مربوط فکر اور جامع فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔

اس سلسلے میں استدلال اور استنباط کے وہ تمام طریقے اختیار کیئے جو نصوص سے استنباط احکام کے لئے متقدمین فقہاء و مفسرین کے ہاں مسلمہ حیثیت کے حامل ہیں، کہیں بھی آپ نے سطحی علما کی طرح محض "اقتباس" پر اپنے استدلال کی بنیاد نہیں رکھی، بلکہ نصوص کی "عبارت" "اشارت" "دلالت" اور "مقتضیٰ" کو پیش نظر رکھ کر قرآنی نصوص کی تشریح و تفسیر فرمائی، یہ ایک بہت بڑا مشکل کام تھا ایک طرف دور جدید کے وہ پیچیدہ سیاسی، معاشی اور متنوع سماجی اور عمرانی مسائل تھے، جن کا حل قرآن حکیم سے نکالنا تھا، دوسری طرف قرآن فہمی کے لیئے ان بنیادی ضابطوں اور قواعد کو پیش نظر رکھنا تھا، جو قرآن کی "تفسیر بالرائے المذموم" کی بجائے اسے اجتہاد و استنباط کے اس صحیح تفسیری منہج پر ڈالتے ہیں، جو سلف کی چودہ سو سال کی محنت اور تسلسل کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں سلف کے تجدیدی کام کی نوعیت کو پیش نظر رکھنا از بس ضروری تھا اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق صحیح تناظر میں مسائل کا حل پیش کرنا بھی بنیادی، سماجی تقاضا تھا۔

ایسے میں مولانا عبید اللہ سندھی جیسا عالی دماغ تجربہ کار سیاسی مدبر، پختہ فکر والا عالم ربانی سماجوں کا تجربہ کرنیوالا سماجی مفکر ہی یہ کام کرسکتا تھا کہ وہ اس وادی پر خار میں قدم رکھے، چنانچہ مولانا نے اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی سرانجام دیا اور کما حقہ قرآن حکیم کی خدمت سرانجام دی۔

اس طرح ایک ایسا اسلوب تفسیر سامنے آیا، جس نے قرآن حکیم کے مطالعہ کے لیئے اجتماعی زندگی کی تشکیل نو کے حوالے سے نئی راہیں متعارف کروائیں، اس اسلوب تفسیر سے واقفیت، آج کے مسلم نوجوان کا فطری تقاضہ ہے یہ اس کا دینی ورثہ اور قومی اثاثہ ہے، اس اسلوب تفسیر سے آگاہی اسی طرح عمومی فائدہ کی حامل ہے، جس طرح علماء اور دانشوروں

کے لئے خصوصی فوائد کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج کا نوجوان اغیار کے سیاسی، معاشی اور سماجی افکار سے مرعوب ہے۔ اور ان کے نظام کا پس خوردہ بنا ہوا ہے۔ ایسے میں ضروری قرار پاتا ہے کہ وہ اپنے فکر و فلسفہ کی بنیادی کتاب "قرآن حکیم" سے راہنمائی حاصل کرے اور قرآن فہمی کے حوالے سے جو مشکلات اس کے سامنے آئیں انہیں حل کرنے کے لیے جہاں دیگر تفسیری مناہج اور اسالیب فکر موجود ہیں، مولانا سندھیؒ کا اسلوب تفسیر اپنی قدر و قیمت کے حوالے سے ایک ممتاز اور منفرد حیثیت لئے ہوئے ہے۔ اس کا مربوط اور جامع نظام فکر اور انسانی زندگی میں ہمہ جہتی کردار کے حوالے سے اس کی راہنمائی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اس دور میں جبکہ مسائل کا انبار ہمارے گرد و پیش موجود ہے۔ ایک جامع اور مربوط فکر سے استفادہ کریں تاکہ سوسائٹی میں وحدت فکر و عمل کی بنیاد پر مربوط اور امن قائم کرنیوالے اجتماعی اداروں کی صورت گری کی سبیل پیدا ہو اور ہم جس انتشار کی میں مبتلا ہیں، قرآنی تعلیمات کی روشنی میں عمل کرکے اپنے اندر قومی و ملی وحدت پیدا کریں اور ایک اکائی کی صورت اختیار کریں۔

مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ کا یہ منفرد تفسیری اسلوب "تفسیر الہام الرحمٰن" (عربی) میں بڑے بھرپور انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس تفسیر میں مولانا نے حیات اجتماعی کے تہہ در تہہ مسائل پر بڑے محققانہ انداز میں بحث کی ہے۔ قرآن حکیم جس خوبی کے ساتھ ان مسائل کے حوالے سے راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ مولانا نے اس کی تشریح و توضیح کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک پسماندہ اور غلام معاشرے میں قومی آزادی اور حریت کے جو تقاضے ابھرتے ہیں اور معاشرے کی سیاسی معاشی تہذیبی تشکیل نو کے لیے جن راہنما خطوط کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا نے جس مجتہدانہ بصیرت اور مہارت سے انہیں واضح کیا ہے۔ اس میں آپ ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

اسی طرح "تفسیر المقام المحمود" (اردو) میں بھی آپ کا یہ منفرد تفسیری اسلوب برقرار رہتا ہے اور بہت حد تک مختلف اجتماعی مسائل کی وضاحت اور تشریح کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ "انقلاب سیریز" کے حوالے سے مختلف قرآنی سورتوں کی تفسیر و توضیح بھی اس حوالے سے منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ جنہیں "قرآنی شعور انقلاب" کے نام سے "مکی دارالکتب لاہور" نے یکجا کر کے طبع کرا دیا ہے۔

مولانا سندھیؒ کے بعد مفسرین قرآن کی ایک جماعت ہے جن کی تفاسیر اور تراجم میں (کسی نہ کسی طور پر) مولانا کا اسلوب صاف طور پر نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بشیر احمد لدھیانوی اور مولانا سلطان محمود صاحب، سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ فتحپوری قابل ذکر شخصیات ہیں۔

زیر نظر تفسیر "المقام المحمود" کی طباعت اور اشاعت وقت کی بڑی اہم ضرورت تھی، بالخصوص اردو دان حضرات کے لیے اس سے استفادہ کرنا بڑا اہم تھا۔ ہمارے محترم مولانا محمد عباس شاد صاحب اور قاری محبوب الرحمٰن صاحب کی ہمت اور محنت سے یہ کتاب طبع ہو کر قارئین کے سامنے آ رہی ہے۔ یہ حضرات ہمارے شکریہ کے

مستحق ہیں، کہ انہوں نے بڑے جذبے اور لگن سے کام لے کر اسے ہم تک پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے اور علمائے حق اور اکابرین ربانیین کی جماعت سے وابستگی کو قبول فرما کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود نصیب فرمائے۔ آمین

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد

۲۷/۷/۹۷

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، ریلوے مسجد، ہارون آباد

حرفِ فکر

مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴۴ء) اس قافلہ کے ممتاز ترین فرد ہیں جس نے برعظیم کی آزادی کے لئے بنیادی اور لازوال کردار ادا کیا، وہ اپنے مربی اور استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سچے اور مخلص پیرو کار اور شاگرد تھے۔ انہی کے حکم پر وہ ہندوستان چھوڑ کر کابل گئے اور نہ صرف وہاں کے برسر اقتدار طبقے میں اپنے استاد کے اثر و رسوخ اور اپنی خداداد حکمت عملی کی وجہ سے گہرے اثرات چھوڑے بلکہ افغانستان کے استقلال کو ہمیشہ کے لئے حقیقت بنا گئے۔ کابل میں اعلی مسلم طبقہ کے نقائص سے آگاہی کے بعد سابق سوویت یونین گئے اور وہاں دیمک زدہ مذہب کو معاشرے کی لعنت سے خارج ہوتے دیکھا۔ لیکن اس سے انہیں اپنے سچے مذہب کی حکمت و فلسفہ پر عمیق انداز میں مطالعہ کا موقع ملا پھر ترکی میں مسلمانوں کی جذباتی امیدوں کے مرکزِ خلافت عثمانیہ کی پلٹی ہوئی بساط پر قائم کمالی حکومت کو جا پرکھنے کا موقع ملا اور بالآخر مکہ مکرمہ کے پر تاثیر ماحول میں اپنے مشاہدات و مطالعات کو قرآن کی حکمت کے زاویہ سے پرکھنے اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے قرآن حکیم کی فلاسفی سے گہری واقفیت کے لئے امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کو حرزِ جاں بنالیا۔

زیر نظر افادات قرآنی درحقیقت اسی عرصہ کی یادگار ہیں جو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے مکہ مکرمہ میں گذارا۔ یہ افادات مولانا عبداللہ لغاری مرحوم نے قلمبند کئے تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

یہ افادات دراصل قرآن حکیم کے حقائق میں غور و خوض کی علامت ہیں۔ قرآن حکیم کے حقائق لامحدود اور اس کی ہر آیت اپنے ظاہری مفہوم کے ساتھ ساتھ باطنی حقیقت سے مالامال ہے اور ہر دور کے مفسرین نے اپنے عصری تقاضوں اور داخلی رجحانات کے سبب قرآن کو کسی ایک زاویہ سے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور پھر اس کی گہرائی میں جاکر علم کی ایک نئی دنیا آباد کردی۔ کسی مفسر نے اپنی علمی کاوش کو حرف آخر اور میزان حق ہی قرار دیا اور نہ ہی کسی دوسرے مفسر کی تحقیقی محنت کو بے وقعت جانا، چنانچہ علمی ورثہ میں لغوی، نحوی، فقہی، بلاغی، ادبی، مذہبی، فلسفی، اور تصوفی رجحانات کی حامل متنوع تفاسیر شامل ہیں۔ ان مفسرین میں ایسے افراد بھی ہیں جو کچھ مسائل میں اپنی منفرد رائے بھی رکھتے ہیں، اس تناظر میں ان سے اختلاف بھی کیا گیا ہے اور اتفاق رکھنے والوں کی تعداد بھی موجود رہی ہے۔ لیکن یہ اتفاق و اختلاف ایک خاص دائرے کے اندر رہا ہے۔ اس کو کبھی بھی کردار کشی کا ذریعہ نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اسے اسلام و کفر کے مابین معرکہ آرائی کے حوالہ سے دیکھا گیا ہے۔ اور یہی ایک صحت مند معاشرے کی پہچان ہوتی ہے کہ علمی بنیادوں پر آراء کا اختلاف سوچنے والے ذہنوں کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ اور انہیں حوصلہ دیتا ہے کہ وہ عصری رجحانات میں چھان پھٹک کر سکے اس کے صالح عنصر کو اپنی ماضی کی اعلیٰ قدروں سے ہم آہنگ کریں۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے قرآنی افادات کسی صورت گزشتہ تفاسیر کے انکار کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے برعکس ان سے بھر پور استفادہ کے ساتھ ساتھ آیات میں غوطہ زنی کے ذریعہ معارف کی تلاش پر مبنی ہیں وہ تو اپنے معاصر مفسرین سے استفادہ میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے چنانچہ بعض حضرات کا نام لے کر انہوں نے تذکرہ بھی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی آیات پر اجتماعی حوالہ سے غور و خوض کر کے معاشرے کے عروج و زوال کو اپنا خصوصی میدان تحقیق کے طور پر منتخب کیا ہے۔

اس سلسلے میں ان کے سامنے قرآن کا یہ ارشاد رہا ہے فاعتبروا یااولی الابصار "کہ اہلِ بصیرت اعتبار سے کام لیں۔ اور اعتبار اس عمل کا نام ہے کہ درپیش مسائل کو قرآن کے ارشادات و آیات کی روشنی میں زیر بحث لا کر ان کا متوازن حل تجویز کیا جائے۔ قرآن حکیم کی یہ آیات غزوہ بنو نضیر کے پس منظر میں نازل ہوئی اور جو اپنے متبادر مفہوم میں بنو نضیر کے زوال سے نتائج اخذ کرنے کی دعوت پر مبنی ہے۔ لیکن فقہاء کرام نے اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے اس سے اصول قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا جو یقیناً اس کا ایک دور کا مفہوم ہے اور اس استدلال پر کسی نے فقہاء کی دین دوستی کو چیلنج نہیں کیا تو اگر کوئی صاحب فکر اس فقہی استنباط سے کہیں قریب تر مفہوم یعنی قوموں کے اجتماعی عروج و زوال کے حوالے سے سوچنے کی ریت ڈالے اور امت مسلمہ کو شعوری اعتبار پر قرآن سے جوڑنے کی سعی کرے تو اس کی نیت پر کیوں کر شک کیا جائے اور اسے گمراہی کیوں کر تصور کیا جائے؟

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے حکم پر قائم نظارۃ المعارف القرآنیہ کے کام (مطالعہ قرآن) کو آگے بڑھایا۔ واضح رہے کہ اس ادارہ میں دی گئی تعلیم پر شیخ الہند نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ارشاد پر ہی مولانا سندھیؒ نے اپنے قرآنی افادات میں امام شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ کو اساسی حیثیت دی ہے۔

مولانا سندھیؒ کے قرآنی افادات درحقیقت تکملہ ہیں اس کام کا جو حضرت شیخ الہند نے خانقاہ عالیہ رائے پور کے بانی صدر نشین حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری کے پُر زور اصرار پر قرآن حکیم کے ترجمہ کی صورت میں کیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا سندھیؒ قرآن حکیم کے متبادر مفہوم کے کسی طور منکر نہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے استاد کے ترجمہ پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے قرآنی افادات سے صحیح طور پر استفادہ کا طریقہ یہی ہے کہ قرآن حکیم کے ترجمہ شیخ الہند اور امام شاہ ولی اللہ اور امام شاہ عبدالقادر کے تفسیری نکات سے آگاہی حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان کو افکار ولی اللہی کی وضاحت تصور کیا جائے۔

سلف میں قرآنی اشارات پر مبنی تفسیر کبھی اجنبی نہیں رہی اور مولانا سندھی کے قرآنی افادات کسی طور پر ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ وہ ظاہری معنی کو تسلیم کر کے نظم قرآنی کے مطابق اپنے مفہوم کی نشاندہی کرتے ہیں جو قرآن کے بنیادی اصولوں اور مقاصد نزول کی ترجمانی کرتا ہے۔ نیز نزول قرآن کے وقت عربوں کی اجتماعی حالت اور دور حاضر کی اجتماعیت کے تقاضے ان کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ جس سے ان ذہنوں کو یقیناً الجھن ہو سکتی ہے جو صرف اور صرف دور عباسی اور

اس کے بعد کے رجحانات سے مانوس ہیں۔ جن کے ہاں قرآن اعلیٰ عربی لٹریچر کی کتاب تو ہے لیکن مسائل کے حل کے لئے دیگر دینی کتب سے رجوع ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

مولانا سندھیؒ اس امر کی شعوری کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کو نہ صرف عقیدے کی حد تک بلکہ عملی و تطبیقی طور پر بھی تمام دیگر دینی کتب (بشمول کتب حدیث و فقہ) پر بالادستی دی جائے وہ قرآن حکیم کے مقابلہ میں کسی اور کی اہمیت ماننے کے لئے تیار نہیں تاہم اس کے بعد دوسرے درجہ میں نہ صرف دینی لٹریچر کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان پر مبنی فکر کے تاریخی تسلسل کے بغیر آگے بڑھنے کو خطرناک تصور کرتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم کو فقہی مسائل کی کتاب یا واقعات کی دستاویز کی بجائے کتاب حکمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ ان کا خود ساختہ اندازِ فکر نہیں بلکہ وہ قرآن کی اپنے بارے میں بصورت قسم "حکیم" ہونے کی گواہی کو حرف سمجھ کر تمام آیات قرآنی کو اس گواہی کی تائید میں لا کھڑا کرتے ہیں۔

پھر وہ قرآن کو محض نظری حکمت کی کتاب نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کو کتاب عمل کے طور پر بھی نمایاں کرتے ہیں۔ جو درحقیقت نزول قرآن کا حقیقی مقصد ہے۔ اسی لئے وہ غفلت، کاہلی اور تعیش پرستانہ زندگی کی شدت سے نفی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مسئلہ شفاعت کی اس تعبیر کو بھی قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ مسیحی عقیدہ کفارہ کا دوسرا ایڈیشن بن جاتا ہے۔ لیکن یہ ان کا متوازن فکر ہے کہ وہ شفاعت کا انکار نہیں کرتے بلکہ بتاتے ہیں کہ یہ شفاعت بھی بعض اعلیٰ انسانی احساسات و خیالات کا ہی نتیجہ ہوگی۔ جو اس کے اعمالنامے میں درج ہونے سے اس بنا پر رہ گئے ہوں گے کہ ان تک مقررہ نظام کے ذمہ دار فرشتوں کی رسائی نہیں ہو سکی ہوگی۔

قرآن کے کتابِ حکمت ہونے کے ناطے وہ غلبہ اسلام کے لئے پہلے درجے میں سیاسی فتح کو اساس ماننے کی بجائے ذہنیت کی تبدیلی کو بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہیں کہ یہی امر معاشی تبدیلی کا سنگ بنیاد ہے۔ اس طرح وہ اپنے ان ہم عصروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو اوّل تا آخر ایک سیاسی مذہب کے روپ میں پیش کیا۔ اور اسی فکر نے معاشرے میں سیاسی مخالفوں کو کافر قرار دینے کی روایت کو پروان چڑھا کر تشدد و تخریب کاری کی داغ بیل ڈالی ہے۔

آج دنیا میں سیاسی مذہب ہی اسلام کے نام پر بدنامی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ جبکہ مولانا سندھیؒ اس کو فکری و معاشرتی مذہب کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔ اسی بناء پر قرآن حکیم کی مکی و مدنی آیات بھی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مولانا سندھیؒ نے سورتوں اور آیات کے باہمی ربط کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ اور وہ اس سلسلے میں محض نظری طور پر نہیں بلکہ حقائق و مشاہدات کے حوالے سے بھی آیات کے باہمی ربط کو نمایاں کرتے ہیں۔ اور اس پر اپنے فکر کو استوار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کرتے ہیں کہ انسان پر سب سے بڑا انعام اس کی روحانی ترقی ہے جس کے لئے وہ انتہائی عبادت سجدہ کی صورت میں بجا لاتا ہے۔ لیکن یہ روحانی ترقی، معاشرتی اصلاح احوال (انقلاب) کے بغیر ادھوری اور نامکمل بلکہ بسا اوقات ایک فریب ہے۔ گویا سماج کے لئے صالح کردار کے بغیر روحانی ترقی ناممکن ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ قرآنی حوالہ سے اس امر کو بھی نمایاں کرتے ہیں کہ قومی نظام کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے

تعلق ضروری ہے، ورنہ یہ نظام، انسانیت کے لئے وبال کا باعث بن جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ غریبوں کے نام پر جدوجہد کرنیوالے کامیابی کے بعد حکمرانی کے نشہ میں مست ہو کر غریبوں پر عرصہ حیات تنگ کرنیکا باعث بن جاتے ہیں۔ اور سرکشی پر اتر آتے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ بالآخر قومی نظام، سامراجی نظام میں تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

مولانا سندھیؒ اس تفسیری روش سے بھی اختلاف کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تمام آیات کو بدوی (سطحی) ذہنیت کے مطابق پیش کیا جائے اس کے برعکس ان کا کہنا ہے کہ قرآنی آیات مختلف ذہنیتوں کے مطابق نازل کی گئی ہیں اور ان میں اعلیٰ درجہ کے صاحب حکمت طبقہ کی ذہنیت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ گویا اس حوالہ سے ان کے نزدیک قرآن حکیم کتاب تمدن بھی ہے۔ اسی بنا پر قرآن معاشرے میں اظہار رائے کی آزادی اور معاشی خوشحالی کو ضروری قرار دیتا ہے کہ ان کے بغیر تمدن کھوکھلا اور تباہ ہو جاتا ہے۔

الغرض مولانا عبیداللہ سندھی کے قرآنی افادات اگر معروف اور محدود معنوں میں تفسیر کے زمرے میں شامل نہ بھی ہوں، تب بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ "اعتبار"، "تاویل"، اور "تدبر اور درایۃ القرآن" کے دائرے سے کسی صورت تجاوز نہیں کرتے اور مولانا سندھی کا ان افادات کے ذریعہ اہل حکمت کو پیغام ہے کہ وہ قرآنی حکمت سے بہرہ ور ہو کر اپنے اجتماعی مسائل کے حل کے لئے اس سے رجوع کریں اور جب بھی کوئی ایسی اجتماعیت منظم ہو گی جو قرآنی حکمت کی اساس پر سماج میں تبدیلی کو اپنا نصب العین قرار دے تو یقیناً یہ افادات اس کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے زیر نظر قرآنی افادات المقام المحمود کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ المقام المحمود کا اصل نسخہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے پاس ہے اور اس کی مائیکرو اور فوٹو سٹیٹ ادارہ مذکورہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

مولانا عبداللہ بن نہال خان لغاری نے سورۃ الفاتحہ اور سورۂ یونس سے سورۃ الناس تک کے افادات مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے بالمشافہ سنے اور تحریر کئے۔ جبکہ سورۃ بقرہ سے سورۃ التوبہ تک اس کے افادات جناب فیروز خان صاحب نے مولانا سندھی سے سن کر قلمبند کئے جن کو بعد ازیں مولانا لغاری نے مولانا سندھی کے ارشاد پر نقل کیا۔

ہماری رائے میں اہل مدارس کو اپنے خصوصی منتہائے مطالعہ قرآن میں المقام المحمود کو شامل کرنا چاہیئے تاکہ وہ عصر حاضر میں اسلام کی متوازن تعبیر پر دسترس حاصل کر کے نسل نو کی درست خطوط پر رہنمائی کر سکیں۔ نیز ملکی جامعات اور اپنے اعلیٰ تعلیمی نصابوں میں اس تفسیر کو شامل کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے اور نہ صرف یہ بلکہ اگر مجوزہ قرآنی فیکلٹی میں برعظیم (پاک، ہند و بنگلہ دیش) کے حوالہ سے تفسیری کام اور بالخصوص امام شاہ ولی اللہ اور ان کے سلسلہ کی تفسیری کاوشوں پر مستقل شعبہ قائم کر دیا جائے تو اس سے اس فیکلٹی کی افادیت نہ صرف بڑھ جائے گی بلکہ افکار میں جمود و تعطل کی جگہ ارتقاء و حرکت کے ذریعہ نئے افق کی تلاش ممکن ہو سکے گی جس کی ملت اسلامیہ کو اشد ضرورت ہے اسی طرح مساجد میں درس قرآن کا اہتمام کرنیوالے علماء و خطباء اس تفسیر کے ذریعہ اپنے ارشادات کو زیادہ بامعنی اور پرمغز بنا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے ہاں بھی اس تفسیر کو پذیرائی حاصل ہو گی۔

مفتی سعید الرحمٰن (استاد جامعہ بہاؤالدین زکریا۔ ملتان

حرفِ خیال

قرآن حکیم، انسانی سماج کو صحت مند خطوط پر استوار کرنے کا نقیب یزداں ہے۔ اس نے انسانی نفسیات کے نشیب و فراز ملحوظ رکھتے ہوئے سماجیات کے ارتقاء کے لئے صراطِ مستقیم کا تعین کیا جس کی بناء پر وہ صدیوں سے اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس کی یہ موجودگی انسانیت کو درپیش گمبھیر اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے ایک موثر اور قابل عمل دعوت دے رہی ہے۔

اسی بناء پر قرآن حکیم کی حکمت کی تعبیر و ترجمانی ہر دور میں فاضل مفسرین کرام اپنے شعور و بصیرت اور معروضی حالات کے تناظر میں اپنی بساط کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی قابل قدر کاوشوں کے نتیجے میں ایک شاندار ذخیرہ اسلامی ورثہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن دنیا جب صنعتی و سماجی انقلابات سے دوچار ہونے کے باعث ایک نئے دور میں داخل ہوئی تو اس کے تقاضے یکسر متنوع اور مختلف ہو گئے۔ پھر اس عرصہ میں سوء اتفاق سے مسلم معاشرے بھی سماجی و علمی طور پر پسماندگی سے دوچار ہو گئے یوں زوال کی ہمہ گیر صورت حال نے مجموعی طور پر دماغوں کو ماؤف اور اعضاء و جوارح کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان حالات میں برعظیم کی خوش قسمتی تھی کہ دہلی میں امام شاہ ولی اللہ کی صورت میں وہ نبض شناس عصر ماہر حکمت پیدا ہوتا ہے، جس نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و تصوف جیسے بنیادی اسلامی علوم کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ مسلم معاشروں کے مد و جزر کا بھی دوررس نگاہوں سے جائزہ لیا گرد و پیش کے حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر نئے دور کے تقاضوں کی نشاندہی کر کے انقلابی و ارتقائی مراحل کی نشاندہی کی، بعد ازیں ان ولی اللہی علوم و معارف کی ترجمانی کی سعادت موجودہ صدی کی نابغہ روزگار شخصیت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو حاصل ہوئی۔

مولانا سندھیؒ کو اپنے دور کے مستند علماء ربانی اور صاحب دل مشائخ کی صحبت میں اپنی زندگی کے وہ قیمتی ایام گزارنے کا شعوری موقعہ ملا جن میں انسان کی سوچ کے زاویئے متعین ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محبوب استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ولی اللہی حکمت سے ایسی گہری وابستگی کا سبق حاصل کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلابات تک اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کے حوالہ سے صنعتی دور کے پرپیچ مسائل کے حل کی ایسے انقلابی راہ کی نشاندہی کی کہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کسی احساس شکست و مرعوبیت کی بجائے دین اسلام کی حیات آفرینی کا خوشگوار احساس ہوتا ہے۔

مولانا سندھی کی جانب سے قرآنی حکمت کی ترجمانی کا انداز یقیناً دیگر مفسرین کے انداز بیان سے مختلف ہے لیکن یہ اختلاف مسائل کے ادراک اور ان کے حل کے لیے روح عصر تک رسائی کا اختلاف ہے۔ یہ کسی بنیادی اسلامی

عقیدہ یا اجتماعی سوننت سے اتفاق یا انحراف پر مبنی حقیقی اختلاف نہیں بالفاظ دیگر یہ دلیل و برہان کا اختلاف نہیں بلکہ عصر و زمان کا اختلاف ہے جس کی بنا پر اسلام و کفر کے پیمانوں میں تول کر جنگ و جدل یا طعن و تشنیع کا ماحول گرم کرنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن تنگ نظر عناصر اس حوالہ سے گنجائش نکال ہی لیتے ہیں۔

مولانا سندھی کی زبان سے بے پناہ علمی وسعت، شعوری عمق، وسیع مشاہدہ، متنوع تجربات اور اعلےٰ دماغ کے حامل ہونے کے سبب "انا و لاغیری" کا نعرہ بلند ہونا کسی اچنبھے کی بات نہ ہوتی لیکن مشائخ ربانی اور علماء حقانی کی صحبت و رفاقت میں زانوئے تلمذ و ارادت طے کرنے کی وجہ سے اس میں ایسا ٹھہراؤ اور جامعیت آگئی۔ کہ وہ ایک طرف قرآنی حکمت کے بحر بے کراں میں غوطہ زن ہیں۔ تو دوسری طرف وہ سنت کو اس کا حقیقی مقام دینے پر کسی معذرت خواہانہ رویہ کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ انکار حدیث کو قرآنی حکمت کے معاشرے میں ظہور کے بنیادی تقاضے کے منافی سمجھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ فقہاء کرام کی کاوشوں کو سماج کے ارتقاء کا ایک ناگزیر تقاضہ گردانتے ہیں۔ اور پھر وہ مسلم دنیا پر چھائی ہوئی مرعوبیت کے بوجھل ماحول میں تصوف کی اہمیت پر گفتگو اس انداز سے کرتے ہیں کہ تصوف ایک ترقی پذیر اور ترقی یافتہ معاشرے کی ناگزیر ضرورت قرار پاتا ہے۔ اور یوں وہ تمام اعتراضات از خود اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں جو ان پر اجنبی اور غیر مسلم ماحول سے متاثر ہونے کے حوالے سے عائد کئے جاتے ہیں۔ اور جن کی تان ان کے ایمان تک کو مشکوک بنانے کے حد درجہ افسوسناک مرحلہ پر ٹوٹتی ہے۔

مولانا سندھیؒ نے عصر حاضر میں تجدیدی کام کے لئے جس طریقے کی نشاندہی کی ہے وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے کہ قرآن و سنت کو سمجھنے اور سمجھانے ان کے مقاصد اور مطالب کو ملت اسلامیہ کے ذہن نشین کرانے اور ان کو ملی فکر و عمل میں رچانے کے سلسلے میں ہماری تاریخ میں اب تک جو علمی کوشش ہو چکی ہیں آج ان کا پورا احاطہ کیا جائے، ان کے کھرے کھوٹے کو پرکھا جائے، فقہ اسلامی اب تک جن ادوار سے گزر چکی ہے اور خاص حالات اور مخصوص اسباب نے اس فقہ کو جیسے جیسے قالبوں میں ڈھالا تھا اور مسلمان قانون سازوں نے شرعی احکام کی تشکیل میں جن مصالح کو پیش نظر رکھا تھا ان کا جائزہ لیا جائے۔ نیز احادیث کی جمع و تدوین میں مختلف محدثین کا کیا مسلک تھا؟ احادیث کے مجموعوں میں کون سی کتاب اقرب الی الصواب ہے اور ہم کس نظر سے احادیث کو جانچ پرکھ کر آج اس زمانے میں ملت کے لئے ان کو اسوۂ عمل بنا سکتے ہیں۔ اس کا تعین کیا جائے پھر قرآن کے حقائق مطالب کی کنہ تک پہنچنے کے لئے ہمارے مفسرین اب تک کیا کیا کوشش کر چکے ہیں۔ ان کا پورا احصاء کر کے قرآنی تعلیمات کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد تصوف اور علم کلام آتے ہیں۔ علم کی ان دو شقوں میں مسلمان صوفیاء اور متکلمین نے حکمت و معرفت کا ایک لازوال ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے انسانی ذہن بڑا فیضان حاصل کر سکتا ہے۔ تصوف و کلام کے اس اثاثے کو بھی تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ۲۱، ۲۲)

مولانا سندھیؒ نے قرآنی حکمت کو معروضی حقائق کے حوالے سے آشکارا کیا ہے۔ یوں انہوں نے آج کے سوچنے

والے دماغوں کو دین فطرت کی طرف لانے کی سعی مشکور انجام دی ہے انہوں نے قرآنی حکمت کو آج کی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان اس کا شعور اور ادراک حاصل کر کے دین بیزار سامراجی حلقوں کی حکمت عملی کے سحر سے بآسانی نکل سکتا ہے۔ مولانا سندھیؒ کا روئے سخن مغرب کے سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان کی طرف ہے وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے مفسرین کی کاوشوں کی نفی کرنا نہیں بلکہ وہ تو اکثر و بیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے سے احتیاط برتتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں۔

"قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے وہاں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اصول کو اپنے لیے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، مولانا اسماعیل شہید، اور مولانا محمد قاسم کے اقوال کو حجت بنایا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر و رائے کی بناء پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کر دیں مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں اباء نہ کریں (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۸۲)

زیر نظر تفسیر میں مولانا سندھیؒ کے حوالہ سے قرآن حکیم کی حکمت کو عصری انداز فکر کے حوالہ سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے گہرے مطالعے سے قاری بالخصوص باشعور نوجوان اپنے فکری انتشار، علمی تشنگی اور روحانی قلق کی جگہ شعور و بصیرت پر مبنی اطمینان قلب اور فکری بالیدگی محسوس کرے گا۔

یوں یہ تفسیری مجموعہ ظاہری و معنوی خصوصیات کے ساتھ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔

اس تفسیر کو اس انداز میں منظر عام لانے پر مکّی دار الکتب لاہور ہدیہ تشکر کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور اس کے مطالعہ کو انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں منعکس فرمائے۔ آمین

(ڈاکٹر مفتی) سعید الرحمٰن
استاد جامعہ بہاؤ الدین زکریا ملتان
یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء

ؤ

تفسیر المقام المحمود کی اہمیت

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شکر ہے اس پروردگار رب الاعلیٰ رب العظیم کا جس کی عنایت و رحم و کرم کے طفیل اس عظیم الشان اور نادر تفسیر کا ایک جزو (پہلی منزل) شائع ہو رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوسرے اجزاء بھی شائع ہو جائیں گے اور مسلمانوں اور شائقین قرآن کے لئے مشعل علوم و کوائف ثابت ہوں گے۔

یہ تفسیر مولانا عبید اللہ سندھیؒ مکہ معظمہ کے پُرانوار ماحول میں اپنے تلامیذ اور محبین قرآن کے سامنے پیش کرتے تھے اور ان کے تلمیذ اور سفر کابل کے رفیق مولانا عبد اللہ لغاری صاحب روزانہ قلمبند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دو سال کی مسلسل محنت اور جفاکشی سے یہ ساری تفسیر قلمبند ہو گئی۔ اس کی نقلیں دہلی، لاہور، کراچی وغیرہ میں بھی موجود ہیں لیکن اس کا اصل نسخہ جو خود مولانا لغاری صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

تفسیر کی اہمیت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ علمائے ہند میں ایک اعلیٰ پائے کے مستند عالم اور اہل اللہ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت، دینی علوم و فنون کے مطالعے اور مسلمانوں کی سیاسی اور علمی برتری کے حصول کے لئے وقف کر دی تھی۔ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ للہیت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ خوش قسمتی سے ان کو اعلیٰ پایہ کے استاد مل گئے۔ اور روحانیت کے سلسلے میں قطب زمان حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی اور عارف باللہ حضرت غلام محمد صاحب خانپوری جیسے بزرگوں کی صحبت اور ارشاد میسر ہوا جس کی برکت سے مولانا صاحب کا علمی، روحانی اور عملی پایہ بہت ہی بلند و اعلیٰ ہو گیا۔

مولانا صاحب ایک طرف علوم عقلیہ کے ماہر تھے دوسری طرف علوم نقلیہ، علم حدیث، علم تفسیر و علوم الاصول میں بے نظیر دسترس رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ جدید علوم کا بھی مطالعہ کیا تھا اور قوموں کی سیاست اور ترقی و تمدن کے حالات اور اصول کی گہرائیوں تک غور و فکر کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور تعلیمات کے مطالعہ اور اس کی اہمیت کے معلوم کرنے اور تدقیق و تحقیق میں گذارا۔ دنیا کی بھی سیر و سیاحت کی اور چشم دید حالات و حقائق سے روشناس ہوئے۔

تفسیر قرآن مولانا صاحب کا عمر بھر کا مرغوب ترین مشغلہ رہا ہے۔ ان کی ابتدائی تفسیر جو انہوں نے قیام دہلی کے دوران میں پہلی عالمی جنگ سے پہلے مرتب کی تھی۔ ان کی نقلیں سندھ یونیورسٹی حیدر آباد اور دوسری جگہوں میں موجود ہیں۔

لیکن یہ تفسیر جواب شائع ہو رہی ہے اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ مولانا صاحب کا تجربہ ومشاہدہ اور علمی معیار بہت بڑھ چکا تھا۔ اس وقت تک ان کا نقطۂ نظر بہت ہی وسیع ہو چکا تھا اور ان کا قلب دیار حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فیوض الحرمین کے انوار کا منبع بن چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر بڑے بڑے علمی مباحث اور نکات و رموز سے پُر ہے اس میں جدید فلسفہ اور سائنس کے اصول، سیاسیات اور تمدن وارتقاء ملل کی تعلیمات وغیرہ سبھی کی اثراندازی موجود ہے تاہم کہیں بھی عقل کو روحانیت اور طبیعات کو اشراقیت پر اس قدر فوقیت نہیں دی گئی کہ اصولی عقائد میں سلف صالحین سے کسی بھی اہم بات میں لاینحل اختلاف ہو۔

اس تفسیر میں یہ خصوصیت ہے کہ طبیعات اور جدید سائنس اور علوم کو بھی قرآنی مسائل کے سمجھنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی نقطۂ نظر سے ان کی اصلیت کا اندازہ لگانے کے راستے بھی دکھائے گئے ہیں۔ موجودہ زمانے میں جو مختلف حالات اور رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان سب میں قرآن پاک ہی سے ہدایت حاصل کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے اسی وجہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک انسانی ہدایت کے لئے ایک بین الاقوامی راہ ہے اور نجات دلانے کا ایک واحد مصدر عام ہے۔ اس میں انسانیت کے لئے ہر زمانے اور تمام حالات میں نور ہدایت، راہ نجات اور فلاح وعروج کے لئے فیوض وبرکات میسر ہوتے رہیں گے۔ یہ تفسیر بعض دیگر تفسیروں سے مختلف ہے جن میں فقط شان نزول اور اسرائیلی قصے اور کہانیوں پر اکتفا کرنے کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن فقط مخصوص مواقع اور گذشتہ زمانے کے لئے ہی نازل ہوا تھا۔ لیکن اس تفسیر سے قرآن شریف کی تعلیمات کی عمومیت اور بین الاقوامیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ تعلیم جو ساری انسانیت کے لئے اور ہر وقت، ہر زمانے اور ہر قوم کیلئے ہے حاصل ہو سکتی ہے۔

اس تفسیر میں بعض جگہ بہت بڑے بڑے مضامین، اعلٰے افکار اور دقیق مسائل بھی زیر بحث آئے۔ اس وجہ سے بعض مواقع قدرے مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ان کا سمجھنا اور حل کرنا مشکل نہیں۔ بعض مواقع پر کافی تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

ہر مفکر اور مفسر کا کوئی نہ کوئی علمی اور ذہنی موقف ہوتا ہے۔ اس تفسیر میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ صاحب کا علمی اور فلسفی موقف شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت اور فلسفہ وتعلیم ہے۔ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی بکثرت اصطلاحات اور الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو اس حکمت اور فلسفے سے روشناس ہوں گے۔ ان کو اس تفسیر کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ ایسے الفاظ واصطلاحات یہ ہیں، روح اعظم یا روح اکبر، شان الٰہی، ابداع، خلق، تدبیر، عرش، ماء، ملأ الاعلیٰ، حظیرۃ القدس، تجلی، حیوانیت، بہیمیت، ملکیت۔ عالم الشہادہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور حکمت سے اگر ہمارا تعلق ہو گا تو ہم کو قرآن پاک کے مختلف رموز وحقائق سے زیادہ وقوف حاصل ہو گا۔ اور پھر ہمیں اس تفسیر کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ قرآن انسان کی فطری ضروریات اور حاجات کو پورا کرنے کے لئے ضروری اسباب وسامان مہیا کرتا ہے اور طریقے بھی بتاتا ہے۔ اور واقعی اسلام دین فطرت ہے اور قرآن تعلیماتِ دین فطرت کی حامل ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ قارئین کی سہولت کے لئے قرآن شریف کی آیات اور ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا ہے۔ جو مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے استاد تھے۔ تفسیر کے جامع مولانا عبداللہ لغاری صاحب کے مشورہ ہی سے یہ ترجمہ منتخب کیا گیا ہے تاکہ دونوں بزرگوں کی قرآنی خدمات سے استفادہ ہو سکے۔

اللہ پاک ہم سب کو قرآن کے علوم وحقائق سے آگاہ فرمائے اور قرآن پر عمل کرنے کی توفیق اور استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

المفتقر الی اللہ

ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ، ایم اے (بمبئی) ڈی فل (آکسفورڈ)

فاضل علوم دینیہ مدرسہ مظہر الحق نصرپور سندھ

صدر شعبہ علوم دین وتہذیب اسلام سندھ یونیورسٹی حیدرآباد (سندھ)

ؤ

مولانا عُبَیدُاللہ سندھیؒ کی تفسیر جدید حالات کے تناظر میں

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ عصرِ حاضر کی ایک نہایت اہم شخصیت تھے۔ قدرت نے ان میں بیک وقت ایسے اوصاف و کمالات گوناں گوں جمع کر دیئے تھے۔ جو کسی ایک ذات میں مجتمع نظر نہیں آئیں گے۔ ایک طرف وہ عظیم المرتبت مجاہد آزادی و استخلاص وطن تھے جس کے باعث انہوں نے اپنے استاد اور مُرشد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے زیر ہدایت اپنی عمر کے کم و بیش تیس برس جلا وطنی میں شدید مصائب و آلام کے عالم میں بسر کئے اور دوسری جانب مولانا بلند پایہ اور دقیق النظر عالمِ دین تھے۔ اور خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کے فکر و فلسفہ کے بڑے رمز شناس اور رازداں تھے۔ مولانا نے حضرت شاہ صاحب کی ایک ایک تحریر کو بار بار بڑے غور و فکر سے پڑھا تھا اور حضرت شاہ صاحب کا فکر جس عظیم فلسفۂ انقلاب کا حامل تھا مولانا نے اس کی روح کو اپنے فکر میں جذب کر کے اسلام اور مسلمانوں کی ہمہ جہتی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک واضح اور مکمل دستور العمل کا خاکہ تیار کیا تھا۔

مولانا کی طویل جلا وطنی کا زمانہ وہ تھا جب کہ جنگِ عظیم اوّل (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) خاتمہ کے بعد دنیا کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو گیا تھا۔ پرانی تہذیب مٹ رہی تھی اور جدید تہذیب اس کی جگہ لے رہی تھی۔ نئے نئے افکار و نظریات سیاست اور تہذیب و تمدن کے میدان میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔ اور ان کی اساس پر حکومتوں کی تعمیر و تشکیل جدید ہو رہی تھی۔ عالمگیر جنگ نے یورپ کو جیسے خواب سے بیدار کر دیا تھا اور دوسری جانب روس میں جو بالشویک انقلاب پیدا ہوا تھا اس نے دنیا کے عوام کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس طرح یورپ اور سنٹرل ایشیا میں ایک نئی زندگی پیدا ہو رہی تھی اور علم و فن، سائنس و ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت، سیاست و اقتصادیات، غرض کہ ہر شعبۂ حیات میں یہ قومیں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ لیکن جہاں تک عالمِ اسلام کا تعلق ہے ایک ترکی کے سوا سب استعمار و ملوکیت سے بیدِ زبوں تھے۔ ان ملکوں میں بھی آزادی اور استقلال و خود مختاری کی تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں۔ لیکن مستقبل میں ان کا نظامِ کار اور دستور کیا ہو گا؛ ان کا کوئی واضح تصور ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ کیونکہ یورپ اور رُوس میں سیاست اور اقتصادیات سے متعلق نئے افکار و نظریات کی بنیاد پر جو عملی تجربات کئے جا رہے تھے انہوں نے مشرق کے ارباب فکر و دانش کو ایک عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا اور ان میں سے جو حضرات اسلامی نظام کے قیام کا جذبہ اور داعیہ رکھتے تھے وہ موجودہ زمانہ میں اسلامی نظام کے قیام کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھے۔

اس پس منظر میں غور کیجیے تو مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی غیر معمولی شخصیت اور اس کی انفرادیت کی تصویر خود بخود اُبھر کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ جلا وطنی کے زمانہ میں مولانا کا قیام افغانستان، روس، ترکی و یورپ میں رہا تھا۔ اس بنا

پر تہذیب و آئین جدید اور اس کے عوامل مؤثرات کو مولانا نے بلا واسطہ بہت قریب سے دیکھا اور اسے جانچا اور پرکھا تھا اور ساتھ ہی حکمت و فلسفہ ولی اللّٰہی کے دقیق النظر عالم و مبصر ہونے کی حیثیت سے وہ برابر اس پر غور و خوض کرتے رہے تھے کہ زمانہ کے موجودہ سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالات کے پیش نظر اسلامی معاشرہ اور اسلامی اداروں کی تعمیر و تنظیم نو کن خطوط پر ہونی چاہیئے۔ اسلام کا اصل سرچشمہ حیات قرآن مجید ہے اس بنا پر حکمت ولی اللّٰہی کا مطالعہ اور اس میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے شرط اولین قرآن مجید کا روشن ضمیری اور بیدار مغزی کے ساتھ باِمعان نظر مطالعہ اور اس میں غور و فکر تھا۔ اور مولانا کو شروع سے اس کا بڑا اہتمام تھا اس کی وجہ سے وہ خواہ کہیں اور کسی حالت میں ہوتے قرآن مجید کے درس سے بے تعلق نہیں ہوتے۔

اس سلسلہ میں مولانا نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی۔ جو عجیب و غریب اسرار و نکات پر مشتمل تھی، روس کے ایک نہایت وسیع النظر عالم علامہ موسیٰ جار اللّٰہ (جن سے عرصہ ہوا بار بار راقم الحروف کو دہلی اور دوسرے مقامات پر ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل رہا ہے) مولانا کے تلمیذ خاص تھے۔ اور انہوں نے مولانا سے باقاعدہ قرآن مجید اور حجۃ اللّٰہ البالغہ کا درس لیا تھا اور چونکہ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اس لیے مولانا کی تقریریں یادداشتوں کی صورت میں قلمبند ہونے کے علاوہ انہیں حرف بحرف یاد تھیں۔ سخت ضرورت تھی کہ مولانا کا تفسیری سرمایہ جو کچھ بھی ہے اسے طبع کیا جائے تاکہ اس کا افادہ عام ہو۔

چنانچہ مولانا کی تفسیر کے بعض اجزاء ارباب علم کے اہتمام سے طبع ہو چکے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم اور ٹھوس کتاب وہ ہے جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔

دعا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ فاضل مرتب کو اس اخلاص اور محنت کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی اس کوشش کو حسن قبول سے نوازے۔ آمین۔

سعید احمد اکبر آبادی
ڈائریکٹر شیخ الہند اکادمی دارالعلوم دیوبند
۱۷ دسمبر ۱۹۸۲ء

حضرت مولانا عُبیدُاللہ سندھیؒ کے حالاتِ زندگی

امام عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸۹ھ (۱۲ محرم) مطابق ۱۸۷۲ء (۱۰ مارچ) میں چیانوالی جو سیالکوٹ کلکٹری میں واقع ہےؔ[1]۔ پیدا ہوئے ان کے والدین سکھ تھے[2]۔ جب کچھ ہوشیار ہوئے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں تحصیل علم میں قدم رکھا ریاضی، حساب، جبرا، اقلیدس اور تاریخ ہندوستان اسقدر پڑھی جتنی مکاتیب کے اندر پڑھائی جاتی ہے، علم کا آپ کو بہت شوق تھا۔ جو کتاب بھی آپ کے ہاتھ لگی اس کا مطالعہ شروع کردیا۔ نہایت گہری دلچسپی سے مطالعہ کرتے، پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اتفاق سے ان کتابوں میں کتاب "تحفۃ الہند" مصنفہ مولانا عبید اللہ صاحب جو برہمن تھے اور اسلام لے آئے تھے ۱۳۰۱ھ ان کے ہاتھ آئی اس کا مطالعہ انہوں نے بہت گہری دلچسپی سے شروع کردیا اور پوری طرح اس کو سمجھ لیا۔ اس سے مولانا کو حقیقت وحقانیت اسلام کا پوری طرح علم حاصل ہوا[3]، چپکے سے گھر بلکہ ان آبادیوں سے نکلے اور سیدھے سندھ پہنچے، سندھ پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کردیا۔ انہوں نے ہی اپنا نام "عُبیدُاللہ" رکھا جو صاحب تحفۃ الہند کا نام تھا اور سید العارفینؒ نے ان کو کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی اور ذکر وفکر حلقہ سید العارفین سے پورا کرلیا[4]۔ اس کے بعد تحصیل علوم شرعیہ اور اس کے مبادی کی تحصیل میں لگ گئے، بعض مشائخ ملتان سے مبادی صرف ونحو حاصل کیا۔ اس کے بعد دار العلوم "دیو بند" کیطرف رُخ کیا۔ صفر ۱۳۰۶ھ میں دیو بند پہنچے کچھ عرصہ کے بعد آپ منطق وفلسفہ کی تحصیل کے لئے کانپور اور رامپور تشریف لے گئے اور منطق وفلسفہ میں مُفتی لُطف اللہ (علی گڑھی) اور فاضل محقق عبدالحق خیرآبادی صاحب کے خاص شاگردوں سے حاصل کی، تقریباً چھ ماہ آپ دیو بند

---

[1] موضع چیانوالی پہلے ضلع سیالکوٹ میں شامل تھا اب جدید حد بندی کی وجہ سے ضلع گوجرانوالہ میں آگیا ہے۔ ۱۲ (م م)

[2] آپ کے والد آپ کی پیدائش سے چار ماہ قبل فوت ہو چکے تھے اور دادا دو سال بعد، اپنے ننہیال میں پرورش پائی اور ابتدائی تعلیم جام پور کے مڈل سکول میں ممتاز حیثیت سے حاصل کی۔ ۱۲ (م م)

[3] اور اسی مرحلہ میں مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کی کتاب "تقویۃ الایمان" اور مولوی محمد لکھوی کی کتاب "احوال الآخرۃ" کا بھی آپ نے مطالعہ کیا ۱۲

[4] حضرت بھرچونڈی والوں نے آپ کی صداقت ورسوخ اخلاص وللٰہیت پر یہ عظیم الفاظ ارشاد فرمائے، "عبید اللہ نے اللہ کے لئے ہمیں اپنا ماں باپ بنایا ہے"، اور رخصت کے وقت ایک اور قیمتی دعا زبان مبارک سے آپ کے حق میں نکلتی ہے، "خدا کرے کہ عبید اللہؒ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے" (یدِ بیضا حامی عبیدی صفحہ ۵۱، ۵۲ ذاتی ڈائری)

سے غائب رہے پھر صفر ۱۳۰۷ھ میں وہ دیوبند واپس لوٹے۔ جب کتب فلاسفہ سے آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے اصول فقہ کیطرف اپنی توجہ مبذول کی اس کی مبادیات کی تعلیم شیوخ دارالعلوم سے حاصل کی۔ ان شیوخ میں ابوالطیب حافظ محمد احمد بن شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے فقہ میں ہدایہ، مطوّل، تفسیر بیضاوی اور مشکلات شرح مواقف اور مسلم الثبوت اور اتقان پڑھی پھر ۱۳۰۸ھ میں آپ کی کامیابی اور قابلیت سے دارالعلوم کے مشائخ بہت خوش ہوئے ان شیوخ میں مولانا سید احمد دہلوی ہیں۔ ان حضرات نے درجۂ تکمیل کی شہادت دی یہ وہ درجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں شاید ایک دو ہی آدمیوں نے اس کی سند شہادت حاصل کی ہو گی۔ اسی سنہ میں تعلیم کے دوران میں آپ نے "مراصد الوصول الی مقاصد الاصول" تصنیف فرمائی اس میں مسلم الثبوت" کی تلخیص کی اور اس میں ابن ہمام کی "تحریر" کا اضافہ کیا اور "شرح مختصر للعضد وغیرہ" تحریر فرمائی جب آپ نے یہ کتابیں اپنے شیخ مولانا محمود حسن صاحب کو پیش کیں تو شیخ بہت ہی خوش ہوئے اور کئی باران کو اپنے کپڑے پہنائے۔

جب کتب اصول و کلام سے آپ فارغ ہو گئے تو اپنے استاذ کے استاذ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور ۱۳۰۸ھ میں خالص کتب حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ ترمذی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھی اور ان سے ان کی اجازت حاصل کی اور سنن امام ابوداؤد کی سند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حاصل کی اور اسی سال آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے اجازت عامہ کی سند عطا کی۔ شیخ نے اپنی کتاب التمہید میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الہند نے مجھے وصیت فرمائی تھی اور اس سے جو کچھ مجھے یاد ہے وہ یہ ہے:

(۱) کہ اصحاب امہات سنت نے جن احادیث کی تصحیح کر دی ہے اس بارے میں منازعت نہ اختیار کرنا (۲) اور متاخرین مشککین نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف التفات نہ کرنا (۳) اور احادیث و اقوال میں جمع و تطبیق کے طریقہ کو ترجیح دینے پر مقدم کرنا اور (۴) پوری توجہ اور ہمت صرف طبقۂ اولیٰ موطا امام مالک، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم اور طبقہ ثانیہ سنن ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی احادیث میں تفقہ کے اندر صرف کرنا (۵) اور زوائد احادیث کی طرف ضرورت کے وقت مسند امام احمد بن حنبلؒ کیطرف مراجعت پر اکتفا کرنا اور بس (۶) اور شروح میں "فتح الباری" پر اعتماد کرنا (۷) اس کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کی طرف رجوع کرنا۔ انتہی [۱]

تین برس میں درس نظامی سے فراغت کے بعد (یہ دلیل ہے آپکے کمال ذہن و ذکاوت کی) انہوں نے اپنے شیخ طریقت سید العارفین سندھی کیطرف مراجعت فرمائی۔ لیکن افسوس شیخ سید العارفین تک پہنچنے سے پہلے تقریباً نو دس دن پہلے سید العارفین وفات پا چکے تھے جس سے آپکے ہموم اور تفکرات اور بڑھ گئے لیکن

---

[۱] ملاحظہ ہو التمہید لائمۃ التجدید ص ۱۳۱ طبع احیاء الادب السندی حام شورو ۱۲

سید العارفین کے خواص اصحاب مولانا ابو سراج مخدوم دین پوری اور مولانا ابو الحسن تاج محمودؒ امروٹی نے آپ کی طرف خاص توجہ رکھی اور آپ کی ظاہری و باطنی تربیت فرماتے رہے۔

مولانا امروٹ میں جو بلاد سندھ میں ہے تقریباً دس سال یعنی ۱۳۰۸ھ سے لیکر ۱۳۱۹ھ تک مقیم رہے اور شیخ امروٹی نے ان کے لئے ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا اور نادر و نایاب کتابوں کا ایک زبردست ذخیرہ مہیا کر دیا جس سے وہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔[1]

چند سال کے بعد یعنی ۱۳۱۵ھ آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اپنی بعض تالیفات پیش کیں اور حل مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کیا اور کتب حدیث کے کچھ کچھ حصے مع مسند امام احمد اور معانی الآثار طحاوی اور موطا امام مالک بروایت امام یحییٰ اور بروایت امام محمد اور کتاب الآثار امام محمد شیخ الہند سے پڑھیں ان کتابوں کے پڑھنے میں آپ تنہا تھے نہ کوئی قاری تھا نہ کوئی سامع، اس کے بعد آپ دوبارہ سندھ تشریف لائے اور لوگوں کو ایک مدرسہ قائم کرنے کی رغبت دلائی جو کہ دار العلوم دیوبند کی شاخ ہو اس کے لئے انہوں نے بہت مشقت برداشت کی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو کامیاب فرمایا اور ۱۳۱۹ھ میں آپ نے پیر جھنڈا میں دار الرشاد مدرسہ کی بنیاد ڈال دی (پیر جھنڈا حیدر آباد سندھ میں ایک قریہ ہے) اس میں سید ابو تراب محمد رشد اللہ محدث بھی شریک تھے۔ انہوں نے آپ سے کتب حدیث اور تفسیر اور متعلقات حدیث و تفسیر پڑھی۔[2]

آپ نے فلسفہ امام شاہ ولی اللہ کے مطابق درس دیا، اور ہمیشہ اس کی پابندی کی اسی طریقہ پر جو امروٹ میں تھا۔ اس کے بعد جب یہاں سے طلباء فارغ التحصیل ہو کر نکلنے لگے اور آپ نے دیکھا کہ یہ فارغ التحصیل طلباء اس ادارے کو اچھی طرح چلا لیں گے تو آپ نے مدرسہ ابو تراب کے سپرد کیا۔ آپ کو حضرت شیخ الہند کا حکم ہوا کہ دار العلوم دیوبند میں آجاؤ

---

[1] میں کہتا ہوں ان سے بہت سی مخلوق نے فائدہ اٹھایا ان میں علامہ عبد الوہاب الفلاحی سندھی ہیں آپ سے توضیح تلویح اور ہدایہ وغیرہ پڑھی اور آپ پر خدا رحم فرمائے۔ جدت ذہن میں خدا کی ایک نشانی ہے اور میں نے ان سے بہت مسائل علمیہ کا فائدہ اٹھایا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

[2] میں کہتا ہوں دار الرشاد میں علماء کی بہت بڑی جماعت نے علم حاصل کیا۔ ان میں سے ایک علامہ محدث شیخ امید علی سندھی ہیں، نیز مفسر عصر مولانا احمد علی سندھی لاہوری اور شیخ موحد قاطع بدعت سید ضیاء الدین اور مفسر محقق شیخ عبد الحق لغاری سندھی اور عامل بالحدیث شیخ محمد اکرم بالائی اور مولانا مفتی عبد القادر سندھی وغیرہ ہیں۔ میں نے صاحب الفضیلۃ مولانا سید وہب اللہ سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے میرے دادا ابو تراب اگرچہ علوم نقلیہ میں ایک ہی تھے لیکن پھر بھی علامہ سندھیؒ سے علم حاصل کیا۔ مسلم العلوم منطق میں ان سے پڑھی اپنے شیخ علامہ کورائی سے میں نے سُنا ہے کہ میں نے بھی علامہ سندھیؒ سے قرآن مجید وغیرہ پڑھا ہے، اور مکہ مکرمہ سے واپس لوٹنے کے بعد اور اقامت دار الرشاد کے زمانہ میں بہت سے علماء سندھ نے آپ سے علم حاصل کیا مثلاً علی محمد کا کیبوتا اور مولانا عبد الحق ربانی، عالم جلیل حافظ محمد خلیل نزیل سندھ اور اس خاکسار ابو سعید غلام مصطفےٰ قاسمی وغیرہ،

آپ ۱۳۲۶ھ میں دیو بند پہنچے اور اس کے بعد وہاں "جمعیت الانصار" قائم کی جمعیتہ کا کام اس وقت ایک "مؤتمر علمی" تھا، تکمیل شرعیات کی تنظیم میں دونوں جماعتیں شامل تھیں۔ متخرجین مدرسہ دیو بند اور متخرجین مکاتیب عصریہ جدیدہ یعنی دینی مدارس کے فارغ التحصیل اور انگریزی تعلیم کے فارغ التحصیل طلبا کے لئے تھی اور تمام کے مصارف "ہلال احمر" برداشت کر رہا تھا جس کی تفصیل مجلات اور اخبارات میں آپ کو ملے گی۔

شیخ نے اس طرح تقریباً چار سال یہاں گزارے پھر جب حکومت برطانیہ اپنے تمام دفاتر کو کلکتہ سے دہلی لائی تو تمام سیاسی جماعتیں اس مرکز میں جمع ہو گئیں۔ ہمارے شیخ علامہ سندھیؒ بھی اپنے شیخ واستاذ مولانا محمود حسنؒ کے حکم سے ۱۳۳۰ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور نظارۃ معارف قرآنیہ کی بنیاد قائم کی اور یہاں قرآن حکیم کا درس بطریق اعتبار اصول فوز الکبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب موصوف کے مطابق سیاست حاضرہ کے مطابق پوری اطلاع اور خبرداری سے دینا شروع کر دیا اس جمعیتہ میں بڑے بڑے زعمار ملت شریک ہو گئے۔ مثلاً نواب وقار الملک علیگڑھ سے، حکیم اجمل صاحب دہلی سے اور یہاں کے نوجوان علمار دین اور قاعدین سیاست کا اجتماع ہونے لگا لیکن انہی ایام میں جنگ عمومی شروع ہو گئی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو حکم دیا کہ تم کابل چلے جاؤ، چنانچہ ۱۳۳۳ھ میں ادارہ نظارۃ المعارف کو بند کر دیا اور دارالرشاد سندھ کو بھی حکومت کے حکم سے بند کر دیا۔

شیخ عبید اللہ سندھیؒ صاحب دہلی سے سندھ تشریف لائے، معاملہ بہت نازک تھا۔ حکومت دہلی سخت نگرانی کرتی تھی لیکن خدا نے اس مصیبت کو بھی آسان کر دیا اور سندھ سے ۱۳۳۴ھ میں کابل کیطرف روانہ ہو گئے، کابل پہنچے اور تقریباً سات سال وہاں قیام فرمایا۔ ایک "جمعیتہ سیاسیہ" قائم کی جس کا نظام عسکری تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سعی و کوشش سے افغانستان کو کامل آزادی دلوائی۔ یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ جب دونوں میں یعنی انگریز اور افغانستان میں صلح ہو گئی تو آپ کا قیام وہاں مشکل ہو گیا، آپ نے ارادہ کیا کہ استنبول چلے جائیں۔ یہ زمانہ ۱۳۴۲ھ کا ہے آپ کو مشرقی اور یا کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ لیکن راستہ آپ کے لئے بہت مسدود سوائے شمال کے کوئی راستہ نہیں تھا۔ آپ سفیر روس سے ملے اور بات چیت کی، سفیر صاحب نے آپ کو مبارکباد دی اور پوری پوری مدد کی، راستہ آسان ہو گیا۔ آپ حدود روس میں داخل ہو گئے اور دریا جیحوں عبور کر لیا، جب شیخ روس میں داخل ہوئے تو انہیں ایک عالم جدید نظر آیا کہ روس نے جدید اساسات پر ملک کی تعمیر کی ہے۔ آپ نے اس جدید تعمیر کے معاروں کو دیکھا اس سے اسلام کے ساتھ آپ کی محبت اور عشق اور زیادہ ہو گیا۔ آپ کے ایمان اور اعتقاد باللہ میں اور زیادہ اضافہ ہوا آپ "ماسکو" میں بہت سے زعمار اور قائدین اشتراکین سے ملے۔ ان کے اصول کا کامل مطالعہ کیا لیکن آپ کامل موحد اور مسلمان ہی رہے، کیونکہ اسلام کو آپ نے روسی انقلاب اور ان کے نظریات سے بہت بلند اور غالب پایا۔ یہ اسلام جوان اشتراکیوں کے انقلاب سے بہت بلند تھا۔ وہ اسلام نہیں تھا جس کا نمونہ اور عمل ہندوستان اور دیگر ممالک میں مل رہا ہے یہاں آپ نے کوئی حکومت اسلامیہ سلاطین استبداد کی قائم کرنا مشکل پایا۔

اس کے بعد شیخ ماسکو سے ترکی تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم ترکی کی تعمیر جدید میں

معروف تھے خلافت کا یک لخت خاتمہ کر دیا اور سوئیٹزرلینڈ کا قانون جاری کر دیا تھا تمام اوقات کو سرے سے ختم کر دیا تھا۔ مدارس دینیہ کو بند کر دیا تھا، عربی رسم الخط کو بند کر دیا۔ یہاں شیخ چند سال مقیم رہے اور انقلابات کا بہت گہرا مطالعہ کرتے رہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان انقلابات نے آپ پر کیا اور کیسا اثر کیا۔ آپ کے دل میں ان کا کیا اثر تھا لیکن شیخ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو منکر اشیاء دیکھیں اور آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہیں اور جو چیز آپ نہ دیکھیں اسے معدوم سمجھ لیں۔ شیخ نے ان حوادث کا گہرا مطالعہ کیا ان کے اسباب پر غور و تدبر کیا۔

جب آپ نے روس اور ترکی کا انقلاب اچھی طرح دیکھ لیا تو آپ مرکز اسلام مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنے ساتھ قیمتی تجربات لیتے گئے مکہ مکرمہ میں آپ کا اہم مشغلہ درس و تدریس[1] تھا اور آپ کو آپ کے عرب احباب اور ہندوستان کے احباب کتابیں بہم پہنچا دیتے تھے اور ان کا مطالعہ کرتے اور بڑے بڑے طلباء جو مختلف شعوب عرب سے تھے ان کو پڑھاتے اسی طرح ہندوستان اور جاوہ کے بڑے بڑے لوگ آپ کے شاگرد ہوئے۔

انہی برسوں میں آپ نے امام شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات کا اول سے آخر تک کئی بار مطالعہ کیا اور ہندوستان کی تاریخ اور خاص کر مسلمانوں کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا نیز قیام حجاز کے زمانے میں اپنی ماضی کی زندگی اور تجربات پر گہری نظر کی بہت غور و فکر کی اور تنہائی میں اپنی گذشتہ زندگی اور تجربات پر نظر ثانی فرمائی اور اسی زمانے میں اپنے افکار دینیہ اور سیاسیہ کی ترتیب دی انہیں اپنے افکار کی صداقت پر پورا پورا اذعان اور یقین تھا۔ یہ یقین و اذعان کبھی متزلزل نہ ہوا۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے افکار و تجربات سے اپنے اہل وطن کو فائدہ پہنچائیں اس لئے آپ نے تمام قیود اور ضوابط جو حکومت استعماری برطانیہ نے آپ پر لگائیں منظور کر لیں، آپ کو اپنے وطن میں آنے کی اجازت ملی اور وہ تجربات جو آپ نے چوبیس برس میں حاصل کئے تھے اہل وطن کے سامنے پیش کئے، یہی سبب آپ کے وطن میں واپس لوٹنے کا سبب تھا۔ اور اپنی آخری زندگی کے ایام ہندوستان میں گزارے۔

چنانچہ جب آپ کراچی کے کنارے ۷ مارچ ۱۹۳۹ء میں اترے تو بلا تامل، بلا تاخیر ان افکار کی اشاعت شروع کر دی آپ نے اپنی بعض تقریروں میں فرمایا:

" یہ بڑے بڑے محل جن کو تم افلاک الافلاک سے زیادہ بلند اور اونچا سمجھتے ہو، زمانے کے ہاتھوں نجات نہیں پائیں گے، تمہارا تمدن و تہذیب اور تمہارے خیالات تمہاری سیاست اب بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اگر تم واقعی مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو تمہارے بڑے بڑے امراء اور حکام جو شہوات خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور فقراء اور غرباء جو بڑی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں اور بہت سے خیالات لئے بیٹھے ہیں اپنی اصلاح

---

[1] شیخ مسجد حرام اور اس سے باہر درس دیا کرتے تھے۔ نیز بڑے بڑے علماء نے کتب حدیث اور قرآن کریم کا ترجمہ اور فلسفہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ کا درس لیا۔ مثلاً علامہ موسےٰ جار اللہ روسی نے اس تفسیر کو مرتب اور شیخ عبدالرزاق آل حمزہ، شیخ محمد نور مرشد مکی، شیخ عبدالوہاب دہلوی، شیخ عبدالظاہر ابو سمح، شیخ سلیمان الضیع مدیر مکتبہ حرم محمد سندھی مدنی اور محمد تو بکری وغیرہ۔

کریں وگرنہ یاد رکھو زمانے میں تمہارا نام و نشان تک مٹا دیا جائیگا۔ اور صیح راہ چلو وگرنہ زمین سے فنا کر دیئے جاؤ گے۔

حاصل کلام یہ کہ شیخ سندھیؒ ساری عمر ایک مباحث اور بے چین دل رکھنے والے کی سی تھی، اور خاص شغف میں گذری ایک عزم صادق رکھتے تھے، آپ کی ساری عمر اسی جدوجہد میں صرف ہوئی۔

آپ کی عمر جس وقت ستر کی تھی تو اکثر طلباء آپ کی ہمت و عزم دیکھ کر تعجب کرتے تھے، کھانے پینے سونے کی پرواہ نہ کرتے، بیت الحکمت جامعہ ملیہ دہلی میں ہوتے اور طلباء کو درس دیتے، آرام کرنے کا نام نہ لیتے نہ کھانے پینے کی پرواہ کرتے، نہ سخت سے سخت جاڑے کی پرواہ کرتے، نہ سخت سے سخت گرمیوں کی پرواہ کرتے، جب کوئی شخص رات کو آپ کے پاس پہنچتا اور آپ سے استفادہ کرنا چاہتا تو ساری رات اس سے بات چیت اور بحث میں گذار دیتے اور طبیعت میں کسی قسم کا انقباض نہ ہوتا، نہ تکان محسوس کرتے، کبھی آپ ان کو صحراءِ سندھ میں قریہ پیر جھنڈا میں درس دیتا پائیں گے کبھی آپ ان کو اپنے اصحاب سے بیت الحکمت کے لئے زمین خریدنے کی فکر میں پائیں گے۔ جب آپ اسیں قادر نہ ہوتے تو گھاس پھونس کا جھونپڑا بنا لیتے اور اس میں بیٹھ کر طلباء کو درس دیتے یہ آپ کی ہمت و عزم انکساری تھی جو مشکلات و مصائب میں گھری ہوئی تھی۔ لیکن آپ ان سے تھکتے نہیں تھے۔ اور یہ آپ کا ایمان تھا جو اس عمر کو پہنچنے کے بعد بھی قوی ہوتا جاتا تھا۔

امام عبید اللہ سندھیؒ ہر طرف سے کٹ کر اپنے اعمال مقررہ متعینہ پر جمے ہوئے تھے، تا آنکہ ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے رب کیطرف راضیۃً مرضیۃً تشریف لے گئے۔

علامہ کبیر موسیٰ جار اللہ نے جنہوں نے تفسیر "الہام الرحمان" کا املا کیا ہے آپ کی وفات پر ایک رسالہ (خط) شیخ محمد سندھی مدنی کو لکھا اس میں لکھتے ہیں۔

امام مجاہد مجتہد عبید اللہ سندھی نے اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کر لی، خوشی بخوشی نفس مطمئنہ کے ساتھ آپ اپنے رب کیطرف گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خاص بندوں میں شامل کرے اور آپ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اس آیت کے بموجب جو سورۃ الفجر میں ہے۔

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

اے روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، ہمارے بندوں میں شامل ہو جا ہماری بہشت میں جا داخل ہو۔

امام سندھی کا اعتقاد تھا کہ "عِبَادِیْ" سے مراد "ملاء اعلیٰ" ہے۔ چنانچہ سورہ ص میں ہے۔

مَا كَانَ لِىَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○

عالم بالا کے رہنے والے فرشتے جب آپس میں بحث کرنے لگے مجھ کو ان کی بحث کی کچھ خبر نہیں۔"

ملاء اعلیٰ کا نام امام شاہ ولی اللہ نے خطیرۃ القدس رکھا ہے اور خطیرۃ القدس کا اعتقاد فلسفہ امام شاہ ولی اللہ

ی اس اساس ہے جس کو فلسفہ حکمائے یونان میں وظیفہ عقل عاشر کہا گیا ہے جسقدر فیضان اور فیوضات الٰہیہ عالم انسانی پر عرش سے نازل ہوتے ہیں وہ خطیرۃ القدس کے ذریعے نازل ہوتے ہیں۔

میں امام سندھی کو اچھی طرح جانتا ہوں میں نے پہلی مرتبہ ان کو اس وقت دیکھا جب وہ ماسکو تشریف لائے اور بالشیویکوں کا لیڈر زندہ تھا۔ حکومت کے آدمیوں نے ان کا پر زور خیر مقدم کیا۔ حکومت بالیشویک امام سندھیؒ کا بڑا احترام کرتی تھی اور امام کے افکار سے مستفید و مستنیر ہوتی تھی۔ وہاں کے افکار عالیہ اور ارشادات کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرتی تھی، میرے پاس ان کی فارسی کاپیاں بجنسہٖ موجود ہیں۔

میں ماسکو میں استقبال کی غرض سے پہنچا تا کہ آپ کی زیارت کروں اور آپ سے فائدہ اٹھاؤں، چنانچہ کئی دنوں تک میں آپ کی صحبت میں رہا آپ اکثر میرے غریب خانے صبح و شام تشریف لاتے تھے۔

پھر میں نے آپ کو " لین گراڈ " آنے کی دعوت دی میں نے وہاں آپکا پر زور استقبال کیا اور حکومت نے بھی آپ کا پر زور استقبال کیا لیکن قیام کے لئے امام سندھیؒ نے دوسروں پر مجھے ترجیح دی اور میرے غریب خانے پر قیام فرمایا اور مجھے یہ شرف بخشا آپ رمضان شریف میں تقریباً دو ہفتہ میرے مکان پر قیام فرما ہوئے، اسی اثنا میں نہ توانہوں نے نہ انکے اصحاب اور شاگردوں میں سے کسی نے عذر سفر پیش کر کے روزہ چھوڑا۔ میری گھر والی مہمانوں کے لئے خود کھانا اور چائے تیار کرتی تھیں۔ افطار کے وقت جب امام سندھیؒ دسترخوان پر تشریف لاتے تو بڑا وسیع دسترخوان بچھتا۔ دسترخوان کے ارد گرد آپ کے اصحاب اور شاگردوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات روس کے بڑے بڑے علماء آپ سے مستفید ہونے کے لئے آتے اور آپ کی زیارت و صحبت سے مشرف ہوتے۔

امام سندھیؒ اور ان کے شاگرد مرکز بالشویزم میں جو کچھ دیکھنا چاہتے تھے بڑی توجہ سے دیکھتے، بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جو دوسروں کو بہت کم دیکھنا نصیب ہوئیں۔

اس مدت میں، میں آپ سے کسی وقت جدا نہیں ہوتا تھا، سوائے استراحت کے وقت کے یا اس وقت کہ جب وہ اپنے اصحاب اور شاگردوں کے ساتھ ہوتے۔ میں نے امام کو اچھی طرح اور ایسا سمجھا جیسا سمجھنے کا حق تھا، میں نے آپ کو ایک پکا حنفی اور حنیفی مخلص پایا آپ کی عبادت میں ریا نہ تھی، نہ آپ کے کلام میں اور سیرت میں ریا تھی، میں نے آپ کے اپنے علم میں ایک مجتہد، مجاہد صادق اور آپ کو اپنے اعمال میں سچا پایا، آپ بڑی بڑی امیدیں رکھتے تھے، آپ کا ایمان و یقین بہت قوی اور مضبوط تھا، اپنے طریقے کی کامیابی پر انہیں قوی اُمید تھی اور اس بارے میں فوز و فلاح کی اُمید رکھتے تھے۔

روس سے آپ ۱۹۲۳ء میں نکلے، میں نے آپ کو ۱۹۲۶ء میں استنبول میں دیکھا، پھر حرمین میں آپ کو پایا اور بہت مدت تک حرم مکی میں آپ کی صحبت میں رہا اور کئی کئی ماہ آپ کی صحبت میں گذارے۔ میں نے پورے اتقان و یقین کے ساتھ آپ کی " املائی تفسیر قرآن " لکھی جو فلسفہ امام ولی اللہ دہلوی کے مطابق تھی۔ میں آپ کے افکار اجتماعیہ سے اور قرآن حکیم کے جو مقاصد حکیمہ ان کے پیش نظر تھے ان سے بھی آگاہ ہوں، بعض اوقات

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کو مؤثر اندیان میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ جب ہر شخص اپنے اپنے دین کی کتاب لیکر آئے گا تو ہم کتاب اللہ کی تفسیر فلسفۂ امام ولی اللہ کے بموجب لکھ کر آئیں گے۔ وہ قول یہ ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو تمام انسانوں کیطرف میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ہندوستان اور سارے عالم اسلام پر ایک بہت بڑی مصیبت آئی کہ ایک بہت بڑا عالم اور زبردست فاضل دُنیا سے رُخصت ہوا۔

پس اُمّت کے علمائے کرام، سادات عظام سرداران قوم اور اغنیاء و امراء کا فرض ہے کہ امام سندھیؒ کی اُمیدوں اور مقاصد کو زندہ رکھیں اور اُنہیں زندہ رکھنے کا طریقہ یہی ہے۔ کہ امام سندھیؒ نے جو ارشادات قرآن کریم کے بارے میں فرمائے ہیں عملاً انہیں زندہ رکھیں۔

خُدا کا فرمان ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ج ۹۰

جو شخص عمل صالح کرتا ہے مرد ہو یا عورت وہ ایمان والا ہے ہم اس کی زندگی نہایت اچھی بسر کرائیں گے۔

یہ ہیں وہ خیالات اور مزید تبصرہ آپ کی حیات پر تفسیر الرحمان کے جامع علامہ موسیٰ جاراللہؒ ہیں۔

ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمی
ابن حافظ الحاج محمود سندھیؒ غفرلہٗ ولوالدیہ
ولمشائخہ اجمعین

ؒ

تفسیر کے جامع مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کے حالات

عبداللہ بن نہال خاں بن محمد خاں بن رستم خاں بن فتح محمد خاں لغاری ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں بمقام "دادلغاری" تحصیل میرپور ماتھیلو (سندھ) پیدا ہوئے۔ اپنے پھوپھی زاد بھائی محمد یعقوب سے صرف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ صرف کی بقیہ کتابیں اور نحو کی کچھ کتابیں گوٹھ پنھواری میں مولوی عبدالقادر سے پڑھیں۔ اس کے بعد نوشہرو فیروز میں قاضی محمد عالم، قاضی عبدالرؤف، قاضی عبدالحفیظ اور مولوی فیض الکریم کے یہاں تعلیم حاصل کی۔ پھر سندھ کے مشہور حکیم شمس الدین احمد صاحب سلمہ اللہ تعالٰی کے چچا مولوی عبدالکریم بن مولوی محمد عثمان سے (جو حافظ حدیث تھے اور علامہ شوکانی کے شاگرد تھے)

تعلیم پائی۔ پھر موقع ملا تو مقام ڈبھرو گاؤں کے قریب ایک گاؤں "لکون" ہے وہاں ایک صوفی اور مشہور خطاط مولوی عبدالقدوس تھے اُن سے بھی فیض حاصل کیا۔ پھر کراچی میں مولانا محمد صادق کے والد مولانا عبداللہ سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں اس کے بعد ٹھٹھہ کے مشہور عالم مولانا محمد علی مرحوم کے بعض شاگردوں سے بھی استفادہ کیا اور گھر واپس آئے تو مولوی محمد امین ناراض ہوئے کہ تم نے سیر و سیاحت میں اپنا وقت ضائع کیا ہے اب ملتان جاؤ۔ چنانچہ یہ ملتان کے مشہور محدث مولانا سلطان محمودؒ کے پاس ایک سال تک علم حدیث حاصل کرتے رہے، پھر بہاولپور میں "صاحب السیر" کی خانقاہ میں مولوی عبدالرشید سے تعلیم حاصل کی اور کچھ دن مولوی عاقل سے بھی مستفید ہوئے۔ پھر مولوی الٰہی بخش لانکاہ منطقی عمر پوری سے حدیث، فقہ منطق کی آخری کتابیں پڑھیں اور سلسلۂ تعلیم ختم ہوا۔ وطن واپس آئے تو ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں شادی ہوئی۔ اس کے بعد امروٹ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کی انقلابی سیاست میں رفیق کار بن گئے، پھر مولاناؒ کے نظریات کی نشر و اشاعت کے لئے امروٹ میں ایک مدرسہ اور ایک پریس بھی قائم کیا اور ایک رسالہ "ہدایت الاخوان" جاری کیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی گوٹھ پیر جھنڈا میں وہاں کے پیر صاحب کی حمایت سے ایک مدرسہ "دارالرشاد" قائم کیا۔ مولانا عبیداللہ اس کے مہتمم مقرر ہوئے، اس طرح وہاں ان دونوں بزرگوں کو ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء سات سال تک طلبہ میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کا موقع ملا۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے مولانا عبیداللہ اور مولانا محمد صادق کو طلب کیا اور سیاسی زندگی میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ مولانا عبداللہ بھی ساتھ گئے تھے۔ وہ بھی متاثر ہو کر واپس آئے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مشورے کے مطابق ۱۹۱۴ء تک اس مدرسے کا انتظام سنبھالتے رہے۔ لیکن اسی سال مولانا عبیداللہ وہاں تشریف لائے اور کابل چلنے کے لیے فرمایا، چنانچہ ۱۹۱۵ء میں ان کے ساتھ کابل گئے اور مولانا عبیداللہ کے رفیق کار اور معتمد خاص بن کر رہے۔[1]

---

[1] پیش لفظ تفسیر مقام المحمود، جز عم، از ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ، حیدرآباد ۱۹۵۹ء

تقریباً دو سال بعد مولانا عبید اللہ نے ان کے ہاتھ اپنے اور راجہ مہندر پرتاب کے چند خصوصی خطوط بھیجے کہ وہ ہندوستان میں مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم محمد اجمل خاں وغیرہ کو پہنچا دیں۔ نیز یہ کہ دین پور، امروٹ اور پیر جھنڈا والے بزرگوں سے ایک عبارت پر (جو کہ ان کو قلمبند کرادی گئی تھی) دستخط لیکر انگریزوں کے خلاف جہاد کی اجازت لیں۔ مولانا عبد اللہ نے یہ دونوں کام کیے اور اجازتیں لیکر سردار عبدالرزاق (میزان العلماء) کو کابل روانہ کر دیں[1]۔

"ریشمی خطوط" والے واقعے کے سلسلے میں مولانا عبد اللہ صاحب اور چند رفقاء گرفتار کیے گئے لیکن مولانا کے بیان سے وہ رفقاء بعد میں رہا کر دیتے گئے اور خود مولانا دو سال تک لاہور، پٹھان کوٹ، دین پور اور کراچی کی جیلوں میں نظر بند رہے اور پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر رہا کیے گئے۔ پھر جب انگریزوں کے خلاف امیر امان اللہ خاں والی کابل برسرپیکار ہوئے تو مولانا عبد اللہ کو ان کے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ کیونکہ اس جنگ کے محرک مولانا عبید اللہ سندھیؒ ہی تھے جن کے یہ رفیق تھے[2]۔

۱۹۲۶ء میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ مکہ معظمہ پہنچے، بعد میں مولانا عبد اللہ لغاری بھی یہاں سے ان کی خدمت میں پہنچے مولانا سندھیؒ نے تفسیر قرآن، علوم اسلامیہ اور فلسفہ حضرت شاہ ولی اللہ پر جو تقاریر کیں وہ سب مولانا عبد اللہ نے قلمبند کرلیں، بلکہ جتنی کتابیں مولانا سندھیؒ کے افکار اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفے کے متعلق شائع ہوئی ہیں ان سب کا مواد در حقیقت مولانا عبد اللہ ہی کا جمع کردہ تھا۔

۱۹۳۹ء میں مولانا سندھیؒ واپس تشریف لا رہے تھے تو بعض انتظامات کی خاطر مولانا عبد اللہ ان کے آنے سے پہلے سندھ پہنچ گئے اور ان کے آخری دم تک ساتھ رہے۔ مولانا سندھیؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تقریباً چھ سال سندھ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ اور شاگردوں کو قرآن پاک کی تفسیر و حکمت سمجھانے کے لیے یونیورسٹی میں وہ ڈاکٹر بلوچ اور ڈاکٹر بالیپوتہ صاحبان کے یہاں مقیم رہے، بلکہ آخر کے تین سال ڈاکٹر بالیپوتہ صاحب کے مکان پر ہی مقیم رہے اور وہاں سے قرآن شریف اور حکمت ولی اللّٰہی کی تعلیم جاری رکھی، آخر میں سندھ یونیورسٹی میں ایم اے کے طلبہ کو تفسیر پڑھانے کے لئے معلم مقرر ہوئے لیکن جلد ہی اچانک ۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو پیشاب بند ہوا تو ۱۵ ستمبر کو سول ہسپتال حیدر آباد میں داخل ہونا پڑا ۱۷ ستمبر بروز چہار شنبہ ان کا اپریشن ہوا۔ حافظ محمد صاحب سے فرمایا کہ ؎ "دم چند خوردیم و گفتیم و بس"

اس کے بعد والی شب یعنی پنجشنبہ بتاریخ ۴ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۸ء کو گیارہ بجے انتقال فرمایا اور اسی روز شام کو سانگھڑ میں دفن ہوئے[3] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] پیش لفظ تفسیر المقام المحمود، جزء عم۔ از ڈاکٹر عبدالواحد بالیپوتہ ۱۵۹ھ حیدر آباد۔

[2] " " " "

[3] " " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تفاسیر پر ایک نظر

از مولینا خواجہ عبدالحیٰ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
تلمیذ رشید امام عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

وسعتِ بیان

تفاسیر کا جستدر ذخیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے دیکھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ فرزندانِ اسلام نے اپنے تہذیب وشائستگی اور تمدن وحضارۃ کے مبارک عہد میں قرآنِ حکیم کے حقائق ومعارف اور بصائر وحکم پر زور دینے اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لیئے کس قدر انتہائی سعی وکوشش سے کام لیا ہو گا اور اس کی تعلیمات صالحہ کی نشر واشاعت میں کس درجہ ایثار و فدویت کا اظہار کیا ہو گا۔ ان جلیل القدر بزرگوں نے اس کتاب عزیز کے حقیقی مفہوم ومعانی کی تبلیغ و دعوت میں سرفروشانہ اقدام کیا اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بے شمار تالیفات کیں۔ اگر اس وقت ہم تمام زبانوں کی تفسیروں کو نظرانداز کر کے صرف عربی ہی کو لے لیں تو یقین کیجئے کئی ہزار تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہم ارباب بصیرت کی ضیافت طبع کے لئے صرف چند تفاسیر کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان کی وسعت بیان کا اندازہ ہو ملاحظہ کیجئے۔

تفسیر ابن الجوزی۔ ۴ جلدوں میں ہے۔

تفسیر الاصبہانی، ۳۰ جلدوں میں ہے اس کے مؤلف ابو مسلم اصبہانی ہیں، جن کی تفسیر کے اقتباسات جا بجا تفسیر کبیر میں درج ہیں، امام فخرالدین رازی اکثر مقامات پر ان کی ثناخوانی کرتے ہیں۔

کتاب الجامع فی التفسیر، ۳۰ جلدوں میں ہے۔

تفسیر ابن النقیب، کچھ اوپر پچاس جلدوں میں ہے۔

کتاب التحریر والتحبیر، اس کی پچاس سے زائد جلدیں ہیں۔

تفسیر الادفوی، علامہ ادفوی، روم کے شہرۂ آفاق عالم تھے اس تفسیر کے وہی مؤلف ہیں اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں۔

تفسیر القزوینی، تین سو جلدوں میں ہے۔

تفسیر حدائق ذات بہجہ، پانچ سو جلدوں میں ہے۔

اس وسعت بیان کو دیکھیے، کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ یہ تفسیریں کسی زمانہ میں قرآن حکیم کی انسائکلو پیڈیا و موسوعات بنی رہی ہوں گی، اقوام و امم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اس کثرت کے ساتھ اپنی کسی کتاب کی خدمت کی ہو، یہ شرف و مزیت اور خصوصیت کبریٰ صرف قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کثرت سے اس کی شرح و تفسیر کی گئی۔ اس کے احکام و ضوابط کی تدوین و ترتیب میں عمریں صرف کی گئیں، کشف سرائر و محجوبات کے لیے تالیفات لکھی گئیں، لیکن پھر بھی ارباب فہم و بصیرت، اور حقیقت شناس حلقوں سے یہی صدائے عشق و وارفتگی بلند ہو رہی ہو کہ القرآن لا تفنی عجائبہ ولا تنقضی غرائبہ،

اوائل عہد

عبدالملک بن مروان ۶۵ھ ہجری میں تخت خلافت پر متمکن ہو، اس نے اولین کام یہ کیا کہ اپنی تمام تر توجہ علوم و فنون کی تدوین کی جانب پھیر دی، اطراف و اکناف خلافت میں اعلان کر دیا کہ ہر ایک فن پر کتابیں تالیف ہوں، علمائے عظام کو دعوت دی اور ان کو تصنیف کی طرف متوجہ کیا، سعید بن جبیر سے درخواست کی کہ قرآن کی شرح و تفسیر میں کچھ تحریر کریں، وہ اپنے زمانہ کے امام اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر لکھ کر بھیجی جس کو شاہی کتب خانہ میں جگہ دی گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انہوں نے اور زیادہ اس دائرہ کو وسعت دی اور تمام بلاد و امصار اسلامی میں احکام نافذ کر دیئے کہ سنن و احادیث پر تالیفات تیار ہوں۔

دور اول میں تفسیر کا طریق نہایت ہی دلآویز اور معنی خیز تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ قرآن میں اخلاق بھی ہے۔ اور فلسفہ اخلاق بھی، تمدن و حضارۃ کے احکام بھی ہیں اور تہذیب و شائستگی کے اصول و ضوابط بھی، تدبیر منزل و سیاست مدن کے آئین و قوانین بھی ہیں اور جہانگیری و جہانداری کے قواعد تنظیم و تشکیل بھی، لیکن انداز بیان، طریق تعبیر، اور اسلوب تحریر کچھ اس درجہ جاذب قلوب و انظار واقع ہوا ہے کہ ان علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو۔ جس وقت یہ اعجازی کلمات اس کے کانوں تک پہنچیں گے اس کی فطرت صالحہ اور قلب سلیم کا یہی اقتضا رہے گا۔ کہ ہر وقت ان سے حلاوت اندوز رہے اور اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوں۔

ابتدائی زمانہ کی تفسیروں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں ان میں نہ منطقی دلائل ہیں نہ فلسفیانہ موشگافیاں نہ ان کو ریاضیات و طبیعیات سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہیئت و نجوم کے زور سے استدلال و حجت کو قوی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، صاف صاف اور کھلی کھلی باتیں ہیں، کسی قسم کا خفا اور حجاب نہیں، البتہ اگر ان میں کوئی حقیقت نمایاں اور ممتاز پہلو لیئے ہوئے ہے تو وہ عمل کی دعوت ہے اور بس، شقیق بن سلمہ اور ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب نے اپنے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تھا۔ انہوں نے خطبہ حج اس انداز سے بیان کیا اور سورۂ نور کی تفسیر اس دلفریب طریق پر کی کہ کفار ترک و روم بھی اگر اسے سُن لیتے تو وہ یقیناً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہتا ایسے ہی ایک مرتبہ سورۂ بقرہ کی ایسی معنی خیز، موثر اور

دلآویز تفسیر بیان کی کہ ایک شخص تو بے اختیار پکار اُٹھا. لوسمع ھذا الرجل لاسلمت اگر کفار و یلم اس کو سن پاتے تو ضرور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

یہ جو کچھ اوپر لکھا گیا محض افسانہ ہی افسانہ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور تاریخ کے صفحات اس قسم کے بے شمار امثلہ و نظائر سے پُر ہیں. غیر مُسلم قوموں کو جب کبھی قرآن کی تعلیمات کے سُننے اور اس میں درس و فکر کرنے کا موقع ملا تو پھر ان کے مُسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہا۔

عہد نبوت سے جب تک قرب و اتصال رہا، تفسیر کا یہی انداز تھا. خلفائے اربعہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، اور عبداللہ بن زبیر کے اسمائے گرامی دور اوّل میں نہایت ہی جلی قلم سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں اور باوجود امتداد عہد اور استیلائے جہل، ان کی تابناکی اور درخشندگی میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔

مکہ مبارکہ میں ابن عباس کے شاگردوں کی فہرست تو بہت ہی طویل ہے، لیکن مجاہد عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ بن عباس، سعید بن جبیر، اور طاؤس ان کے ارشد تلامذہ میں مشہور ہیں اور اس لیے خصوصیت سے مشہور ہیں. تفسیروں میں ابن عباس کے جس قدر اقوال ملتے ہیں اور وہ سب انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچتے ہیں. مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو تیس بار قرآن سُنایا ہے. کوفہ کی سرزمین، عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کی وجہ سے علوم معارف قرآن کا نشیمن بنی ہوئی تھی. اسی طبقہ میں حسن بصری عطاء بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب، قرظی، ابو العالیہ ضحاک بن مزاحم، عطیہ، قتادہ، زید بن اسلم، مرہ ہمدانی، ابو مالک، اور ربیع بن انس ہیں۔

تیسرے دور میں سفیان بن عیینہ. وکیع بن الجراح، شعبہ بن حجاج، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، آدم بن ابی ایاس، اسحٰق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، اور ابو بکر بن شیبہ ہیں۔

زاویہ نگاہ

قرآن حکیم کے نزول کی غرض و غایت یہ تھی کہ جو لوگ اس کی تعلیم پر عمل کریں ان میں اعلیٰ ترین اخلاق پیدا ہوں، انہیں تمکین فی الارض حاصل ہو. اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے، اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے ناآشنا نہ تھے، ۶ھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی، ابو سفیان ان دنوں روم ہی میں تھے. اس نے ابو سفیان سے اسلامی تعلیمات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرزندان اسلام کے متعلق مختلف سوال کئے. اور آخر میں کہا۔

اگر یہ سچ ہے جو تم کہتے ہو تو وہ نبی ہیں اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں کے نیچے کی سرزمین تک پہنچے گی یہ

اسی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد شہید کرتی ہے تو وہ حسب ذیل اشعار پڑھتے ہیں۔

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا قبائلھم واستجمعوا کل مجمع
انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد آ ٹھرے ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلالیا ہے۔

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد علی لانی فی وثاق بمضیع
یہ سب کے سب میرے دشمن اور عداوت کا اظہار کرنے والے ہیں، اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔

وقد جمعوا ابناءھم ونساءھم وقربت من جزع طویل ممنع
قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے اور مجھے ایک مضبوط، بلند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ وقد ھملت عینای من غیر مجزع
انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے، مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے
میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں لیکن مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔

فلست بمبید للعدو تخشعا ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی
میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا اور نہ روؤں اور چلاؤں گا، میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

وما بی حذار الموت انی لمیت ولکن حذاری حجم نار ملفع
موت سے مجھے اس لئے ڈر نہیں کہ میں مرجاؤں گا، لیکن میں تو لپٹ جانے والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں

فذا العرش صبرنی علی ما یراد بی فقد بضعوا لحمی وقد یاس مطمعی
اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے اب انہوں نے
زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ دیا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔

فواللہ ما ارجوا اذا مت مسلما علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی
بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں یہ پرواہ نہیں کرتا کہ راہ خدا میں کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیونکر جان دیتا ہوں۔

وذلک فی ذات الالہ وان یشاء یبارک علی اوصال شلو ممزع
خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے تو پوری امید ہے کہ وہ پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے
سب سے آخر میں انہوں نے فرمایا۔

اللھم بلغنا رسالتہ رسولک فبلغہ ما یصنع بنا۔

اے خدا! ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیئے اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال اور ان کی کرتوتوں کی خبر دیدے۔

یہ نتائج و ثمرات تھے قرآن حکیم کی تعلیم و تربیت کے، صحابہ کرام کی مقدس جماعت خوب جانتی تھی کہ قرآن کا نزول صرف اس لئے ہوا ہے کہ:۔

(الف) اس کو نہایت ہی غور و خوض سے پڑھیں اور اس کی آیات میں درس و فکر کریں۔
(ب) جسقدر پڑھیں اس پر عمل پیرا ہوں۔
(ج) قرآن حکیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں، خود رسالت مآب کی یہ کیفیت تھی کہ:۔

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرتل السورة حتى تكون اطول من اطول منها وقام باية يرددها حتى الصباح۔

رسول علیہ السلام سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک معمولی سورۃ بڑی سے بڑی سورۃ ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اسی کو باربار صبح تک پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کی رائے ہے کہ

ان الترتيل والتدبر مع قلة القراة، افضل من سرعة القراة مع كثرتها، بان المقصود من القراة فهمه وتدبره والفقه فيه والعمل به وتلاوته وحفظه وسيلة الى معانيه. كما قال بعض السلف نزل القرآن ليعمل به فاتخذوا تلاوته عملا ولهذا كان اهل القرآن هم العالمون والعاملون بما فيه وان لم يحفظوه عن ظهر قلب. واما من حفظه ولم يفهمه ولم يعمل به فليس من اهله، وان اقام حروفه اقامة السهم واما مجرد التلاوة من غير فهم ولا تدبر فيفعلها البر والفاجر والمومن والمنافق كما قال النبى صلى الله عليه وسلم مثل المنافق الذى يقرا القرآن كمثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر. وقال شعبة حدثنا ابوحمزة قال قلت لابن عباس، انى رجل سريع القراة، وربما قرءت القرآن فى ليلة مرة او مرتين فقال ابن عباس لان اقرا سورة واحدة اعجب الى من ان افعل ذالك الذى تفعل، فان كنت فاعلا لابد فاقرأ قراة تسمع اذنيك ويعيه قلبك قال ابن مسعود قفوا عند عجائبه وحركوا به القلوب ولا يكن هم احدكم آخر السورة وقال عبد الرحمن بن

ابی لیلی دخلت علی امرأة وانا اقرأ سورة هود فقالت یا عبد الرحمن هکذا تقرأ سورة هود والله انی فیها منذ ستة اشهر وما فرغت من قرأتها۔

آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن اگرچہ تھوڑا پڑھا جاوے یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے، تاکہ اس پر عمل ہو سکے، اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے مگر لوگوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنا لیا۔ اسی لئے گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن کے عالم اور عامل تھے، اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے نہ ان پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن سے نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا اور وہ تلاوت تو ہر نیک و بد، مومن اور منافق کر سکتا ہے۔

جو فہم وتدبر سے خالی ہو، رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال، ریحان کی ہے جس کی بُو عمدہ اور مزا کڑوا ہے۔ شعبہ نے کہا، ابو حمزہ نے ابن عباس سے عرض کیا، میں تیز پڑھنے والا ہوں، بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک دو مرتبہ قرآن ختم کر دیتا ہوں، ابن عباس نے جواب دیا کہ مجھے ایسے قرآن پڑھنے سے ایک سورت پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال اگر تم تیزی سے ہی پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سُنیں اور تمہارا دل اُسے یاد کرلے، ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ قرآن کے عجائب پر ٹھہرو اور ان سے دلوں کو حرکت دو، اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخر سورہ تک پہنچو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا اور میں سورۃ ہود پڑھ رہا تھا، اس نے کہا اے عبدالرحمٰن تم اس طرح سورۃ ہود پڑھتے ہو، خدا کی قسم، میں چھ مہینے سے اس سورہ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن وقال ابو عبد الرحمٰن السلمى حدثنا الذين كانوا يقرؤننا انهم كانوا يستقرون من النبى صلى الله عليه وسلم، وكانوا اذا تعلموا عشر آيات لم يخلفوها حتى يعلموا بما فيها من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جميعًا۔

جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے نہ بڑھتا، جب تک کہ ان کے معانی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا، ابوعبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہم کو پڑھاتے تھے اور وہ رسول علیہ السلام سے پڑھا کرتے تھے۔ جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تو ان سے تجاوز نہ کرتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے۔

اس پاک گروہ کی نظر صرف اسی پر نہ تھی بلکہ وہ اس امر پر بھی غور و فکر کرتے کہ تعلیم قرآن سے قبل ہماری کیا حالت تھی اور اب اس سے کس قسم کے انقلابات و تغیرات رونما ہوتے ہیں اس لیے ان لوگوں نے اس حقیقت کبریٰ پر مہر لگا دی کہ:

لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح اولها۔

اس اُمت کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی۔

جدید راہ

اب ایک نیا دور شروع ہوا جب ایک ایک آیت کے لئے متعدد مطالب اور مختلف روایات ذکر کی جانے لگیں۔ جن میں بعض تو یقینًا قابلِ قبول اور لائق استناد تھیں، مگر بیشتر غلط اور موضوع رد و تبدل کے محک پر ان کے

پرکھنے کی ضرورت تھی، تاکہ کھوٹے اور کھرے میں غث اور سمین میں فرق و امتیاز ہو جائے اور حق و باطل میں التباس و اشتباہ باقی نہ رہے۔ ان بزرگوں نے مختلف اقوال کو صرف اس لئے جمع کر دیا تھا کہ آیات کے مفہوم میں جسقدر ممکن سے ممکن اقوال منقول ہوں، یا ہو سکتے ہوں اور جسقدر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہو سکتا ہو ناظرین کے روبرو بغیر حک و اضافہ کے تمام و کمال پیش کر دیا جائے اور ہر ایک سخن شناس طبیعت کے لیئے اس امر کا موقع حاصل رہے کہ وجدان سلیم، ذوق صحیح اور اصول تفسیر کی اعانت سے ان اقوال کو جرح و تعدیل کے میزان میں تولے اور نقد و اختیار کے بعد جس کو چاہے ترجیح دے اور جسے چاہے مرجوح قرار دے۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علامہ ابوجعفر بن جریر طبری نے اپنی مشہور تفسیر لکھی جس کی نسبت علامہ ابوحامد اسفرائنی کی رائے یہ ہے کہ لوسافر رجل الی الصین حتی یحصل له کتاب تفسیر محمد بن جریر لو یکن ذالك کثیرا (تفسیر ابن جریر کی تلاش میں اگر ایک شخص چین تک کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہو گی) ابن جریر کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے وہ ہر ایک بات میں روایت کے پابند ہیں، ان کا خاص مذاق یہی ہے کہ حدیث کے نام سے خواہ کیسی ہی لغو اور مہمل بات کہی جائے، سب پر ایمان لانے کو تیار ہو جاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ حقیقت اصلیہ کیا تھی اور عقل سلیم کہاں تک اس کو قبول کرنے کو تیار ہو گی، ایک ایک آیت کے متعلق مختلف اقوال و روایات پیش کرتے ہیں اور بعض اوقات ترجیح بھی دے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری ہیں۔ ان کی وفات ۴۱۲ھ ہجری میں ہوئی انہوں نے تفسیر حقائق لکھی اور رطب ویابس روایات و مطالب کا ایک انبار جمع کر دیا، یہی حال ابو اسحٰق احمد ثعلبی کا ہے، ابو محمد عبداللہ جوینی ابوالقاسم عبدالکریم قشیری اور ابوالحسن بن احمد اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ اس صدی کی تفسیروں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں روایات تو بیان کی جاتی ہیں، مگر ان کے اسناد کو حذف کر دیا جاتا ہے چنانچہ کشف الظنون میں ہے۔

ثم الف فی التفسیر طائفة من المتاخرین، فاختصروا الاسانید و نقلوا عن الاقوال تبرا، فدخل من هنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل ثم صار کل من سنح له قول یورده و من خطر بباله شیئ یعتمده ثم ینقل ذالك خلف عن السلف ظانا ان له اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح۔

اس کے بعد متاخرین میں سے ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں اور اسنادوں کو مختصر کر دیا، بہت سے اقوال نقل کئے یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگ گئیں اور صحیح و ضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد ہر پچھلا طبقہ اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا۔ اس خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہو گی انہوں نے اس کی تحقیق نہ کی کہ سلف صالح سے اس میں کیا

منقول ہے؟

ان غلط اور بے بنیاد روایات کا اندازہ علامہ سیوطی کے صرف اس ایک قول سے ہو سکتا ہے کہ:۔
رایت فی تفسیر قولہ تعالیٰ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین نحو عشرۃ اقوال مع ان الوارد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع الصحابۃ والتابعین لیس غیر الیھود والنصاریٰ۔

میں نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف اقوال دیکھے ہیں، حالانکہ رسول علیہ السلام جمہور صحابہؓ اور جملہ تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی دوسرا قول بھی روایت نہیں کیا گیا۔

مابعد کی تفسیریں

جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور عہد نبوت سے بعد و بحر ہوتا گیا۔ تفسیر کی صورت بھی نمایاں تبدیلیاں اختیار کرتی گئی اور انجام کار ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ جن مطالب اور روایات کے حق میں محکمہ تحقیق کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ قابل قبول نہیں ہیں وہی زیادہ مشہور ہو گئیں اور عام طبائع نے ان کو شرف اجابت بخشا، ہر بات میں پیچیدگی، مشکل پسندی اور عجائب پرستی کا طومار بھر گیا، حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں دکھائی دینے لگیں۔ معانی و بیان کے حقائق بیان کئے جانے لگے اور ہیئت و نجوم کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر ہونے لگی۔ مگر جسقدر ان چیزوں میں زیادتی ہوتی گئی۔ اتنی ہی قرآن سے دوری ہوتی گئی۔ اور منشائے قرآن کی خصوصیت میں فرق آتا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ مفسرین کرام کی زندگی کا مقصد وحید اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کتاب عزیز کے اسرار معارف کی نشر و اشاعت ہو اور اس کے مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت ہو، لیکن جب ان تفسیروں میں بحث و نظر کی جاتی ہے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ لا یسمن ولا یغنی من جوع تفسیر کبیر ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں بطلیموسی ہیئت و نجوم اور فلسفہ یونان کے سوا کیا دھرا ہے، مخالفین کے شبہات بیان کریں گے اور اپنا تمام زور استدلال ان کی تقویت میں صرف کر دیں گے، لیکن جواب کے وقت اس درجہ ضعف و کمزوری کا اظہار کریں گے کہ پڑھنے والے کے دل میں وہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جائیگا، بعض ارباب نظر و بصیرت کو خود امام فخرالدین رازی کے اسلام ہی میں تردد ہے مگر یہ خیال تو درست نہیں البتہ اتنا ضرور ماننا پڑیگا کہ اس میں دنیا جہان کی باتیں ہیں مگر تفسیر نہیں جو اس کا اصلی موضوع و مقصد تھا، چنانچہ آگے چل کر آپ کو بعض اکابر کی رائے ان کی تفسیر کے متعلق معلوم ہو گی۔ پس اگر نکتہ سنج طبائع کا یہ مطالبہ ہو کہ اس زمانہ میں تفسیر کبیر کا پڑھنا بے سود ہے تو شاید کچھ لوگ ان کی تائید کے لئے کھڑے ہو جائیں گے

قرآن کا نزول تو اس لئے ہوا تھا کہ اس کے درس و فکر سے حیات انفرادی و اجتماعی میں انضمام و توحید پیدا ہو ہر مسلم قانت کی تشنہ لبی دور ہو اور ہر ایک فرزند اسلام اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالے مگر ان تفاسیر سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا، لوگوں نے ان تفاسیر کا درس و مطالعہ شروع کیا حالانکہ ضرورت تھی قرآن حکیم کی تلاوت کی پس وہ چشمہ حیات

سے بہت دور جا پڑے اور اب تو بعض کے نزدیک خود قرآن کا درس ممنوع دنا جائز ہے یا لیتنی مت قبل ہذا وکنت نسیا منسیا، پنجاب کے ایک جلیل القدر سجادہ نشین کی رائے ہے کہ الحمد کے صرف الف کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لیئے ۳۶ علوم کی ضرورت ہے۔ ذلک مبلغہم من العلم،

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن

دنیا میں ہمیشہ تغیرات و انقلابات رونما ہوتے رہتے ہیں، تمام اقوام و امم عالم بھی ادوار مختلفہ میں سے گزرتی رہتی ہیں۔ فن تفسیر بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ ہو سکا، ہر زمانہ میں اس کا رنگ بدلتا گیا اور اب تو اس میں ایسی ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ابتدا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدثین نے قرآن حکیم کی آیات کے مناسب تمام ان احادیث مرویات صحابہ اور اقوال تابعین کو ایک جگہ جمع کر دیا جن سے اخذ مطالب اور فہم معانی میں سہولت و آسانی ہو اور وہ تمام بصائر و حکم سامنے آ جائیں جو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوں، ان کے بعد معتزلہ کا گروہ سامنے آتا ہے جنہوں نے فلسفہ یونان سے مرعوب ہیبت زدہ ہو کر تمام آیات صفات کی تاویل شروع کر دی اور تدبر معانی و مطالب کو ترک کر کے بعید از فہم حقائق کی جانب متوجہ ہو گیا بکتہ آفرینیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا دروازہ کھول دیا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے الحاد و زندقہ، فتنہ و فساد اور توجیہ و تاویل کا باب مفتوح کر دیا، فلسفہ کی نشر و اشاعت نے عقائد و اخلاق میں اور زیادہ تزلزل پیدا کر دیا، متکلمین آگے بڑھے اور ہر شبہ کا جواب دینے لگے اس لیے قرآن کی شرح تفسیر علم کلام کے مطابق ہونے لگی فقہا کے گروہ نے صرف استنباط احکام و اخذ مسائل ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لیا اور ان کی سعی و کوشش یہیں تک محدود رہی، ارباب لغت نے دوسری حیثیت سے نظر ڈالی، علمائے نحو کے سامنے یہی فن تھا، اسی کی خاطر انہوں نے کلام عرب سے شواہد کی تلاش و جستجو کی اور صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تین ہزار ترکیبیں بیان کر دیں، اہل سلوک و احسان نے صرف تصوف کو اپنی غایت الغایات یقین کر کے قرآن حکیم کو تصوف کے قالب میں ڈھال دیا، ظواہر کو چھوڑ کر بطون کے پیچھے پڑ گئے اور مغز کو پھینک کر محض چھلکے پر قناعت کر بیٹھے، سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اس ہندوانہ تصوف سے پہنچا اور لوگ تو اب تک اس کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فھل من مدکر۔

فاران کی چوٹی پر نزول الہام اس لیے ہوا تھا کہ مسلمانوں کے لئے قانون اساسی کے طور پر کام دے مگر زمانہ کی نیرنگ سازی ملاحظہ ہو کہ وہ اب ہر کس و ناکس کی رائے و خیال کا دست خوش بن گیا۔ اور ہر شخص اپنے مذاق خاص کے مطابق اس کی تفسیر کرنے لگا اس بے اصول خطرناک آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا بہت بڑا حصہ زید و عمر کے اقاویل اور شیخ و سید کے اباطیل و اکاذیب کا ذخیرہ بن گیا، آیات احکام کے مفہوم متعین کرنے میں اعجاب کل ذی رای برایہ کی آمیزش ہونے لگی، وسعت معلومات، اسلوب تحریر اور فصیح بیان ظاہر کرنے کے لئے تفسیر قرآن میں مفروضات و تخیلات کی جسقدر جولانی دکھاتے بنی اچھی طرح دکھائی گئی اور یہ خیال نہ آیا کہ ہم ملاعب بالقرآن کے مرتکب ہو رہے ہیں، نظامی شاعر تھے مگر وہ بھی اس دردانگیز و حسرت خیز منظر کو نہ دیکھ سکے، بیتاب ہو گئے اور ان الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔

دین ترا در پے آرائش اند — در پے آرائش و پیرائش اند
بسکہ بربستند بروبرگ و ساز — اگر تو بہ بینی نہ شناسیش باز

یہ کیفیت بیس چھٹی صدی ہجری تک نظر آتی ہے کہ احساس تو ہے اگرچہ اس وقت بھی اس عالم آشوب طوفان کے روکنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن بعد کو تو استیلائے کفر و ضلالت ہوا کہ اتنی حس و بیداری بھی باقی نہ رہی کہ عنوغائے عجمیت میں یہ نعرہ بھی کسی کی زبان سے نہ نکل سکا وہ دین فطرت جو حجاز کی وادیوں میں اپنے اصل حسن و جمال کے ساتھ دلفریبی اور کشش کا باعث تھا اس پر مجوسیوں کی عجائب پرستیاں یہودیوں کے دور از کار افسانے اور بت پرستوں کے رسم و رواج چھا گئے اور لب لباب زمانہ آیا تو دودھ پانی کا جدا کرنا سخت ترین کام ہو گیا، وقت آفرینی اور عجائب پسندی کی بنیاد پر جو جو شاخیں نکلیں، جیسے جیسے شگوفے پھوٹے اور تفسیروں میں جس نہج پر اس قسم کی روایتیں پھلی پھولیں، ان کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلم میں طاقت نہیں کہ ان کو تحریر میں لا سکے۔

ابو الفیض فیضی اکبری دربار کے نورتن تھے، قدرت سے طبیعت نکتہ سنج پائی تھی۔ سواطع الالہام قرآن کی تفسیر لکھی جس میں یہ التزام کیا گیا کہ تمام تفسیر میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی منقوط نہ ہو، اس نفسانی ہیجان کو پورا کرنے کے لیئے انہیں جتقدر اپنی طبیعت پر زور ڈالنا پڑا ان کے انداز تحریر سے ظاہر ہے، عبارتوں کی عبارتیں، فقروں کے فقرے اور ترکیبوں کی ترکیبیں یکے بعد دیگرے چلی آرہی ہیں، جن میں باہم کوئی ربط و تعلق نہیں، ایک بے معنی کلام ہے جس کے لیئے دلآویز و دلفریب ترکیبوں اور جملوں کی تلاش ہو رہی ہے صورت ہے لیکن معنی نہیں، جسم ہے مگر روح سے خالی، ایک حی و قائم انسانی وجود ہے جس کے تمام اعضاء و جوارح کاٹ دیئے گئے ہیں۔

شیخ علی بن احمد مہائم گجرات کے رہنے والے تھے، ان کی وفات ۸۳۵ھ ہجری میں ہوئی۔ شیخ محی الدین بن عربی کے بے انتہا ثناخواں اور مسئلہ وحدت وجود میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ انہوں نے تفسیر رحمانی لکھی، چونکہ تصوف میں ذوق رکھتے تھے۔ اس لیئے قرآن حکیم کی تفسیر اسی صوفیانہ رنگ میں کی۔ آیات کا مطلب احسان و سلوک کے رنگ میں بیان کیا، قرآن کی نظم و ترتیب پر بھی روشنی ڈالی تو یہی چیز غالب رہی انہیں اس امر کا خیال نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض تصوف ہی سکھانے نہ آئے تھے بلکہ وہ مثیل موسیٰ بھی تھے اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ فرزندان اسلام شہداء علی الناس بن جائیں اور خلافت ارضی کے جائز وارث قرار پائیں۔

ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی آئے انہوں نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام انوار التنزیل و اسرار التاویل ہے۔ عربی مدارس میں اس کا ابتدائی حصہ درس میں شامل ہے، اکثر علمائے اس پر حواشی بھی تحریر کئے ہیں۔

تفسیر کی کیفیت یہ ہے کہ فن معانی، بدیع اور بلاغت میں جو کچھ لکھتے ہیں جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے لیتے ہیں۔ اور بغیر حریت رائے و اجتہاد کے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے مسائل کی نوبت آتی ہے تو فخر الدین رازی سے طالب اعانت ہوتے ہیں جب مفردات الفاظ اور اشتقاق کے مباحث سامنے آتے ہیں تو امام

راغب اصفہانی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا اس سے ان جلیل القدر بزرگوں کی تنقیص و تنقیص مقصود نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کا اظہار ضروری تھا الساکت عن الحق شیطان اخرس اور پھر اس وادی میں ہم ہی اکیلے نہیں بلکہ دوسرے ارباب بصیرت بھی ہمارے رفیق طریق ہیں۔ چنانچہ صاحب کشف الظنون کی رائے ملاحظہ ہو۔

ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا فی شئ من العلوم وملاکتابه بما غلب علی طبعه من الفن واقتصر فیه علی ما تمهر هو فیه کان القرآن انزل لاجل هذا العلم لاغیر مع ان فیه بیان کل شئ فالنحوی تراه لیس له هو الا الاعراب وتکثیر الاوجه المحتملة فیه وان کانت بعیدة وینقل قواعد النحو ومسائله وفروعه وخلافیاته کالزجاج والواحدی فی البسیط وابوحیان فی البحر والنهر والاخباری لیس له شغل الا القصص واستیفاءها والاخبار عن سلف سواء کان صحیحة او باطلة ومنهم الثعلبی والفقیه یکاد یسرد فیه الفقه جمیعًا وربما استطرد الی اقامة ادلته الفروع الفقهیة التی لا تعلق لها بالایة اصلا والجواب عن ادلة المخالفین کالقرطبی وصاحب العلوم العقلیة خصوصًا الامام فخر الدین قد ملاء تفسیره باقوال الحکماء والفلاسفة وخرج من شئ الی شئ حتی یقضی الناظر العجب قال ابوحیان فی البحر جمع الامام الرازی فی تفسیره اشیاء کثیرة طویلة لا حاجة لها فی العلم التفسیر، ولذلك قال بعض العلماء فیه کل شئ الا التفسیر، والمبتدع لیس له قصد الا تحریف الآیات وتسویتها علی مذهبه الفاسد بحیث انه لو لاح له شاردة من بعید اقتنصها او وجد موضعاله فیه ادنی مجال سارع الیه والملحد فلا تسئل عن کفره والحاده فی آیات الله وافترائه علی الله ما لم یقله ومن ذلك القبیل الذین یتکلمون فی القرآن بلا سند ولا نقل عن السلف ولا رعایة الاصول الشرعیة والقواعد العربیة کتفسیر محمد بن حمزة الکرمانی فی مجلدین، سماه العجائب والغرائب ضمنه اقوالا هی عجائب عند العوام وغرائب عما عهد عن السلف بل هی اقوال منکرة لا یحل الاعتقاد علیها ولا ذکرها الا للتحذیر من ذلك وسئل البلقینی عمن فسر بهذا فافتی بانه ملحد واما کلام الصوفیة فی القرآن فلیس بتفسیر قال ابن الصلاح فی فتاواه وجدت عن الامام الواحدی انه قال صنف السلمی حقائق التفسیر ان کان قد اعتقد ان ذلك تفسیر فقد کفر، قال النسفی فی عقائده النصوص تحمل علی ظواهرها والعدول عنها الی معان یدعیها اهل الباطن الحاد.[1]

اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی ہے اور اپنی کتاب کو اسی فن

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص

سے بھر دیا ہے جو اس کی طبیعت میں غالب تھا اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں اس نے مہارت حاصل کی تھی گویا قرآن صرف اسی علم کے لیے نازل ہوا تھا، حالانکہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے، نحوی کو نقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی پیش نظر ہیں۔ اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں وہ نحو کے قواعد، مسائل فروع اور خلافیات ہی کو داخل کرے گا جس طرح زجاج وواحدی نے بسیط میں اور ابوحیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے، اخباری کو صرف قصے اور ان کی تکمیل ہی پیش نظر رہتی ہے، گزشتہ قصوں کا خیال رہتا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط، ثعلبی اُن لوگوں میں سے ہیں۔ فقیہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کرے۔ بسا اوقات فقیہ فرعیات فقہ کی دلیلیں لاتا ہے حالانکہ نفس آیت سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور پھر مخالفین کے جواب بھی نقل کر دیتا ہے، اس قسم کے لوگوں میں سے قرطبی ہیں، ارباب علوم عقلیہ میں امام رازی ہیں، جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہیں سے کہیں چلے جاتے ہیں۔ جس سے دیکھنے والا تعجب میں رہ جاتا ہے۔ ابوحیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں درج کر دیں جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہ تھی۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں، ایک بدعتی کی غرض آیتوں کی تحریف ہوتی ہے تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے، یا اگر کوئی ایسا موقعہ پاتا ہے جس میں اس کی کچھ بھی بات بن سکے تو فوراً بنا لیتا ہے اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ خدا کی نسبت جھوٹ بناتا ہے جو اس نے بالکل نہیں کہا اور جو لوگ قرآن میں بلا سند، سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا، قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ کے بغیر کچھ کہتے ہیں وہ سب اس قسم میں شامل ہیں، محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے، جس کا نام العجائب والغرائب رکھا ہے۔ اس میں ایسے اقوال نقل کئے ہیں جو عوام کے نزدیک عجیب اور طریق سلف سے دور ہیں بلکہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی جائز نہیں اور ان کا ذکر تحذیر کے سوا ناجائز ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بلقینی سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایسے مفسر ملحد ہیں اور قرآن کے بارہ میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے امام واحدی سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ سلمی نے حقائق التفسیر لکھی ہے جو شخص اسکو تفسیر کہے وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا کہ نصوص کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائیگا اور ان سے اہل باطن کے معانی کی جانب پھرنا الحاد ہے

اس قسم کی تفاسیر کے درس و مطالعہ اور بحث و نظر نے ہماری تمام قوتوں پر عالم ممات طاری کر دیا، چونکہ انسان منفعل اور اثر پذیر واقع ہوا ہے۔ اس لیئے عام لوگوں نے تعطل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور آخر یہ کہنا پڑا کہ لم یبق من الاسلام الا رسمہ،

الفاظ کی غلط تعبیر

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن حکیم کے اکثر الفاظ کے حقیقی مفہوم و معانی بدل دیئے گئے، لسان الٰہی نے ان کو جن مواقع پر استعمال کیا تھا اور جو مطالب صاحب شریعۃ علی صاحب الصلوٰۃ والتحیۃ کے پیش نظر تھے وہ بالکل فراموش کر دیئے گئے، ہم مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کرتے ہیں:۔

(۱) توکل، عام لوگوں کے نزدیک اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ ایک انسان، بیکاروں اور اپاہجوں کی زندگی بسر کرے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے کوئی کام نہ کرے، لوگوں کے صدقات و خیرات اور نذر و ہدایا پر نظر رکھے لیکن قرآن کا اس کا مفہوم بالکل جداگانہ بتاتا ہے اس کے نزدیک توکل کے یہ معنی ہوں گے کہ مشکلات و مصائب کے وقت ہمت و استقلال حزم و ثبات قدم اور جوش صادق و ولولہ عمل کے ساتھ مصروف کار ہو نتائج و ثمرات کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اپنے فرائض حیات کو ترک نہ کر دے بلکہ خدائے حق نواز سے پوری توقع رکھے کہ ضرور کامیابی نوازش کرے گا، چنانچہ فرمایا:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۵: ۲۵، ۲۶)

وہ لوگ کہنے لگے، اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور جا داخل ہوں گے خدا سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمی تھے جن پر خدا نے اپنی خاص مہربانی کی وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو، اور جب تم دروازوں میں گھس پڑو تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔

(۲) صبر، مشہور یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی تکلیف و مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کریں، ذلتوں اور رسوائیوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈال لیں، پٹیں اور اُف نہ کریں، سب طرف سے لعنت و نفرین ہو اور ہم خاموش بیٹھ کر سنا کریں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ صحیح اصول اور مقاصد صالحہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے وقت جسقدر بھی تکالیف و شدائد آئیں ان کو برداشت کریں باوجود ان آلام و مصائب کے اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کام برابر جاری رکھیں۔ اور رکاوٹوں سے گھبرا کر اپنے آپ کو بے دست و پا نہ بنالیں۔ حسب ذیل آیتیں اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (۳: ۱۴۰)

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳: ۲۰۰)

اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے تو

جو مصیبت ان کو اللہ کی راہ میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ بودا پن کا اظہار کیا اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا اور اللہ صابروں کو دوست رکھتا ہے۔ اپنے مقصد پر مرمٹو، دوسروں کو مرنے کے لیے تیار کرو، دشمنوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرو، اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن حکیم ارباب صبر و استقامت سے کم از کم اتنی توقع ضرور رکھتا ہے کہ اپنے سے دگنی طاقت کا مقابلہ کریں

فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (٨ : ٦٦)

اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو خدا کے حکم سے وہ دو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

(٣) تقدیر، اس عقیدہ کے غلط مفہوم نے بھی مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کچھ کم حصہ نہ لیا، لوگ سمجھ گئے کہ جب سب کچھ خدا کے حکم سے ہوتا ہے تو ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے بقاء و قیام کے لیے کوشش کرنا ترک کر دی، بیکاروں اور اپاہجوں کا ایک گروہ بن گیا اور بے دست و پا بن کر دوسروں کے لیے بار دوش ثابت ہوئے، لیکن یقین کیجئے کہ اسلام کبھی اس سے آلودہ دامن نہیں ہوا، اس کی تعلیم کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مسلمان تعطل و بیکاری کی زندگی بسر کریں بلکہ وہ تو یکسر پیغام عمل ہے، اس نے اپنے نزول کے اولین روز بیانگ دہل اس امر کا اعلان کر دیا کہ:۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ (٥٣ : ٤٠، ٤١)

انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر دیکھی جائیگی،

پھر فرمایا

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (٩٩ : ٧، ٨)

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس نیکی کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

دوسری جگہ فرمایا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ

ان کا کیا ان کو، اور تمہارا کیا تم کو،

گویا اس نے ہر ایک کے سامنے دعوت عمل پیش کی اور بتا دیا کہ یہ صرف انسان کی اپنی سعی و کوشش ہے جو اچھے اور برے نتائج پیدا کرتی ہے انما ھی اعمالکم فمن وجد خیرًا فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ۔ میں اسی حقیقت کو واضح کیا۔

قرون اولیٰ کے مومنین و قانتین تقدیر کا مفہوم صرف اتنا جانتے تھے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت

ہمارے نفع ونقصان، سود وزیاں، داد وستد، سلب وعطا، اور حیات وممات کی مالک نہیں صرف خدائے یگانہ وتنہا رہی کی ذات ہر قسم کے احکام نافذ کرتی ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس عقیدہ نے عرب کے بادیہ نشینوں میں اتنا جوش وولولہ عمل اور استقلال وثبات قدم پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کی تخت گاہوں کو الٹ دیا اس وقت تو ایک ایک قطرہ طوفان دربغل تھا۔ اور اب سب کے سب یاس وحسرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں، نشتان بینھما

(۴) جہاد فی سبیل اللہ، بہت سی زبانیں تو اس کے ذکر ہی سے گنگ ہیں، شیاطین الانس کا خوف ان کے رگ وپے میں اس درجہ اثر کئے ہوئے ہے کہ وہاں اللہ کے خوف کے لیے جگہ نہیں:۔ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (۴: ۷۷) اور جنہیں ابھی بولنے کی طاقت حاصل ہے وہ اسے جہاد بالنفس پر محمول کرتے ہیں اور رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔ کی غلط اور موضوع حدیث سے ان کا نفس خادع تمسک واعتصام کرتا ہے گویا ابلیس نے ان علمائے سو کو اپنے اعمال شیطانی کے لیے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے، لیکن قرآن حکیم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:۔

اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۶۱: ۴)

بیشک خدا ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے،

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں سے تمام تعلقات وروابط منقطع کیے گئے وہ وہی تین جلیل القدر صحابہ تھے جو کاہل کی بنا پر جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۹: ۱۱۹)

اور ان تین پر بھی جو بانتظار امر خدا ملتوی رکھے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی تاکہ وہ آئندہ کے لئے توبہ کئے رہیں، بیشک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کی نسبت فرمایا کہ نہ صرف یہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنیں گے بلکہ ان کی وجہ سے تمام قوم مبتلائے آلام ہو گی:۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۸: ۲۵)

اور اس بلا سے ڈرتے رہو جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نازل نہیں ہو گی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی

ہے، بلکہ سب اس کی زد میں آجاؤ گے اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

جس طرح ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کے بقاو قیام کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں پر حیات اجتماعی کے قائم و دائم رکھنے کے لیے جہاد کو الزام اللوازم قرار دیا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (۸ : ۶۲)

اور سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے لیئے سازوسامان مہیا کیئے رہو کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔

پھر نبوت کے اعمال مہمہ میں سب سے اشرف و اعلے مقام اسے نوازش کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (۸ : ۶۶)

اے نبی! مسلمانوں کو جنگ و قتال کرنے کے لیے اُبھارو۔

عالم الغیب والسرائر کو اس امر کی اطلاع تھی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر زندگی بطالت و بدعملی، اور جبن و نامردی کی تصویر ہو گی، جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراش کر نفس خادع کے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے اور قتال فی سبیل الحق والحریۃ ترک کردیں گے اس لیے سورۂ توبہ میں ان کے ایک ایک عذر لنگ کو بیان کیا، ہر ایک کی حقیقت آشکارا کر دی اور بتا دیا کہ تمہیں کسی طرح بھی اس فرض اہم و قدم سے نجات نہیں مل سکتی یہ فوجی خدمت ہر مسلم مرد و عورت، امیر و غریب، بادشاہ و فقیر اور آقا و غلام پر لازمی ہے اور اس سے کسی کو حق استثناء حاصل نہیں ہم اس وقت صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ تفصیل کا مقام دوسرا ہے۔

(الف) مخالفین و معاندین اسلام نے اپنی مجتمعہ قوت سے اسلامی حکومتوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام بلاد و امصار تباہ و برباد ہو رہے ہیں، اندیشہ ہے کہ حمیت مذہبی کی وجہ سے مسلمان مقابلہ کے لئے نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ دشمنان دین فوراً اپنے مواعید کاذبہ کا اعلان کر دیتے ہیں کہ فرزندان اسلام کے تمام حقوق کی حفظ و نگہداشت کی جائے گی ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا جائیگا، اور ان کے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی جاتے گی اس قسم کی دلفریب باتیں سُنکر اکثر حیلہ جو طبیعتیں پکار اُٹھتی ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا حد درجہ کی سفاہت و بداخلاقی ہے، یہ تو پیکر فرشتگی و ملکوتیت ہیں، قرآن کہتا ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جہل و نادانی ہے وہ کبھی اپنا وعدہ پورا نہ کریں گے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (۹ : ۱۷)

مُشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں اور اپنے اوپر کُفر کی گواہی بھی دیتے جائیں۔

(ب) مُسلمان اپنے گھروں میں نیک کام کرتے ہیں، علمائے کرام قرآن و حدیث کے درس میں مصروف ہیں گروہ صوفیہ اپنی خانقاہوں میں اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے کہ تزکیہ نفس حاصل ہو۔ ہزاروں لاکھوں انسان تیغ حیوان سے اپنی تشنگی

کو دور کرتے اور سیراب ہو ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ ان اعمالِ صالحہ کو پیش کر کے اپنے آپ کو قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن لسانِ الٰہی ان بد بختانِ ملت کو ظالم قرار دیتی ہے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۹: ۱۹)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد رکھنے کو اس شخص کی خدمتوں جیسا سمجھ لیا، جو اللہ اور روزِ آخرۃ پر ایمان لاتا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

حضرت عبداللہ بن المبارک نے اپنے سال کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، تین ماہ تجارت کرتے تین ماہ درس حدیث میں مصروف رہتے، تین مہینوں میں حج ادا کرتے اور باقی ایام جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرتے انہوں نے حضرت فضیل بن عیاض کو خط بھیجا جو اس وقت بیت اللہ میں معتکف تھے اور حضرت عبداللہ مصروفِ جہاد، اس خط کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یاعابد الحرمین لو ابصرتنا ۞ لعلمت انك بالعبادة تلعبُ

فضیل رو پڑے اور کہا، ابو عبدالرحمٰن سچ کہتا ہے۔

(ج) دنیاوی ضرورتیں، ماں باپ کی محبت، رشتہ داروں کی خبر گیری، مساکین و غرباء کی اعانت، اور جائداد کی حفاظت ان میں سے ایک چیز بھی جنگ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

(۹: ۲۴)

کہہ دو اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبے دار، مال جو تم نے کمائے ہیں، سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن کو تمہارا جی چاہتا ہے، اللہ اس کے رسول، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو صبر کرو، یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو سرتابی کریں۔

(د) قلت تعداد، فقدانِ اسباب اور ضعفِ ظاہری کی بنا پر جہاد کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ

(۹: ۲۵)

اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا۔ تو

وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

(۷) تاجرانہ تعلقات اور ملازمت کے روابط کی بنا پر کسی قوم سے جنگ کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا اور یہ خیال نہ ہو کہ اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمدنی کے تمام ذرایع مسدود ہو جائیں گے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۭ

(۹ : ۲۸)

مسلمانو! مشرک تو گندے ہیں، تو اس برس کے بعد حرمت والی مسجد کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔

پس ان تمام آیات نے واضح کر دیا کہ جب تک آنکھوں میں بصارت ہے، کان سُن سکتے ہیں، ناک سونگھ سکتی ہے، زبان میں قوت گویائی، ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت، اور پاؤں میں چلنے کی قابلیت ہے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے، تمام محبتوں اور چاہتوں پر اس کی شیفتگی و وارفتگی غالب رہے، اس کا سودا سر میں ہو اور اس کی زنجیر پاؤں میں ہو کہ یہی احب الاعمال الی اللہ ہے، یہی سنام الاسلام ہے، یہی عصارۂ ایمان اور مغز عبادت ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۥ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

(۲۲ : ۷۷، ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق جہاد کرنے کا ہے اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لیے چن لیا پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے گزشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی، تاکہ تمہارے رسول تمہارے لئے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لئے شاہد ہو۔ پس اللہ کے رشتہ کو مضبوط پکڑو، جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لگاؤ، وہی تمہارا ایک آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!

احادیث نے اس کی اہمیت کو زیادہ کھول کر بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل، ثم احی ثم اقتل، ثم احی ثم اقتل۔

خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں پھر شہادت کا درجہ حاصل کر کے زندہ

کیا جاؤں پھر شہید ہو کر زندہ ہوؤں پھر قتل کیا جاؤں۔
دوسری حدیث میں کہا۔
رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیھا۔
ایک دن اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنی بہتر ہے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے۔
جس شخص نے جہاد کا ایک لمحہ کے لیے بھی ارادہ نہ کیا ہو اور اسی حالت میں مرگیا ہو اس کی نسبت فرمایا کہ وہ منافق کی موت مرا ہے۔
من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق۔
جو شخص مرگیا نہ تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے کرنیکا ارادہ ہی دل میں پیدا ہوا، وہ نفاق کی موت مرا۔
ایک موقعہ پر یوں ارشاد ہوا۔
ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔
جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔

غلط فہمی کے اسباب

آیات کا مفہوم سمجھنے میں اکثر غلطیاں اس لئے سنگ راہ ہوگئیں کہ باریک بین نگاہوں نے الفاظ کو موشگافی کی نظر سے دیکھا اور جب اس سے بھی سیری نہ ہوئی، تو دامان نگاہ کو تنگ کرنے کے لیئے ہر قسم کی تاویلات مدد لی اور بات کہیں سے کہیں جا پڑی، بے شبہ قرآن حکیم کا مفہوم اور مطلب سمجھنے کے لئے سخن فہم اور نکتہ سنج طبیعت کی ضرورت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے وارد کے اصول سے بھی علیحدگی ممکن نہیں۔ قرآن کے پڑھنے والے کو جس علم و فن پر عبور لازم ہے وہ اسوہ حسنہ رسول اللہ ہے جس کی ناواقفیت سے تفسیر میں صدہا مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔

دوسری غلط فہمی شان نزول کے متعلق پیدا ہوگئی۔ ہر آیت کے لئے کوئی نہ کوئی واقعہ فرض کر لیا گیا۔ پھر اس کے مطالب کو اسی مخصوص حادثہ میں محدود کر دیا ان میں بیشتر وہ واقعات تھے، جو اہل کتاب سے منقول اس لیے ناقابل اعتماد تھے مگر ان ارباب تفسیر نے انہیں اسرائیلیات کو اصل و اساس قرار دے کر قرآن کی تفسیر لکھی اور اس طرح اس کتاب کی اجتماعی اور محیط الکل حیثیت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ قرآن کو افسانہ گوئی کی کتاب بنا دیا۔ قصہ یوسف واقعہ حسن و عشق بن گیا۔ اور اب تو عام زبانوں پر یہ جاری ہے:۔
کہ من اسیر معشوق او بغیر زندانست!

سلیمان کے عجائب و غرائب تو زبان زد خاص و عام ہیں، ہاروت و ماروت کا ذکر بھی اسی قبیل سے ہے۔
قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ اُمتوں کے واقعات اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے بصیرت اندوز ہوں، ان سے استخراج و استنباط نتائج و شواہد کریں، جہانگیری و جہانداری کے اصول و ضوابط کی تعلیم ہو۔ پھر مصیبت یہ ہوئی کہ قرآن کے تخاطب کو صرف عرب کے لئے مخصوص کر دیا، کہا کہ یاایھاالناس سے مراد کفار مکہ ہیں اور یاایھاالذین امنوا کا روئے سخن اہل مدینہ کی جانب ہے اس میں شک نہیں کہ نزول قرآن کے وقت اولین مخاطب یہی لوگ ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کی باقی قومیں اور آنے والی نسلیں ان آیات کی مخاطب نہیں بن سکتیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اختلف اهل الاصول هل العبرة بعموم اللفظ او بخصوص السبب والارجح عندنا الاول۔

اہل اصول کا اس امر میں اختلاف ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا ہمارے نزدیک قول اوّل ہی ارجح و اقوی ہے۔

باوجود اس قسم کی تصریحات کے متاخرین نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا، اسی کا آج اثر ہے کہ صرف برکت اور بزرگی کی خاطر قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کے نزدیک اس کے مخاطب عرب تھے نہ کہ ہم انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ قرآن بار بار درس و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ محض الفاظ پر زور دینا اور حقیقت سے غافل رہنا شریعت کے نزدیک بیکار ہے۔ اس کا روئے سخن عالمگیر ہے وہ ایک بین الملی جامعہ کے قیام کے لیے آیا ہے۔ وہ ہماری انفرادی و اجتماعی خرابیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان کی اصلاح و تہذیب کے لیئے مرتب قانون پیش کرتا ہے۔ مگر چونکہ یہ حقیقت پیش نظر نہیں اس لیئے ہماری قومیں بیکار ہو گئیں۔ اپاہجوں کی اُمت بن گئے احیا اور تجدید کی ضرورت محسوس ہوئی تو یورپ کی جانب دیکھا اسی کی تقلید اعمیٰ کی زنجیروں نے ہمارے پاؤں کو بوجھل کر دیا،

اقسام القرآن کا علم نہایت ہی معنی خیز اور لطیف و دلاویز تھا۔ جس سے صدہا اسرار و مجوبات فطرت کا کشف و بروز ہوتا تھا۔ مگر اول تو اُن کی نظر ہی وہاں تک نہ پہنچی اور اگر امام فخرالدین رازی کو کچھ تنبہ ہوا بھی تو اتنا سا کہکر رہ گئے کہ قسمیں صرف اُن چیزوں کی بیان کی جاتی ہیں جو جلیل القدر ہوں۔

قرآن حکیم میں بار بار کہا گیا کہ جو لوگ ایمان باللہ اور عمل صالح رکھتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں شاد کام و بامراد رہیں گے، اور کبھی انہیں حزن و ملال نصیب نہ ہوگا۔ ارباب تفسیر نے اس امر پر مہر لگا دی کہ اعمال صالحہ کے جن نتائج و ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ قیامت کے لیے مخصوص ہیں۔ دنیا میں مسلمان ذلیل و رسوا رہیں گے۔ اس خیال نے پختگی پیدا کی اور اب تو یہی عقیدہ ہر مسلمان کے قلب و دماغ پر حاوی ہے۔ پس مسلمان دنیا کی جانب سے غافل ہو گئے اور محکومانہ زندگی پر قناعت کر بیٹھے مگر قرآن کہتا ہے کہ:۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج

(۳۹: ۲۶،۲۵)

جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی، ان کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزا چکھایا۔

دوسری جگہ فرمایا۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ (۲ : ۷۹)

تو کیا کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں، پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ (۳ : ۱۰۸)

جہاں دیکھو، ذلت ان پر سوار ہے، مگر اللہ اور نیک لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے کہیں ان کو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے، خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے۔

یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ ذلت و مسکنت، خسران و خذلان، اور غلامی و محکومی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب شدید کی نشانیاں ہیں۔ البتہ جن اربابِ قدس و طہارۃ کو وہ اپنے فضل مخصوص کے لئے چن لیتا ہے، ان کو جنت ارضی، خلافت الٰہی، اور سرفرازی و سربلندی نوازش کرتا ہے، چنانچہ فرمایا۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۳ : ۱۳۳)

نہ ہمت ہارو، اور نہ غم کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

پھر کہا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (۲۱ : ۱۰۵)

اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔

اس سے زیادہ اور کیا صداقت ہو سکتی ہے؟

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ۗ (۲۴ : ۵۴)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں، ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو سلطنت ضرور عطا کرے گا۔

سیاست تو ان کے نزدیک شجرۂ ممنوعہ سے کم نہ تھی، اس کا قرب و اتصال بھی ان کے لیے ارتکاب کبیرہ کے برابر

تھا اور بعض نکتہ آفریں طبائع نے تو اپنی بدمذاقی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ لاتقربا ھذہ الشجرۃ کی تفسیر میں لکھا کہ اس میں جس درخت کے قریب جانے کی ممانعت کی گئی ہے وہ یہی سیاست ہے۔ اس خیرونظری کی انتہا یہ ہوئی کہ مذہب اور سیاست کو دو جداگانہ چیزیں سمجھا جانے لگا۔ اب تو ہر شخص اس کو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد میں سے تسلیم کرتا ہے اور ارباب عمائم اپنے مواعظ وخطب میں بہانگ دہل کہہ اٹھتے ہیں کہ مذہب کا حلقہ دوسرا ہے اور سیاست کا دوسرا۔ ساء مایحکمون۔

آہ ان بدبختان ملت کو یہ تمیز نہ رہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ معجزات قاہرہ اور بشارات عظیمہ دیکر فرعون کے پاس بھیجتا ہے، فرعون مشرک بھی ہے، مے نوش بھی ہے، بدکار بھی ہے، فاسق بھی ہے، فاجر بھی ہے، غرض وہ سب کچھ ہے جو دنیا کا ایک سیہ کار اور شریر ظالم انسان ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر برحق تھے، توحید الٰہی، رد شرک و اصنام پرستی، تزکیہ نفس و اخلاق، درس کتاب و حکمت، ان کے فرائض نبوت کے حقیقی ارکان میں ان کا مخاطب، ایک مشرک و فاجر بادشاہ اور ایک مشرک و فاجر حکمران قوم تھی۔ اگر سیاست اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جیسا کہ نادانی اور جہل کے ابلیس نے تمہیں سمجھایا ہے۔ اور اگر ایک قوم کو غلامی سے نجات دلانا ایک غیر دینی عمل ہے، جیسا کہ بدبختانہ تم سمجھتے آئے ہو تو اب ضرور تھا کہ حضرت موسیٰ کی دعوت و تبلیغ بھی اس چیز سے بالکل علیحدہ رہتی جس کا نام تم نے سیاست رکھا ہے۔ وہ آتے اور فرعون سے سب کچھ چاہتے مگر وہ نہ چاہتے جو نہ تو دین ہے اور نہ پیغمبرانہ دعوت کا کوئی جزو حقیقی، مگر قرآن حکیم تمہارے سامنے موجود ہے۔ خدا نے فرعون کو نہ تو توحید کی دعوت دی نہ اس کی شراب کی بوتلیں توڑ ڈالیں نہ اس کی سیاہ کاریوں کا جائزہ لیا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دعوت کا صرف ایک ہی مقصد بتا کر رخصت کیا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۲۰ : ۲۵)

فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بڑا سرکش اور ظالم ہو گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے اور انہوں نے بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (۴۴ : ۱۷)

خدا کے بندوں یعنی بنی اسرائیل، کو مجھے واپس دیدو، جسے تم نے اپنا محکوم بنا رکھا ہے میں تمہارے پاس ایک امانت اور رسول بن کر آیا ہوں۔

تم نے غور کیا، یعنی حضرت موسیٰ نے فرعون کے آگے اپنی تبلیغ کا مقصد یہ نہیں کہا کہ فسق و فجور چھوڑ دو۔ گناہ اور شرارت سے باز آجاؤ۔ نیک زندگی اختیار کرو، پاک طریقوں پر عمل کرو بلکہ اولین مطالبہ یہ کیا کہ خدا کے جن بندوں کے پاؤں میں تو نے اپنی محکومی اور غلامی کی زنجیریں ڈالدی ہیں انہیں چھوڑ دے اور مجھے واپس دیدے، خدا نے مجھے اس قوم کا امین بنایا ہے اس کے بندوں کو میں آزادی دلاؤں گا۔ محکومی کی جگہ ایک حکمران قوم بناؤں گا، خدا کے بندے خدا کی امانت ہیں، تو ظالم و مستبد ہے، اس لئے تو اس امانت کا مستحق نہیں، یہ شرف اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے کہ میں

امانت کو ٹھیک ٹھیک اپنے پاس رکھوں گا۔

یہ مطالبہ اگرچہ نہایت مختصر الفاظ میں کیا گیا، لیکن درحقیقت وہ سیاست کی روح سیاست کا مغز اور سیاست کی حقیقی تفسیر تھا۔

دعوت و تبلیغ

اب ہم اتنی منازل مختلفہ طے کرنے کے بعد مذہب کے اس اہم و اقدم باب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس میں داخل ہونے کے بعد ہر قوم نے کامرانی و سربلندی کی راہیں اپنے سامنے کشادہ پائی ہیں اور جہاں ذرا سی ذلتہ قدم نے ان کو ہمیشہ کے لیے حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔

اسلام سے قبل جسقدر اقوام و امم اس زمین کی پشت پر پیدا ہوئیں۔ اگر ان کے تنزل و انحطاط کے اصولی اسباب و مراتب کا درس و مطالعہ کیا جائے تو سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز علت یہی نظر آئے گی جو تمام امراض و مفاسد ملی کے لئے بمنزلہ اصل و اساس کے کام دے گی کہ اُمت کے تمام افراد نے تبلیغ و دعوت کے اہم و اقدم فرض سے بعد و تجرا اختیار کیا، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بُرائی کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ مگر ٹس سے مس نہ ہوئے گویا آنکھیں اس لیے نہ دی گئی تھیں کہ ان سے دیکھنے کا کام لیتے۔ فانہا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

پھر اس کے ساتھ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ ایک مخصوص گروہ نے دعوت و اصلاح کو اپنے اندر محدود کر دیا کہ کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق حاصل نہیں، ہندوؤں میں صرف برہمن ہی ویدوں کے عالم بن سکتے ہیں۔ دوسروں کو صرف ان معبودان باطل کی رسوم پابندی کرنی پڑتی ہے۔ رومن کیتھولک کے فادروں نے کتاب مقدس کے اسرار و خزائن پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اربابًا من دون اللہ کا درجہ دیا۔

قرآن حکیم کا نزول ہوا کہ وہ ان بیڑیوں کو کاٹ دے جو لوگوں کے پاؤں میں ڈال دی گئی ہیں۔ اس نے ہر مسلم کا فرض قرار دیا کہ وہ مبلغ ہے اور اسلام و قرآن کی آواز دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچانا اس کا مقصد حیات۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

(۳ : ۱۰۶)

لوگوں کی راہنمائی کے لئے جتنی اُمتیں پیدا ہوئی ہیں ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُرے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ؕ (۲ : ۱۳۷)

اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا تاکہ لوگوں کے راہنما بنو،

سورۂ حج میں فرمایا

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲ : ۴۱)

اگر حاکم بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جماویں تو نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، لوگوں کو اچھے کاموں کے لئے کہیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یہ تمام آیات بغیر کسی اختلاف و تفریق کے ببانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں کہ مسلمان صرف اس غرض کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں کہ وہ ہر نیکی کے آمر اور ہر برائی کے ناہی ہیں۔ تبلیغ و دعوت ان کا طغرائے امتیاز ہے جو ان کو باقی تمام اقوام عالم سے نمایاں کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر فرد پیکر دعوت و اصلاح ہے اور اس میں کسی ایک گروہ کی تخصیص نہیں بلکہ یہ فرض عام اور سب پر فرداً فرداً حاوی۔

سورۂ عصر نے تو کامیابی اسی تبلیغ و اشاعت ہی کو قرار دیا کہ اگر فرزندانِ اسلام تواصی بالحق و تواصی بالصبر کریں گے تو خسران و خذلان اور ذلت و ادبار میں مبتلا ہوں گے۔ اور پھر وہی لوگ مستوجب عقوبت نہ ہوں گے، جنہوں نے تبلیغ و ارشاد کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی قرار دیا اور اس کے ادا کرنے میں تساہل سے کام لینے لگے، بلکہ پوری اُمّت کی اُمّت مبتلائے الام ہو گی۔ واتقوا فتنة لا تصيبنّ الّذين ظلموا منكم خاصة۔

جبکہ ہر مسلم داعی الی الحق پیدا کیا گیا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ لسان نبوت خاموش رہتی اور صحابہ کرام اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہ ڈالتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ :۔

فليبلغ الشّاهد الغائب فان الشّاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه ۔

ہر وہ شخص جو اس وقت موجود ہے، غائب کو اس کی اطلاع کر دے، ممکن ہے جس کو اس کی خبر پہنچے وہ مبلغ سے زیادہ صاحب فہم و فراستؔ ہو۔

پھر ایک جگہ فرمایا،

من رای منکم منکرا فليغيّره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان۔

تم میں سے جو شخص کسی بُرائی کو دیکھے وہ طاقت سے کام لے کر اس کو روکے، اگر قوت نہیں تو زبان سے ورنہ دل سے ضرور ہی بُرا جانے، اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمان ہے۔

مزید تاکید کے بعد یہ ارشاد فرمایا:۔

الا كلّكم راعٍ وكلّكم مسئول عن رعيّته۔

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال کیا جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اس کی اہمیت کو واضح کیا۔

لو وضعتم الصمصامة علی ھذہ واشار الی قفاہ ثم ظننت انی انفذ کلمة سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان تجیزوا علی لانفذتھا۔

اگر تم تلوار کو میری گردن پر رکھ دو اور مجھے یہ توقع ہو کہ گردن کٹنے سے قبل میں ان کلمات کی تبلیغ کر سکوں گا جو نبی علیہ السلام سے سن چکا ہوں تو ضرور کہہ کر رہوں گا۔

صحابہ کرام کی حیات مقدس اس امر کی شاہد ہے کہ ان میں ایک ایک فرد مجسم دعوۃ اسلام تھا وہ کہیں جاتے، تبلیغ کا درد ان کے دل میں تھا، ان کا ہر اقدام واو بار اسی غرض کے لیئے ہوتا، تجارت تھی تو اسی کے لیئے زراعت تھی تو اسی کی خاطر، بلاد بعیدہ اور ممالک اجنبیہ کے دور دراز سفر تھے، جنگلوں اور بیابانوں کی بادیہ پیمائی تھی، پہاڑوں کی سربفلک چوٹیاں سمندروں اور دریاؤں کی طوفان خیز موجیں، آندھیوں اور طوفانوں کی ہلاکت خیز بربادیاں ان کی راہ میں حائل تھیں مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے لئے سنگ راہ ثابت نہ ہوئی۔ قیدخانوں کی کوٹھری میں بھی وہ اسوۂ یوسفی کو ہاتھ سے نہ دیتے اور برابر تبلیغ میں مصروف رہتے، وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر زندگی اسی فرض جلیل کے ادا کرنے میں گزر گئی لوگوں نے آپ پر پتھر برسائے، گالیاں دیں، مجنون وساحر کہا، کس لئے؟ صرف اس لئے کہ داعی حق، ناشر صداقت اور مبلغ قرآن تھے۔

لیکن آہ ثم آہ! مسلمانوں نے اس اسوۂ حسنہ کو ترک کر دیا، اس سے بعد و ہجر اختیار کیا اور اس کو وراء ظھورھم پھینک کر یقین کر لیا کہ ضرور کامیاب ہوں گے، لیکن صدیوں کے تجربہ نے آج اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ جب تک ہر فرزند اسلام قرآن حکیم کی دعوت کے لیے سرگرم کوشش نہ کریگا۔ اور اس کتاب عزیز کو لیکر سرفروشانہ اقدام نہ کرے گا امت مسلمہ کا تنزل وانحطاط سے نجات حاصل کرنا محال قطعی ہے۔

چند ابتدائی صدیوں تک مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ تبلیغ و دعوت ہر مسلمان کا فرض حیات ہے مگر آخر جمود و استبداد نے ان کی قوتوں کو پامال کر دیا اور گروہ علماء نے اس پر قبضہ کر لیا، گویا یہ اقلیم فرمانروائی تھی جو صرف انہیں کے لئے مخصوص تھی لیکن آج وہ بھی اپنے فرض سے غافل اور خانقاہوں میں تسبیح و سجادہ پر قانع ہیں۔

پس وقت آگیا ہے کہ ہر وہ مسلم جس کے دل میں اسلام کا درد اور دین کی ٹیس ہے میدان عمل میں آگے بڑھے اور قرآن کی نشر واشاعت میں لگ جائے۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ (٦ : ١٥٢)

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

◎

قرآنی مطالعے کے بنیادی اصول

◎

: از :

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

: مرتّب :

مولانا محمد مہاجر مدنی تلمیذ حضرت امام سندھی رحمہما اللہ

◎

قرآنی مطالعہ کے بنیادی اصول

حصہ اوّل ـــــ قرآن کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟

پہلا باب — قرآن مجید کی تعلیم کا اثر

گزشتہ[۳] کانفرنس منعقدہ آگرہ میں خاکسار نے ایک مضمون پڑھا تھا، جس میں زیادہ تران دو امور پر بحث کی گئی تھی کہ ہماری قوم کے جدید طبقے میں مذہبی تعلیم کی کس حد تک ضرورت ہے اور اس طبقے کی مذہبی تعلیم کے لیے کس قسم کے مضمون کی ضرورت ہے۔ اس مرتبہ میں قرآن مجید کے متعلق اپنی ناچیز رائے عرض کروں گا۔ یہ فقط قرآن مجید کی تعلیم کا اثر تھا کہ چند سال کے عرصہ

---

[۱] رسالہ کے پہلی اشاعت کے پیش لفظ میں ناشر جناب عبدالرحمان صاحب تحریر فرماتے ہیں "یہ رسالہ "قرآن کا مطالعہ کیسے کریں؟" دراصل مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا خطبہ صدارت ہے جو ۱۹۱۳ء میں (جیسا کہ خطبہ کے خاتمہ سے ظاہر ہے) آپ نے غالباً آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں پڑھا۔ چونکہ مطبوعہ خطبہ دستیاب نہ تھا اس لئے ایک نقل شدہ کاپی سے اسی زمانہ میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ میں نے دو نقلیں کیں ایک اُستاذی المکرم مولانا نور الحق مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور کے لئے اور ایک اپنے لئے مختلف وجوہات اور گوناگوں حالات نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ ان بیش قیمت اور معلومات افزا خیالات کو جو اس خطبہ میں پیش کئے گئے ہیں اس سے پہلے کسی نہ کسی صورت میں پبلک کے سامنے پیش کرتا۔ لیکن اب میں نے محسوس کیا ہے کہ مزید تاخیر ٹھیک نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو پیش لفظ "قرآن کا مطالعہ کیسے کریں طبع اول لاہور) ۱۲

[۲] اس کے پہلے مزید "قرآن کا اعجاز و تاثیر قرآن" مقالہ جات از حضرت امام سندھیؒ شعور و آگہی سے مطالعہ کیا جائے ۱۲

[۳] قرآنی مطالعہ کے بنیادی اُصول کا پہلا حصہ امام سندھیؒ رحمۃ اللہ کا وہ تحریری خطبہ ہے جو آپ نے بطور خطبہ صدارت ۱۹۱۴ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں پیش فرمایا اور دوسرا حصہ جو آگے آرہا ہے وہ مولانا محمد مہاجر نے حضرت سندھیؒ سے سن کر قلمبند کیا ہے۔

(ناشر)

میں عرب کے بُت پرست اور جاہل لوگ[1] دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست سب سے زیادہ متمدن سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔

---

[1] حضرت امام سندھیؒ کے نزدیک شاہ صاحب کے مسلک کے مطابق قرآن کے اصل مخاطب قریش مکہ ہیں نہ کہ عرب کے جاہل بدو، چنانچہ شعور و آگہی صفحہ ۹۳ تا ۹۶ میں فرماتے ہیں "مکہ کے قریش کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ عرب کے دیگر بدو قبائل کی طرح ایک قبیلہ تھا، صحیح نہیں، صحرائی و بدوی زندگی اور اس کے لوازمات و خصائص جو دوسرے بدوی قبائل میں موجود تھے قریش ان سے بہرہ ور تو ضرور تھے لیکن عرب کی بدوی ذہنیت کا نمونہ نہ تھے، قریش کی اپنی خاص روایات تھیں اور قصیؔ کے زمانہ سے مکہ کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ایک نظم چلا آتا تھا۔ نیز تجارتی قافلوں کی وجہ سے قریش کو ہمسایہ ملکوں میں آنے جانے کا موقع ملتا تھا اور حج و عکاظ کے میلے کے موقعوں پر عرب قبائل سے بھی ان کے راہ و رسم پیدا ہو جاتے تھے، یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے قریش ایک طرف مشرق قریب کے تمدنی سرمایہ اور ذہنی روایات سے واقف تھے اور دوسری طرف قبائل کی بدویانہ خصائل سے بھی نابلد نہ تھے، چنانچہ قرآن کے بلند معانی اور اعلیٰ مضامین قریش کے لئے اجنبی نہ تھے وہ یہودی اور نصرانی روایات کو بھی سمجھتے تھے اور قرآن میں علم و حکمت کی جو باتیں بیان کی جاتی تھیں۔ ان سے بھی محظوظ ہوتے تھے۔ البتہ ان کے دماغوں میں اپنا کوئی واضح اور مستقل فکر نہ تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی مادی اغراض میں اسطرح اُلجھے ہوتے تھے کہ وہ ادھر توجہ نہیں کرتے تھے، قرآن کو عرب کی بدوی ذہنیت کا ترجمان کہنا سخت غلطی ہے، قرآن کا خطاب تو قریش کی ترقی یافتہ سوسائٹی کی طرف تھا مکہ میں قریش کا اپنا باقاعدہ نظام تھا۔ تجارتی اور سیاسی معاملات سلجھانے کے لئے قواعد و ضوابط تھے۔ قومیت کا ان کا اپنا ایک مخصوص تصور تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں ایسی مذہبی رسوم بنالی تھیں جو ان کے مادی اور جماعتی مفاد کے لئے مفید تھیں اور اس کی وجہ سے بدو قبائل میں ان کا مذہبی وقار بھی قائم ہوتا تھا اور اس عہد کے ایک محقق کے الفاظ میں متعدد کاروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی نہ رہی تھی۔ اسماعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے خذاعہ یمن کے تھے۔ مکہ والوں کی رشتہ داری اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور طائف سے بھی کافی تھے، قصیؔ کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قضاعہ سے تھا۔ قصیؔ کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں سر برآوردہ حیثیت حاصل کی اور قصیؔ ہی کی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی جس میں سماجی اور انتظامی عہدے موروثی مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے، جہاں تک قانون کا تعلق ہے حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم ہونے کے باعث اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعہ کا پتہ نہیں چلتا لیکن قانونِ معاہدہ اور قانونِ جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم سے بچنے کے لئے حلف الفضول کے نام سے ایک رضاکار نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آگیا تھا لیکن مکہ کے اس نظام میں چند بنیادی خامیاں تھیں جن کی بناپر مکہ کی شہری زندگی میں اندر ہی اندر ناراضگی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ مکہ میں ایک طرف سرمایہ دار تاجروں کا ایک مخصوص طبقہ تھا اور دوسری طرف حبشی غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ مکہ میں سودی کاروبار زوروں پر تھا امیر طبقہ مال میں مست تھا تجارت کے سائے سے انہیں دولت ملتی اور دولت سے یہ لوگ خدمت کے لئے حبشی غلام خریدتے اور حظِ نفس کے لئے لونڈیاں لاتے، چنانچہ ناچ اور گانے کی محفلیں جمتیں اور شراب کا دور چلتا سفر کے سلسلے میں جب ان لوگوں کا ایران اور شام سے گزر ہوتا تو وہاں سے عیش و عشرت کے نئے نئے انداز سیکھ کر آتے مکہ کا یہ گنا چُنا اوپر کا طبقہ اس لہو و لعب میں منہمک تھا لیکن مکہ کے باشندوں کی اکثریت اقتصادی بدحالی کا شکار ہو رہی تھی"

لہٰذا یہاں حضرت امام سندھیؒ کا مقصد قرآن پاک کے بواسطہ جماعت صحابہ (مہاجرین و انصار) عمومی اثرات کو بیان کرنا ہے چنانچہ بعثت سے سو سال کے عرصہ میں قوم عرب بحیثیت خدام اسلام و انسانیت نہایت احسن طریقے سے ذمہ داری کو پورا کرتے

ہوئے نظر آتے ہے ۔ بہں عرب تبائل قیصر و کسریٰ کے فرسودہ نظاموں کو اُلٹ کر نئے تمدن کی بنیاد رکھتے ہیں ۱۲ (ع ن)

اسی قرآن کی تعلیم نے ان میں نہایت جلد ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کر دیئے کہ اگر ایک طرف چند سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں نے متفقہ طور سے ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا تھا تو دوسری طرف وہ سب سے زیادہ خدا پرست بن گئے۔ جنگ قادسیہ کے موقعہ پر جو ۱۵ھ میں ہوئی تھی۔ ایک ایرانی جرنیل نے کہا تھا۔ کہ ہم ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے یہ رات کو فرشتے ہوتے ہیں اور دن میں شیر ہے

اس تعلیم کے نتائج ظاہر ہونے سے پیشتر عربوں کی جو حالت تھی۔ اس کا اندازہ ایران کے شہنشاہ یزدجرد کے ان خیالات سے ہو سکتا ہے جس کا اظہار فردوسی نے اس طرح کیا ہے۔

زشیر شتر خوردن سوسمار — عرب را بجاتے رسید است کار
کہ تخت کیاں راکنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

اونٹ کا دودھ پینے اور گوہ کھانے سے قوم عرب کا کام اس جگہ پہنچ گیا ہے کہ کیان کے تخت کی آرزو کرنے لگ گئے تجھ پر تُف ہے اے آسمان اور تُف ہے۔

دنیا میں وہی حکومت کرتے ہیں جن کے اخلاق بہتر ہوتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم نے ان اونٹ چرانے والے عربوں کو نہایت جلد ایسے اخلاق سے مزین کر دیا۔ کہ ایران تو ایران رہا وہ تقریباً تمام دنیا کے مالک بن گئے خدا کے احکام کی تعمیل کے لیئے وقت اور مال کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ نہایت خوشی سے جان دینا بہترین کامیابی سمجھنے لگے۔ مثلاً دو واقعات پیش کرتا ہوں۔

(۱) عن انس قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالی حراماً فی سبعین راکبا، فلما قدموا قال لھم خالی۔

اتقدمکم فان امنونی حتی ابلغھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ والا کنتم منی قریبا۔ فتقدم فامنوہ۔

فبینما ھو یحدثھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل منھم فطعنہ۔ فاوماؤا فقال اللہ اکبر فزت برب الکعبۃ۔

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ماموں حرام کو ستر سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ پس پھر وہ پہنچے تو میرے ماموں نے ان سے کہا کہ میں تم سے پہلے جاتا ہوں اور اگر انہوں نے مجھے امان دی کہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دوں تو خیر ورنہ تم میری مدد کے لئے قریب ہو جانا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے۔ اور انہوں نے ان کو پوری امان دے دی۔ لیکن جس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا رہے تھے تو ان لوگوں نے اپنے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ تو اس نے ان کے ایک نیزہ مارا۔ وہ نیزہ ان کے جسم کے پار ہو گیا۔ اس پر میرے ماموں نے کہا۔ اللہ اکبر کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

۲۔ حضرت خبیبؓ کا واقعہ بخاری اور ابوداؤد میں مذکور ہے کہ جس وقت آپ کو حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد نے شہید

سے اسی قسم کا ایک واقعہ اشاعت اسلام معروف بہ "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" میں مولانا حبیب الرحمان عثمانی ؒ نے غالباً تاریخ طبری کے حوالہ سے لکھا ہے، فرماتے ہیں اجنادین ملک شام میں بہت بڑا شہر ہے اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں میں بڑا معرکہ ہوا ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا مسلمانوں کا لشکر یہاں جمع ہو گیا تو سپہ سالار روم نے ایک عربی شخص کو اس غرض کے لئے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کی اصلی حالت کی خبر لاوے یہ شخص چونکہ خود عربی تھا مسلمانوں میں آملا اور ایک رات دن رہ کر ان کے شب و روز کے حالات دیکھے، راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوت کلام الٰہی کرتے دیکھا ہر شخص کو دیکھا کہ بلا تصنع و تکلف عبادت میں مشغول ہے ایک دوسرے کا باہمی معاملات میں نہایت صفائی سے برتاؤ ہے۔ ہر شخص امیر کے حکم کا دل و جان سے مطیع و فرمانبردار ہے۔ یہ حالات دیکھ کر واپس ہوا۔ سپہ سالار روم نے پوچھا کہو کیا دیکھا اس نے کہا۔ باللیل رھبان وبالنھار فرسان، ویوسرق ابن ملکھو قطعوہ ولوزنی رجم لاقامۃ الحق فیھم، (یہ لوگ رات کو راہب اور عابد ہیں اور دن میں بہادر شہسوار اگران کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو رجم کردیں حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں) سپہ سالار نے سن کر کہا ان کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھولاء (اگر تو نے صحیح بیان کیا ہے تو زمین کے اندر رہنا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جائے) صحابہ کے یہی حالات تھے جن کو دیکھ کر ہر مخالف شخص بھی متاثر اور اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے۔

(اشاعت اسلام صفحہ ۸۴، ۸۵ طبع دہلی ۱۹۵۰ء)

کیا تو آپ نے یہ شعر پڑھے۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا — عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِ

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ — یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

ترجمہ :۔ جب کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں۔ تو مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ کے راستے میں کس پہلو پر گرتا ہوں۔ اور یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ کہ اگر وہ چاہے تو انہیں جُدا جُدا ہوتے اعضاء کے جوڑوں میں برکت پیدا کر دیگا ممکن ہے یہی کچھ کام کر جائیں ؛

عقلمند لوگوں نے اس تعلیم کے ظاہری نتائج پیدا ہونے سے پیشتر ہی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ تعلیم یقیناً ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کرنیوالی ہے۔ کہ جن لوگوں پر اس کا اثر ہو گا۔ خواہ وہ کیسے ہی غیر مہذب اور جاہل کیوں نہ ہوں۔ نہایت جلد دنیا میں بہترین اور قوی ترین بن جائیں گے۔

ہرقل کی دعوت کا واقعہ :۔

چنانچہ سنہ ۶ھ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کو بذریعہ خط و کتابت دعوت اسلام دی تو اس نے ابوسفیان کو جو اتفاقاً اس وقت روم ہی میں تھا۔ بلا کر اسلامی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے۔ حالات معلوم ہونے کے بعد ہرقل نے یہ الفاظ کہے۔

اِنْ یَّکُ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَاِنَّہٗ نَبِیٌّ وَلَیَبْلُغَنَّ مُلْکُہٗ مَا تَحْتَ قَدَمَیَّ۔

ترجمہ :۔ "جو کچھ تم کہتے ہو اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً نبی ہے اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں کے نیچے کی زمین تک پہنچے گی۔

ہرقل کی یہ رائے بالکل صحیح ثابت ہوئی اور یہی تعلیم آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ مگر آج ہم نہایت خراب حالت میں ہیں۔ تمام دنیا میں مسلمان نہایت پست اور کمزور ہیں اور ان کی اخلاقی اور روحانی حالت نہایت تیزی سے تنزل (زوال) کر رہی ہے۔ یہ نہایت عجیب اور حیرت انگیز بات ہے اور ہماری اس پست حالت کو دیکھ کر اکثر لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا ہے کہ ان کی مذہبی تعلیم کی بدولت ان کی یہ حالت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعمال تعلیم ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں چنانچہ اس بارے میں مصر کے اس صدی کے ایک نامور عالم نے لکھا ہے۔

وانما یکون تغیرما بالانفس بالتربیة والتعلیم۔ فان المراد من التغیر ما یترتب علیه تغیر العمل وانما الاعمال آثار العلوم والاخلاق۔ فمتی کان العلم بالحق والباطل وبالمصالح والمفاسد صحیحا۔ والاخلاق فاضلة کانت الاعمال کلها صالحة مودیة الی رقی الافراد وکمالهم الدینی والمدینی۔ ولو کان التعلیم الذی جرینا علیه من عدة قرون یخرج لنا رجالا ینهضون بالامة الاسلامیة ویخرجونها من حجر

الضب الذی نحن فیہ ظہرت آثارھم ولما بقینا فی ھذہ المہانۃ التی نحن فیہ منذ بضعۃ قرون کاننا مصابون بالفالج او داء السکتۃ۔ [3]

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاریؒ کتاب الجہاد باب ھل یُستأسر الرجل الخ جلد ۱ صفحہ ۴۲۸ طبع نور محمد دہلی ۱۲

[2] بخاری کتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام جلد ۱ صفحہ ۴۱۳ طبع مذکورہ ۱۲

[3] یہ حوالہ معلوم نہیں کس کتاب سے حضرت سندھیؒ نے لیا ہے اور مصری عالم سے کون مراد ہیں ۱۲

ترجمہ:۔"اور کسی قسم کا تغیر (تبدیلی) تعلیم و تربیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تغیر (تبدیلی) سے مراد وہ تغیر (تبدیلی) ہے جس کا نتیجہ عمل کا تغیر ہے۔ اور اعمال، علوم اور اخلاق کے آثار ہیں تو پھر جب حق اور باطل اور منافع اور مضار (نقصان دہ) کا علم صحیح ہو گا اور اخلاق عمدہ ہوں گے تو اعمال بھی سب اچھے ہوں گے۔ جو کہ قوم کے افراد کو اعلیٰ ترقی دیں گے اور مذہبی اور تمدنی کمالات تک پہنچا دیں گے اور اگر موجودہ تعلیم جس پر ہم چند صدیوں سے چل رہے ہیں ایسے افراد پیدا کر دیتی جو کہ ملت اسلامی کو ترقی پر پہنچا دیتی اور اسے "گوہ" کے بل سے نکال لیتی جس میں ہم مقید ہیں۔ تو ان کے آثار ظاہر ہوتے تو ہم اس ذلت کی حالت میں نہ رہتے جس میں ہم چند صدیوں سے مقید ہیں۔ گویا ہم فالج یا سکتہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔"

ہم تو مریض ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف ذریعہ شفاء اور رحمت ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ (بنی اسرائیل ۲۷، پ۱۵)

ترجمہ:۔"اور قرآن شریف کو ہم نے مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت کر کے بھیجا ہے۔"

تو پھر ہم شفایاب کیوں نہیں ہوتے ہم مریض کیوں ہیں؟

ہماری مذہبی کتاب کی تعلیم تو ایسی ہے کہ خیر بھی اس کے ظاہری نتائج نکلنے سے پیشتر یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس تعلیم سے ایسے نتائج نکلنے والے ہیں کہ اس سے جو متاثر ہوں گے وہ دنیا میں سب سے زیادہ مہذب سب سے زیادہ متمدن کامیاب اور قوی ہوں گے۔ خود وہ کتاب بھی ایسا ہی دعویٰ کرتی ہے۔ علاوہ اس کے نتائج بھی مشاہدے میں آچکے ہیں۔ اس تعلیم کے نتائج کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ تعلیم اب بھی موجود ہے۔ پھر بھی ہم مریض ہیں۔ ہم پست ہیں ہم کمزور ہیں۔

یہ نہایت حیرت انگیز اور عجیب بات ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنا نہایت ضروری ہے اور اس پر ہماری حیات کا انحصار ہے۔ ضرورت ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ پر قوم کے بہترین دماغ غور کریں تاکہ صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اپنی بساط کے مطابق میں نے بھی اس مسئلہ پر غور کیا اور جن نتائج پر پہنچا ہوں پیش کرتا ہوں۔

مریض موجود ہو اور اکسیر موجود ہو۔ مسموم (زہر ملا ہوا) موجود ہو اور تریاق (زہر کی دوا) موجود ہو اور مرض نہ جاتا ہو۔ زہر نہ جاتا ہو تو اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اکسیر اور تریاق کا استعمال نہیں کیا جاتا یا اگر استعمال کیا جاتا ہے تو غلط طریقہ سے کیا جاتا ہے۔

دوا جب ہی نفع پہنچاتی ہے جب وہ صحیح طریقہ سے استعمال کی جائے، اگر غلط اور غیر مناسب طریقہ سے استعمال کی جائے تو دوا ہی زہر بن جاتی ہے۔ جب ایک طرف خدا تعالیٰ قرآن کو ذریعہ شفا فرماتا ہے اور دوسری طرف تجربہ نے بھی اس کو ایسا ہی ثابت کر دیا ہے کہ ایک بدترین قوم کو جو نہایت خراب اور پست حالت میں تھی مشرک بت پرست اور جاہل تھی۔ اس قوم کو چند سال میں بہترین قوم بنا دیا اس کے مہلک ترین امراض کو شفاء دے کر بہترین صحت عطا کر دی۔ اور اگر ہم باوجود اس تعلیم کے بدستور خراب حالت میں ہیں تو یہ لازمی ہے کہ یا تو

ہم اس ذریعہ شفاء کو استعمال نہیں کرتے یا اگر کرتے ہیں تو غلط اور غیر مناسب طریقہ سے استعمال کرتے ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ہماری تباہی کے یہی دو سبب ہیں۔ ہماری قوم کا ایک حصہ تو قرآن مجید سے بالکل ہی محروم ہے اور دوسرا حصہ اس تریاق کو غلط طریقہ سے استعمال کرتا ہے اور اسی وجہ سے موجودہ خراب نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ قوم کا جو حصہ قرآن کی تعلیم سے محروم ہے۔ اس کے متعلق کسی قسم کی بحث کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ خراب حالت میں ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں جو دوا کو اور صحت کے طریقوں کو استعمال نہ کرے گا وہ خواہ مخواہ مختلف امراض میں گھرا رہے گا۔ اس وقت قوم کے دوسرے حصے کی حالت پر غور کرنا ضروری ہے جو ایک بہترین تریاق کو غلط طریقہ سے استعمال کر کے اس کے فوائد سے محروم ہو رہا ہے۔

دریا دو از چشم لب تر نشود ہرگز
ایں طرفہ تماشہ بین لب تشنہ بہ آب اندر

تعلیم قرآن کا صحیح طریقہ

قبل ازیں کہ ہم اس پر غور کریں کہ قوم کا ایک حصہ قرآن کی تعلیم کو کن کن غلط طریقوں سے استعمال کر کے اس کے فوائد سے محروم ہے۔ بہتر ہے کہ ہم یہ دریافت کر لیں کہ قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ کیا ہے اس کے بعد فیصلہ کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔ جب کوئی طبیب کوئی نسخہ لکھتا ہے تو طریقہ استعمال بھی ضرور بتلا دیتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ قرآن کی تعلیم کا صحیح طریقہ بھی ہمیں قرآن میں ملنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں ہے کہ

(۱) وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو"

(۲) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ (البقرہ ۱۲۱)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو کما حقہ پڑھتے ہیں اور وہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔

(۳) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (البقرہ ۱۲۱)

"اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے وہ نقصان اٹھانیوالے ہیں"

(۴) فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (الاعراف ۱۷۶) "ان کو قصے سناؤ تاکہ وہ غور کریں"

(۵) كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (یونس ۲۴) "غور کرنیوالوں کیلئے ہم اسطرح ایات تفصیل سے بیان کرتے ہیں"

(۶) وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۰۶) "اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس مصلحت سے اتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اسے لوگوں کو پڑھ کر سناؤ" اور اسی مصلحت سے ہم نے

اسے رفتہ رفتہ اتارا ہے۔ (۷) لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (الانبیاء ۱۰) ترجمہ: "(لوگو!) ہم نے تمہاری طرف (یہ قرآن) ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم پھر نہیں سمجھتے۔" (۸) وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ (سورہ طٰہٰ ۱۱۴) "اور اے پیغمبر تمہاری طرف جو قرآن وحی کیا جاتا ہے' وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو۔" (۹) وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ۔ (الروم: ۵۸) ترجمہ: "اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیئے اس قرآن میں سب ہی طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں، تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔" (۱۰) وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ۔ (القمر ۱۷) ترجمہ: "اور ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔" (۱۱) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ (النساء ۸۲) "کیا ان لوگوں نے ہمارے ارشاد یعنی قرآن میں غور نہیں کیا۔" (۱۲) وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِیۡلًا۔ (الفرقان ۳۲) ترجمہ: "اور کافر کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کا قرآن سارے کا سارا ایک دم کیوں نہیں نازل کیا گیا ہم کہتے ہیں کہ جیسا وقتاً فوقتاً اترا ہے ایسا ہی اترنا چاہیئے تھا۔"

اور اے پیغمبر اس میں مصلحت ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اس کے ذریعہ سے تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں اور اس وجہ سے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔ (۱۳) وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡهَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا۔ (الفرقان ۷۳) ترجمہ: "اور نیز وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت کی جائے تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں۔ (۱۴) کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (ص ۲۹) ترجمہ: "اے پیغمبر یہ قرآن بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں" اور جو عقل رکھتے ہیں اس کے مطلب سے نصیحت پکڑیں۔ (۱۵) اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (الزخرف: ۱۳) ترجمہ: "ہم نے اس کو صاف اور سلیس عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اسکو بآسانی سمجھو۔" (۱۶) فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ (الدخان ۵۸)

پس ہم نے اسکو تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں،

فَاسۡتَمۡسِکۡ بِالَّذِیۡۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ وَاِنَّهٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَلِقَوۡمِکَ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ

ترجمہ "تو اے پیغمبر قرآن جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو اس میں شک نہیں کہ تم سیدھے راستے پر ہو اور یہ قرآن تمہاری اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور آگے چل کر تم سب سے اس کی بابت باز پرس ہوگی۔"

(۱۸) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا (سورہ محمد ۲۴) ترجمہ "کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔" (۱۹) یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَیَهۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَیَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ۔ (النساء ۲۷) "اللہ چاہتا ہے کہ (انبیا اور صلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر رحم کی نظر رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

(۲۰) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱) ترجمہ: "اور مسلمانو! تمہارے لیے پیروی کرنے کے لیئے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے"۔

کلام مجید میں جو طریقہ اس کو پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے وہ صاف طور پر ان ایات میں درج ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ ا۔ قر

ا۔ قرآن مجید نہایت غور و خوض سے پڑھو اور سمجھو۔ پوری طرح سے اسمیں فکر کرو۔ تدبر کرو۔

۲۔ جو کچھ پڑھو اس کے مطابق صحیح عمل کرو۔ کیونکہ تمہاری پیدائش کا مقصد عمل ہے۔

(۱) الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الملک: ۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے"۔

(۲) يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (النساء: ۲۶)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ (انبیاء وصلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تمہیں انہی طریقوں پر چلائے۔

(۳) اور کلام مجید کی تعلیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ پیش رکھو۔ کسی تعلیم پر عمل کرنے میں آسانی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اس پر عمل کا مجسم نمونہ پیش نظر رہے تاکہ مختلف لوگ مختلف طریقۂ عمل استعمال نہ کریں اور افراط و تفریط سے محفوظ رہیں۔ خود قرآن میں قرآن کی تعلیم کا طریقہ بالکل صاف طور پر بتلا دیا گیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی طریقہ پر کاربند ہوئے اور پورے کامیاب ہوئے۔

حضور پر نور قرآن مجید پر بے انتہا غور فرماتے تھے۔ بعض وقت صرف ایک آیت کو بار بار تلاوت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ پوری رات گزر جاتی تھی اور صبح ہو جاتی تھی۔ امام ابن قیم اپنی کتاب زاد المعاد کی پہلی جلد صفحہ ۹۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرتل السورة حتى تكون اطول منها و قام باية حتى الصباح من اياتها۔

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے یہاں تک کہ ایک معمولی سورت بڑی سے بڑی سورت ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اسی کو بار بار صبح تک پڑھتے رہتے تھے"۔

تعلیم قرآن کے بارے میں صحابہ کرام کی آراء اور تعامل

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

ان الترتيل وتدبر مع قلة القراة افضل من سرعة القراة مع كثرتها۔ بان المقصود من القراة فهمه وتدبره و التفقه فيه والعمل به وتلاوته وحفظه وسيلة الى معانيه كما قال بعض السلف نزل القرآن ليعمل به فاتخذوا تلاوته عملا ولهذا كان اهل القرآن هم العالمون به والعاملون بما فيه وان لم يحفظوه عن ظهر قلب واما من حفظه وله

یفهمه ولم یعمل به فلیس من اهله وان اقام حروفه اقامة السهم واما مجرد التلاوة من غیر فهم ولا تدبر ینفعها البر والفاجر والمومن والمنافق کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومثل المنافق الذی یقراء القران کمثل الریحانة ریحها طیب وطعمها مر۔

ترجمہ:۔ آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن شریف اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی پڑھا جائے۔ کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے اور اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے چنانچہ ایسا ہی بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن شریف اس لیئے نازل ہوا ہے تاکہ اس پر عمل کیا جائے مگر انہوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنا لیا۔ اسی لیئے گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن شریف کے عالم اور عامل تھے اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ بھی ہوتا تھا لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے نہ ان پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن میں سے نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا اور مختصر تلاوت جو کہ فہم اور تدبر سے خالی ہو اس کو تو ہر نیک و بد مومن اور منافق کر سکتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی سی ہے کہ اس کی بو عمدہ ہے اور مزا کڑوا ہے۔

وقال شعبة حدثنا ابو حمزة قال قلت لابن عباس: انی رجل سریع القراة وربما قرات القران فی لیلة مرة او مرتین قال ابن عباس لان اقرا سورة واحدة اعجب الی من ان افعل ذالک الذی تفعل فان کنت فاعلا لابد فاقرا قراة تسمع اذنیک ویعیه قلبک۔

ترجمہ:۔ شعبہ نے کہا ہے کہ ابو حمزہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں۔ بعض اوقات ایک رات میں ایک یا دو مرتبہ قرآن ختم کر لیتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ مجھے اس طرح قرآن پڑھنے سے ایک سورت پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال اگر تم تیزی سے ہی پڑھنا چاہو تو بھی ایسے پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے یاد کرے۔"

قال ابن مسعود: قفوا عند عجائبه وحرکوا به القلوب ولا یکن هم احدکم اخر السورة۔

ترجمہ:۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف کے عجائب پر ٹھہرو اور ان سے دلوں میں رقت پیدا کرو اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخری سورت تک پہنچو۔"

وقال عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی: دخلت علی امراة وانا اقرا سورة هود۔ فقالت: یا عبد الرحمٰن هکذا تقرا سورة هود واللہ انی فیها منذ ستة اشهر وما فرغت من قراتها۔

ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن ابن لیلیٰ نے کہا۔ میں ایک عورت کے ہاں گیا اور میں سورۃ ہود پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن تم اس طرح سورۃ ہود پڑھتے ہو خدا کی قسم میں چھ مہینے سے سورۃ ہود پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔"

حضرات صحابہ کرام ایک طرف تو قرآن مجید پر اس قدر غور کرتے تھے اور دوسری طرف اس پر پورا عمل فرماتے تھے قرآن شریف کو اس طرح پڑھتے تھے کہ پہلے دس آیتیں پڑھیں اور ان پر عمل کیا پھر اس کے بعد دس آیتیں پڑھیں

اوران پر عمل کیا پھراس کے بعد دس آیتیں پڑھیں ان پر عمل کیا اور پھراس کے بعد دس آیتیں پڑھتے تھے اوران پر عمل کرتے تھے فقط پڑھنے اور سمجھنے کو ہی مقصود نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر ر پہلی جلد ۵ میں درج ہے)

قال الاعمش عن ابی وائل عن ابن مسعود قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر ایات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن والعمل بھن۔

ترجمہ :۔ اعمش نے ابن وائل سے روایت کی ہے اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا اور جب تک ان کے معانی سمجھ نہ لیتا ان پر عمل نہ کرتا۔"

قال ابو عبد الرحمٰن السلمی حدثنا الذین کانوا یقرؤننا انھم کانوا یستقرؤن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا تعلموا عشر ایات لم یجاوز وامنھا حتی یعلموا بما فیھا من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جمیعا۔

ترجمہ :۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جو ہم کو پڑھاتے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کرتے تھے اور جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو ان سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ جب تک کہ ان پر عمل نہ کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے تھے"

اس کے ساتھ ہی حضرات صحابہ کرام اس پر غور کرتے تھے۔ کہ قرآن کی تعلیم سے پہلے ان کی حالت کیا تھی اور اس تعلیم کے اثر سے ان کی حالت کیا ہوگئی ؛ اپنی حالتوں کا موازنہ کرتے تھے اور قرآن کریم کی تعلیم سے جو اثرات ان پر ہوتے تھے۔ ان کا پورا اندازہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۱۱۶ میں درج ہے کہ جب حبش کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو دربار میں بلایا اور ان سے اسلامی تعلیم کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ تم نے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر کیوں اسلام اختیار کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

ایھا الملک کنا قوما اھل جاھلیہ نعبد الاصنام و ناکل المیتة و ناتی الفواحش و نقطع الارحام نجور الجور و یاکل القوی من الضعیف فکنا علی ذالک۔

ترجمہ :۔ اے بادشاہ ہم جاہل تھے اور بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے اور بے حیائی کے کام کیا کرتے تھے قطع رحمی کیا کرتے تھے اور ہمسائیوں سے بُرائی کرتے تھے اور ہم میں سے قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا ہم اس حالت میں تھے۔

حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ و امانتہ، وعفافہ فدعانا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ماکنا نعبد واباءنا من دونہ من الحجارة والاوثان وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونھانا من الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنة وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ ولا نشرک بہ شیأ وامرنا بالصلوٰة والزکوٰة والصیام فعدد علیہ امور الاسلام فصدقناہ وامنا بہ واتبعناہ علی ماجاء بہ من اللہ نعبد اللہ وحدہ ولا نشرک بہ شیأ وحرمنا وحرم علینا واحللنا ما احل لنا فعدا علینا قومنا فعذبونا وفتنونا علی دین لیردونا الی عبادة الاوثان من عبادة اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ:- "کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف رسول بھیجا۔ جس کے نسب، امانت اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباء پہلے جن بتوں اور پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کو چھوڑ دیں اور اس نے ہمیں سچ بولنے اور امانت ادا کرنے اور صلہ رحمی کرنے اور ہمسائیوں کے ساتھ نیکی کرنے اور محرمات اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا اور جھوٹی باتوں اور یتیموں کا مال کھانے اور عفیف عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا اور اس کا حکم دیا کہ ایک ہی خدا کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے سب اسلامی کام نجاشی کو گن گن کر سنائے اور اس کے بعد کہا کہ ہم اس نبی کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ خدا کی طرف سے لایا ہے۔ ہم نے سب کو تسلیم کیا۔ اس لئے ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے جو چیز اس نے حرام کی ہے اس کو حرام سمجھتے ہیں اس پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور اس نے ہمیں عذاب دیا اور دین کی وجہ سے تکلیفیں دیں تاکہ ہمیں خدا کی عبادت سے بتوں کی عبادت کی طرف پلٹ دیں۔"

قرآن کی تعلیم کا طریقہ خود قرآن شریف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے بالکل واضح ہے اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ ہم کسقدر اس طریقہ تعلیم کے مطابق قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب اگر وہی نتائج پیدا نہیں ہوتے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر وہ نتائج آپ چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اسی طریقہ سے، قرآن مجید سے فائدہ اٹھائیں ہماری نجات اسی طریقہ پر منحصر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا۔

لا یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا۔

ترجمہ:- "اس اُمت کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے اول کی ہوئی"

اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ اس صحیح طریقہ کے چھوڑنے سے قرآن کی اصلی تعلیم میں کون سے نقص پیدا ہوگئے ہیں تاکہ ان کی تلافی کرنے میں خاص طور سے سعی کی جائے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ غلط طریقہ تعلیم سے ہم قرآن کے صحیح مطالب سے کسقدر دور ہوگئے ہیں۔

ایک حصہ قوم کا تو قرآن پڑھتا ہی نہیں بالکل محروم ہے۔ لہٰذا اس کو اس تعلیم سے بُعد ہے اور اس طبقہ کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دوسرا طبقہ جو اپنے آپ کو قرآن کی طرف متوجہ سمجھتا ہے وہ بھی قرآن سے صحیح طریقے پر مستفید نہ ہونے کی وجہ سے اس کے صحیح مطالب سے دور ہو چکا ہے اور دور رہتا جاتا ہے۔ اس طبقے میں سے ایک حصہ تو قرآن کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ بلکہ نقلِ الفاظ کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکثر مکاتب میں یہی رنگ ہے۔ اس طبقے کا دوسرا حصہ اگرچہ قرآن شریف کے مطالب سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ ان کے سمجھنے کے مقدمات ہی میں اُلجھا رہتا ہے۔ اور قرآن شریف پر غور کرنے کی طرف نہ تو توجہ کرتا ہے اور نہ اسے اس کا وقت ہی مل سکتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو علمائے ہند کے امام ہیں اپنی نادر کتاب تفہیمات الٰہیہ جلد اول طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد میں اسی طبقے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

قرآن کے غلط طریقہ تعلیم کے نتائج اور شاہ ولی اللہ کی رائے

واقول لطلبة العلم: ایها السفهاء المستون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بالعلوم الیونانیة وبالصرف والنحو وظننتم ان هذا هو العلم۔

ترجمہ:" اور میں طالب علموں سے کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو! جو خود کو علماء کا خطاب دیتے ہو۔ تم یونانیوں کے علوم میں مشغول ہو گئے ہو اور صرف اور نحو میں پھنس گئے ہو اور تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ حقیقی علم ہے۔"

اس کے بعد ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سمجھنے کیلئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان کو بقد ضرورت سیکھا جائے نہ کہ ان کو مستقل درجہ دے دیا جائے۔

ان لاتشتغلوا بالعلوم الآلية الا بانها آلة لا بانها امور مستقلة۔ (ایضاً)

ترجمہ" علوم آلیہ میں شغل محض آلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جائے نہ کہ اس لحاظ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں"

اور چونکہ یہ طبقہ صرف ونحو۔ منطق۔ کلام۔ معانی اور بدیع وغیرہ میں تکمیل متون کے لئے تقریباً تمام وقت صرف کر دیتا ہے اس لئے اصل قرآن کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی اس کو نہیں ملتا۔ اور جسقدر قلیل اقل حصہ اپنی تعلیم کے زمانے کا قرآن شریف میں صرف کرتا ہے وہ بھی مفسرین کے مختلف خیالات معلوم کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ یہ رنگ ہما عربی مدارس میں پایا جاتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ آج خالص قرآن کی تعلیم ہی کہیں نہیں دی جاتی جو لوگ سمجھتے ہیں لو اور کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تفسیر قرآن کی تعلیم ہوتی ہے۔ دراصل قرآن کی تعلیم اور تفسیر قرآن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک چیز نہیں۔ قرآن خود ایک مستقل کتاب ہے اور صاف سلیس عر میں ہے خدا تعالیٰ قرآن کے بارے میں فرماتا ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ (الدخان: ۵۸)

ترجمہ" ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔ (القمر: ۱۷)

ترجمہ" اور ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے"

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ (الزمر: ۲۸)

ترجمہ:" یہ قرآن صاف سلیس عربی زبان میں ہے اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں تاکہ اس کو سمجھ کر خدا سے ڈریں۔

قرآن اور تفسیر کے متعلق شاہ اسماعیل شہیدؒ کی رائے

جو شخص عربی جانتے ہوں وہ اسکو کچھ سمجھ سکتے ہیں اور اگر ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیش نظر رکھیں جس کا حکم خود قرآن میں ہے اور جو صحیح احادیث کے ذریعہ سے بالکل محفوظ ہے تو انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے اور وہ بالکل صحیح طور پر قرآن شریف کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں اور جو لوگ عربی نہیں جانتے ان کے لیئے بہترین ترجمے موجود ہیں۔ وہ ان کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کسقدر افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن نہیں سمجھ سکتے اس کے سمجھنے کے لیئے بہت سے علوم و فنون کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور بڑے عالم ہونے کی ضرورت ہے چنانچہ اسماعیل صاحب شہیدؒ نے کتاب تقویۃ الایمان ص ۲۹، ۳۰ مطبوعہ مکتبہ نحویہ سہارنپور ا خیال کی طرف اشارہ فرمایا ہے

اس زمانہ میں دین کی بابت میں جو لوگ کئی راہیں چلتے ہیں کوئی پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے ہیں اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کے لیئے بڑا علم چاہیئے۔ ہم کو وہ طاقت کہاں ہے کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت ہے کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی (بات) باتیں کفایت کرتی ہیں: سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں۔ ان کا سمجھنا مشکل نہیں اور اللہ و رسولؐ کے کلام کو سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہیئے کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے کو اور جاہلوں کو سمجھانے کو اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (الجمعہ : ۲)

ترجمہ: "وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے"

سو جو کوئی یہ آیت سنکر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے اور کوئی نہیں چل سکتا سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار۔ پھر کوئی شخص اس بیمار سے کہے کہ فلاں حکیم کے پاس جانا اور اس سے علاج کروانا اور بیمار کہے یہ تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے مجھ سے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے میں تو بیمار ہوں۔ سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت سے انکار کرتا ہے۔ اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے اور تندرستوں کا علاج کرے اور انہیں کو

اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماریوں کو کچھ فائدہ نہ ہو. تو وہ حکیم کا ہے کا.

افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن تو ہم سمجھ نہیں سکتے. البتہ مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیالات کے لحاظ سے جو شرحیں (تفسیریں) قرآن کریم کی لکھی ہیں وہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور انہیں کو سمجھنا اور ان شرحوں کو سمجھنے کی کوشش کی لوگوں نے قرآن کی تعلیم سمجھ رکھا ہے اگر یہ شرحیں اور تفاسیر ایسی ہوتیں کہ فقط قرآن مجید کا صحیح مطلب ادا کرتیں تو اس میں کوئی نقصان نہ ہوتا. لیکن غضب تو یہ ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں ماحول کے مختلف اثرات سے متاثر ہو کر جو طرح طرح کی باتیں اپنی شرحوں اور تفاسیر میں ایسی درج کی ہیں کہ ان میں اور قرآن میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے. لوگ ان باتوں کو قرآن کی تعلیم سمجھنے لگے ہیں اور حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے

O

دوسرا باب

مختصر تاریخ تفسیر

یہ بات واضح کرنا ضروری ہے اور اسی لئے قرآن کی شرحوں کا ابتدائی اور انتہائی مختصر خاکہ بطور نمونہ پیش کرتا ہوں شروع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں قرآن مجید کے لئے کسی خاص شرح کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں تھا۔ اس کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ البتہ جب مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے تو چونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی اس لئے انہیں قرآن سمجھنے میں وقت شروع ہوئی اس وقت کے رفع کرنے کے لئے جہاں جہاں قرآن مجید کی عبارت میں عجمیوں کے لئے اشکال سمجھے گئے ان کے مطالب کو دوسرے ایسے الفاظ اور جملوں کے ذریعے سے واضح کیا جانے لگا۔ جن کو نسبتاً آسانی سے سمجھا جا سکے۔

صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ان تفسیری جملوں اور فقروں کو کسی کتاب کی شکل میں لکھنے کے مطلق ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ جو حضرات قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے وہ تعلیم دینے کے وقت جہاں ضرورت ہوتی تھی ایسے الفاظ اور فقرے استعمال کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ تک کے زمانے میں ان تفسیری الفاظ اور جملوں کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ سے ایسے تفسیری جملے صرف چند مروی ہیں۔ صاحب کشف الظنون جلد ا ص ۴۲۹ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران، میں لکھتے ہیں۔

والرواية عن الثلثة في ندرة جدا۔

ترجمہ: "ان تینوں سے بہت ہی تھوڑی روایت ہے۔"

سب سے زیادہ تفسیری جملے صحابہ میں سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کیونکہ آپ چھوٹے صحابہؓ میں سے تھے اور آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی ہے اور اس عرصہ میں کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور بوجہ عجمی ہونے کے ان کو ایسے تفسیری جملوں اور الفاظ کی زیادہ ضرورت تھی۔ لیکن بہت افسوس ہے کہ بہت سے جھوٹے راویوں نے اپنی طرف سے تفسیری فقرے اور جملے بنا کر حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔

صحابہؓ کرام کے بعد تابعین نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا اور اس تعلیم کے دو مرکز ہو گئے۔ ایک مکہ اور دوسرا کوفہ مکہ میں حضرت ابن عباس کے شاگرد مثلاً مجاہد اور سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح قرآن کی تعلیم خصوصیت سے دیتے تھے اور کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد مثلاً علقمہ بن قیس۔ اسود بن بزید ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ۔

حضرات تابعین کے زمانہ میں بھی قرآن مجید کے مطالب سمجھانے والے تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ قرآن کی تعلیم کے وقت وہ استعمال کئے جاتے تھے۔
حضرات تابعین کے بعد ان کے شاگردوں نے صحابہؓ اور تابعین کے ان تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھنا شروع کر دیا۔ جن حضرات نے خصوصیت سے یہ الفاظ اور فقرے جمع کئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح شعبہ یزید بن ہارون، عبدالرزاق ابن ابی ایاس۔ اسحاق بن راہویہ۔ روح بن عبادہ، عبد بن حمید، ابی بکر بن ابی شیبہ۔

اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا تو نہایت مفید ہوتا اور آج قرآن کی اصلی تعلیم صحیح رنگ میں جاری رہتی، لیکن افسوس ہے کہ اس طبقے کے بعد ایسے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی شرحوں میں قرآن مجید کے صحیح مطالب کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا بلکہ بہت سی غیر صحیح باتیں بھی اپنی شرحوں میں درج کر دیں اور مختلف تفسیروں کی کتابیں ایسی لکھنی شروع کیں، جن میں قرآن کے کچھ حصے کے صحیح اور کچھ حصے کے غیر صحیح مطالب موجود تھے۔

ان کے بارے میں صاحب کشف الظنون جلد نمبر ۱ ص ۳۱ ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم الف فی التفسیر طائفة من المتاخرین فاختصروا الاسانیه و نقلوا الاقوال فدخل بتراء من ههنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل ثم صار کل من سنح له قول یورده ومن خطر بباله شی یعتمده ثم ینقل ذالك خلف عن سلف ظانا ان له اصلا غیر ملتفت الی تحریر ماورده عن السلف الصالح۔

"اس کے بعد متاخرین میں سے ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں اور اسنادوں کو مختصر کر دیا اور بہت سے اقوال نقل کر دیئے یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگیں۔ اور صحیح اور ضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے اس کے بعد جس کسی کو کوئی بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا۔ اسی پر اعتماد کر لیا اس کے بعد ہر ایک پچھلا طبقہ اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا۔ اس خیال سے کہ کوئی نہ کوئی ضرور اس کی اصلیت ہو گی اور انہوں نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ سلف صالحین سے اس میں کیا منقول ہے"

ان تفسیروں میں کلام مجید کے الفاظ کے جس حد تک غیر صحیح معنی درج ہونے لگے۔ اس کا اندازہ علامہ سیوطی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

رأیت فی تفسیر قوله تعالیٰ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی صلی الله علیه وسلم وجمیع اصحابة والتابعین لیس غیر الیهود والنصاری۔ کشف الظنون

ترجمہ "میں نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف قول دیکھے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ اور سب صحابہ کرام اور تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا اور کچھ مروی نہیں ہے"

مفسرین کے اس طبقہ کے بعد ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے غیر صحیح مطالب ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے قرآن مجید کے مطالب کو صرف اس فن میں محصور کرنے کی کوشش کی جس کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ مثلاً جس کو نحو اچھی طرح آتی تھی۔ اس نے اپنی تفسیر میں کلام مجید کے صحیح مطالب کو پیش کرنے کی بجائے ساری توجہ قرآن کی آیتوں کے نحوی نکات بیان کرنے اور ان پر بحث کرنے اور نحو کے مسائل نقل کرنے میں صرف کر دی اور اسی طرح ان تفاسیر کا پڑھنے والا صرف یہ سمجھ سکتا ہے کہ گویا قرآن شریف صرف علم نحو ہی کی تعلیم کی غرض سے نازل ہوا ہے۔ مثلاً اس قسم کی ایک تفسیر میں بجائے اس کے کہ بسم اللہ کا صاف مطلب ظاہر کر دیا جاتا اس کے پڑھنے کی تین ہزار ترکیبیں درج کر دی ہیں۔ اس بارے میں بجائے اس کے کہ میں کچھ کہوں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کشف الظنون کی حسب ذیل عبارت نقل کروں۔ یہ عبارت اس بات کو واضح کر دے گی۔ کشف الظنون جلد ۱ ص ۴۳۱، ۴۳۲

ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا فى شى من العلوم و (منهم من) ملأ كتابه بما غلب على طبعه من الفن واقتصر فيه على ما تمهر فيه كان القرآن انزل لاجل هذا العلم لا غير مع ان فيه تبيان كل شى فالنحوى تراه ليس له هم الا الاعراب وتكثير الاوجه المحتملة فيه وان كانت بعيدة وينقل قواعد النحو ومسائله وفروعه وخلافيانه كالزجاج والواحدى فى البسيط وابى حيان فى البحر والنهر. والاخبارى ليس له شغل الا القصص واستيفاؤها والاخبار عمن سلف سواء كانت صحيحة او باطلة ومنهم الثعلبى والفقيه يكاد يسرد فيه الفقه جميعا وربما استطرد الى اقامة ادلة الفروع الفقهية التى لا تعلق لها بالآية اصلا والجواب عن ادلة المخالفين كالقرطبى وصاحب العلوم العقلية خصوصا الامام فخر الدين (الرازى) قد ملاء تفسيره باقوال الحكماء والفلاسفة وخرج من شئ الى شئ حتى يقضى الناظر العجب. قال ابو حيان فى البحر جمع الامام الرازى فى تفسيره اشياء كثيرة طويلة لا حاجة بها فى علم التفسير ولذلك قال بعض العلماء فيه كل شئ الا التفسير والمبتدع ليس له قصد الا تحريف الآيات وتسويتها على مذهبه الفاسد بحيث انه لولاح له شاردة من بعيد اقتنصها او وجد موضعا له فيه ادنى مجال سارع اليه كما نقل عن البلقينى انه قال استخرجت من الكشاف اعتزالا بالمناقيش منها انه قال فى قوله سبحانه وتعالى فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز اى فوز اعظم من دخول الجنة اشاربه الى عدم الرؤيه۔ والملحد فلا تسأل عن كفره والحاده فى آيات الله تعالى وافترائه على الله تعالى مالم يقله كقول بعضهم ان هى الا فتنتك ما على العباد اضر من ربهم وينسب هذا القول الى صاحب قوت القلوب ابى طالب المكى. ومن ذلك القيل الذين يتكلمون فى القرآن بلا سند ولا نقل عن السلف ولا رعاية للاصول الشرعية والقواعد العربية كتفسير محمود ابن حمزة الكرمانى فى مجلدين سماه العجائب والغرائب ضمنه اقوالا هى عجائب عند العوام وغرائب عما عهد عن السلف

بل ھی اقوال منکرۃ لایحل الاعتقاد علیھا ولا ذکرھا الا للتحذیر من ذٰلك قول من قال فی ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ انہ الحب والعشق ومن ذٰلك قولھم فی ومن شر غاسق اذا وقب انہ الذکر اذا قام وقولھم فی من ذا الذی یشفع عندہٗ معناہ من ذل ای من الذل وذی اشارۃ الی النفس ویشف من الشفاء جواب من وع امر من الوعی. وسُئل البلقینی عمن فسر بھٰذا فافتی بانہ ملحد. واما کلام الصوفیۃ فی القرآن فلیس بتفسیر قال ابن الصلاح فی فتاواہ وجدت عن الامام الواحدی انہ قال صنف السلمی حقائق التفسیر ان کان قد اعتقد ان ذٰلك تفسیر فقد کفر. قال النسفی فی عقائدہ النصوص تحمل علی ظواھرھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد.

ترجمہ:۔ اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں قوت حاصل کی ہے اور اپنی کتاب کو اسی فن سے بھر دیا ہے جو اس کی طبیعت میں غالب تھا اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں کہ اسے مہارت حاصل تھی۔ گویا کہ قرآن شریف محض اسی علم کے لیئے نازل ہوا تھا۔ باوجودیکہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ نحوی کو فقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی مدنظر رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہو اور وہ نحو کے قواعد اور مسائل اور فروع اور خلافیات ہی کو داخل کریگا جس طرح کہ زجاج اور واحدی نے بسیط اور ابوحیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے اور اخباری کو محض قصے اور ان کی تکمیل ہی مدنظر رہتی ہے۔ گزشتہ قصے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط۔ ثعلبی بھی ایسے حضرات ہی میں سے ہیں اور فقیہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کر دے۔ بسا اوقات فقیہ فروعات فقہ کی دلیلیں لے آتا ہے۔ حالانکہ ان کو نفس آیات کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور پھر ان دلیلوں کے مخالفین کے جوابات بھی نقل کر دیتا ہے۔ ایسے حضرات میں قرطبی ہیں اور صاحب علوم عقلیہ خصوصًا امام رازی جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہاں سے کہاں تک چلے جاتے ہیں جس کے دیکھنے والا متعجب ہو جاتا ہے۔ ابوحیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں ایسی درج کی ہیں۔ جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہ تھی اس لیئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں اور ایک بدعتی کی غرض محض آیتوں کی تحریف ہی ہوتی ہے تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے۔ یا اگر کوئی ایسا موقعہ پاتا ہے جس میں اس کی بات کچھ بھی بن سکے تو فورًا بنا لیتا ہے۔ اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ وہ خدا کی نسبت جھوٹ بناتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے مطلقًا نہیں فرمایا اور جو لوگ قرآن شریف میں بلا سند یا سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا اور قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ کی رعایت کے بغیر کچھ کہتے ہیں۔ وہ سب اسی قسم میں سے ہیں محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے۔ جس کا نام اس نے "العجائب والغرائب" رکھا ہے۔ اس میں بہت سے قول نقل کئے ہیں۔ جو عوام کے نزدیک عجیب ہیں اور سلف کے طریقے سے بہت دور ہیں بلکہ وہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی ناجائز

ہے اور ان کا ذکر کرنا سوائے تحدید کے ناجائز ہے۔ بلقینی سے ایسے لوگوں کے نسبت فتویٰ پوچھا گیا انہوں نے کہا کہ ایسے لوگ (مفسر) ملحدیں اور قرآن شریف کے بارے میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔ کہ میں نے امام واحدی سے معلوم کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ سلمی نے "حقائق التفسیر" تصنیف کی ہے۔ جو شخص یہ خیال کرے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہے۔

نسفی نے اپنے عقائد میں کہا ہے کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائے گا اور ان سے اہل باطن کے معانی کی طرف پھیرنا الحاد ہے۔"

ہم میں یہ رنگ چھٹی صدی میں آ گیا تھا اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ قرآن مجید کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ خود ان تفسیروں کی شرحیں اور حاشیے لکھے جانے شروع ہو گئے۔ صرف "تفسیر بیضاوی" کا ملا احوص نے تیس جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔

نوٹ:۔ یہاں میرا مقصد حضرات علماء پر اعتراض کرنا نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ حضرات علمائے کرام نے اپنے مذہب کی خدمت جس خلوص اور جانفشانی سے کی ہے اس کی جزا صرف اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرما سکتا ہے۔

صحیح انداز پر تعلیم قرآن سے محرومی کے نتائج

یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اصل قرآن پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے اور تفاسیر پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے۔ اصل قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کو صحیح طریقہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہم قرآن کی صحیح تعلیم سے محروم ہوتے جاتے ہیں اور اس کے نتائج وہ ہیں جو کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ خود قرآن سے جو طریقے قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے درج ہیں ان کو چھوڑنے کی وجہ سے جس اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے ہم محروم ہوتے جاتے ہیں اور قرآن کی تعلیم ہمارے غلط طریقہ استعمال کی وجہ سے عمدہ نتائج پیدا نہیں کرتی۔ یہ حسب ذیل مثالوں سے واضح ہو جائیگا۔ جب سے ہم قرآن کی اصلی تعلیم سے دور ہوتے گئے ہیں ہم برابر تنزل کر رہے ہیں اور جیسی قوم کی حالت ہوتی ہے ویسے ہی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر قوم زندہ ہوتی ہے تو اس کے افراد میں جرأت، ہمت، استقلال، ترقی کی اُمنگ، قربانی وغیرہ عمدہ اخلاق ہوتے ہیں۔ اور اگر قوم مردہ ہوتی ہے تو اس کے افراد پست ہمت سُست، بزدل ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے والے ہوتے ہیں۔ قومی تنزل کا مردہ اقوام میں اسقدر اثر ہوتا ہے کہ عمدہ الفاظ کے مفہوم بھی بگڑ کر خراب ہو جاتے ہیں۔

نواب محسن الملک مرحوم نے ایک موقعہ پر اس بات کو اس مثال سے واضح کیا تھا کہ جب مسلمانوں میں کچھ جان تھی تو ان میں وعدہ اور قول و قرار کا دوسرا مفہوم تھا اور جب ان پر مردنی چھا گئی تو انہیں الفاظ کا دوسرا مفہوم ہو گیا۔ پہلے مشہور تھا۔ قول مرداں جان دارد۔ پھر یہ حالت ہو گئی۔ وعدہ آساں ہے وے اس کی وفا مشکل

ہے۔ پھر اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا۔ اسی طرح جب سے ہم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے اور اس وجہ سے ہماری حالت خراب ہو گئی ہے۔ تو خود قرآن مجید کے الفاظ کے مفہوم ہی بدل گئے۔ مثال کے طور پر توکل اور صبر کو پیش کرتا ہوں۔

توکل کیا ہے؟

آجکل ہمارے ہاں "توکل" کے معنی ہیں۔ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا اور کچھ کام نہ کرنا اس کو کہتے ہیں توکل اس کے لئے ایسے قصے بھی مشہور ہیں کہ ایک صاحب نے اس طرح "توکل" کیا کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہا اور خدا سے کہا کہ میں خود کھانا نہیں کھاؤں گا کہ جب تک خود بخود کھانا میرے منہ میں نہ آجائے گا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ تک بیٹھے رہے اس کے بعد کھانے کا ایک خوان ان کے سامنے موجود ہو گیا۔ وہ سمجھے کہ بس کام ہو چکا۔ اور اپنے ہاتھ سے کھانے لگے۔ اتنے میں آواز آئی کہ تو جلدی کر گیا اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو خود بخود تیرے منہ میں کھانا پہنچ جاتا اور چونکہ قرآن میں توکل کی تعریف ہے۔ اس لئے نکموں کی تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب تو کچھ کام نہیں کرتے۔ گھر سے باہر نہیں نکلتے وہ بڑے متوکل ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں توکل کا مفہوم یہ ہے کہ نہایت مشکلات کی حالت میں پوری ہمت سے کام کرنا اور نتیجہ کی طرف سے خائف ہو کر کام نہ چھوڑنا بلکہ نتیجہ کے بارے میں خدا تعالیٰ سے کامیابی کا بھروسہ رکھنا چنانچہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ مفہوم صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ المائدہ : ۲۳-۲۲)

ترجمہ: "وہ لوگ کہنے لگے کہ اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑی زبردست قوم رہتی ہے اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائے ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور جا داخل ہوں گے۔ خدا کا ڈر ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے جن پر خدا تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی کی وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو اور جب تم دروازے میں گھس پڑے تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝

(سورۃ یونس : ۷۱)

ترجمہ: "اور اے پیغمبر ان لوگوں کو نوح کا حال پڑھ کر سناؤ کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے

کہا کہ بھائیو! اگر میرا رہنا اور خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنانا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں۔ پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرا لو۔ پھر تمہاری وہ بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے۔ پھر جو تم نے کرنا ہے میرے ساتھ کر چکو اور مجھے مہلت نہ دو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کام نہیں چھوڑا۔ اگر ننگے ہو کر بیٹھ جاتے تو اس چیلنج کی ضرورت نہ تھی۔ قوم صرف یہی چاہتی تھی کہ کام نہ کرو۔

صبر کا مفہوم

صبر کے معنی آجکل فقط یہ لئے جاتے ہیں کہ اگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ نیز یہ کہ ذلتیں برداشت کریں اور چپ بیٹھے رہیں پٹتے جائیں اور اف نہ کریں۔ ایسے نالائقوں اور بے حمیتوں کی تعریف کی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ قرآن شریف پر عامل ہیں اور قرآن میں صابروں کی تعریف ہے۔ لہٰذا ایسے اصحاب کی بھی تعریف اور وقعت ہونی چاہیئے حالانکہ قرآن مجید میں صبر کا مفہوم ہے کہ صحیح اصول پر کام کرنے میں جو دقتیں پیش آئیں ان کو برداشت کرنا اور کام کو جاری رکھنا نباہنا اور دقتوں سے گھبرا کر کام کو نہ چھوڑ دینا، چنانچہ یہ مفہوم مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہو جائیگا۔

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ (سورۃ بقرۃ: ۲۵۱-۲۵۰)

ترجمہ: پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار گئے تو جن لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی، کہنے لگے کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا دم ہی نہیں ہے اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ ان کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے بول اٹھے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلہ میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے اور معرکہ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے اور پھر اللہ کے حکم سے ان لوگوں نے دشمن کو بھگا دیا۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۴۷-۱۴۶)

ترجمہ: "اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے تو جو مصیبت ان کو اللہ کے راستے میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ انہوں نے بودا پن ظاہر کیا اور انہوں نے دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ صابروں کو دوست رکھتا ہے اور سوائے اس کے ان کے منہ سے ایک بات بھی تو نہیں نکلی کہ لگے دعائیں مانگنے کہ پروردگار ہمارے گناہ معاف کر اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح دے۔"

کلام مجید میں صابروں سے توقع کی جاتی ہے کہ کم سے کم اپنی دوگنی قوت پر وہ غالب ہو جائیں گے۔

فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (سورۃ الانفال: ٦٦)

ترجمہ: "اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو وہ خدا کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔"

چند مثالیں

اصل قرآن پیش نظر نہ رہنے سے اور اس سے صحیح طریقہ سے مستفید نہ ہونے سے اور اس کی جگہ مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی شرحوں کے پیش نظر رکھنے سے ایک تو یہ نقصان ہوا کہ الفاظ کے غلط مفہوم عام طور سے رائج ہو گئے جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے دوسرا نقصان یہ ہوا ہے کہ کلام مجید کی تعلیم کے چند ضروری حصے نظر انداز ہو گئے۔ جب اصل کتاب تو پیش نظر نہ ہو اور بجائے اس کے مختلف لوگوں کی مصنفہ کتابیں پیش نظر ہوں تو لازمی ہے کہ تعلیم اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے اور اس کا ایک حصہ ضائع ہو جائے۔ اس کے متعلق چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ مثلاً دنیاوی زندگی کو کامیاب اور قوی بنانے کے وسائل اختیار کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ تعلیم ہے اس کی طرف سے بالکل غفلت کی جاتی ہے اور اس طرف بالکل توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے اور اپنی حالت کامیاب اور قوی بنانے کے لیے کامل تیاری کرنا اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینا اسلامی فرائض میں داخل ہے اور اس پر قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (سورۃ انفال: ٦٠)

ترجمہ: "اور تیاری کرو ان کے واسطے جو کچھ تم کر سکو قوت سے اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے (اپنی حالت کو ایسا مضبوط رکھو)"

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً۔ (سورۃ توبہ: ۴۶)

ترجمہ "اگر یہ لوگ باہر نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیئے تیاری کرتے"

سورۃ نسا میں فرمایا۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً (النساء : ۱۰۳)

ترجمہ۔ کافروں کو تو تمنا ہے کہ تم ذرا بھی اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ۔ تو یک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔

بلکہ جو لوگ مسلمانوں کی ترقی میں اور کامیاب اور مضبوط حالت بنانے میں مطلق توجہ نہیں کرتے۔ اور تمام کام چھوڑ کر سارا وقت نوافل پڑھنے میں صرف کرتے ہیں اور اپنی حالت راہبوں کی سی بنا لیتے ہیں۔ کہ ان کی دنیاوی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے حضرات کو بہترین نمونہ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی حالت محفوظ رکھنے اور قوی بنانے میں موقعہ پر ایک دفعہ بھی تساہل کر جائیں۔ تو خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کو مسلمان اپنی جماعت سے خارج کر دیں۔ جب تک وہ اپنے اس تساہل سے باز نہ آ جائیں۔ خود حضرات صحابہ کرام میں سے تین اصحاب سے ایک دفعہ ایسے موقعہ پر تساہل ہو گیا تھا (ان صحابہ کے نام یہ ہیں) کعب بن مالک ہلال بن امیہ مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تو تمام مسلمانوں نے اپنی جماعت سے ان کو علیحدہ کر دیا تھا اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دیئے تھے۔ یہاں تک کہ گفتگو بھی ترک کر دی گئی تھی جب وہ انتہائی پریشانی اٹھا چکے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان سے تعلقات دوبارہ وابستہ کیئے۔ ان کا ذکر سورۃ توبہ میں اس طرح ہے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ سورہ توبہ : ۱۱۸)

ترجمہ۔ ان تین شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے تھے یہاں تک جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آگئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں پھر خدا کے ان کی توبہ قبول کر لی تا کہ قبول توبہ کے شکریہ میں آئندہ کے لئے بھی توبہ کیئے رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے"

نیز صحیح حدیث میں بھی صاف طور پر درج ہے کہ مسلمانوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کرنا نوافل نماز اور روزہ سے زیادہ بہتر ہے۔

روی مسلم عن سلمان الفارسی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال رباط یوم ولیلۃ خیر من صیام شھر و قیامہ قال الامام احمد وقال عثمان وھو یخطب علی منبرہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ قیام لیلہ وبصیام نھارھا۔

ترجمہ۔ مسلم بن سلیمان فارسی سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی حفاظت کرنا نوافل (نماز، روزہ سے بہتر ہے اور ایک دن رات سرحد پر پہرہ کا کام کرنا ایک مہینہ کے روزہ سے اور نماز سے بہتر ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عثمانؓ نے منبر پر خطبہ پڑھنے کے وقت فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں ہر ایک رات کی پاسبانی ہزار رات سے بہتر ہے کہ جن میں رات کو نوافل پڑھے جائیں

اور دن کو روزے رکھیں جائیں۔

تفسیر ابن کثیر جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۱۳ میں درج ہے کہ ۱۷۷ھ میں عبداللہ بن مبارک نے جو مسلمانوں کو مضبوط اور قوی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے حسب ذیل شعر فضیل بن عیاض کو لکھ کر روانہ کیا تھا۔ فضیل ابن عیاضؒ صوفیہ کے امام ہیں اور اس وقت مسجد حرام میں عبادات اور روحانی ریاضتوں میں مصروف تھے۔

یاعابد الحرمین لو ابصرتنا لعلمت انك فی العبادة تلعب۔

ترجمہ :- اے حرمین کے عابد اگر تو ہماری حالت دیکھے تو جان لے کہ تو عبادت میں کھیل رہا ہے تیری عبادت مثل لہو ولعب کے ہے۔

جس وقت حضرت فضیل بن عیاض نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ عبداللہ بن مبارک نے صحیح لکھا ہے۔
(فلما قرأہ ذرفت عیناہ وقال صدق ابوعبد الرحمٰن)

دوسری مثال یہ ہے کہ معاش حاصل کرنا اور اس کے لیئے کوشش کرنا اور اس کے وسائل حاصل کرنا دنیاداری کو بزعم خود سے علیحدہ تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود قرآن کی تعلیم ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (سورة الجمعة : ١٠)

"پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ۔"

چنانچہ اکثر صحابہ اور آئمہ سلف کسب معاش کے لیئے تجارت وغیرہ جیسے وسائل میں مصروف رہتے تھے۔ بخلاف اس کے آجکل ہمارے مقتدی، ان وسائل میں مصروف ہونا خلاف تقدس اور کسر شان سمجھتے ہیں یہ بات قرآن کی تعلیم سے بعد کا نتیجہ ہے۔

تیسری مثال :- عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان دنیا میں ذلیل اور مسکین زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی تعلیم کے یہ بالکل خلاف ہے اور قرآن مجید میں ذلت اور مسکنت کو خدا کے غضب اور عذاب کی نشانی بتایا ہے جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

سورہ زمر میں ہے۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

(سورہ زمر ۲۶ - ۲۵)

"جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی تو ان کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ تعالےٰ نے ذلت کا مزہ چکھا دیا" سورہ بقرہ میں یہود کی خرابیوں کے ذکر کے بعد ان کو عذاب سے اس طرح ڈرایا گیا تھا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔ (سورہ بقر ۸۵)

ترجمہ: "تو تم کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں (یعنی دنیا کی ذلت بد عملیوں کی سزا ہے)

دوسرے موقعہ پر سورہ آل عمران میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ۔ (سورہ آل عمران ۱۱۱)

ترجمہ: "جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر سوار ہے اور خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے (یعنی مسکنت خدا کے غضب کی نشانی ہے)"

بخلاف اس کے جن لوگوں پر خدا تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرماتا ہے۔ ان کو برتری اور سلطنت عطا فرماتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (سورہ آل عمران: ۱۳۹)

ترجمہ: "نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔"

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۵)

ترجمہ: "اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے"

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ۔ (النور: ۵۵)

ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خدمت (یعنی سلطنت) ضرور عطا فرمائے گا"

چوتھی مثال: عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ جنت کے کامل استحقاق کے لئے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، حج کرنا، تسبیح اور درود و ظائف پڑھنا اور داڑھی رکھنا کافی ہے۔ اگر پورا مذہبی اور جنتی مسلمان بننے کے لئے صرف یہی شرائط سمجھی جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان اشاعت و حفاظت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لیے اپنے آپ کو مشقت اور محنت میں مبتلا کریں اور آرام و راحت کی زندگی بسر نہ کریں۔ جب ابتدائے عمر سے یہ ذہن

نشین ہو چکا ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مسلمان ہو سکتا ہے تو پھر قومی نجات کے لئے ایثار کرنے پر کیا چیز ہم کو آمادہ کر سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صاف طور پر درج ہے کہ ہماری نجات کے لیئے اس زندگی میں پوری اور ہر طرح کی کوشش کی ضرورت ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (سورہ البقرۃ : ۲۱۴)

ترجمہ:۔ کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ جھرجھرا تے بھی گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے۔ کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی! خبردار رہو اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔"

سورہ آل عمران میں فرمایا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ (آل عمران ۔ ۱۴۲)

ترجمہ:۔ کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم سے وہ لوگ معلوم نہیں کئے جو مجاہد ہیں اور نہ وہ معلوم کئے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔"

سورہ توبہ میں فرمایا ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (سورہ التوبة : ۱۶)

"کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی اللہ نے وہ لوگ نہیں معلوم کئے جو تم میں سے مجاہد ہیں اور سوائے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے کسی کو اپنا ولی دوست نہیں بناتے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

سورہ محمد میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۔ (سورہ محمد : ۳۱)

"اور تم کو ہم ضرور آزمائیں گے تاکہ تم میں جو مجاہد ہیں اور برداشت کرنے والے ہیں ان کو ہم معلوم کر لیں اور تاکہ تمہارے حالات کو معلوم کریں۔"

سورہ عصر میں حق اور صبر کی وصیت کو سب پر لازمی قرار دیا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ بغیر اس کے سب لوگ نقصان میں ہیں۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

(سورۃ العصر)

"زمانہ کی قسم انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور صبر کی وصیت کرتے رہے"

امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس سورۃ کی تشریح فرماتے ہوئے صاف طور پر فرماتے ہیں۔

فیها وعید شدید وذالك لانه تعالیٰ حکم بالخسارة علی جمیع الناس سوی الذین یومنون ویعلمون بهذه الاشیاء الاربعة وهی الایمان والعمل الصالح والتواصی بالحق و لتواصی بالصبر فدل ذالك علی ان النجاة معلقة بمجموع هذه الامور وانه کما یلزم المکلف تحصیل مایخص نفسه فکذالك یلزمه فی غیره امور منها الدعاء الی الدین والنصیحة والامر بالمعروف والنهی عن المنکر ثم کرر التواصی یتضمن الاولی الدعاء الی الله والثانی الثبات علیه دلت الایة علی ان الحق ثقیل و ان المحن تلازمه فکذالك قرن به التواصی۔

ترجمہ "اس میں وعید سخت ہے۔ اس لیئے کہ خدا تعالیٰ نے خسارہ کا حکم لگایا ہے، تمام لوگوں پر سوائے اس کے جو ان چار چیزوں پر کاربند ہو اور وہ ایمان عمل صالح تواصی بالحق و تواصی بالصبر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات ان چاروں کے مجموعہ پر منحصر ہے اور یہ کہ جسطرح ہر ایک مکلف شخص کو ان چیزوں کا حاصل کرنا ضروری ہے جو اس کے نفس کے لیئے خاص ہیں۔ اسی طرح وہ امور بھی ضرور ہیں۔ جو غیروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کی مذہب کی طرح دعوت دینا اور خیر خواہی کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور تواصی کو مکرر لائے ہیں تاکہ پہلا لفظ دعوت الی اللہ پر دلالت کرے اور دوسرا لفظ اس پر ثابت قدم رہنے پر یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق ایک بھاری چیز ہے اور بہت سی تکلیفیں اس کے لیئے لازمی ہیں۔ اسی لیے تواصی بالصبر کا حکم دیا گیا ہے"

میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ اصل قرآن چھوڑنے سے اور اس کے صحیح طریقہ سے مستفید نہ ہونے سے ایک تو قرآن کے الفاظ کے غلط مفہوم رائج ہو گئے ہیں اور دوسرا اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کی تعلیم کا ایک حصہ ہم نے بھلا دیا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں بہت زور اس پر دیا گیا ہے کہ تعلیم کے کسی حصے کو نظر انداز نہ کرو بلکہ سب کو پیش نظر رکھو ورنہ ذلت اور عذاب نازل ہوگا۔ بنی اسرائیل سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ۔

ترجمہ "تو کیا کتاب الٰہی کی بعض آیتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو سوائے اس کے ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہے اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں"

صحیح طریقہ تعلیم کو چھوڑنے سے تیسرا بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ کلام مجید کی تعلیم پر پورا غور و فکر کرنے سے کلام

مجید کے بعض حصوں کو محض چند مکاتبوں اور تفریحی باتوں کا درجہ دیتے ہیں اور ان سے مستفید ہونے کا مقصد ہی نہیں کرتے اور اس طریقہ سے ہم کلام مجید کی تعلیم کے ایک حصے سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے سے محروم ہو گئے ہیں قرآن مجید میں جو قصص مذکور ہیں۔ ان کو ہم صرف یہ درجہ دیتے ہیں۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (سورہ انفال : ۳۲)

"یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ر ہم ان قصوں کو اسی درجہ پر رکھتے ہیں۔"

حالانکہ کلام مجید میں اس حصہ تعلیم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَاۤءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورہ ھود : ۱۲۰)

ترجمہ: "اے پیغمبر دوسرے پیغمبروں کے جتنے قصے ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور ان قصوں کے ضمن میں ایک تو جو حق بات تھی وہ تمہارے پاس پہنچی اس کے علاوہ اس ضمن میں مسلمان کے لیئے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔"

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (الاعراف : ۱۷۶)

ان سے قصے بیان کرو تا کہ یہ لوگ غور کریں۔"

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (سورہ النساء : ۲۶)

ترجمہ "اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ (انبیاء و صلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں کے طریقوں پر چلائے۔"

تیسرا باب

قصص القرآن

قرآن مجید میں ان قصوں کے درج ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے لیئے ان کو شمع ہدایت بنائیں اور جو انبیا راور صلحا پہلے گزرے ہیں ان کے نقش قدم پر چل کر پوری کامیابی حاصل کریں اور ہم ان کو صرف کہانیاں سمجھتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ان قصص میں ہمارے لیے ایسی تعلیم موجود ہے کہ اگر ہم ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں انہیں اپنے پیش نظر رکھیں اور ان پر عمل کریں تو دنیا کی بہترین قوم بن سکتے ہیں چنانچہ قرون اولی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند قصص کی تعلیم کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو ہم صرف ایک حسن و محبت کا واقعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کو قرآن مجید میں احسن القصص کہا گیا ہے جس طرح ایک صاحب سے ان کو پورا شاہنامہ سنا چکنے کے بعد شاہنامہ کے کسی عمدہ شعر پڑھنے کی خواہش کی گئی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا تھا۔

منیژہ منم دخت افراسیاب　　　　برہنہ تنم را نہ دید آفتاب

یہی ہماری حالت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں علاوہ اس کے کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے آئندہ واقعات کی خبر دی گئی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے مثل ہونے والے تھے کہ آپ کو آپ کے بھائی وطن سے علیحدہ کریں گے اور وطن سے باہر جانے کے بعد دوسری جگہ آپ کو کامیابی ہو گی اور اس کے بعد آپ کے بھائی قریش آپ سے معافی چاہیں گے اور آپ ان کو معافی عطا کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ اس کے اس قصہ میں ان اخلاق کی تعلیم ہے جس سے ایک شخص غلام کی حیثیت سے ترقی کر کے حکومت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت ایک غلام کے مصر میں داخل ہوئے اور آپ کو عزیز مصر نے خرید لیا یہ آپ کی پہلی حالت ہے اس درجہ سے حکومت تک پہنچنے کے لیئے خاص طور پر ان اخلاق کی ضرورت ہے۔

جذبات پر قدرت ۔امانت ، صحیح اصول کی پابندی میں دقتیں برداشت کرنا خواہ کچھ ہی حالت ہو۔ اپنا کام

طرح مل سکتی ہے۔ زلیخا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اس میں اپنے جذبات پر قدرت رکھنے اور آقا کی امانت میں خیانت نہ کرنے کی نہایت اچھی نظیر ہے جس وقت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دھمکی دی۔
جاری رکھنا۔ پریشانیوں سے گھبرا کر اپنا کام نہ چھوڑنا ان اخلاق کی تعلیم حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات سے اچھی

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۔
(سورۂ یوسف ۳۲)

ترجمہ:۔ "اور جس کام کرنے کو میں کہہ رہی ہوں اگر اس کو نہیں کرے گا تو ضرور قید کیا جائیگا اور ضرور بے عزت بھی ہو گا۔"

تو آپؑ نے فرمایا

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۔ (سورہ یوسف : ۳۳)

ترجمہ:۔ "کہا اے میرے پروردگار جس حرکت کی طرف مجھے یہ بلا رہی ہے۔ قید ہی میں رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے۔"

اپنے صحیح اصول کے خلاف عمل کرنے کی بجائے قید کی مشقتیں برداشت کرنا مجھ کو پسند ہے جس وقت آپ قید خانہ میں محبوس کیے گئے تو آپ نے وہیں قیدیوں میں تبلیغ شروع کر دی جیل خانہ میں آپ نے اس طرح تبلیغ شروع کی۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ الآیۃ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ (سورہ یوسف : ۳۸-۴۰ ، ۲۹-۳۹)

ترجمہ:۔ "ہم کو شایان نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں۔ اے یاران مجلس بھلا دیکھو تو بہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ زبردست، تمام جہاں میں حکومت تو بس ایک اللہ کی ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی پرستش کرو یہی دین کا سیدھا راستہ ہے۔"

اپنے مقصد کو نہ چھوڑنے اور ہر حالت میں کام جاری رکھنے کے لیئے خواہ آزادی ہو یا نہ ہو یہ نہایت عمدہ سبق ہے غرض حضرت یوسف علیہ السلام ایک اجنبی ملک میں غلامی کے درجے سے ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچے کہ آپ نے فرمایا

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ ۔ (سورہ یوسف : ۱۰۱)

ترجمہ:۔ "اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا۔"

قصہ طالوت و جالوت

طالوت اور جالوت کے قصّے کو محض ایک واقعہ کی حیثیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں کام کرنے والوں کے لیے

نہایت اعلیٰ درجے کی ہدایتیں موجود ہیں۔

کام کرنے کے لیئے افسر (لیڈر) کی ضرورت افسر (لیڈر) کے صفات کہ علمی اور جسمانی دونوں قوتیں اس میں اعلیٰ درجے کی موجود ہونا ضروری ہیں اور اس بات کی تردید کہ مالدار ہونا افسری (قیادت) کے لیے شرط ہے۔ افسر (لیڈر) کی صفات کے علاوہ اس کے ساتھ کام کرنے والوں کی صفات کا بھی ذکر ہے کہ لوگ آزمائش کے بعد منتخب شدہ ہوں۔ اس کے بعد ظاہر کیا گیا ہے کہ کامیابی کے لیے زیادتی تعداد لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تعداد کم ہو لیکن لوگ ثابت قدم ہوں اور مشکلات برداشت کرنے والے ہوں اور جذبات پر قدرت رکھتے ہوں تو کثیر جماعت پر غالب ہوں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ..... وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ..... فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۔ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۔ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً ..... كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ...

(سورۃ البقرہ: ۲۵۱ - ۲۴۶)

ترجمہ:- اے پیغمبر کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں پر نظر نہیں کی۔ کہ ایک زمانہ میں انہوں نے موسیٰ کے بعد اپنے وقت کے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم اس کے سہارے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست کے مطابق طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا۔ اس پر کہنے لگے کہ اس کو ہم پر کیوں کر حکومت مل سکتی ہے حالانکہ اس سے تو حکومت کے زیادہ ہم حقدار ہیں کہ اس کو مال و دولت کے لحاظ سے بھی کچھ ایسی فارغ البالی نصیب نہیں ہے۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حکومت کے لیئے اس کو پسند فرمایا ہے۔ علم اور جسم میں اس کو بڑی فراخی دی ہے۔ پھر جب طالوت فوجوں سمیت اپنے قیام سے روانہ ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ راستہ میں ایک نہر پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ اس نہر سے تمہارے صبر کی جانچ کرنیوالا ہے جو اس کا پانی پی لے گا وہ ہمارا نہیں پس ان لوگوں میں سے معدودے چند کے سوا سبھی نے تو اس سے پی لیا۔ پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے نہر سے پار گئے اور جن لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی کہنے لگے کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کا دم نہیں ہے۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ اس کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے بول اٹھے

کہ اکثر ایسا ہی ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی ہی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلہ میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے اور جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دے پھران لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دشمنوں کو بھگا دیا۔"

میدان جنگ میں کامیابی کے لیئے اس قصے میں خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر افسر (لیڈر) اعلیٰ درجے کا ہو اور اس کے ساتھ خدا سے تعلق رکھنے والے ثابت قدم جذبات پر قدرت رکھنے والے اشخاص ہوں۔ تو پھر خواہ تعداد کم ہو یہ کامیاب ہوں گے۔ عین حالت جنگ میں خدا سے دعا کرنے کا بھی ذکر ہے، جن حضرات پر مادیت کا رنگ غالب ہوگا وہ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ میدان جنگ میں روحانیت سے کیا تعلق اس وقت تو صرف سامانِ حرب کی ضرورت ہے ان کو یورپ کے ایک سپہ سالار کا قول آتا ہوگا۔

کہ خدا بھاری توپوں کی طرف ہوتا ہے۔

لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خود یورپ جو مادیت کا مرکز ہے ایسی مادیت کو خیرباد کہہ رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جرمن کے مشہور جرنیل وان برن ہارڈی نے اپنی کثیر الاشاعت کتاب (جرمنی دی نیکسٹ وار) میں جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے ص ۱۳۳ پر میدان جنگ میں کامیاب ہونے کے لیئے وہی شرائط درج کئے ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید اس قصے کے ذریعہ سے بتلا چکا ہے۔ جرمنی نے فن حرب میں جو کچھ ترقی کی ہے۔ اس کو مدنظر رکھ کر جب یہ خیال کیا جاوے کہ اس کے قابل ترین جرنیل کامیابی کے لیئے آج بھی وہی اصول بہترین سمجھتے ہیں جو صدیوں پیشتر قرآن مجید کے ذریعہ سے شائع ہوتے ہیں۔ تو کچھ اندازہ قرآن کی تعلیم کے متعلق ہوسکتا ہے۔ جرنیل وان برن ہارڈی لکھتے ہیں۔

Laid dwon by the law of Numbers. The true elements of super mority under the present system of gigantne armies are seen to be spiritual and moral strength

" لیکن ایک حد تک جو کہ قانون اعداد سے وابستہ ہے۔ اس زمانے کی بے شمار افواج کے نظام میں فوقیت کے حقیقی عناصر روحانی اور اخلاقی قوتیں ہیں اور بہت بڑی تعداد والی فوج ایک قلیل تعداد والی عمدہ اور صابر افسر رکھنے والی اور جان باز فوج سے شکست کھا جائے گی۔"

اس موقعہ پر میں یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یورپ کی مادیت نے ہمارے بعض حضرات پر ایسا اثر کیا ہے کہ اس سے متاثر ہو کر وہ حضرات بعض اسلامی باتوں میں تاویل کرنے لگے۔ مثلاً حصول مقصد کے لیئے دعا کو بھی منجملہ ذرائع کے ایک سمجھنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ فرشتوں کے متعلق کہا گیا کہ بذاتِ خود ان کی کوئی ہستی نہیں۔ بلکہ مختلف قوتوں کو فرشتوں کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ بعض حالات میں جو اجازت تعدادِ ازدواج کی ہے۔ اس کی بھی مخالفت

ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ اطمینان بخش بات ہے کہ آہستہ آہستہ خود یورپ اور امریکہ کے فاضل اسلامی خیالات کے پیرو ہوتے جاتے ہیں۔

جنگ عظیم کے دوران میں جس وقت بحر شمال میں انگلستان کے جنگی جہاز جرمن جہازوں سے سرگرم پیکار ہوتے تو بذریعہ تار گرجا گھروں کو اطلاع دی گئی کہ لوگوں کو جمع کر کے فوراً خدا سے کامیابی کے لیئے دعا شروع کر دی جائے اس سال قیصر جرمنی کی سالگرہ کے موقعہ پر کوئی جشن پہلے جیسے نہیں کیئے گئے۔ بلکہ ہدایت کی گئی تھی کہ تمام دن محض دعا کی جائے۔

فرشتے

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود یورپ میں بھی آجکل دعا کو کسقدر اہمیت دی جاتی ہے۔ سر آلیور لاج۔ ڈی۔ ایس۔ سی، ایل، ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ پرنسپل برمنگھم یونیورسٹی پریذیڈنٹ ایسوسی ایشن ان سائنس اپنے مضمون کیا موت کے بعد زندگی ہے؛ میں جو دسمبر ۱۹۱۴ء کے ریویو آف ریویوز میں شائع ہوا ہے۔

"We here on this planet are limited in certain wayes and are blind to much that is gong on, but I tell you that we are surrounded by beings working with us. All that which religions tell us that angels are with us is, I belive literally true that is why I say that man is not alone. That is why I say that I know he is surrounded by intelligences. and I tel you that there are higher intelligences to which we are as ants. Our senses give us certain information. But it is very limited we could not explore the Universe very well if we only and our senses. We increase them, we add to

them by instruments of all kinds, microscopes, telescopes and so on are additions to our senses and so we learned more. But aided however much they may be the senses, tell us still only a little and there are a multitude of things which at present. we are in complete ignorance and yet with some of the things we are in touch not through our senses, for we are not body alone. We are mind consciousness and souls as well. And with some of these higher intelligences men has intercourse and connection throu-gh channels other than those of the bodily organs."

۔ فرشتوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ ہم اس سیارہ (زمین) میں بعض حیثیتوں سے محدود حالت میں ہیں اور گرد و پیش جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس میں سے بہت سے حصے ہمیں نظر نہیں آتے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ہم ایسی ہستیوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ جو کہ ہمارے ساتھ کام کرتی رہتی ہیں۔ میرا یقین ہے کہ جیسا کہ مذاہب ہمیں بتلاتے ہیں فرشتے ہمارے ساتھ ہیں یہ بالکل صحیح ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ انسان تنہا نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ روحانی ہستیوں سے گھرا ہوا ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ اعلےٰ روحانی ہستیاں موجود ہیں۔ جن کے مقابلہ میں ہم چیونٹیوں کی رکھتے ہیں۔ ہمارے حواس خمسہ ہم کو بعض معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ لیکن یہ بہت محدود معلومات ہوتی ہے۔ اگر صرف ہمارے حواس ہی موجود ہوتے ہیں تو ہم عالم کی تحقیقات اچھی طرح سے نہ کر سکتے۔ لیکن ان حواس کو ہم ترقی دیتے ہیں اور ہر قسم کے آلات کے ذریعے سے ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ خوردبین اور دوربین وغیرہ ہمارے حواس کی قوتوں میں اضافہ کرنیوالی ہیں اور اس طریقہ سے ہم زیادہ علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن گو ان حواس کو کتنی ہی مدد دی جائے یہ ہمیں بہت ہی کم اطلاعیں بہم پہنچاتے ہیں اور کثرت سے ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے ہم ابھی تک محض ناواقف ہیں۔ بایں ہمہ ان میں سے بعض سے ہمارا تعلق ہے۔ لیکن یہ تعلق ہمارے حواس کے ذریعہ سے

نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم صرف جسم نہیں ہیں۔ ہم نفس ناطقہ، وجدان اور روح بھی ہیں، اور ان اعلیٰ روحانی ہستیوں سے انسان کا تعلق ایسے ذرائع سے ہے جو کہ جسمانی اعضاء سے وابستہ نہیں ہے۔

تعدد ازدواج امریکی محقق کی نظر میں:۔

تعدد ازدواج کے متعلق امریکہ کے محقق اور جرنلسٹ مسٹر ہنری رسالہ دی فارم میں فرماتے ہیں۔

"The true goal of the feminest movement is polygamy legallised regulated by
The state respectable and moral.
The experiment of theoratically
iment of theoratically strict monogamy has never been a success.
It has never existed as an actual condition at any period of the history of the world.
and does not exist today.

" تحریک نسوانی کا حقیقی مطمع نظر ایسا تعدد ازدواج (ایک سے زیادہ بیویاں ہونا) ہے۔ جو قانون ہو اور

سلطنت کے ذریعہ سے اس کا انتظام ہو اور مبنی بر اخلاق حسنہ ہو۔ وحدت ازدواجی (ایک بیوی ہونا) کے سخت اصول کا تجربہ کبھی کامیاب نہیں ہوا اور دنیا کی تاریخ کے کسی حصہ میں اس کا وجود بحیثیت واقعہ حقیقی نہیں رہا اور نہ آج اس کہیں وجود ہے۔

بازاری عورت کا المناک مگر روزمرہ کا مشاہدہ ہی تنہا اس کا کافی ثبوت ہے۔ اگرچہ اب تک ازراہ مروت اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے۔ اسکا وجود فقط اسی حالت میں غائب ہو سکتا ہے جب کہ انسانی فطرت بالکل بدل جائے اور یا پھر مرد عورت کے باہمی تعلقات ایسے طریقوں سے بدل جائیں جو وحدت ازدواجی کی نسبت ممکن تر اور عقل کے زیادہ مطابق ہوں۔ یہ پیشگوئی کی جا سکتی ہے کہ تعدد ازدواج کا قانونی طریقہ سے دوبارہ اجراء طلاق کے کم کرنے میں بہت زیادہ موثر ہو گا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بعض غیر معمولی مناقشے اور نزاعات جو موجودہ وحدت ازدواجی کے اصول اور اس کے ناقص حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں وہ جاتے رہیں گے۔

اس موقعہ پر ان چند مسائل کے ذکر کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا وہ نہایت قلیل حصہ بھی جس کے متعلق یہ سمجھا گیا تھا۔ کہ یورپ کی مادیت کی تہذیب سے رنگے ہوئے مسلمان اسے قبول نہ کر سکیں گے (اور غالباً اس

لیے اس میں تاویلیں شروع کر دی گئی تھیں) استقلال فطرت کے مطابق ہے کہ تجربہ کے بعد سخت کار اس کے سخت ترین مخالف بھی اس کے پیرو ہونے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے فاضلوں کے یہ اقتباسات میں ان باتوں کی صحت کے لیے بطور استدلال کے پیش نہیں کر رہا ہوں، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

قصّہ حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں یہ تعلیم ہے کہ چاہے اپنے نہایت عزیز رشتہ دار اور ساری دنیا اپنے خلاف ہو جائے مگر خدا کے احکام کی پیروی ہرگز نہ چھوڑے اور اپنے صحیح مقصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔ خواہ کتنی ہی مشکلات برداشت کرنا کیوں نہ پڑیں اور کتنی ہی قربانیوں کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ نیز خدا کے احکام کی تعمیل کا نمونہ جناب نے پیش کیا ہے کہ اپنے بیٹے تک کی قربانی کے لیے تیار ہو گئے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔ (الممتحنۃ : ۱۴)

ترجمہ: "مسلمانو! ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے (بغیر مسلمان اس وقت کے) پیروی کرنے کے لیے تمہارے لیے ان کا ایک اچھا نمونہ ہو گزرا ہے جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو۔ کچھ بھی سروکار نہیں ہے، ہم تم لوگوں کے عقیدے کو بالکل نہیں مانتے اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی قائم ہو گئی ہے اور یہ دشمنی تو ہمیشہ کے لیے رہے گی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ"

حضرت ابراہیم نے اپنی بات کو پوری طرح سمجھایا لیکن جب وہ مقصد کے مخالف رہا تو آپ نے اس سے بھی قطع تعلق کیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۔۔۔۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۔ (سورہ مریم : ۴۵-۴۸)

ترجمہ: "جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا۔ اے باپ آپ کیوں بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں۔ اور ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تو

میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہیں آئے گا تو ضرور میں تجھے سنگسار کروں گا اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور ہو۔ ابراہیم نے کہا تیری سلامتی رہے میں تیرے گناہ بخشواؤں گا۔ اپنے رب سے بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں نے تم بت پرستوں کو اور تمہارے ان بتوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو سب کو چھوڑا اور اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں حضرت ابراہیم کو آپ کی قوم نے کہا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ ۔ (سورۃ العنکبوت: ۲۴)

ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں تھا کہ کہنے لگے کہ اسکو مار ڈالو، جلادو" لیکن آپ برابر ثابت قدم رہے اور اپنا کام کرتے رہے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب کیا اور سب مصیبتوں سے نجات دی۔

قصّہ حضرت نوحؑ

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کو ہم صرف طوفان نوح کے حالات سے محصور کرتے ہیں اور فقط اس پر بحث ہوتی ہے کہ پانی کسقدر برساتھا اور کہاں کہاں طوفان کا اثر پہنچا تھا اور کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔

حالانکہ ان واقعات سے استقلال سے مسلسل عرصہ دراز تک کام کرنے کی اور اپنے مقصد کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں کرنے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ رشتہ دار اگر اچھے عمل نہ کرتے ہوں اور مقصد کے خلاف ہوں تو ان سے تعلق نہ رکھا جائے وہ رشتہ دار ہی نہیں۔ حضرت نوحؑ خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ (سورہ نوح: ۵ - ۹)

ترجمہ:۔ خدا سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو رات کے وقت بھی بلایا اور دن کے وقت بھی بلایا تو میرے بلانے کا ان پر یہی اثر ہوا کہ جتنا زیادہ بلایا اتنا ہی زیادہ بھاگے اور جب میں نے ان کو بلایا کہ میری طرف رجوع ہوں۔ اور تو ان کے گناہ معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اوپر سے اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ضد کی اور شیخی میں اکڑ اکڑ بیٹھے۔ پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا اور ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی سمجھایا۔

عرصہ دراز تک آپ نے مسلسل رات دن کام کیا اور ہر ممکن صورت سے کہا۔ یہ نہیں کہ تھوڑے زمانے تک کام کر کے بیٹھ رہے جس وقت کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا غرق ہو رہا تھا۔ تو آپ نے دعا کی

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (سورہ ھود: ۴۵۔۴۷)

ترجمہ:۔ نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کیا اے میرے پروردگار میرا بیٹا بھی میرے اہل وعیال میں داخل ہے۔ اور جو تونے وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ خدا نے فرمایا کہ اے نوح تمہارا بیٹا تمہارے اہل وعیال میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں تو جس چیز کی حقیقت کا تمہیں حال معلوم نہیں ہم سے اس کی درخواست نہ کرو۔ ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں کہ جس کی حقیقت حال مجھے معلوم نہیں ہے۔"

آپ کا بیٹا اور بیوی دونوں غرق ہوئے لیکن آپ نے یہ قربانی برداشت کی لوگوں نے آپ سے کہا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ۔ (سورہ الشعراء: ۱۱۵)

ترجمہ:۔ "وہ بولے۔ نوح! اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

اور یہ کہا۔

مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ..... اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ ۔

(سورہ المومنون: ۲۳۔۲۴)

ترجمہ:۔ "یہ بھی تم جیسا آدمی ہے اور تم سے برتر ہونا چاہتا ہے۔ پس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔"

لیکن آپ نے نہ کسی دھمکی اور نہ کسی طعنے کی پرواہ کی اور برابر کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ آپ کے مخالف تباہ ہو گئے۔

قصہ حضرت موسیٰؑ

حضرت موسیٰؑ کے قصے کو ہم چند معجزات میں محصور کرتے ہیں اور اس پر بحث کرتے ہیں کہ آیا جس وقت حضرت موسیٰؑ نے بحیرہ قلزم عبور کیا تو معجزہ کی وجہ سے پانی پھٹ کر علیحدہ علیحدہ ہو گیا اور خشکی نکل آئی۔ یا معجزہ کچھ نہ تھا صرف مد جزر تھا۔ اپنی ساری توجہ صرف انہیں باتوں میں صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں تعلیم ہے۔ اپنی قوم کو انتہائی ذلت اور ظلم سے نکال کر ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچایا یعنی بنی اسرائیل ایسی حالت میں تھے کہ ان کے حاکم ان کے بیٹے ذبح کرتے تھے اور ان کی بیٹیاں اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ نیز اس میں تعلیم ہے ان اوصاف کی جن کے ذریعہ سے یہی ترقی

ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بھائی (تم دونوں) فرعون کے پاس جاؤ۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۔ (سورہ طٰہ ۴۳، ۴۷)

ترجمہ :۔ "تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے (غرض) اس کے پاس جاؤ اور جاکر کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دے اور ان کو عذاب نہ دے "۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو گزشتہ ایام کی قوموں کے عروج و زوال کے حالات سے مطلع کرو۔ اس طرح ان کو متنبہ کرو۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۔ (سورہ ابراھیم : ۵)

ترجمہ :۔ "اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ اور ان کو خدا تعالیٰ کے دن یاد دلاؤ۔ کیونکہ ان میں ہر ایک صبر و شکر کرنیوالے کے لیے نشانیاں ہیں"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۳ میں تذکیر بایام اللہ کے یہ معنی وسیع ذہانتے یعنی بیان وقائع "آں ما خدا تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین وتعذیب مجرمین"

سورہ یونس میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (سورہ یونس : ۸۷)

ترجمہ :۔ "ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنے لوگوں کے رہنے کے لیے گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجدیں قرار دو اور نمازیں پڑھو اور اے موسیٰ ایمان والوں کو خوشخبری دو۔ (کہ اب تمہاری نجات کا وقت قریب آگیا ہے)

ایک مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لیے، گذشتہ اقوام کے عروج و زوال کی تاریخ اور کامیابی کی پوری امید، جو کچھ کر سکتی ہیں اس کو اس زمانہ کی اقوام نے اچھی طرح سے محسوس کر لیا ہے۔

جس وقت فرعون کے ساحر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تو فرعون نے ان سے کہا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ ۔ (سورہ طٰہ : ۷۱)

ترجمہ :۔ "سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں اور سولی دونگا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ۔ (سورہ طٰہٰ : ۷۲)

ترجمہ:۔ جو کرنیوالا ہے کر گزر۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اپنے اصول اور مقصد کی تکمیل کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیئے تیار تھے اس طرح ان کو کامیابی ہوئی اور ان کے دشمن تباہ ہوگئے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں قومی اتفاق پر بہت زور دیا ہے جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور اپنا جانشین حضرت ہارون علیہ السلام کو کر گئے تو ان کی قوم میں گوسالہ پرستی شروع ہو گئی۔ جب وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حالت واپس آکر دیکھی تو نہایت ناراض ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا۔

قَالَ يَا هَارُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ۔ (سورہ طٰہٰ: ۹۱-۹۲)

ترجمہ:۔ اے ہارون علیہ السلام جب تم نے ان کو دیکھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تم کو کیا وجہ مانع ہوئی کہ تم نے میری ہدایت کی پیروی نہ کی کیا تم نے میری حکم عدولی کی یعنی جب وہ گمراہ ہو رہے تھے تو تم نے بزور ان کو کیوں نہ روکا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔

(سورہ طٰہٰ : ۹۴)

"کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو نہیں پکڑو۔ میں اس بات سے ڈرا کہ تم واپس آکر یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی۔"
یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو جب اپنی اصلاح کی کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کی عارضی گمراہی کو پسند کیا۔ بجائے اس کے کہ آپ اس کو روکنے کے لیے ایسی پرزور کوشش کرتے جس سے قوم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا اندیشہ تھا۔
ایک پیغمبر نا اتفاقی کے مقابلہ میں قوم کا عارضی گمراہی میں رہنا پسند کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک قوم متفق رہتی ہے اس وقت تک تعلیم وغیرہ اثر کر کے عمدہ نتائج پیدا کر سکتی ہے اور جب نا اتفاقی سے قوم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو پھر وہ تباہ ہو جاتی ہے اور کسی طریقے سے کامیاب نہیں ہوتی۔
اب ظاہر ہے کہ قرآن کے ایک حصے کے تو ہم نے معنی بدل دیئے، ایک حصہ ہم نے بھلا دیا اور ایک حصہ کی تعلیم کو ہم نے کہانیوں کا درجہ دے رکھا ہے اور اس سے ہم مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے تو پھر کونسی تعجب کی بات ہے کہ اب قرآن سے وہ نتیجے پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہیں اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانے میں ہو چکے ہیں۔

چوتھا باب

قرآنی تعلیم کو کمزور کرنے کی منظم سازش

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کے کمزور ہونے کی جو کوششیں ہوئی ہیں۔ ان کے بارہ میں امام عبدہ مصری کی رائے نقل کی جائے۔ علامہ موصوف اپنی کتاب "اسلام والنصرانیت" میں صہ ۱۱۳ پر مسلمانوں کے جمود اور اس کے اسباب کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کے بعد ایک خلیفہ نے سیاسی غلطی کی اور اسلامی احکام کی وسعت کے باعث اس کو اس امر کا موقعہ مل گیا۔ جس کو وہ اپنے خیال میں اپنے لئے بہتر سمجھتا تھا۔ اس کو خیال ہوا کہ عربی لشکر ممکن ہے کہ علوی خلیفہ کا مددگار بن جائے کیونکہ علویوں کو نبوت کے گھرانے سے زیادہ تعلق تھا۔ اس نے ترک اور دیلم وغیرہ جیسے اجنبیوں کی ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کی نسبت اس کو خیال تھا کہ وہ انہیں اپنی طاقت سے فرمانبردار اور اپنے احسان سے اپنا مطیع رکھ سکے گا۔ وہ سلطنت کے باغیوں کی مدد نہ کرے گی۔ اور جو طالب ملک ہیں ان کی مدد نہ ہوگی۔ اور اسلامی احکام کی وسعت اور سہولت نے اس امر کو اس کے لئے جائز رکھا اور اسلام بدل کر عجمی ہو گیا۔

ایک عباسی خلیفہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی ذات اور جانشینوں کے لئے بہتری پیدا کرے۔ اس طرح پر اس نے اپنی قوم اور مذہب کے لئے برائی کی اس نے اجنبیوں کی فوج میں اضافہ کیا اور عجمی سرلشکر مقرر کئے۔ صبح سے شام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ سرداران لشکر خلفاء پر قابض ہو گئے اور سلطنت خلفاء کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں کے قبضہ میں آگئی۔ ان لوگوں کو وہ عقل نہ تھی۔ جو اسلام سے پہنچ چکی ہو اور نہ وہ دل تھا جو مذہب سے مہذب ہو چکا ہو۔ یہ لوگ جہالت اور ظلم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کو کپڑوں کی طرح اپنے جسم پر اوڑھ لیا۔ کوئی اثر اس کا ان کے وجدان میں نہیں پہنچا۔ ان میں سے اکثر لوگ اپنے معبودوں اور بتوں کو اپنے ساتھ لائے تھے جن کی خلوت میں پرستش کرتے اور علانیہ طور پر اپنا اقتدار بڑھانے کی غرض سے باجماعت نمازیں ادا کرتے اس کے بعد تاتاریوں وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا اور بعض لوگ اس پر قابض بھی ہو گئے مگر یہ تمام علم کے شدید ترین حملے کے مقابلہ میں ہیچ تھے جو لوگوں کو ان کا مرتبہ بتلانے والا اور ان کے چال چلن کی خرابیوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔

انہوں نے علم اور اس کی دولت اسلام پر حملہ کیا اور اپنے مددگاروں کی جماعت کو آمادہ کیا۔ کہ وہ علماء کے زمرہ میں داخل ہو جائیں اور علم کا لباس پہن لیں اور اس علم میں شمار ہونے لگیں۔ اس کے بعد عوام الناس میں ایسی مذہبی باتیں پھیلائیں کہ علم سے ان کو نفرت ہو اور طلب علم سے ان کے نفوس میں بعد پیدا ہو۔ پرہیزگاری اور مذہبی جماعت

ے مدعی ہو کر یہ لوگ ان غافلوں میں داخل ہوئے اور دعویٰ کیا کہ مذہب ناقص تھا۔ ہم اس کو کامل کرنا چاہتے ہیں۔ یا وہ مریض تھا ہم اس کا علاج کرتے ہیں۔ یا منہدم ہونیوالا تھا۔ ہم اسکو سہارا دیتے ہیں یا جھک چکا تھا ہم اس کو سیدھا کر رہے ہیں۔

انہوں نے اپنے بت پرستی کے زمانے کی رسموں کو دیکھا اور نیز اپنے گرد وپیش کی دوسری قوموں پر نظر ڈالی اور اسلام کے لیئے ایسی باتیں عادیتاً لیں۔ جن سے وہ بری ہے۔ لیکن وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ یہ شعائر اسلام کی تعظیم ہے اور اس کے احکام کی۔

انہوں نے ہمارے لیئے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کیئے علما اور اولیاء وغیرہ کی عبادت ہمارے لئے مقرر کی۔ جس میں اسلامی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا اور لوگ گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے قرار دیا کہ متاخر کو سوائے اس کے جو متقدم کہہ چکا ہو اور کوئی بات کہنے کا حق نہیں یہ امر عقائد میں داخل کر لیا گیا تاکہ فکر ساکن اور عقول منجمد ہو جائیں اس کے بعد انہوں نے اپنے مددگاروں کو اسلامی ممالک کے اطراف میں بھیجا تاکہ وہ ایسے قصوں اور خبروں اور ایسے راویوں کی اشاعت کریں جس سے عوام الناس کو اطمینان ہو جائے کہ ان کو پبلک کاموں میں غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو کام قوم اور سلطنت سے متعلق ہیں۔ ان پر غور کرنا صرف حکام کا فرض ہو اور دوسرے آدمیوں کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو شخص ان معاملات میں دخل دیتا ہے۔ وہ واہی ہے۔ مسلمانوں کے اعمال میں جو فساد اور ان کے حالات میں جو درہمی و برہمی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ حکام کے کاموں کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ نتیجہ ہوتا ہے ان اخبار کا جو آخری زمانہ کی نسبت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں اور کسی تدبیر سے اصلاح حال و استقبال کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ صرف اپنی ذاتی حالت پر انحصار کریں احادیث کے بعض ظاہری الفاظ سے ان کو اپنے اس مطلب کے لئے کچھ مدد ملے گی اور ضعیف حدیثوں اور موضوعات میں ان کو بہت سامان مل گیا جس سے ان اوہام کے پھیلانے میں ان کو بڑی تقویت ملی۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا۔ شریر حاکموں اور والیوں نے تمام اطراف میں ان کی مدد کی۔ ارادوں کو پست کرنے اور ہاتھوں کو کاروبار سے روکنے کے لیئے قدر کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔ ان خرافات کو قبول کرنے کے لیئے نفوس کو آمادہ کرنے والی سب سے بڑی محرک سادہ لوحی تھی اور مذہبی امور میں ضعیف بصیرت اور خواہشات کا اتباع یہ ایسے امور ہیں کہ جب جمع ہو جاتے ہیں تو مہلک شابت ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر حق باطل کی تاریکی میں چھپ گیا اور انسانی نفوس میں وہ عقائد راسخ ہو گئے جو دینی اصول کے بالکل اور خط مستقیم متضاد تھے۔ مسلمانوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی امیدیں غارت ہو گئیں اور ان کو مایوس کر کے بہائم کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اس وقت جس کا نام اسلام رکھا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اسلامی اعمال نماز روزہ حج کی ظاہری صورتوں کا مجموعہ ہے۔ چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تغیر و تبدل کر لیا گیا ہے اور جن کا نتیجہ وہ بدعتیں اور خرافات ہیں جنہوں

نے مسلمانوں میں اس جمود کی نوبت پہنچا دی ہے۔ جس کو میں نے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کو اسلام سمجھا ہے۔ مسلمانوں پر اس وقت اسلام کے نام سے جو عیب لگایا جاتا ہے اس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے، جس کا نام انہوں نے اسلام رکھ لیا ہے۔ قرآن جس کی شان یہ ہے کہ باطل نہ تو اس کے آگے سے ہی اس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے وہ حکمت والے تعریف کئے گئے۔ خدا کا اتارا ہوا ہے، اس بات پر شاہد ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اس سے غافل ہیں اور اس کے احکام سے اعراض کرنے والے ہیں۔

پانچواں باب

مذہب، مسلمانوں کی ترقی کا زینہ

ہمارے مذہب کی تو یہ حالت ہے اور ہماری مذہبی تعلیم اس طریقہ سے مسموم ہو چکی ہے تو پھر جب تک ہمیں صحیح مذہبی تعلیم نہ ملے ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ میرا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا سنگ بنیاد مذہب ہے بغیر مذہب کے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حقیقی قومی ترقی کے لئے جس ایثار اور قربانی کی ضرورت ہے اس کے سنگ بنیاد صرف دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں اور تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہمیشہ قوموں کی ترقی میں انہی دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ یا تو "مذہب" یا "حب وطن"، مذہبی جذبہ کے مقابلہ میں "حب وطن" کا جذبہ مسلمانوں میں بہت ہی کمزور ہے اور اس لیئے مسلمان صرف مذہب سے ہی متاثر ہو کر حقیقی ترقی کی شاہراہ پر قدم زن ہو سکتے ہیں۔
ہمارے نامور قومی مؤرخ اور شاعر (یعنی شبلی مرحوم) نے اسی مسئلہ کی توضیح کی ہے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو
دو ہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار

یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں
کر دیا ذرہ افسردہ کو ہم رنگ شرار

ہے یہ وہ قوت پر زور کہ جس کی ٹکر
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشت غبار

جس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیاد زمیں
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراق دیار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہ کسریٰ میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں
جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے ہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

یا کوئی جذبہ ملک و وطن تھا جس نے
کر دیئے دم میں قوائے علمی بیدار

ہے اسی مٹی سے سرمستی احرار وطن
ہے اسی نشہ سے یہ گرمئی ہنگامہ کار

تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ ہماری تمام قوم صرف مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر پوری طرح کام کر سکتی ہے۔ جب یہ حالت ہے تو یہ بات بدیہی ہے کہ قومی ترقی کے پروگرام میں سب سے اہم جزو صحیح مذہبی تعلیم ہونی چاہیئے۔ اگر صحیح مذہبی تعلیم کا انتظام نہ ہوگا۔ تو نہ مسلمان اپنی ہستی قائم رکھ سکیں گے اور نہ وہ ترقی کر سکیں گے۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ اب تک ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکا ہے کہ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں تو کیا خود اپنے قومی سکولوں اور کالجوں میں ہی قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کر لیتے۔

قرآن کی تعلیم سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ بغیر مطلب سمجھے قرآن مجید کے الفاظ دہرائے جائیں۔ مسلمانوں نے قرآن کی تعلیم کا کبھی یہ مطلب نہیں سمجھا۔ بعض حضرات سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ ہمارے طالب علموں کو یونیورسٹی کا نصاب فرصت نہیں لینے دیتا۔ میں خود اس بات کو جانتا ہوں۔ لیکن جتنا وقت سینکڑوں مشن سکولوں اور کالجوں کے مسلمان اور ہندو طالب علم بائیبل کے لیئے دیتے ہیں کیا اتنا وقت قرآن کی تعلیم کے لیے ہمارے قومی سکولوں اور کالجوں کے طالب علم نہیں دے سکتے؟

مشن سکولوں اور کالجوں کے طالب علم باوجود بائیبل کے لیئے عموماً روزانہ وقت دینے کے امتحانات میں نہایت عمدہ طرح کامیاب ہوتے ہیں اور بائیبل کلاس کی وجہ سے کوئی شکایت سننے میں نہیں آتی۔ ایک تو وہ ہیں جو غیر مذہب کے طالب علموں کو روزانہ بائیبل پڑھاتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ اپنے ہی قومی سکولوں اور کالجوں میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیئے وقت نہیں نکال سکتے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

علی گڑھ کالج کے تین طالب علم جو میرے دوست ہیں اتفاق سے سنٹرل انڈیا کے ایک مشن کالج میں تعلیم پانے کی غرض سے گئے۔ جب امتحان کا زمانہ قریب ہوا تو روزانہ اسباق بند ہو گئے۔ تاکہ طالب علم پوری طرح امتحان کے لیئے تیاری کر لیں۔ لیکن بائیبل کلاس روزانہ جاری رہی۔ خود پرنسپل صاحب بائیبل پڑھاتے تھے۔ ایک روز یہ تینوں حضرات پرنسپل صاحب کے پاس گئے کہ اب امتحان بہت قریب آگیا ہے اور دوسرے تمام گھنٹوں میں سبق نہیں ہوتا ہے۔ صرف بائیبل کلاس کی وجہ سے ہمیں کلاس میں آنا پڑتا ہے برائے مہربانی اس کو بھی ملتوی

زیادہ تیجئے۔ تاکہ پوری طرح سے امتحان کے لیئے تیاری کریں تو پرنسپل صاحب نے جواب دیا کہ

"یہ تمام عورتیں۔ تم سب طالب علم اور میں اور تمام پروفیسر فقط اسی گھنٹہ کی بدولت یہاں موجود ہیں۔ اگر یہ گھنٹہ نہ ہو تو یہ کالج بھی نہ ہو۔"

اگر ہم صرف اس واقعہ کی تقلید کر سکیں تو پھر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنے طالب علموں کو قرآن مجید کی تعلیم تو دی نہیں جاتی اور ستم یہ ہے کہ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے قوم کو ترقی ہو۔ عروج ہو یہ ہو وہ ہو اور اگر ان بیچاروں سے کچھ نہیں ہو سکتا تو پھر ان پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

سخت ضروری ہے کہ کم از کم اپنے قومی سکولوں اور کالجوں میں تو بہت جلد قرآن مجید کی صحیح تعلیم کا انتظام کیا جائے قرآن مجید کی تعلیم کے انتظار میں سب سے اہم حصہ عمدہ پروفیسروں کا تیار کرنا ہے اور ان کا انتخاب ہے در اس بارے میں آگرہ کانفرنس ۱۹۱۳ء کے لیکچر میں جو کانفرنس کی رپورٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ میں کافی بحث کر چکا ہوں جب قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام ہو چکے تو اس کے بعد قومی ترقی کا نام لینا جائز ہو گا۔

خدا تعالیٰ ہم کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

قرآنی مطالعے کے بنیادی اصول

حصہ دوئم ——— قرآنِ شریف کا مقدمہ

فوائد از حجۃ اللہ البالغہ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

فائدہ ① نبی کس کو کہتے ہیں؟

جاننا چاہیئے کہ مفہمین (یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے) کے بہت سے اقسام ہیں اور ان کی لیاقتیں اور قابلیتیں بھی جُدا جُدا ہیں انہی میں سے اللہ تعالیٰ نوعِ انسان کیلئے رہبر اور رہنما مقرر کرتا ہے جب اللہ کی حکمت یہ چاہتی ہے کہ ان میں سے ایک کو اپنی مخلوق کی طرف بھیجے اور اس کو لوگوں کو تاریکی میں سے نکال کر روشنی کیطرف آنے کے لئے سبب بنائے تو لوگوں پر یہ فرض کرتا ہے کہ دل اور جان سے اس کی تابعداری کریں اور اسی کے لئے اس دنیا سے باہر کی مخلوق یعنی ملائکہ کی اونچی جماعت میں یہ تجویز پاس کی جاتی ہے کہ جو آدمی اس کی تابعداری کرے گا اس سے ملائکہ راضی ہوں گے اور جو اس کی مخالفت کرے گا اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اس پر لعنت کرتے رہیں گے، جب اللہ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس دنیا کے رہنے والے انسانوں کو اس بات کی خبر دیتا ہے اور ان پر اس بھیجے ہوئے انسان کی تابعداری کرنا لازم ٹھہراتا ہے۔ اس بھیجے ہوئے بزرگ کو جس کی تابعداری کرنا لوگوں پر لازم ہے نبی کہا جاتا ہے۔

فائدہ ② اللہ والوں کے اقسام

اُوپر گزر چکا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے ان کے بہت سے اقسام ہیں۔ پھر ان میں سے کوئی کامل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کی حقیقت سمجھنے میں کمال کو پہنچ چکا ہے یہی نبی کی شان ہے) کوئی حکیم ہے (یعنی اللہ کی بادشاہی میں جو حکمت رکھی ہوئی ہے وہ اسکو سمجھتا ہے) کوئی مؤید بروح القدس ہے (یعنی انسانیت کو کمال تک پہنچانے کے لئے جو کام اس پر رکھا ہُوا ہے یا اس نے اپنے اوپر لیا ہے اس میں اس کی مدد روح القدس سے ہوتی رہتی ہے) کوئی لوگوں کو راستہ دکھانے والا اور ان کو پاک کرنیوالا ہے کوئی امام (یعنی قوموں کا رہنما) ہے کوئی منذِر (یعنی کاموں کے نتائج کی پہلے سے خبر دینے والا) ہے۔

فائدہ ③ سب سے بڑا نبی کون ہے؟

انبیاء میں سب سے بڑی شان والا وہ نبی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ساتھ دوسری اقوام کیطرف بھی نبی بنا کر بھیجا ہو۔ پھر وہ نبی ① اپنی قوم کو اندھیروں میں سے روشنی کیطرف نکالنے کا سبب ہوگا ② اور اس کی قوم دوسری قوموں کی رہنما بنے گی، یہ دونوں باتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ پہلی بات کیطرف سورۂ جمعہ کی دوسری اور تیسری آیت میں ارشاد ہے ان دونوں آیتوں کے معنی یہ ہیں، ''اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور عقلمندی سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے ظاہر گمراہی میں تھے اور ان میں سے دوسروں کے لئے بھی (اسکو بھیجا ہے) جو اب تک اُن (پہلوں سے) نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے'' دوسری بات کی طرف سورۂ آل عمران کی ایک سو دسویں آیت میں اشارہ ہے اس آیت کے معنی یہ ہیں ''تم اچھے کام کا حکم کرتے ہو اور بُرے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر کتاب والے ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ کچھ ان میں سے ایمان والے ہیں اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں'' اور مندرجہ ذیل احادیث میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرنیوالا بنا کر بھیجا ہے اور (ان پر) تنگی کرنیوالا بنا کر نہیں بھیجا (یعنی اُمت محمدی کے افراد بھی انسانوں کی ہدایت کے لئے اس طرح بھیجے ہوئے ہیں جس طرح انبیاء کو بھیجا جاتا ہے)

علاوہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علم کے وہ سب اقسام موجود تھے جو جدا جدا ان لوگوں میں موجود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء تھے ان میں سے کسی کو ایک قسم کا علم تھا۔ کسی کو دو قسموں کا، لیکن علم کے تمام اقسام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کسی میں بھی نہ تھے۔ (یعنی انبیاء، حکماء اور جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے۔ رہنما اور اماموں کو جتنا بھی جدا جدا علم ہے، علم کے وہ سب اقسام ہمارے نبی کو حاصل ہیں)

فائدہ ④ نبیوں کو انبیاء بنا کر کیوں بھیجا جاتا ہے؟

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت رسولوں کو بھیجنے کی تب خواہش کرتی ہے جب رسولوں کے

بھیجنے میں کسی قسم کی بھلائی ہو۔ اس بھلائی کو اللہ غیب دان کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ لیکن بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کو ہم بھی جانتے ہیں۔ وہ اسباب رسولوں کے بھیجنے کے وقت ضرور پائے جائیں گے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وقت کسی نئی حکومت کے ظاہر ہونے اور پہلی حکومت کے برباد ہونے کا ہوگا پھر اس وقت اللہ تعالیٰ ایسا رسول بھیجے گا جو اس نئی حکومت کا دین یا قانون قائم کرے گا اور پرانی حکومت برباد ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سردار محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

فائدہ ⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجنے کی حکمت

جب ہر قوم کا دین اور دھرم جدا ہو گیا اور ہر ایک قوم نے خاص طریقے اختیار کر لئے اور ان عادات اور طریقوں کو قائم رکھنے کے لئے دوسری قوموں کے ساتھ پہلے زبان کے ساتھ انہوں نے جھگڑے کئے اور اس کے بعد اپنے مخالفین پر غالب آنے کے لئے اپنے ہتھیار اُٹھا کر ان سے جنگ بھی کی اور ان میں ظلم پھیل گیا، اور کتنے کام جو ان کو کرنے تھے ان کو انہوں نے چھوڑ دیا اور ہر جماعت نے دوسری جماعت پر لعنت کی، اور ان کو بُرا کہہ کر ان کے ساتھ جنگ جاری رکھی اور قوموں کے آپس کے جھگڑے کے سبب حق چھپ گیا۔ تب ایک راہ راست پر چلنے والے امام یا پیشوا کی ضرورت پڑی جو تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسا حق پر چلنے والا خلیفہ (اللہ کا نائب) ظالم بادشاہوں کے ساتھ کرتا ہے (یعنی یہ پیشوا مختلف جماعتوں کو ملا کر ایک جماعت بنائیگا۔ یہ امام (پیشوا) جو جدا جدا جماعتوں کو ملا کر ایک جماعت بنائے گا۔ اس کو چند اصولوں پر چلنا ہوگا۔ ان اصولوں میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا اور اُن (کے اخلاق) کو پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کرے گا۔ اس کے بعد ان سے ایسا کام لے گا جیسا اپنے اعضاء سے لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے جدا جدا ملکوں میں بھیج دے گا اور سیدھے راستے پر نہ چلنے والی دُنیا سے جنگ بھی کریگا۔ یہ تیسرے فائدہ میں بیان کی ہوئی آل عمران کی آیت ۱۱۰ کے معنی ہیں۔

اس پہلے اصول پر امام کو اس لئے چلنا پڑے گا کہ اس اکیلے امام (پیشوا) سے دنیا کی بے شمار جماعتوں کے ساتھ مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور گمان بھی یہ ہے کہ سیدھے راستے پر چلانے کے لئے جنگ کے پورے ساز و سامان اور پوری فوج کے سوا جس کے حاصل کرنے کے لئے نبی (امام) کی عمر کافی نہیں ہے) دوسری جماعتیں تابعداری قبول نہیں کریں گی، جیسے کہ اس وقت کے موجودہ ادیاں والوں (یہود، عیسائی اور مسلمانوں) کے شروع زمانہ میں ہو چکا کیونکہ ان میں سے جو لوگ ابتداء میں اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے وہ بالکل تھوڑے تھے، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ طاقتور ہوئے اور اقوام کی ہدایت کا سبب بنے اور حق کے لئے انہوں نے لڑائیاں کیں۔

فائدہ⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ملک کی حالت

اور آپ نے اُسے کیسے بدلا؟

جن ملکوں کی آب و ہوا معتدل ہے (جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کا مزاج بھی معتدل ہے) وہ ملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت دو بڑے بادشاہوں کے قبضہ میں تھے۔

۱۔ کسریٰ (ایران کا بادشاہ) جس کا عراق، یمن، خراسان اور ان ملکوں کے ارد گرد والے ملکوں پر قبضہ تھا۔ ماوراء النہر سندھ اور ہندوستان کے بادشاہ بھی اس کے ماتحت تھے اور ہر سال اسکو خراج دیتے تھے۔

۲۔ قیصر (روم یا یورپ کا بادشاہ) جس کا شام، روم اور ان ملکوں کے ارد گرد والے ملکوں پر قبضہ تھا۔ مصر، مغرب اور افریقہ کے ملک بھی اس کے ماتحت تھے اور ہر سال اس کو خراج دیتے تھے۔ پس ان دونوں بادشاہوں کو شکست دینے اور ان کے ملکوں پر غالب آنے کے یہ معنی ہوں گے کہ جس نے ان کو شکست دی ان کا تمام دنیا پر غلبہ ہو گیا (اُمتِ اسلامیہ نے خلیفہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان دونوں حکومتوں کو فتح کر کے گویا روئے زمین کو اپنے قبضہ میں کر لیا) اس کے علاوہ ان دونوں بادشاہوں کی عیش و عشرت کی عادات ان کے ماتحت ملکوں میں پھیل گئی تھیں۔ پس ان عادات کے بدلنے اور ان عادات سے لوگوں کو روکنے کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا تمام ملکوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ ان عادات کو چھوڑ دیں (ورنہ ان میں تباہی آئے گی)

لیکن جن ملکوں کی آب و ہوا اور وہاں کے لوگوں کا مزاج معتدل نہیں ہے ان کا انسانی نوع کی اصلاح میں کوئی خیال نہیں کیا گیا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اس ٹیڑھے راستہ کو سیدھا کرے اور لوگوں کے لئے ایک ایسی جماعت (اُمتِ اسلامیہ) پیدا کرے جو اچھے کام کا حکم کرے اور بُرے کام سے روکے اور ان کے بگڑے ہوئے رسم و رواج کو بدلے تب یہ بات اس پر موقوف ہوئی کہ قیصر و کسریٰ کی حکومت برباد کی جائے اور ان کی پیدا کی ہوئی بُری عادتوں کو درست کیا جائے کیونکہ ان کی پیدا کردہ حالت نے معتدل مزاج والے ملکوں میں گہرا اثر کیا تھا۔ اس لیے ان دونوں بادشاہوں کی بادشاہی کے برباد ہونے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ کسریٰ برباد ہو گا اور اس کے بعد کوئی بھی کسریٰ پیدا نہ ہو گا اور قیصر برباد ہو گا اور اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر پیدا نہ ہو گا۔ اور تمام دنیا کے باطل کو مٹانے والا حق (قرآن کریم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عرب کے باطل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہ کے ہاتھوں سے مٹائے گا۔ اور عرب کے ہاتھوں سے قیصر اور کسریٰ کے باطل کو مٹائے گا اور باقی ملکوں کے باطل کو ان دونوں بادشاہوں کے

رہنے والوں کے ہاتھوں سے شائے گا۔

مہاجرین اولین اور انصار سبب بنے قریش اور قریش کے ارد گرد رہنے والوں کے اسلام میں داخل ہونے کا پھران کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے عراق اور شام فتح کرایا، اس کے بعد عراق اور شام والوں کے ہاتھوں سے اللہ تعالےٰ نے فارس اور روم فتح کرایا۔ پھران کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے ہندوستان، ترکستان اور سوڈان فتح کرایا۔ گویا کہ یہ کام ایک مکان کی طرح ہے جو دیواروں پر کھڑا ہوتا ہے اور دیواریں بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا چھ فوائد سے رسولوں کے بھیجنے کی حکمت بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی اور یہ بات بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ قرآن پر عمل کرنے سے ہوا۔ پس اس تمام نتیجہ کو قرآن کی تعلیم کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے اور اس نتیجہ کے پیدا کرنے کے لئے قرآن کو نازل کیا گیا ہے (یہ چھ فوائد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے لئے گئے ہیں، پہلے چار فوائد باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا صفحہ ۸۴ ج ۱ میں سے اور آخری دو فوائد صفحہ ۱۲۱ ج ۲ سے لئے گئے ہیں۔

فوائد متفرقہ فرمودہ حضرت استاذ مولانا عبید اللہ سندھیؒ

فائدہ ۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اصل کیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ خود ابراہیمی ملت کو ان کے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کے طریقہ پر زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزر چکے تھے اور وہ بھی ابراہیمی ملت کو زندہ کرنا چاہتے تھے لیکن اسرائیل (یعقوب) بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہمیشہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر پڑتی تھی جیسا کہ قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ (یعنی بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا) اس آیت میں مذکورہ بالا بات کی طرف اشارہ کیا ہوا ہے۔

تمام شریعتوں کا اصل حظیرۃ القدس (اس جہان کا انتظام کرنے والی مقدس مجلس) میں موجود ہے۔ پس جن بزرگوں کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہے وہ ہر شریعت کو وہاں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو وہاں سے معلوم کرتے تھے۔

فائدہ ② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی اقوام تک دینِ حنیفی کی کیسے تبلیغ فرمائی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سوا تمام دنیا کو اس طرح دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ توراۃ اور قرآن کی تعلیم ایک ہی ہے اگر تم کو ان دونوں کتابوں میں سے کسی کتاب کی تعلیم پر اعتراض ہے تو تم ان دونوں کتابوں جیسی تعلیم پیش کرو۔ اگر تمہاری تعلیم توراۃ اور قرآن کی تعلیم سے زیادہ رہنما ثابت ہوگی تو میں اس کی تابعداری کروں گا۔

لیکن خاص عرب قوم کو صرف اکیلے قرآن کی تعلیم کی دعوت دیتے تھے، قرآن اور توراۃ کی تعلیم کے بارے میں قرآن نے جو اعلان کر رکھا ہے اس کو سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴ سے ۵۰ تک دیکھنا چاہیئے۔

فائدہ ③ دینِ حنیفی کی دوسرے ادیان سے برتری

حضرت استاذ مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے سوا زمین میں جتنی بھی جماعتیں موجود ہیں ان میں سے ایک حنیفی یعنی یہودی اور عیسائی، ہیں جن کے پاس تورات ہے دوسرے صابی ہیں، پھر صابی مذہب والوں کے کئی اقسام ہیں (۱) ایران کے مجوسی، جن کے پاس زردشت کی کتاب ہے (۲) ہندو ہندو دھرم والوں کی پھر دو جماعتیں ہیں (۱) برہمن جن کے پاس وید ہیں (۲) سمنی، جن کے پاس بدھ کی نصیحتیں اور احکام ہیں۔ برہمنوں کی مثال ہمارے پاس یہودیوں جیسی ہے اور بدھ دھرم والوں کی مثال عیسائیوں کی طرح ہے۔ حنیفی اور صابی مذہب والوں کے سوا تیسرے وہ لوگ ہیں جو عقل اور فکر سے سوچی ہوئی باتوں پر چلتے ہیں۔ جن کا مرکز یونان اور روم ہے۔ انہوں نے جب کبھی کوئی بادشاہی قائم کر کے قوم کو اکٹھا کیا ہے اور اس لیے ان کو دنیا کے قوانین میں سے کسی اونچے قانون کی ضرورت پڑی ہے تو انہوں نے اہل کتاب کے قانون میں سے جو قانون ان کی رائے کے مناسب ہوا ہے اس کو لیا ہے اور اس کے بعد یا تو کسی ڈکٹیٹر بادشاہ کی طاقت سے مدد لی ہے یا آسمانی ادیان میں سے کسی دین کی طرف انہوں نے رجوع کیا ہے اس طرح انہوں نے اپنی عقل سے کام لیا ہے۔ زردشت ایرانیوں کی کتاب اور وید اور بدھ دھرم والوں کی کتاب یہ سب کتابیں توراۃ کے درجہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس بات کو مذکورہ بالا مذاہب والے بھی مانتے ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا جماعتوں میں سے کسی جماعت کے پاس بھی تورات جیسی کتاب نہیں

ہے. جس میں انبیاء سے لیا ہوا قانون اکٹھا کیا ہوا ہو.

فائدہ ④ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کیطرف سے امام کا خطاب کیوں ملا ؟

ابراہیم علیہ السلام کا دین کسی زمین یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ روئے زمین کے ہر نوع انسان کے لئے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی بھی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جس نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح تمام نوع انسانی کے فائدہ کے لئے کوئی عام فکر پیش کیا ہو۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ہیں اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (یعنی اے ابراہیمؑ! میں تجھ کو لوگوں کے لئے امام بنانیوالا ہوں)

فائدہ ⑤ حنیفی ملّت کی اصلی رُوح

ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اصلی روح یہ تھی کہ کسی شخص کی کسی بھی جماعت پر بادشاہی نہ ہو اور کوئی چیز بھی مخلوقات میں سے خدا نہیں بن سکتی۔ اس عقیدہ کو ہی توحید کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا فکر ہے کہ جس کو ہر ایسا شخص پسند کریگا جس کی انسانیت اور عقل سلامت ہوں گے کیونکہ کوئی بھی انسان نہیں چاہتا کہ اپنے جیسے انسان سے دھوکا کھاوے اور اس کا زیر دست ہو کر رہے بلکہ ہر ایک انسان ایسی بات کو پسند کرتا ہے جس میں مشورہ لیا گیا ہو اور اس مشورہ میں اس کو بھی دخل ہو، یہ گویا کہ انسانی فطرت ہے۔

اس کے سوا بڑے سمجھدار لوگوں کے پاس یہ بھی ثابت ہے کہ اس جسمانی جہان کے پردہ کے پیچھے اور دوسری ذات بھی ہے جس کے لازمی صفات کی خواہش کی بناء پر یہ جہان پیدا ہوا ہے وہ ذات انسانی حواس کے سمجھنے سے بالکل دُور ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو اپنے حواس سے معلوم کر سکے، اس کو اللہ کا درجہ نہ دے کیونکہ اللہ حواس کے سمجھ سے بالکل باہر ہے، پس جو بھی انسان آنکھوں اور دوسرے حواس سے معلوم کی ہوئی مخلوق کو اللہ کر کے نہ سمجھے گا تو وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہے۔

فائدہ ⑥ یہودی اور عیسائی اگرچہ حنیفی ملّت کی شاخیں ہیں لیکن انہوں نے اس کی پوری تبلیغ نہیں کی

پانچویں فائدے میں بیان تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت تمام روئے زمین کے انسانوں کے لئے تھی لیکن

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دعوت آپ کی زندگی میں انسانیت کے تمام اقسام تک پہنچ سکی، پس آپ نے دُعا مانگی کہ کاشش کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد دے جن کے لیے ایک مرکز قائم کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد کی طرف سے آپ کے فکر (یعنی دعوت) کو انسانوں کے تمام اقسام تک پہنچایا جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دُعا قبول کی اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ دو فرزند عطا فرمائے، ان کے لئے آپ نے دو تبلیغی مرکز قائم گئے اسحٰقؑ کے لئے بیت المقدس کی مسجد اور اسمٰعیلؑ کے لیے مکہ شریف کی مسجد الحرام

پھر جو بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے بلند خیال والا پیدا ہوا تمام اقسام تک پہنچا دے اور خود قوموں کا امام (پیشوا) بنے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ان بلند خیال والے انسانوں میں سے ایک بڑے پیغمبر تھے۔ انہوں نے یہ کوشش کی لیکن وہ بھی کام کو پورا نہ کر سکے، کیونکہ ان کی قوم نے جسے آپ نے ابراہیمی ملت کی اشاعت کے لیئے اپنا مددگار بنایا تھا۔ اس کی پوری تابعداری نہ کی۔ اس لئے کام ادھورا رہ گیا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی یہ مرضی تھی کہ اپنی قوم کو مصر کے ملک سے نکال کر بیت المقدس میں بسائیں اور وہاں اپنا مقصد پورا کرنے کے لیئے ایک ادارہ قائم کریں لیکن آپ بیت المقدس تک پہنچے ہی نہیں کہ راستے میں فوت ہو گئے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا بلند ہمت والا دوسرا کوئی بھی پیدا نہیں ہوا جو ان کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کر سکے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آتے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ خود موسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بن کر ابراہیمی دعوت کو انسانوں کے تمام اقسام تک پہنچا دے لیکن یہود نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد عیسےٰ علیہ السلام نے فقط ایک تبلیغی جماعت تیار کی جو ابراہیمی دعوت کو تمام اقوام تک پہنچاتی رہے جیسے ہمارے اساتذہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے اتباع (پیرو) انگریزی حکومت کے زمانہ میں فقط دین کی تبلیغ کرتے تھے، عیسیٰ علیہ السلام کی تیار کردہ جماعت کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرقی روی سلطنت نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اس نے وہ کام کر دکھایا جس کی یہود کو توفیق نہ ہوئی۔

یہودیوں نے بھی ابراہیمی طریقہ پر ایک ادارہ قائم کیا لیکن وہ محض اپنی قوم کے لئے تھا، دوسرے انسانوں سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی ان کا مقصد فقط یہ تھا کہ وہ خود ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلیں گے اور جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے دین کی دوسری اقوام میں تبلیغ کرتا اُسے دشمن سمجھتے اور اسکو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہود کو ابراہیمی ملت کی روح سمجھائی لیکن جب ان سے نااُمید ہو گئے تو اپنے حواریوں کی ایک جماعت تیار کی اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ابراہیمی ملت کی روح کو تمام اقوام میں پھیلا دیں گے

اب ابراہیمی ملت پر چلنے والوں کے دو مذہب قائم ہو گئے۔ (۱) یہودی جنہوں نے ابراہیمی دعوت کو بنی اسرائیل کے ساتھ ہی مخصوص کر دیا (۲) عیسائی جنہوں نے ابراہیمی دعوت کو دوسری اقوام تک بھی پہنچایا۔ لیکن سالہا سال کے بعد عیسائیوں نے بھی ابراہیمی ملت کی روح کو تو چھوڑ دیا، بلکہ اس کی صورت کو بھی بگاڑ دیا۔

فائدہ ⑦ حنیفی ملّت کی پوری پوری تبلیغ کون کرے گا

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا ہو گا جو ان کی ملت کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس وعدہ پر پورا بھروسہ تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ بنی اسماعیل کی اولاد میں سے پیدا ہو گا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے ایسی زمین میں بسایا جہاں کوئی کھیتی نہیں ہوتی کیونکہ کھیتی کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ اپنے سرسبز وطن پر فخر رہتا تھا اور وہ اپنے وطن والوں کو جُدا قوم سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ اس وطن والے کسی خاص آدمی کی اولاد ہوں گے تو وہ اپنی نسل پر بھی اترائیں گے اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھیں گے اور ان میں اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے سے رُک جائیں گے، کھیتی والے ملکوں کے باشندوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے باپ دادا کی اولاد اگر دوسرے ملک میں بستی ہے اور ان کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو وہ اپنے بھائیوں کے فائدہ کو اپنے وطن کے مفاد پر کبھی ترجیح نہیں دیں گے۔ اسی طرح اگر ایک جماعت کی بنیاد چند سچے اعتقادات پر قائم ہو اور اس جماعت کا ایک حصہ جُدا ہو کر کسی بڑے مالدار ملک میں آباد ہو جائے تو وہ حصہ اپنے مذہب والوں کی مصلحت کا اس وقت کبھی خیال نہیں کریگا جب ان کے مذہب کی مصلحت ان کے وطن کی مصلحت سے مخالف ہو گی ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے اسماعیل کو ایک بیابان میں بسانے سے یہی مقصد تھا کہ اس کی اولاد میں وطن کی محبت پیدا نہ ہو بلکہ اپنے مذہب کو ہر حالت میں مقدم رکھتے آئیں۔

یہ بھی آپ کو معلوم تھا کہ جس بیٹے کا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو گا۔ وہی ان کی ملّت کو تمام دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہو گا۔ اسی لئے اسماعیلؑ کو حجاز کے بیابان میں رہنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے سوا بہت سے لوگ اس مقصد کے لئے کوشش کریں گے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ وہ مالدار ملکوں کے باشندے بنیں گے۔ پس ان میں کسی نہ کسی قسم کا تمدن آئیگا، پھر دوسرے لوگ جن کا تمدن بھی انہی کی طرح ہو گا کبھی برداشت نہ کریں گے کہ ان کے تابعدار ہو کر رہیں اور وہ ان سے برتر و بلند رہیں، اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام اپنے مقصد تک پہنچ نہ سکے۔

فائدہ ⑧ — عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کہ حنیفی دین کی پوری تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے

عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہودی ابراہیمی ملت کو تمام اقوام میں پھیلا دینے کی کوئی کوشش نہیں کرتے تو ان سے ناامید ہو گئے لیکن پہلی کتابوں سے ان کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو مرد خدا اس کے دین کو تمام اقوام میں عام کریگا وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا ہو گا۔ اس لئے انہوں نے ایک پیغمبر کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور فرمایا کہ جس کام کے کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا اس کو وہ آکر پورا کرے گا اور اپنے حواریوں کو بھی وصیت فرمائی کہ جب اس کا ظہور ہو تو تم اس کی تابعداری کرنا، لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی مخالفت کے پیش نظر اس بات کو صاف اور واضح الفاظ میں بیان نہیں فرمایا بلکہ مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ موقعوں پر حسب ذیل ارشاد فرمایا۔

۱۔ میں اپنے رب سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶)

۲۔ میں تمہیں یتیم نہ چھوڑوں گا، میں تمہارے پاس آؤں گا۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۸)

۳۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار (یعنی روح القدس) جسے رب میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔
(یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۵)

۴۔ اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہاں جاتا ہے؟ بلکہ اس لئے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار کو پوری سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیں گا۔

وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا جو کچھ رب کا ہے وہ سب میرا ہے اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبر دے گا۔ تھوڑی دیر میں تم مجھے نہ دیکھو گے اور پھر تھوڑی دیر میں تم مجھے دیکھ لو گے۔ (انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۵)

عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام بشارتوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام بشارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے متعلق ہیں۔ ان بشارتوں کے علاوہ انبیا رسابقین کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بارے میں بہت سی بشارتیں موجود ہیں۔ یہود ان بشارتوں کو دیکھ نہیں سکتے اس لئے انہوں نے ان پیشگوئیوں کے غلط معنی بیان کر کے بگاڑ دیا ہے تاکہ لوگ ان کے صحیح معنی سمجھ نہ سکیں لیکن وہ اللہ کی صحیح بات کو بدل نہیں سکتے۔ جو شخص بھی توراۃ اور انا جیل کو فکر سے پڑھے گا وہ حق کو سمجھ جائے گا اور جو کچھ ان سرکشوں نے لکھا اسے چھوڑ دیگا۔

فائدہ ۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہو کر آنے کا اصلی مقصد

ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا یقین تھا اور عیسےٰ علیہ السلام نے بھی آپ کے آنے کی خوشخبری دی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا مقصد متعین ہو جاتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ایک زبردست حکومت کریں گے جس کا مقابلہ دوسری کوئی بھی حکومت نہیں کر سکے گی۔ اور اس حکومت میں تمام اقوام کو حنیفی ملّت پر جمع کریں گے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مقصد میں یقیناً کامیاب ہوئے لیکن آپ کے اس مقصد کی تکمیل میں آپ کے خلفاء ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی کوششوں کو بھی شریک اور شمار کیا جائے۔ ان چاروں بزرگوں نے اس مقصد کو یقیناً پورا کیا۔

فائدہ ۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کا بیان

قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی خوشخبری ایک مثال کے ذریعے سناتا ہے وہ یہ ہے۔
محمد رسول اللہ والذین معہ (سورۃ فتح کی آخری آیت) اس مثال میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی روح دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے جو دوسرے کسی بھی انسان نے نہیں کیا، قرآن اس تمام کام کو اکیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام نہیں ٹھہراتا بلکہ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ اس کام کو آپ کے اصحاب کا کام بھی ٹھہراتا ہے، اس لیے کسی کو بھی جائز نہیں ہے کہ آپ کی ذات مبارک کو غیبی طاقت کا مالک (اللہ) اور قانون کا مالک (بادشاہ) ٹھہرائے۔ یہ فکر حضرت امام ولی اللہ قدس اللہ سرہ کی کتابوں سے لیا ہوا ہے اور یہی فکر تورات، انجیل اور قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ اس فکر کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی یاد

رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات:۔ وہ حکماء اور عقلمند جن کی سمجھ پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی انسانی اجتماع کے لیے قرآن جیسا پروگرام پیش نہیں کیا۔ سورۂ اسراء کی آیت ۸۸ کے معنیٰ یہ ہیں:۔

(اے رسول ؐ کہہ دو اگر انسان اور جن اس پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کوئی لے آئیں تو اس جیسا نہیں لا سکیں گے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار بھی بن جائیں)

دوسری بات:۔ صابی مذہب کی جو شاخیں ایران، چین اور ہندوستان میں ہیں ان سب کا مقصد وہی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے پیش کیا ہے اور ان مذاہب میں بہت بڑے درجہ والے آدمی بھی پیدا ہوتے لیکن انہوں نے بھی تمام انسانی جماعتوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین جیسا مقصد پیش نہیں کیا۔ میرے استاذ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ جو مذہبی کتابیں ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں اور یونانیوں کے پاس ہیں ان کی اللہ کے فضل سے ہم کو سمجھ ہے لیکن اس مقصد کو کیسے پورا کیا جائے اس میں وہ بھی قرآن سے بہت پیچھے ہیں۔ ان مذاہب کے بعض بعض آدمیوں میں ایسے افکار اور خیالات موجود ہیں لیکن وہ بھی کوئی جماعت نہ بنا سکے۔ جماعت ایک آدمی سے نہیں بنتی بلکہ اس وقت وجود میں آتی ہے جب بہت سے آدمی ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں اور اس بات پر اتفاق کریں۔

(فائدہ) میرے استاذ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے اتباع سے پہلے کوئی بھی ایسی جماعت نہیں ملتی جس نے ایسی تحریک پیدا کی ہو جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اکٹھا کر سکے۔ حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ جس طرح مسلمانوں میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے اسی طرح ہندوؤں پر اثر کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ کی بنیاد ہندوؤں کے فلسفہ کے موافق ہے۔ اس لئے ہم حضرت شاہ ولی اللہ کی امامت ہندوؤں سے بھی منوا سکتے ہیں۔ (یعنی ہندوؤں سے بھی اسلام کی حقانیت قبول کرا سکتے ہیں۔

(تیسری بات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عام انسانیت کے رہبر اور ان کو پاک کرنے والے تھے لیکن آپ کی پہلی توجہ اور فکر اپنی قوم قریش کو کمال تک پہنچانے کی تھی کیونکہ

۱۔ عام عرب بیت اللہ شریف کی عزت کرتے تھے۔ پس بیت اللہ شریف اور ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے وہ قریش کو اپنا دینی سردار سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل کو عرب اگرچہ عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے علم و فضیلت کے قائل بھی تھے اور ان کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق بیت اللہ شریف سے کچھ نہیں تھا اس لئے ان کو اپنا دینی رہبر نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد خالص عربوں میں رہ کر عرب بن گئی۔ اس لئے عرب قریش کو اپنا سمجھتے تھے لیکن بنی اسرائیل کو اپنا نہیں سمجھتے تھے۔

رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات:۔ وہ حکماء اور عقلمند جن کی سمجھ پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی انسانی اجتماع کے لیے قرآن جیسا پروگرام پیش نہیں کیا۔ سورۂ اسراء کی آیت ۸۸ کے معنی یہ ہیں:۔

(اے رسولؐ کہہ دو اگر انسان اور جن اس پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کوئی لے آئیں تو اس جیسا نہیں لاسکیں گے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار بھی بن جائیں)

دوسری بات:۔ صابی مذہب کی جو شاخیں ایران، چین اور ہندوستان میں ہیں ان سب کا مقصد وہی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے پیش کیا ہے اور ان مذاہب میں بہت بڑے درجہ والے آدمی بھی پیدا ہوتے لیکن انہوں نے بھی تمام انسانی جماعتوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین جیسا مقصد پیش نہیں کیا۔ میرے استاذ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ جو مذہبی کتابیں ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں اور یونانیوں کے پاس ہیں ان کی اللہ کے فضل سے ہم کو سمجھ ہے لیکن اس مقصد کو کیسے پورا کیا جائے اس میں وہ بھی قرآن سے بہت پیچھے ہیں۔ ان مذاہب کے بعض بعض آدمیوں میں ایسے افکار اور خیالات موجود ہیں لیکن وہ بھی کوئی جماعت نہ بنا سکے۔ جماعت ایک آدمی سے نہیں بنتی بلکہ اس وقت وجود میں آتی ہے جب بہت سے آدمی ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں اور اس بات پر اتفاق کریں۔

(فائدہ) میرے استاذ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے اتباع سے پہلے کوئی بھی ایسی جماعت نہیں ملتی جس نے ایسی تحریک پیدا کی ہو جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اکٹھا کر سکے۔ حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ جس طرح مسلمانوں میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے اسی طرح ہندوؤں پر اثر کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ کی بنیاد ہندوؤں کے فلسفہ کے موافق ہے۔ اس لئے ہم حضرت شاہ ولی اللہ کی امامت ہندوؤں سے بھی منوا سکتے ہیں۔ (یعنی ہندوؤں سے بھی اسلام کی حقانیت قبول کرا سکتے ہیں۔

(تیسری بات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عام انسانیت کے رہبر اور ان کو پاک کرنے والے تھے لیکن آپ کی پہلی توجہ اور فکر اپنی قوم قریش کو کمال تک پہنچانے کی تھی کیونکہ

۱۔ عام عرب بیت اللہ شریف کی عزت کرتے تھے۔ پس بیت اللہ شریف اور ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے وہ قریش کو اپنا دینی سردار سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل کو عرب اگرچہ عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے علم و فضیلت کے قائل بھی تھے اور ان کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق بیت اللہ شریف سے کچھ نہیں تھا اس لئے ان کو اپنا دینی رہبر نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد خالص عربوں میں رہ کر عرب بن گئی۔ اس لئے عرب قریش کو اپنا سمجھتے تھے لیکن بنی اسرائیل کو اپنا نہیں سمجھتے تھے۔

۳۔ قریش تجارت کرتے تھے۔ تجارت پیشہ طبقہ انسانیت کا درمیانہ درجہ ہے۔ اس لیے ان کو جس طرح عوام سے واسطہ پڑتا تھا اسی طرح بادشاہوں سے بھی تعلق تھا۔ وہ بادشاہوں اور ان کے حالات کو سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے کہ وہ ان سے خوش ہو جائیں اور اپنے بیوپار کو ترقی دینے کے لئے عام لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچنا جانتے تھے۔ یہ بات عام عربوں میں نہ تھی۔

۴۔ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے تقریباً ایک سو برس پہلے اکٹھے ہو کر مکہ شریف میں بیت اللہ شریف کے ارد گرد آ کر رہنے لگے تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادے قصی نے کوشش کر کے اکٹھا کیا تھا۔ اس لئے بھی عام عرب ان کی عزت کرتے تھے اور سو برس سے پہلے وہ عرب کے مختلف قبائل میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ قبائل قریش کی ایسی عزت کرتے تھے جس طرح آجکل پیروں اور بزرگوں کی اولاد کی ہوتی ہے پس اگر قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ سے راہ راست پر آ جائیں گے اور عام لوگوں کے فائدہ کے لئے کام کرنا چاہیں گے تو عوام آسانی سے ان کی تابعداری قبول کر لیں گے۔

۵۔ عرب کے شمال میں مختلف یہودی قبائل بستے تھے جو بیوپار کرتے تھے۔ حجاز کے اقتصادی حالات کا دارومدار اکثر انہی پر تھا۔ پس جیسا کہ قریش اور یہودی دونوں تجارت پیشہ تھے۔ اس لئے یہودی ایک تو بیوپار کی وجہ سے دوسرا اس وجہ سے کہ دونوں قومیں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں قریش سے دوستی اور میل ملاپ کی رسمیں جاری رکھتے تھے۔

قریش کی یہ پانچ حالتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی شروع عمر میں اپنے مبعوث ہونے سے پہلے قریش کے بڑوں سے سنا کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی اولاد میں سے ایک ایسا رسول پیدا کرے گا جو اس کی ملت کو دنیا میں شائع کرے گا تب آپ نے ابراہیمی ملت کو زندہ کرنے اور قریش کو بلندی کے درجہ تک پہنچانے کا خیال کیا کیونکہ یہ کام کرنے کے لئے آپ کی فطرت اور طبیعت خواہش کرتی تھی اور اس کام کے صحیح ہونے کی شہادت ایک تو آپ کا دل دیتا تھا دوسری وہ روایت تھی جو ابراہیم علیہ السلام سے نقل ہوتی ہوئی پہنچی تھی،

نبوت حاصل ہونے کے بعد یہ کام آپ پر آسان ہو گیا کیونکہ وحی کے ذریعہ سے اس کام کے صحیح ہونے کا آپ کو زیادہ یقین ہو گیا۔ نبوت سے پہلے اور بعد کے حالات میں فرق صرف یہ تھا کہ نبوت سے پہلے آپ نہ نبوت کو جانتے تھے اور نہ اس درجہ کے ملنے کی آپ کو امید تھی۔ آپ صرف ابراہیمی ملت کے زندہ کرنے سے قریش کو بلند درجہ پر پہنچانا چاہتے تھے۔ نبوت کے بعد آپ کا پروگرام (دستور العمل) یہ تھا کہ آپ قریش اور قریش کے ارد گرد بسنے والے قبائل کی اصلاح میں مصروف ہوں گے۔ پھر جب اس کام سے فارغ ہوں گے اور آپ کی قوم میں آپ کی طاقت بڑھے گی تو دوسری اقوام کے درجہ بدرجہ اصلاح کریں گے یہاں تک کہ تمام دنیا کی اصلاح کو کمال تک پہنچائیں گے۔

فائدہ ⑪ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ

ا۔ طہارت: حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ کی تعلیم کے بموجب اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے کچھ چیزوں کو ناپاک ٹھہراتا ہے اور اپنے دین کو ان پلید چیزوں سے بچانا ہے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ، پھر چونکہ یہ بات اس کے دل میں رکھی گئی ہے اور اس سے ایک گھڑی بھی غافل نہیں رہ سکتا اس لئے اس خصلت کو کمال تک پہنچانا اس کے لئے آسان ہے پھر وہ ہر کلام، ہر فکر اور ہر عادت، جسے وہ پیشاب اور پاخانہ کی طرح بُرا سمجھے گا، سے بھی اپنے آپ کو بچائے گا۔ حضرت امام شاہ صاحب کے نزدیک یہ خصلت دین کا چوتھا حصہ ہے۔

۲۔ اخبات (تواضع کرنا) اس خصلت کی یہ حقیقت ہے کہ انسان جب اپنے باپ دادوں یا مرشدوں یا استادوں یا نیک بخت حاکموں اور بادشاہوں میں سے کسی کی عزت کرتا ہے تو جب کسی وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوگا تو اپنے دل میں اس وقت ایک قسم کی عاجزی محسوس کریگا اور یہ خواہش کرے گا کہ کاش وہ اس کو کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور یہ اس کام کو خوشی سے پورا کر کے اپنی تابعداری کے ذریعے اس کے نزدیک ہو جائے۔ اس لڑکی کو اس بزرگ کے نزدیک ہونے میں ایک قسم کی لذت محسوس ہوگی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کوئی آدمی اس کو سکھائے یا نہ سکھائے لیکن یہ بات اس کے دل میں رکھی ہوئی ہے۔

اس کے بعد جب وہ اپنے دل کی ہدایت سے یا کسی نیک بخت کے ہدایت کرنے سے اللہ پر ایمان لائے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی خواہش اس درجہ کو پہنچے گی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کسی کو بھی شریک نہیں کرے گا۔ تب کہا جائے گا کہ اس کو اللہ تعالےٰ کے آگے عاجزی کرنے کی خصلت حاصل ہوگئی ہے۔ اس وقت اگر وہ کسی کے آگے عاجزی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا جس کے آگے عاجزی کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں دیکھے گا اس کے آگے عاجزی کبھی بھی نہیں کریگا۔ اس کا باپ بھی اگر اس کو کوئی حکم دے گا تو وہ یہ سمجھے گا کہ باپ کی تابعداری کرنے میں اللہ کے نزدیک ہو جاؤں گا۔

۳۔ سماحت:۔ (سخاوت) اس خصلت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ اچھا کھانا کھائے، اچھے کپڑے پہنے، اچھے مکان میں رہے اس کی خوبصورت عورت ہو اور قوم میں عزت والا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اسکو قرب حاصل ہو، پھر اگر کسی انسان کی طبیعت ایسی ہو جائے کہ اچھا کھانا کھائے اور عورتوں سے صحبت کر کے ان مزوں اور لذتوں کو یاد کرتا ہے تو یہ طبیعت اس کو دوسری ضروریات میں مشغول ہونے اور پورا کرنے سے روکتی رہے گی۔

لیکن اگر اس کی طبیعت ایسی ہو گی کہ کھانا کھانے اور عورتوں کے نزدیک ہونے کے مزہ حاصل کرنے کے بعد جب فارغ ہو اس کو بھلا دے اور اس کی طرف کوئی خیال نہ کرے تو یہ انسان اپنے دوسرے کام بھی پورے کر سکے گا۔ اور وہ اپنے اخلاق کو بھی کمال تک پہنچا سکے گا۔ یہ شخص اگر کتاب اٹھا کر پڑھے گا یا مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ اپنے دماغ کو دنیا کے تمام افکار سے پاک کر کے پھر یہ کام کرے گا۔ اس شخص کی طبیعت کی مثال پانی کی طرح ہو گی۔ پانی میں اگر انگلی داخل کرو تو اس میں انگلی چلی جاتی ہے اور جب نکالو تو پانی میں کسی قسم کا بھی سوراخ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح یہ انسان جب نفسانی کام کرے گا تو اسکو اچھی طرح سے کریگا اور جب اس سے فارغ ہو گا تو اسکو بھلا دے گا۔ اسی عادت کو ہم سخاوت کہتے ہیں۔

۴۔ عدالت :۔ اس خصلت کی انسانی جماعت کو کسقدر ضرورت ہے اس کو ہر ایک جانتا ہے کوئی بھی اجتماع عدالت کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ پس عدالت یا تو انسانیت کے برابر ہے یا ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ جس انسان، گھر قبیلہ یا قوم میں انصاف نہ ہو گا اس میں کسی قسم کی بھی انسانیت نہ ہو گی۔

حضرت امام شاہ صاحب ان چار خصلتوں کو تمام احکام کا اصل ٹھہراتے ہیں۔ ان چار خصلتوں کے مخالف جو خصلتیں ہیں انہیں ان کاموں کا اصل ٹھہراتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔

ان چار خصلتوں کے علاوہ ایک اور چیز ہے جسے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلی قدس سرہ شعائر اللہ (یعنی اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں) کہتے ہیں، حضرت امام شاہ صاحب شعائر اللہ کی عزت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی عزت کے برابر رکھتے ہیں۔ پس جس الٰہی دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کا خلاصہ حضرت امام شاہ صاحب کے پاس یہ ہے کہ انسان اپنے میں مذکورہ بالا چار خصلتوں کے مخالف خصلتوں کو چھوڑنے کی کوشش کرے اور شعائر اللہ کی عزت کرے۔

فائدہ ۲ شعائر اللہ کی حقیقت

شعائر اللہ کی عزت کیسے کی جائے؛ اس کے لئے خدا شناس عارف اور حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس جہان کے پیدا کرنے والے اور اس میں پھیر پھیر کرنے والے کی حقیقت تک انسانوں کی سمجھ پہنچ نہیں سکتی، کچھ خاص طریقے ہیں جن سے لوگ اللہ کے وجود کو سمجھ سکتے ہیں۔

ایک طریقہ جسے تمام انبیاء علیہم السلام پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جیسے سورج کی تجلی (عکس) آئینہ پر پڑتی ہے اور سورج آئینہ کے اندر دیکھنے میں آتا ہے۔ پس اگر وہ آئینہ بھی سورج کے عکس جتنا ہو گا (نہ اس سے بڑا اور نہ چھوٹا) تو لوگ حقیقی سورج میں اور سورج کے اس عکس میں اپنی گذشتہ معلومات ملانے کے بغیر فرق معلوم نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تجلی اس کی مخلوق میں سے بعض چیزوں پر پڑتی ہے اور وہ چیزیں

زالی دیکھنے میں آتی ہے پس اگر انسان ان چیزوں کی طرف دیکھنے کے وقت یہ سمجھے گا کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور ان چیزوں کی طرف کچھ بھی خیال نہیں کرے گا تو سمجھنا چاہیئے کہ اس نے اللہ کی تجلی کو دیکھا اور وہ تجلیّ اس کو اس لئے دکھائی گئی ہے کہ اس کو اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت معلوم ہو جائے۔ انسان کو جب بھی سمجھ میں آجائے کہ یہ اللہ کی تجلی ہے تو اس پر لازم ہو گا کہ وہ اس تجلیّ کے آگے اپنی انتہائی طاقت سے جھکے اور اس کی تعظیم کرے۔ اس تجلی کی عزت اللہ تعالیٰ کی عزت کے قائم مقام ہو گی۔ کیونکہ جن چیزوں پر وہ تجلی پڑی ان کی طرف کوئی بھی خیال نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کو اس تجلی کے دیکھنے کے وقت اس شیشے جیسا سمجھا گیا ہے جس پر صورت کا عکس پڑتا ہے یا ان چیزوں کو عینک کی طرح سمجھا گیا ہے، جس سے انسان دور کی چیز کو دیکھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی عرش عظیم پر پڑتی ہے۔ اس تجلیّ کو رحمٰن کہا جاتا ہے وہ یہ آخری تجلی ہے جس تک انسان کی سمجھ اپنے رب کے پہچاننے میں ترقی کر کے پہنچتی ہے۔ اس کے بعد جو تجلی عرش عظیم پر پڑتی ہے اس سے نیچے اس تجلی کی پھر کتنی ہی تجلیاں آسمان اور زمین میں ہیں۔

اگر انسان ان چیزوں کو دیکھتے وقت یہ سمجھے کہ میں اللہ کی تجلیّ کو دیکھ رہا ہوں اور ان چیزوں کی طرف بھی خیال کرے تو اس وقت ان چیزوں کو شعائر اللہ کہا جائے گا۔

شعائر اللہ کی تعظیم ایمان کے اجزاء میں سے ایک بڑا جزو ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انسان میں ایک ایسی طاقت رکھی ہے جس کی وجہ سے اسکو بلاواسطہ کے معلوم کرنے میں مزہ آتا ہے اور انسان اپنے تمام مقاصد بلاواسطہ اللہ تک پہنچاتا ہے۔ پس جس کے دل میں شعائر اللہ کی تعظیم ہو گی اس کے دل میں ایمان کے تمام اجزاء میں سے بڑا جزء موجود ہو گا۔

مذکورہ بالا چار خصلتوں کو حاصل کرنے اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنے سے انسان ان ملائکہ جیسا ہو جاتا ہے جو اللہ کی تجلیّ کے آگے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ ان چار خصلتوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کو دو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) التطلع الی الجبروت (یعنی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی طرف دیکھنا جن کا تعلق اس جہان کے نظام سے ہے۔

(۲) التشبہ بالملکوت: (یعنی ان ملائکہ جیسا ہونا جو اللہ تعالیٰ کی تجلی کے آگے رہتے ہیں۔

حضرت امام ولی اللہ دہلوی کے نزدیک التطلع الی الجبروت اور التشبہ بالملکوت دونوں وصفوں کا اپنے میں پیدا کرنا انسان کا انتہائی کمال ہے۔ انسان کی پیدائش میں اس کی فطرت کے موافق جو مخفی لطائف اور پاک طاقتیں رکھی ہوئی ہیں ان کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں اپنے میں پیدا کرنا اس پر لازم ہے۔

فائدہ :۔ ④ عدالت کی وضاحت

یہاں کچھ باتیں جاننا ضروری ہیں اس کے بعد عدالت کی حقیقت اور ضرورت وضاحت سے سمجھ میں آجائیگی۔

پہلی بات ۔ انسان کی حقیقت کیا ہے

حکماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ یعنی وہ بڑھنے والا حس رکھنے والا اور ارادہ سے حرکت کرنے اور فکر کرنے والا جسم ہے۔ فکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے افکار کو ترتیب دے سکتا ہے ان کے بہت سے اقسام بنا سکتا ہے اور ان کو اپنے فصیح کلام سے دوسروں کے آگے ظاہر بھی کر سکتا ہے۔
انسان کی اس تعریف کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ انسان میں التطلع الی الجبروت اور التشبہ الی الملکوت کی دو طاقتیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس لئے انسان کو یہ دونوں صفتیں اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں۔
حکماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ انسان حیوان یستعمل الآلات۔ یعنی انسان ایسا حیوان ہے جو اوزاروں سے کام لیتا ہے اس تعریف کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں دو باتیں رکھی ہوئی ہیں۔

۱۔ وہ تمام حیوانات کیطرح اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا محتاج ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں نہ تو انسان کی طاقت کام کر سکتی ہے۔ اس کی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے مثلاً انسان پانی پیتا ہے میوہ کھاتا ہے، پانی اور میوہ کو اللہ کی قدرت کے سوا دوسرے کسی نے بھی پیدا نہیں کیا۔

۲۔ دوسری بات انسان میں یہ رکھی ہوئی ہے کہ وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے لیکن اس تک نہ اس کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں نہ اس کی طبعی طاقت اسکو حاصل کر سکتی ہے۔ پس وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کسی دوسری چیز کو اس چیز کے حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ مثلاً وہ درخت کی چوٹی پر میوہ دیکھتا ہے جس تک اس کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے، پس وہ میوہ کو حاصل کرنے کے لئے پتھر مارتا ہے تاکہ میوہ ٹوٹ کے نیچے گر پڑے یا درخت کی کسی ٹہنی کے ذریعے اس کو نیچے اُتار لیتا ہے یہ ہے اوزاروں کا استعمال، اس طرح جوں جوں اس کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں اوزاروں کے استعمال کا شوق بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اوزاروں کو حاصل کرنے کے لیے انسان کوشش کرتا رہتا ہے کسی اوزار کے تیار کرنے میں اس کو تھوڑا وقت لگتا ہے اور کسی کی تیاری میں زیادہ تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس لحاظ سے مالدار اس کو سمجھنا چاہیئے جس کے پاس اوزار بہت ہوں اور غریب اس کو جس کے پاس اوزار نہ ہوں۔ غریب لوگ مالدار لوگوں کے اس لئے تابع ہوتے ہیں کہ مالداروں کے پاس اوزار ہوتے ہیں اور غریب لوگ اپنی طبعی طاقت سے وہ کام نہیں کر سکتے جو اوزاروں کے ذریعے تھوڑے وقت اور کم طاقت

سے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے وہ مالداروں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان کی طرف سے ان کی طبعی طاقت ہو اور مالداروں کی طرف سے اوزار، دونوں کو ملا کر کوئی کام کریں اور فائدے میں شریک ہوں۔ پھر اگر آدمی طاقتور بھی ہے تو وہ ترقی کر کے بادشاہ بن جائے گا اور اگر اس کی طاقت دوسرے کی طاقت کے برابر ہے تو اس کو جماعت کا بڑا بنائیں گے۔

انسانی اگرچہ بہت سے حیوانوں سے ضعیف ہے لیکن اس پر اللہ کی مہربانی ہے کہ اس کو عقل دی ہے عقل حیوانی طاقت ہے جس پر اس کا ملکی نکتہ[عہ] کرتا ہے پس عقل سے انسان اوزار بناتا ہے اوزاروں کے واسطہ سے وہ اپنی ضعیف طاقت سے تھوڑے وقت میں وہ کام لے سکتا ہے جن سے بڑے سے بڑے جانور بھی عاجز ہیں۔اس کی عقل تمام حیوانی طاقتوں کی امام ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رح اوزاروں کے استعمال کو اور ان کے واسطہ سے تھوڑی طاقت سے چیزوں کے حاصل کرنے کو ارتفاق کہتے ہیں۔

پھر ارتفاق کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ ارتفاق جس سے کوئی بھی انسان، خواہ کہیں ہو چھوٹ نہیں سکتا۔

۲۔ آداب المعاش (زندگی گذارنے کے طریقے)

۳۔ تدبیر المنزل (گھریلو زندگی کے طریقے)

۴۔ فن المعاملات (لوگوں کے آپس میں معاملات کے طریقے)

۵۔ سیاستہ المدنیہ (شہری نظم ونسق اور زندگی کے طریقے)

۶۔ سیاستہ مدن (یعنی شہروں کو ملا کر ان کو کس طرح چلایا جائے پھر شہروں کو ملا کر چلانے کے کئی اقسام ہیں، ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو حضرت امام شاہ ولی اللہ الدہلوی قدس اللہ سرہ خلافت کہتے ہیں [عہ] - - - - - - - - - - - - - - کے باوجود مقابلہ نہ کر سکیں) قائم نہ ہو جائے۔ کسی آدمی کے لئے بھی سستی کر کے بیٹھ جانا جائز نہیں۔ یہ بات اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جب وہ اوزاروں کے استعمال میں درجہ کمال کو پہنچ جائے

فائدہ ④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی تعلیم انسانی فطری صفات کے خلاف نہیں

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ مذکورہ بالا ارتفاقات کو انسانی فطرت سے باہر کی چیز نہیں کہتے جو انسان

عہ اصل مسودہ سے مٹا ہوا ہے ۱۲ ناشر

کے ساتھ چمٹا دی گئی ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت ان تمام ارتفاقات کی خواہش کرتی ہے کیونکہ اگر کوئی انسان شہروں سے دور کسی جنگل یا بیابان میں پیدا ہو اور کسی سے بھی کوئی رسم و رواج نہ سیکھے تب بھی اس کو بھوک پیاس لگے گی۔ عورت کی خواہش ہو گی اور شادی کرنے کے بعد اس کے بال بچے پیدا ہوں گے جس کے بعد بہت سے گھر بن جائیں گے اور ان میں خرید و فروخت اور ان کے لین دین ہوں گے۔ اس طرح پہلا ارتفاق ترتیب وار موجود ہو جائے گا۔ پھر جب آبادی بڑھے گی تو ضرور ان میں بلند اخلاق آدمی پیدا ہوں گے اور ان کے سامنے ایسے معاملات پیش آئیں گے جن کی وجہ سے سب ارتفاقات موجود ہو جائیں گے۔ اس لئے کسی قوم میں انصاف کی بادشاہی کا پیدا ہونا انسانی نوع کی خواہش کے مطابق ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ انسان میں (۱) التطلع الی الجبروت (۲) التشبہ بالملکوت (۳) ارتفاقات کو کمال تک پہنچانے کی تمام صفات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تطلع الی الجبوت کا سبق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے، شعائر اللہ کی تعظیم کرنے اور التشبہ بالملکوت کا سبق آپس میں ایسے بلند اخلاق کے پیدا کرنے سے سکھاتے ہیں، جن کا فائدہ خاص انہی کو نہیں پہنچتا بلکہ عام انسانی نوع کو پہنچتا ہے اور اس کے بعد ان کی ذات کو بھی پہنچے گا۔ کیونکہ وہ بھی تو انسانی نوع کے افراد میں سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتفاقات کی بھی تعلیم دیتے ہیں (یعنی جو چیزیں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں پیدا کی ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدے کم سے کم وقت اور تھوڑی طاقت خرچ کر کے کیسے خرچ کیے جائیں) اس طرح کہ ملائکہ ان کے کام کو دیکھ کر تعجب کریں، یہ تینوں باتیں تفصیل سے کسی بھی شریعت میں بیان نہیں کی گئیں۔

فائدہ ⑮ انسان کی تشریح اور اس کے مختلف مقامات میں مختلف اور اس کے اچھے اعمال کا بیان

ترتیب وار رکھی ہوئی چیزوں میں سے جب کوئی چیز اثر کرے گی تو اس چیز کا اثر، ترتیب وار تمام چیزوں میں ان کی استعداد اور لیاقت کے موافق ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مختلف رنگدار شیشوں کو ترتیب وار رکھا جائے اور پھر ایک شیشے کے سامنے موم بتی جلائی جائے، اس بتی کی روشنی تمام شیشوں میں ان کے رنگوں کے موافق ظاہر ہو گی۔ ظاہر میں تمام شیشوں میں جدا جدا روشنی نظر آئے گی۔ لیکن ہر عقلمند ایسا ہی کہے گا کہ جو روشنی پہلے شیشے میں ظاہر ہوئی وہ ہی تمام شیشوں میں نظر آتی ہے۔

اس بات کے سمجھنے کے بعد انسان کی حقیقت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ انسان چار چیزوں سے بنا ہوا ہے (۱) بدن (۲) ہوائی روح (۳) نفس ناطقہ (۴) ملکوتی روح (یعنی الٰہی روح، ملکوتی روح اور الٰہی روح

ایک ہی چیز کے نام ہیں) حظیرۃ القدس میں انسانی نوع کا امام ہے جس کو امام النوع یا انسان کبیر (یعنی بڑا انسان) کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پیدا کرنیکا ارادہ کیا تو نوع انسانی کے امام کے بے شمار عکس ظاہر ہوئے جسطرح آئینہ میں ہمارے عکس ظاہر ہوتے ہیں ان عکسوں میں ان تمام صفات کے عکس بھی آ گئے جو اس بڑے انسان میں ہیں۔ ان میں حظیرۃ القدس کے ملائکہ کی روحانی طاقت اور نیچے طبقہ والے ملائکہ کی روحانی طاقت کے عکس بھی آ گئے جو ستارے اس دنیا کی چیزوں پر اپنا اثر پیدا کرتے ہیں، ان کی طاقت کے عکس بھی آ گئے۔

اسی طرح بڑے انسان کے دل پر جو اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے۔ اس کا عکس بھی ان عکسوں میں آ گیا ان عکسوں کو ملکوتی روح کہا جاتا ہے۔ یہ ملکوتی روحیں ہر انسان کی جدا جدا ہیں۔ پھر ایک طویل عرصہ کے بعد ملکوتی روحوں کے عکس عالم مثال کے تختہ پر آئے۔ دونوں عکسوں میں اتنا ہی فرق ہے جیسے چھوٹی تصویر کو بڑا اور بڑی تصویر کو چھوٹا کیا جائے باقی کوئی چیز جوان میں بڑھائی یا کم کی گئی ہو وہ دیکھنے میں نہیں آئے گی دونوں عکس ایک جیسے نظر آئیں گے، ان کا آپس میں ایسا ہی تعلق ہے جیسے روح اور جسم کا۔ عالم مثال کا عکس ملکی روح کا جسم ہوگا اور ملکی روح اس کی روح ہوگا۔ اس کے بعد جب ماں کے رحم میں منی اور حیض کا خون اکٹھا ہوتا ہے اور ماں کا نفس اس کی تدبیر کرتا ہے تب اس میں دل اور دماغ اور جگر ظاہر ہوتے ہیں، پھر بچے میں بدن کے واسطے سے ایک قسم کی لطیف ہوا تیار ہوتی ہے۔ یہ لطیف ہوا بدن کے لطیف اخلاط سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ انسان میں جو سُننے، دیکھنے اور دوسرے کاموں کی طاقتیں ہیں۔ وہ اسی لطیف ہوا کی طاقتیں ہیں۔ اس لطیف ہوا کے ساتھ وہ عالم مثال میں پیدا شدہ نورانی روح چمٹ جاتی ہے جیسے سورج کی صورت آئینے کے ساتھ چمٹ جاتی ہے۔ اب وہ نورانی روح لطیف ہوا میں اثر کرے گی اور وہ لطیف ہوا اس نورانی روح میں اثر کرے گی۔ اس وقت اس نورانی روح کو نفس ناطقہ (یعنی فکر کرنیوالا نفس) کہا جاتا ہے اور اس لطیف ہوا کو اس نورانی روح کا جسم اور اس نورانی روح کو اس کی روح سمجھنا چاہیئے، یہ دونوں کبھی بھی نہ اس دنیا میں اور نہ ہی جنت اور جہنم میں ایک دوسرے سے جدا ہوں گی۔ اس کے بعد یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ لطیف ہوا جو انسان کے دل میں لطیف خلطوں سے پیدا ہوتی ہے اس کی طاقتیں جب کام کرتی ہیں تب کم ہوتی رہتی ہیں پھر اس کمی کو پورا کرنے کے لیئے بدن لطیف ہوا کو تیار کرتا رہتا ہے۔ اس وقت اس لطیف ہوا کو نسمہ یا ہوائی روح یا برقی روح کہا جاتا ہے۔ انسان کے بدن کو لطیف ہوا کا جسم اور لطیف ہوا کو اس کی روح سمجھنا چاہیئے۔ انسان کی یہ ہوائی روح جو انسانی صورت کے سبب باقی حیوانات سے جدا ہوئی ہے وہ نفس ناطقہ کے سبب ہوئی ہے ورنہ ہوائی روح تمام حیوانات میں ایک جیسی ہے۔ اس کے بعد جب انسان کا بدن لطیف ہوا کے پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہوگا تو وہ عاجزی انسان کی موت ہے۔ بدن کے بیکار ہونے

سے بعضے اس کو قبر میں دفن کرتے ہیں اور بعضے جلا دیتے ہیں۔ اس وقت باقی بچی ہوئی لطیف ہوا اور نورانی روح انسان کے بدن سے جدا ہوتی ہے پھر نورانی روح اس کو اس کی لیاقت کے موافق روشن جسم یا تاریک جسم عالم مثال سے دلاتا ہے۔ اور وہ جسم لطیف ہوا کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کی اس کے مرنے کے بعد حفاظت کی جاتی ہے۔ عالم مثال کا یہ بدن قیامت کے قائم ہونے تک قائم رہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسکو یا تو دنیاوی جسم دے گا یا ایسا جسم دے گا جو دنیاوی جسم سے بھی مناسبت رکھے گا اور عالم مثال والے جسم سے بھی۔

انسان کی حقیقت سمجھنے کے بعد دو باتیں سمجھنا چاہئیں (۱) ایک یہ کہ دنیا میں انسان مذکورہ بالا اجزاء کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد دنیا والے بدن کے علاوہ باقی تین اجزاء کے مجموعہ کو انسان کہا جائیگا۔ اس کے بعد انسان ترقی کر کے جب اس درجہ کو پہنچے گا جہاں انسان کی ہوائی روح پہنچ نہیں سکتی، بلکہ فقط اس کا نفس ناطقہ پہنچ سکے گا۔ تو وہاں انسان ملکوتی روح اور نفس ناطقہ کو کہا جائیگا۔ اسی طرح جب انسان ترقی کر کے وہاں پہنچے گا جہاں اس کا نفس ناطقہ بھی نہیں پہنچ سکتا تو وہاں انسان فقط ملکوتی روح کو کہا جائے گا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کے یہ چار اجزاء ترتیب وار ہیں جب یہ چیز ملکوتی روح میں ظاہر ہوگی وہ نفس ناطقہ میں بھی اس کے مزاج کے موافق ظاہر ہوگی اور جو چیز نفس ناطقہ میں ظاہر ہوگی وہ ہوائی میں بھی اس کے مزاج کے موافق ظاہر ہوگی اور جو چیز ہوائی روح میں ظاہر ہوگی وہ بدن میں بھی اس کی قابلیت کے موافق ظاہر ہوگی، پس انسان کے ہر ایک جز میں سے اگرچہ ظاہر میں جُدا جُدا صورت نظر آئے گی۔ لیکن حکیم کی نظر میں وہ ایک ہی چیز ہے پس سمجھنا چاہیئے کہ تجلی جو انسانی نوع کے امام پر پڑتی ہے وہ ملکوتی روح پر چمکتی ہوئی اور ترتیب وار نیچے اُترتی ہوئی بدن تک پہنچتی ہے، بدن پر عمل کرنے کے بعد پھر جیسے نیچے اترتی تھی ایسے ہی چڑھتی ہوئی ملکوتی روح تک پہنچے گی۔ یہ انسانی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ پس تمام ارتفاقات سے بہتر ارتفاق وہ ہے کہ انسان جب کوئی کام بدن سے کرے تو اس کام کا اثر ملکوتی روح تک پہنچے۔ اور سب سے بُرا ارتفاق وہ ہے کہ انسان جب کوئی کام بدن سے کرے تو اس کام کی روح کو اس کی ہوائی روح بھی قبول نہ کرے، جیسے زنا اور چوری جس پر انسان کو آخر پشیمان ہونا اور پچھتانا پڑتا ہے۔

اس سے اچھا کام وہ ہے جس کی روح کو انسان کی ہوائی روح قبول کرے لیکن ان کا نفس ناطقہ اور الٰہی روح قبول نہ کرے جیسے لوہار اور بڑھئی کے پیشے اور دوسرے ہنر کہ لوگوں کو ان ہنروں کی اپنی زندگی کے لئے ضرورت بھی ہے لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا اور جیسے وہ کام جن سے انسان کا تعلق عالم مثال میں فقط جنوں سے ہوتا ہے اور ملائکہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔

اس سے بھی زیادہ اچھا کام وہ ہے جس کو انسان کا نفس ناطقہ بھی قبول کرے لیکن اس کی الٰہی روح قبول

نہ کرے (یہ عقلی بات ہے ورنہ اس کی ظاہر میں کوئی بھی مثال موجود نہیں)

سب سے بہتر کام وہ ہے جسے انسان کی ملکوتی روح بھی قبول کرے کیونکہ وہ عمل ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور اس سے اُسے انتہائی خوشی حاصل ہوگی جس سے زیادہ خوشی پہنچنے کا امکان ہی نہیں جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے فائدہ حاصل کرنے کے وقت مذکورہ چار اخلاق ہوں گے اور انسان کا نفس ناطقہ شعائر اللہ کی عزت کرنے سے اللہ کی طرف دیکھنے والا ہوگا تب اس کی انسانیت بھی کمال کو پہنچے گی اور اس کے کاموں کی روح بھی اس کی الٰہی روح تک پہنچے گی۔

فائدہ (۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ

پندرھویں فائدہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کے سمجھنے کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو راستہ دکھانے والے اور ان کو پاک کرنیوالے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ارتفاقات صالحہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی دنیا سے بہت سا فائدہ حاصل کرنے) کا ایسا طریقہ سکھاتے ہیں جس سے ان کاموں کی روح ملکوتی روح تک پہنچتی ہے اور مذکورہ بالا چار اخلاق بھی ان میں پیدا کرتے ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم کرانے سے اللہ تعالیٰ کی تجلی کی طرف توجہ کرنا بھی سکھاتے ہیں پھر جب آپ کی قوم ہدایت پر آجائے گی اور پاک ہو جائے گی تو آپ ان کو حکم کریں گے کہ دنیا کی اقوام کو بھی اس تعلیم اور تہذیب پر اکٹھا کریں جس پر وہ ہیں لیکن اس تعلیم و تہذیب کا ان کو ایسا آسان طریقہ سکھائیں گے کہ وہ آسانی سے سکھا سکیں اور اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام سمجھا جائیگا۔ یہ معنی ہیں خلافت قائم کرنے کے۔

اس معنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے یہ کام اللہ تعالیٰ نے پورا کیا اور دونوں خلفاء کے کام کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام سمجھا گیا۔ پس اس معنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مقدسہ (پاک زمین) کو جس کا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا۔ ابراہیمی ملت کی روشنی سے روشن کیا اور مکہ معظمہ، بیت المقدس اور مدینہ منورہ کی مسجدوں کو اس تعلیم کا مرکز بنایا اور قیصر و کسریٰ کی دو بڑی حکومتوں کو برباد کر کے ان کی رعایا کو دو راستوں میں سے ایک رستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا وہ راستے یہ ہیں کہ یا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اختیار کر کے اسلامی اجتماع میں داخل ہو جائیں یا اسلامی اجتماع کو خراج دے کر ان کے حکم کے فرماں بردار رہیں اور اسلامی دین کی جو خاص نشانیاں (شعائر اللہ) ہیں ان کی بے حرمتی نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا جن لوگوں نے آج تک خلافتیں قائم کی ہیں ان سب سے کامل خلافت وہ ہے

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی اور اس کا پروگرام اللہ تعالیٰ نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے پورا کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی نوع کے لئے ایک مقدس مثال بنایا ہے کہ ان کی ہمت سے ایک ایسی خلافت قائم ہو گئی جس کو پانچ سو برس تک آپ کی قوم قریش نے چلایا اور دوسرے پانچ سو برس دوسری اقوام نے چلایا جنہوں نے آپ کے دین کو سچے دل سے قبول کیا۔ سورہ جمعہ میں آیت ۲ سے ۴ تک اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ ان آیات میں آخرین کے لفظ سے مطلب فارس، روم، ہندوستان اور ترک ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے حکومتیں قائم کیں۔ اس کے بعد جب کبھی انسانی نوع کا نظام ارتفاقات میں ترقی کرنے سے بدلتا رہے گا تو حکومتوں کی صورت بھی انسانی اجتماع کے موافق ضرور بدلتی رہے گی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہزار سال کے بعد جب لوگوں کا نظام ارتفاقات میں ترقی کرنے سے بدلا تو مسلمانوں کے رہنما اپنے پرانے طریقہ کو بدل نہ سکے۔ اس لئے ان کی شان و شوکت فنا ہو گئی۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے جب ہمیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے طریقہ پر چلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوئی۔ تب ہم نے سمجھا کہ ہزار سال کے بعد جو مسلمانوں کی شان و شوکت فنا ہوئی اس میں قصور ہمارا ہی ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم میں کوئی قصور نہ تھا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔

تفسیر المقام المحمود

جلد اول

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ

تحقیق، تصحیح، تعلیقات:

حضرت مولانا مفتی عبد القدیر صاحب مدظلہ العالی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

تفسیر سورۃ الفاتحۃ مکیۃ

آیات : ۷ ، رکوع : ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱

ترجمہ : سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

حمد باری [۱]

تمام[۱] جہانوں کا ربّ اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ستائش کے قابل ہے۔ کائناتِ عالم کو پیدا کرنے والی ایک ہستی ہے جس کے ہاتھ میں نظامِ عالم کی باگ ہے۔ ریت کے ذرّات سے لے کر اشرف المخلوقات (انسان) تک تمام اس کے تابع ہیں۔ (اس کی مثال عدالت عالیہ کی ہے کہ ہر اپیل کا فیصلہ وہاں سے ہوتا ہے[۲]) اس کی صفتیں یہ ہیں۔

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲

"صفت رحمان کی خصوصیت باپ کے پیار میں" [۲]

ترجمہ : بے حد مہربان .... نہایت رحم والا۔

باپ[۲] اپنی اولاد کو کس شفقت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تمام عالم میں سب سے زیادہ عزیز اسے اپنی اولاد ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنی اولاد کو بعض اوقات کسی بات پر سرزنش کرتا ہے۔ اس کا مُدّعا یہ ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کی اصلاح ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شفقت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جب کبھی کوئی غلطی اُن سے سرزد ہوتی ہے تو باپ یا اُستاد کی طرح سرزنش کے طور پر اُن پر کوئی مصیبت ڈال دیتا ہے۔ اس میں بھی یہی راز مُضمر (پوشیدہ) ہوتا ہے کہ میرے بندے اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں۔ اسی خیال کو مدِّنظر رکھ کر عیسائی خُدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب آگے چلیئے ماں[۳] اپنی اولاد کو کس شفقت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اگر کسی قصور پر اُستاد سزا بھی

"صفت رحیم کی خصوصیت ماں کی ممتا میں" [۳]

۱۔ اس سورت کی تفسیر املاء کروانے کی تاریخ ۱۱ ذی القعدہ ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۵ فروری ۱۹۳۵ء بمقام مکہ معظمہ مندرج ہے ۱۲ (ملاحظہ ہو مقام محمود ص۱۱۵ شبدیہ) سورۃ ہذا کی مکمل ارجامع تفسیر کے لیے قرآنی اساس کا مطالعہ کیا جائے جو اس سورت کی اہمیت کے پیش نظر دو مرتبہ حضرت امام سندھی ؒ نے اپنے شاگرد رشید جناب شیخ بشیر احمد لدھیانوی ؒ کو املاء کروائی ملاحظہ ہو قرآنی شعور انقلاب ص۲۹ تا ۱۰۴ مکی دار الکتب لاہور (ع۔ق)

۲۔ مقام محمود کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت موجود نہیں ہے ۱۲ (ع۔ق)

دے۔ ماں کی ممتا اس سزا کو برداشت نہیں کر سکتی اور جھٹ شکایت کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اسی جذبہ کے ماتحت ہندو ماں کو "ماتا دیوی" کہتے ہیں۔ غرض ان دونوں جذبات کو مدّنظر رکھ کر اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ماں باپ سے بڑھ کر اپنی مخلوقات کو عزیز رکھتی ہے۔ آنحضرت[۱] صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانے میں ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی۔ اس کا بچّہ گم ہو گیا تھا۔ محبّت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچّہ مل جاتا تو اسے سینہ سے لگا لیتی اور اس کو دُودھ پلاتی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچّے کو آگ میں ڈال دے؟

عرض کیا گیا ہرگز نہیں، فرمایا تو خُدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبّت ہے جتنی اس کو اپنے بچّے سے ہے[۲] (متفق علیہ)

ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضور ایک پرندہ کو چادر میں معہ اس کے بچّوں کے لپیٹے ہوئے لے کر آیا، اور عرض کی یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں نے ایک جھاڑی سے اِن بچّوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا۔

اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچّوں پر گر پڑی۔ ارشاد ہوا کیا اپنے بچّوں کے ساتھ ماں کی اس محبّت پر تم کو تعجّب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جتنی محبّت اس ماں کو اپنے بچّوں کے ساتھ ہے خُدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بہت زیادہ ہے (رواہ ابو داؤد)

[۴] "رحمتِ الٰہی کی وسعت"

اللہ تعالیٰ نے رحمت[۳] کے ایک سو حصّوں میں سے ایک حصّہ دُنیا پر نازل کیا ہے[۴]۔ جس کا نتیجہ ماں باپ کی اپنی اولاد سے محبّت، انسان کی انسان سے محبّت، حیوان کی حیوان سے محبّت۔ اب اگر کوئی شخص تمام دُنیا کی کائنات کی محبّت کو اَزَل سے لے کر اَبَد تک جمع کرے اور پھر اس مجموعہ کو ایک سو سے ضرب دے تو اللہ تعالیٰ کی محبّت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ "آمدم بر سرِ مطلب" اب جب انسانی سوسائٹی بن گئی تو ضروری ہے کہ ان میں تعلّقات قائم ہوں۔ اس لئے حکم ہوتا ہے کہ جس[۵] طرح اللہ تعالیٰ کی ذات رحیم ہے اسی طرح اس کے بندوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہیئے۔ ایک کا حق دوسرا غصب نہ کرے۔ اتفاق اور یک جہتی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر زیادتی کرے گا تو حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات روزِ جزا کی مالک ہے۔

[۵] "انسانی معاشرے کیلئے اسماءِ حسنیٰ سے سبق"

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾

ترجمہ: مالک روزِ جزاء کا۔

یعنی بندوں کو اُس نے پیدا کیا ہے تو اُن کا وہ ایک دن حساب بھی لے گا۔ حساب لینے سے

لے اصل مسودہ میں دونوں واقعات کی طرف عربی عبارت "کما یدل علیہ واقعۃ امرأۃ فقدت ولدھا وواقعۃ طیر اخذ ھا صحابی فرخہ" سے صرف اشارہ کیا گیا ہم نے مشکوٰۃ اور ابوداؤد سے اِن احادیث کے ترجمہ کا اضافہ کیا ہے ۱۲ (ع۔ق)

ٹے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب وسعۃ الرحمہ، ص۲۰۸ طبع قدیمی کراچی ۱۲

سے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب مذکور ص۲۰۶ وابوداؤد کتاب الجنائز ۱۲

ٹے ملاحظہ ہو من ابی ھریرۃ الحدیث القدسی از مشکوٰۃ ص۲۰۸ باب مذکور ۱۲ (ع۔ق)

یہ مُدعا نہیں کہ انسان کو سزا دی جائے۔ بلکہ وہ ذات تو غفور و رحیم ہے۔ مُدعا یہ ہے کہ انسان کی آلودگی کو دُور کر کے اسے دُوسری زندگی (یعنی جنّت میں از سرِ نو زندگی بخشی جائے۔ (دیکھو اوّل سُورۃ مُلک فقرہ نمبر ۶)

"عذابِ اُخروی کا مقصد تطہیرِ انسانی"

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ

ترجمہ: تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

۱۸ "عبادت اور توحیدِ الٰہی کا منشاء حریت و مساوات"

ہم نے تمام کائنات کو دیکھا اور اس سے اندازہ لگایا۔ کہ اس تمام عالم کے اُوپر ایک ذات ہے۔ ہم اپنا سرِ نیاز اسی کے آگے خم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی ہمارا مالک اور کارساز ہے اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔ یہ بڑی بڑی توند والے جس قدر دُنیا میں ہیں انہوں نے انسان پر ظلم و تشدد کر کے انسانی حقوق کو غصب کر لیا اور انسانوں سے اپنی بندگی کرانے لگے۔ اے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں اور اب تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ

ترجمہ: بتلا ہم کو ــــ راہ ــــ سیدھی۔

۸ "صراطِ مستقیم کی دعاء"

اے اللہ جب تو نے ہمیں بصارت عطا کی تو ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہمّت اور توفیق دے۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۙ

ترجمہ: راہ اُن لوگوں کی جن پر تُو نے فضل فرمایا۔

۹ "انعام یافتہ سوسائٹی"

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں جن پر نعمتیں نازل ہوئیں ان کے چار مراتب ہیں۔ نبی، صدیق، شہداء، صالحین (سُورۃ نساء۔ آیت نمبر ۶۹ پ۵) مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ہم کو ایک ایسی سوسائٹی عطا کر جس کے اراکین ان چاروں مراتب والے ہوں۔

غرض مُراد ہے ان لوگوں کا راستہ جنہوں نے قرآن مجید یعنی فطرتِ الٰہی کے قانون کی پابندی کی اور پھر دُنیا میں کامیابی کی زندگی بسر کی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور خلفائے راشدین جو فتنہ[۱] (حضرت عثمان رضؓ کی شہادت تک) سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ ان کے بعد جو کوئی

---

[۱] امام شاہ ولی اللہ رحؒ کے قول کے مطابق حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں اختلافات و فتن شروع ہو گئے۔ لہٰذا حکومت کے لئے آئیڈیل دُور حضرت عثمان رضؓ تک ہے اور یہی حدیث مشہور خیرُ اُمتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یفشو الکذب ــــ کا مطلب ہے۔ گو حضرت علی رضؓ کا دَور بھی خلفاء راشدین کا دَور ہے مگر ظہور فتن کی وجہ سے سوسائٹی کے لیے اتفاقی اور آئیڈیل نہیں رہا (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء فارسی ص۱۳۱)

نیز شاہ صاحب نے اس مسئلہ پر تفہیمات الہیہ جلد اوّل ص۷۶ و ص۱۱ اور ص۲۴۵ پر بھی کلام کیا ہے جس کا حاصل بقول حضرت سندھیؒ یہ ہے کہ حضرت علیؓ آئندہ تمام انقلابات کے امام ہیں۔ اوّل امام انقلاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے درجہ پر امامِ انقلاب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اس طرح انقلابِ خلافتِ راشدہ کا جُزو بن جاتا ہے اب کسی اسلامی نظام کو انقلاب سے علیحدہ کرکے مستقل درجہ دینا غلط ہوگا۔ یوں حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار کی جائے گی ملاحظہ ہو قرآنی شعور انقلاب ص۱۰۱،۱۰۱ و ص۵۰۲،۵۰۲

ان کے طریقہ پر عمل کرے وہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (انعام یافتہ سوسائٹی) کا مصداق ہے اس واسطے کہا کہ اے اللہ ہمیں ایسے لوگ کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام نازل کیا ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷

ترجمہ: جن پر تیرا نہ غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

قال النبی علیہ السلام المغضوب علیھم الیھود ولا الضّالین النصاریٰ

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جن پر غضب الٰہی نازل ہوا وہ یہود ہیں اور بھٹکے ہوؤں سے مُراد عیسائی ہیں۔) یہود پر غضب اس لئے نازل ہوا کہ انہوں نے تورات کی آیات مسخ کر ڈالیں اور ان کے معانی اور مطالب اپنے مطالب پر ڈھال لئے۔ یعینہٖ اہلِ اسلام کے چند عُلماء بھی اسی طرح کر رہے ہیں اور معانی کو اپنے سانچے میں ڈھال رہے ہیں اور اس طرح مُسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھٹکے ہوؤں سے مُراد آج کل کا نوجوان طبقہ ہے جو گو سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے مگر سیدھا راستہ پانے کی جستجو کر رہا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جائیگا اور مغضوب علیھم کے راستہ سے مُراد اُن لوگوں کا راستہ ہے جنہوں نے قرآن حکیم یعنی فطرتِ الٰہی کے قانون کی نافرمانی کی۔ اس لئے وہ دُنیا میں ناکام رہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہے۔ جو لوگ اس نمونہ کو سمجھتے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کا نمونہ فتنہ تک یعنی شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مگر اس پر عمل کرنے کی ہمت نہیں رکھتے یا اللہ ہمیں ان لوگوں کا طریقہ نہیں چاہیئے وہ ضالین ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اس نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کو سمجھتے نہیں ہیں ان کا طریقہ بھی نہیں چاہتے۔ خواہ وہ کس قدر بھی سمجھ دار کیوں نہ ہوں۔

اس سُورۃ کا نام فاتحہ ہے اور ایک حدیث میں اس کا نام صلوٰۃ بھی آیا ہے یعنی الذی فیہ قسمت الصلوۃ الی اخرہٖ (مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۳۸) اور اس سُورت کے بہت سے نام ہیں مگر اس کی تاریخ نزول یقیناً نہیں بتائی جا سکتی۔ ایک عقلی بات ہے کہ پہلے پہلے سُورۃ العلق نازل ہوئی۔ اس میں ہے اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی تو نماز ابتداء نبوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے صحابہؓ پڑھتے تھے تو یہ عقل میں بات نہیں آتی کہ نماز میں سُورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جاتی تھی۔ اس لئے گمان ہوتا ہے کہ یہ سُورۃ فاتحہ ابتدائی سالِ نبوت میں نازل ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔ مگر کوئی روایت نہیں ملتی اور حدیث میں آتا ہے کہ سُورۃ الفاتحہ کی مثیل نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں ہے۔ وغیر ذالک تو یقیناً سمجھا جاتا ہے کہ سُورۃ الفاتحہ سُورۃ علق کے بعد نازل ہوئی۔ ابن مسعود اپنے قرآن میں سُورۃ الفاتحہ اس لئے نہیں لکھتے تھے کہ وہ تو نماز کے لئے سکھلائی گئی ہے تو تمام باتوں سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی اسی وقت یہ سورت فاتحہ نازل ہوئی۔

مغضوب علیھم اور ضالین کا مفہوم

سُورۃ فاتحہ کا زمانہ نزول

تمت الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر مولانا سے خود سُنی اور قلمبند کی۔

عبداللہ لغاری عفی عنہ تحریر ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، ۱۶ فروری سنہ ۱۹۳۵ء

۱؎ مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۲۴۸، ۱۲۴۱ھ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز میں بندہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کردی گئی ہے جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العٰلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَثْنیٰ عَلَیَّ عبدی میرے بندے نے میری ثناء بیان کی پھر جب بندہ کہتا ہے مالکِ یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَجَّدَنی عبدی (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ عرض کرتا ہے (ایاک نعبد وایاک نستعین تو اللہ فرماتا ہے ھٰذا بینی وبین عبدی (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی ہے اور جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ھٰذا لِعَبْدِی ولعبدی ماسأل (یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے وہ جو اس نے مانگا (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۳۸ (م ام)

۳؎ فاتحہ، الکتاب (دیباچہ قرآن) سورۃ الحمد، اُمّ القرآن یا الکتاب (بنیادی تعلیم) السبع المثانی سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں) والیفہ (مکمل تعلیم) الکنز (خزانہ) الشفاء (روحانی جسمانی لوگوں کے لئے علاج وشفاء) اور الاساس (تعلیمات قرآنیہ کی بنیاد) ملاحظہ فرمائیں تفسیری نوٹ قرآن عزیز از مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲ اور قرآنی شعور انقلاب صد ۵۴) (ع۔ق)

۴؎ موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۲۳۷ (م ام)

۵؎ یعنی سورہ علق کی پہلی پانچ آیات کے بعد سورۃ فاتحہ نازل ہوئی علامہ موسیٰ جاراللہ کی تحقیق کے مطابق پہلے سورہ علق کی پانچ آیات پھر سورۃ القلم پھر سورۃ المزمل، پھر سورۃ المدثر اور پھر سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی (ملاحظہ فرمایئے کتاب ترتیب السور الکریمہ وتناسبہا فی النزول وفی المصاحف مؤلفہ موسیٰ جاراللہ صفحات ۱ تا ۴۴ (عربی) مطبوعہ سنہ ۱۳۶۳ھ (م ام)

تعارف سورۃ بقرہ و خلاصۂ مضامین

آپ پہلے چند مقدمات کو پیش نظر رکھ لیجئے کہ ان پر ہمارے تمام مباحث تفسیر مبنی ہیں۔

(الف) قرآن حکیم کی ہر سورۃ کا ایک موضوع SUB JECT ہے۔ اور اول سے لیکر آخر تک وہ سورۃ اسی پر مبنی ہے، جسقدر مطالب درمیان میں آگئے ہیں۔ وہ سب کے سب اسی ایک موضوع اصلی کے ناگزیر و ضروری اطراف بحث و تعلیم ہیں۔

(ب) ہر سورۃ کی ابتداء و انتہا، اس موضوع کے معلوم کرنے کی کنجی ہے۔

(ج) جب ہر سورۃ کا ایک موضوع ہے، تو یہ چیز بھی ضمناً آپ کو معلوم ہو گئی کہ قرآن کی تمام آیات باہم مربوط و مسلسل ہیں، اور ایک نظم و اسلوب حقیقی کے ساتھ، سلسلہ بیان بتدریج اجمال سے تفصیل، دعویٰ سے دلیل، اور تعلیم سے امثال و نظائر کی طرف بڑھتا اور کھلتا جاتا ہے۔ اسی کو قرآن حکیم نے "تصریف آیات" سے جا بجا تعبیر کیا ہے "صرف" کے معنی لغت میں ردالشی من حالۃ الی حالۃ کے ہیں۔

یہ اصول اساسی آپ کے سامنے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون۔ فلاح کے حسب ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) الذی انفتحت لہ وجوہ الظفر ولم تستغلق علیہ جس کے لئے ظفر و کامرانی کے ابواب مفتوح ہوں اور اس کی تمام رکاوٹیں یک قلم مفقود ہو جائیں۔

(۲) الفلاح بمعنی البقاء فیکون المعنی اولئک ھم الباقون فی النعیم المقیم فلاح کے معنی بقا بھی بیان کئے جاتے ہیں اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا، کہ دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) اصل الفلاح الشق، فعلی ھذا یکون المعنی اولئک ھم المقطوع لھم بالخیر فی الدنیا والاخرۃ، فلاح کے معنی انشقاق اور قطع و برید کے بھی آتے ہیں، اس لئے معنی یہ ہوں گے کہ دنیا و آخرت کی ہر قسم کی خیر و برکت اور عزت و کرامت صرف فرزندان اسلام کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

ان تینوں معانی میں دراصل کوئی اختلاف نہیں، بلکہ سب کے سب ایک ہی حقیقت کو بیان کرتے ہیں، مقصد سب کا یہی ہے کہ دنیا کی ہر انتہائی کامیابی و کامرانی، اجلال و تبجیل، جہانگیری و جہانداری، جنت ارضی و سماوی مخصوص ہے ان ارباب فضل و کمال کے لئے جن کے یہ خصائص و امتیازات اور کمالات و فضائل ہیں اور وہ کبھی ناکام و نامراد نہیں رہ سکتے۔

اسی سورۃ کے آخر میں دعا کی گئی فانصرنا علی القوم الکفرین جس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے کہ ہمارے مخالفین و

معاندین، تباہ و برباد ہوں، اور ہمیں ان پر ظفر و کامرانی نصیب ہو۔

پس اس سورۃ کے اوّل و آخر نے ہمیں بتا دیا کہ اس کا موضوع اصلی یہی ہے کہ اس میں ایسی تعلیم دی جائے جو مسلمانوں کے اندر صحیح کیرکٹر پیدا کر دے، وہ اپنے مذہب اور اخلاق کے پابند رہ کر دنیا و آخرت کی انتہائی کامیابیوں اور کامرانیوں سے بہرہ اندوز ہوں، گویا دوسرے الفاظ میں اس کا موضوع و مقصد، مسلمانوں کو خلافت کبریٰ کی تعلیم دینا اور اس سے سرفراز کرنا ہے۔

اگر ہم ان تمام احادیث و آثار کو پیش نظر رکھیں جن میں اس سورہ کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ تو ہمارے دعوے کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تجعلوا بیوتکم مقابر وان البیت الذی تقرأ البقرۃ فیہ لا یدخلہ الشیطان ۔ (ترمذی)

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، جس گھر میں سورۃ بقرہ کی تلاوت ہو وہاں شیطان کا داخلہ بند ہوتا ہے۔

ایک جگہ آپ نے ان الفاظ میں اس کی اہمیت ظاہر کی۔

لکل شیء سنام وان سنام القرآن سورۃ البقرۃ (ترمذی)

ہر ایک چیز کا ممتاز و نمایاں حصہ ضرور ہوتا ہے۔ قرآن کی یہ خصوصیت کبری اور علو و رفعت، سورہ بقرہ کو حاصل ہے۔

ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کے لئے ایک جماعت بھیجنا تھی، جس کے لیے سردار کی تلاش میں تھے، جن لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں، ان میں سے ہر ایک سے آپ یہ پوچھتے کہ قرآن کے کون سے اجزا حفظ ہیں، اتنے میں ایک نوجوان نے کہا کہ مجھے سورہ بقرہ یاد ہے، آپ نے فرمایا کہ تم اس جماعت کے امیر ہو، حالانکہ عمر کے اعتبار سے وہ سب سے چھوٹا تھا۔

مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے۔

کان الرجل اذا قرأ البقرۃ وآل عمران جد بیننا

جو شخص، بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا، اس کی ہم بے انتہا قدر و منزلت کرتے تھے۔

بیہقی نے کتاب الدلائل میں عثمان بن ابی العاص سے روایت نقل کی ہے کہ میں باوجود اس امر کے صغیر السن تھا اور میری عمر کچھ زیادہ نہ تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کی گورنری نوازش فرمادی، صرف اس لئے کہ میں نے سورۃ بقرہ پڑھی تھی۔

شعب الایمان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سورۃ مبارکہ کو آٹھ سال میں ختم کیا، اور اس کے درس و فکر سے فارغ ہونے پر اونٹ ذبح کیا اور تمام دوستوں کو دعوت دی۔

ان احادیث و آثار کو بار بار پڑھئے، آپ اس کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچیں گے کہ اس سورۃ کا موضوع خلافت

لے ترمذی ج ۲، ص ۱۱۱

کُبرا ے اور مسلمانوں کو ایسی تعلیم دینا ہے جو انہیں تمام مہذب ممالک پر حکمران بنادے، چنانچہ دنیا ایک مرتبہ اس کا تجربہ کر چکی ہے۔ اب مستقبل کو دیکھنا باقی ہے۔ وما ذلک علی اللہ العزیز۔

روئے سخن

قرآن حکیم کا درس و فکر ایک اور عجیب و غریب اصل واساس کی جانب ہماری راہ نمائی کرتا ہے، دنیا کے اندر صدہا اقوام و امم ہیں، ان کے مذاہب و ادیان ہیں، رسوم و عوائد ہیں، عقائد و اخلاق ہیں، قرآن حکیم اس لئے آیا کہ تمام اختلافات کے لئے حکم اور ظنون و اوہام کے لئے کتاب مبین ہو، اس لئے ضروری تھا کہ اس کا روئے سخن سب کی جانب ہو، ہر ایک کی غلط کاریاں بیان کر کے اسکو صحیح راہِ عمل دکھادے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، سورۂ اعراف تک اس نے مختلف ادیان و مذاہب کو مخاطب کیا، قرآن حکیم کے نزول کے وقت یہودیوں کی سب سے بڑی جماعت تھی، جس کو مذہبی ہونے کا دعویٰ تھا۔ یہ لوگ شریعت موسوی کے حامل اور اسی کے مبلغ و داعی تھے، لیکن مدت ہائے دراز سے اپنے فرض جلیل سے بعد و ہجر اختیار کر چکے تھے، اس لئے سب سے پہلے بنی اسرائیل کو اس سورۃ میں مخاطب کیا گیا۔ ان کی انفرادی و اجتماعی خرابیاں ظاہر کیں، ان کی حاکمانہ زندگی کے امراض و مفاسد بیان کئے، تبلیغ و دعوت کے دوران میں انہوں نے جن بدکاریوں کا ارتکاب کیا تھا، ان پر تفصیلی روشنی ڈالی اور آخر میں بتا دیا کہ اس وقت یہ لوگ مسند تبلیغ سے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں ان کی جگہ پر مسلمان کام کریں گے۔"

دنیا کی قوموں اور ملتوں میں جب کبھی انقلابات ہوتے ہیں وہ ہمیشہ نتیجہ ہوتے ہیں۔ ارباب علم و فضل کی سعی و کوشش اور دعوت و تبلیغ کا، ان کے وعظ و تذکیر سے زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور حریت و استقلال کے جذبات میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ تعطل و بیکاری اختیار کریں تو تمام قوم پر عالم ممات طاری ہو جاتا ہے، یہ لوگ قوم کے لئے بمنزلہ قلب کے ہوتے ہیں۔ ان کی صحت و تندرستی پر حیات ملی کا دارومدار ہے اور ان کے بیمار ہونے سے تمام قوم امراض کا شکار ہو جاتی ہے۔"

سورۂ بقرہ میں یہودی علماء کی خرابیاں ذکر کیں، تاکہ امت مسلمہ کے اہل علم ان سے بصیرت اندوز ہوں، اور اپنے دامن کو ان آلودگیوں سے بچانے کی کوشش کریں"

مضامین کی فہرست

دنیا میں دو ہی قسم کے آدمی نظر آتے ہیں۔

(الف) عوام الناس، جن کی نظر نتائج و ثمرات، اور ظواہر اعمال پر ہوتی ہے، وہ درخت کو اس کے پھل کی وجہ سے شناخت

کرتے ہیں، ان لوگوں میں تنبہ و اعتبار پیدا کرنے کے لئے، سورہ بقرہ نے ابتداء سے لیکر دوسرے پارہ کے دوسرے رکوع تک مخصوص کر دیا۔

(ب) ارباب علم و فضل، جو حقائق و معارف کے شیفتہ، اسرار و حکم کے دلدادہ، اور بصائر و غوامض کے جویاں ہیں، ان کے لئے سورۃ کے تمام بقیہ اجزاء ہیں، وہ ان کی تحلیل و تنقید کریں، ارباب سیاست، اس کے درس و فکر میں مصروف ہوں جو جماعتیں، قوانین و ضوابط کی تنظیم و تشکیل کی ذمہ دار ہیں، اس کو آویزۂ گوش بنائیں اور جن کی سعی و کوشش صرف علم کے کسب و حصول کے لئے وقف ہے، اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں۔

سورہ بقرہ کو حسب ذیل ابواب و فصول میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا باب، وحی و الہام کی ضرورت، از ابتدائے سورہ تا آیت ۳۰

پہلے دو رکوع میں بتایا کہ ہر جدید تعلیم و تحریک کے وقت تین قسم کے لوگوں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ ارباب ایمان و صلاح، جو اس تعلیم حقہ کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیتے ہیں۔

۲۔ دجاجلہ کفر و شیطنت، جن کا مقصد وحید یہی ہوتا ہے کہ ہر اصلاح کی مخالفت ہو، اور دنیا کا نظام ہمیشہ درہم برہم رہے۔

۳۔ منافقین، دونوں جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں، کفار و مشرکین سے یہ لوگ زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

پھر تذکیر بالاٰءِ اللہ کے بعد ان کو قانون الٰہی کی جانب توجہ دلائی اور بتایا کہ وحی و الہام پر صرف وہی لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں، جن میں حسب ذیل امراض ہوں۔

(ا) ایمان کمزور ہو،

(ب) طبیعت ضعیف ہو۔

(ج) عقل کوتاہ ہو۔

ان کو بتایا کہ مذہب، انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اس لئے وہ الہام ربانی کے آگے سر جھکانے کو مجبور رہے، چنانچہ آدم علیہ السلام پریشان و مضطرب پھرتے رہے، تا آنکہ وحی الٰہی نے اُن پر چند کلمات الہام کئے جو ان کے اطمینان قلب اور ثلج صدر کا باعث بنے۔

پس قصۂ آدم سے ثابت ہو گیا کہ دنیا میں انسان کو سکون و اطمینان صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو وحی الٰہی کا پابند بنائے اس کے بغیر نہ تو اس کی زندگی کسی کام آئے گی اور نہ وہ حیوانات کے درجہ سے ترقی کر سکے گا۔

دوسرا باب، قرآن حکیم کی ضرورت، آیت ۳۸ سے ۱۴۶ تک،

پانچویں رکوع میں یہودیوں کی اجمالی خرابیاں ذکر کی گئیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) علمی (ب) عملی (ج) انتظامی

ربع اوّل سے ان امراض و مفاسد پر نہایت ہی شرح و تفصیل کیساتھ روشنی ڈالی گئی اور دو باتوں کا فیصلہ کیا گیا۔

(۱) آیت ۹۰ تک یہ بتا دیا گیا کہ جس وقت تم خلافت ارضی اور فضیلت علی العلمین سے سرفراز تھے، تم نے ایسی بدکرداریوں اور بدعملیوں کا ارتکاب کیا، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم سے حکومت چھین لی گئی اور تم پر ذلت و مسکنت طاری کی گئی، حیات ملی کے لیے تین قسم کے ارباب فضل و کمال کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن تمہاری قوم ان سے بکسر خالی تھی پس آئندہ ہمیشہ کیلئے جہانگیری وجہاں داری سے محروم کر دیئے گئے۔

(۲) آیت ۱۰۸ تک اس حقیقت کو بے حجاب کیا کہ تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر بھی دعوت وارشاد کا فرض اہم واقدم انجام نہیں دے سکتے، اسی ذیل میں ان کے عالموں، دولتمندوں، اور عام لوگوں کی باطل پرستیوں اور غلط عقیدوں کو بیان کیا۔

ان دو صورتوں کے علاوہ، بنی اسرائیل محکومانہ زندگی ہی بسر کر سکتے تھے مگر یہ بھی صاف کر دیا گیا کہ وہ شریف رعایا بننے کی بھی قابلیت نہیں رکھتی، چنانچہ آیت ۹۸ تک اس پر بحث کی، اور ساتھ ہی فرزندانِ اسلام کو یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے تمام تعلقات و روابط سابقہ ان سے منقطع کر لیں۔

جب یہودیوں نے دیکھا کہ بحث کا دائرہ بالکل تنگ ہو گیا ہے تو نسخ ادیان و ملل کیطرف توجہ کی اور اس کو اپنے شبہات کا نشانہ بنایا، لیکن فوراً ہی مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ ان شبہات کے پیش کرنے سے ان کی اصلی غرض کیا ہے۔ آیت ۱۱۳ تک یہی بحث تھی، اب انہوں نے نسخ قبلہ کو لیا۔ اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی قرآن نے اس کے دو جواب دیئے۔

(۱) الزامی

(ب) اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، بنائے کعبہ اور دعائے خلیل کا تذکرہ کیا، اور انہیں بتا دیا کہ اب دنیا کی ہدایت و راہنمائی صرف قرآن کے لیے مخصوص ہے، اور فرزندان اسلام ہی مسند تبلیغ وارشاد کے مالک ہوں گے، یہ بحث آیت ۱۵۱ تک ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرا باب تہذیب اخلاق، یہاں سے قرآن کی اصلی تعلیم شروع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے ان اخلاق کو پیش کیا جاتا ہے۔ جو انفرادی حیثیت سے ہر انسان میں پیدا ہونا ضروری ہیں، جو اصل و اساس حیات ملی ہیں اور جن کی غرض و غایت یہ ہے کہ قوم میں صحیح کیرکٹر پیدا ہو، ساتھ ہی اس تعلیم گاہ کی جانب اشارہ کیا، جس میں داخل ہونے کے بعد ان اخلاق کی تشتہ و تولید ہو سکتی ہے۔ آیت ۱۶۲ تک

چوتھا باب، تدبیر منزل، رزق کمانے کے ذرائع و وسائل پر بحث کی، صرف کرنیکا قانون دیا، دیوانی اور فوجداری ضوابط کی تدوین کی، اندیشہ تھا کہ ان امور میں مصروف رہنے کی وجہ سے لوگوں کی روحانیت اور تعلق باللہ میں ضعف و کمزوری نہ پیدا ہو جائے اس لئے روزے فرض کر دیتے اور مذہبی تعلیم کی نشر و اشاعت کی جانب توجہ دلائی۔ آیت ۱۸۰ تک،

پانچواں باب، معاملات، اس میں دو باتوں کا فیصلہ کیا۔

(۱) ناجائز طریق سے کسی کا مال کھانا قانونی جرم ہے اس سے پرہیز کرو اور ان امور کا فیصلہ خود ان کا کیرکٹر کر دے گا

کیونکہ پہلے اس کی تعلیم دی جا چکی ہے۔ عدالت کو شاذ و نادر ہی مداخلت کی نوبت آئے گی۔

(ب) مسلمان اپنے تمام حسابات، قمری مہینوں کے مطابق رکھیں، کیونکہ کائنات ملتِ حضرت ابراہیم نے قمری مہینوں میں ایامِ حج مقرر کئے ہیں، آیت ۱۸۸ و ۱۸۹

چھٹا باب، سیاست مدن، اس میں تین فصلیں ہیں:۔

فصل اول، جہانگیری، اس میں حسب ذیل مسائل بیان کئے گئے ہیں،

(۱) کوئی وقت، کوئی شخص، اور کوئی جگہ جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ نہیں قرار دی جا سکتی۔

(۲) ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جبقدر روپیہ اس کی جائز اور ضروری حاجات زندگی سے بچ جائے وہ تمام و کمال جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر، خلافت اسلامی کی نذر کرے۔

(۳) حج ضروری قرار دیا گیا تاکہ ان تمام اعمال مہمہ کی مشق ہو جو جہاد کے لئے الزم اللوازم ہیں۔

(۴) وحدت مقصد ضروری ہے۔

(۵) ہر شریف اور خاندانی انسان کے پاس اسلام کی آواز حق و حریت پہنچانا فرائض دین میں سے ہے۔

(۶) جہاد فی سبیل اللہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

(۷) اس راہ ایثار و فدویت میں تکالیف و شدائد سے کوئی چارہ کار نہیں۔

(۸) جہاد کب تک رہے گا اور اسے کسقدر روپیہ کی ضرورت ہے۔

(۹) ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا روپیہ کبھی اس احب الاعمال الی اللہ کے لئے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۰) جب لڑائیوں کی کثرت ہوگی، تو یتامیٰ بھی ضرور بہت زیادہ تعداد میں نظر آئیں گے، ان کی تعلیم و تربیت، اور حفظ و صیانت کے لئے قانون بنایا گیا، آیت ۲۲۰ تک

فصل ثانی، جہانداری، اس میں ان مسائل کا تذکرہ ہے۔

(۱) کسی غیر مسلم کو حاکم نہ بنایا جائے۔

(۲) جسقدر قومیں مسلمانوں کے ماتحت رہیں گی ان کو کامل اندرونی آزادی دی جائے گی۔

(۳) جدید قانون کی وضع و ترتیب کے وقت اس امر کا خیال رہے کہ وہ نظام صالح کا حامی، بر و تقویٰ کا محافظ و نگران کار اور نوع انسانی کے لئے زندگی بخش ہو۔

(۴) صدر جمہوریہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، اگر اس کے لئے تیار نہ ہو، تو اس کو چار ماہ کی مہلت دی جائے، اگر اس نے اپنی اصلاح کر لی تو بہتر، ورنہ معزول کر دیا جائے۔

(۵) عزل کے وقت اس کی تمام سابقہ واجب الادا رقوم ادا کر دی جائیں۔

۶ معزول ہونے پر وہ ان اصلاحات کو خراب و برباد کرنے کی کوشش میں نہ لگ جائے جن کو اس نے اپنے زمانہ حکومت میں نافذ کیا تھا۔

(۷) اگر معزول شدہ حاکم، دوسری مرتبہ رعایا کے حقوق کی نگرانی کا عہد و میثاق کرے، تو اسے انتخاب میں آنے کا موقع دیا جائے۔
(۸) اگر وہ تین مرتبہ معزول ہو تو پھر اسے امیدوار کے طور پر کھڑے ہونے سے روک دیا جائے۔
(۹) حاکم کی رائے کو کچھ ترجیح ضرور حاصل ہو گی۔
(۱۰) معزول شدہ، دوسروں کے انتخاب میں رکاوٹیں نہ پیدا کرے۔
(۱۱) حکومت کے لئے خود اپنے آپ کو پیش نہ کرے، بلکہ قوم خود ان لوگوں کی تلاش کرے اور جن میں قابلیت و استعداد ہو، ان کے ہاتھ میں عنان سلطنت دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔
(۱۲) حکومت کرنے میں ذاتی اور خاندانی مصلحتوں کی پرواہ نہ کرے، بلکہ عامہ ناس کا نفع و سود پیش نظر ہو آیت ۲۴۲ تک

فصل ثالث، عملی سیاست کا نمونہ، اس میں ان مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
(۱) یہ ضروری نہیں کہ جو شخص میدان جنگ میں جائیگا وہ مر ہی کے رہیگا۔
(۲) جنگ کے لیے امیر کا انتخاب ضروری ہے۔
(۳) شرائط انتخاب بیان کیے۔
(۴) رائے عامہ کا احترام ضروری ہے۔
(۵) کام شروع کرنے سے پہلے فوج کا امتحان ہو۔
(۶) صرف ان لوگوں کو میدان جنگ میں بھیجا جائے، جن کے اندر سب سے زیادہ اعتماد علی اللہ، اور قربانی کا جذبہ صادقہ ہو۔ آیت ۲۵۲ تک۔

ساتواں باب، خلافت کبریٰ، اس میں حسب ذیل امور کا تذکرہ ہے۔
(۱) تمام مہذب اور شائستہ ممالک پر مسلمانوں کی حکومت کسطرح قائم ہو سکتی ہے۔
(۲) خلیفتہ المسلمین کے فرائض۔
(۳) مال دار اپنی تمام دولت و ثروت، خلافت اسلامی کی نذر کردے۔
(۴) مال قبول کرنے کے لئے چند شرائط کو بیان کیا، جب تک ان قیود کے ماتحت روپیہ نہ دیا جائیگا خلافت کبھی اس کو لینے کے لئے تیار نہ ہو گی۔
(۵) مالداروں کی طرح، ارباب علم و فضل بھی، ان شرائط کو پیش نظر رکھ کر ملک و ملت کے لئے اپنے تمام علوم و معارف وقف کردیں۔
(۶) حب مال کو دور کرنے کے لئے سود کی حرمت بیان کی۔
(۷) قرض کا قانون مدون کیا۔
(۸) ارکان خلافت کو بتا دیا کہ ان کے تعلقات و روابط اپنے خالق کے ساتھ کس قسم کے ہوں، اور انہیں تدوین

قانون کے وقت کس امر کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے، آیت ۲۸۶ تک

مضامین کی فہرست آپ کے سامنے ہے، اس اجمال نے جہاں اور صدہا امور پر روشنی ڈالی ہے وہاں ان دو حقیقتوں کو بھی واضح کر دیا ہے کہ :۔

(الف) اس سورت کی تمام آیات، باہم مربوط اور مسلسل ہیں اور ایک نظم و اسلوب حقیقی کے ساتھ تمام کڑیاں باہم دگر پیوست کر دی گئی ہیں ۔

(ب) اس میں خلافت کبریٰ کے نظم و ادارہ کی تعلیم دی ہے اور اس سورۃ کا مقصد یہ ہے کہ فرزندان اسلام، کمزوری کی جگہ طاقت کے لیے، بے کسی کی جگہ فرماں روائی کے لئے اور رونے کی جگہ خوشیوں کے لیے تمام عالم میں نمایاں اور ممتاز ہوں ۔

تفسیر سورۃ البقرۃ مدنیۃ

آیات: ۲۸۶، رکوعات: ۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾

الف کا ایک عدد، لام کے تیس ۳۰ عدد، میم کے چالیس ۴۰ عدد، کُل عدد اکہتر ۷۱ ہوئے۔ ل، م کو جُدا جُدا کرنے سے الگ الگ دَور کی مُدّت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل بعثت سے شمار کرو[1]

---

[1] مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے حروف مقطعات کے بارے میں ایک خاص نکتہ بیان کیا ہے۔ جس میں وہ دُوسرے مفسّرین سے ممتاز ہیں۔ اس کی تفصیل مولانا سندھی کے شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ نے اپنی کتاب "حروف اوائل السور" میں دی ہے۔ مولانا سندھیؒ حروف مقطعات کے ابجد کے حساب سے جو عدد ہوتا ہے اس عدد سے مختلف مدّتیں مُراد لیتے ہیں اور اس مُدّت میں یہ بتاتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات کا دستور العمل اس مُدّت میں پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے۔ اور اس پر عمل درآمد کرنے کا تاریخی ثبوت بھی ملتا ہے۔ اسلام کا وہ زرّیں دَور جو کہ عدل گستری، دین پروری کا بے مثال نمونہ ہے۔ وہ اسلام کے ستّر سالہ دَور میں دُنیا کے سامنے لایا گیا۔ تیس ۳۰ سالہ زندگی میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مرکزِ مکّہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام فرمائے کہ اس سے دُوسرا مرکز مدینہ منورہ قائم ہو گیا اور اس دُوسرے مرکز نے سات سال کی مختصر مُدّت میں تیسرے مرکز یعنی شام کی بُنیاد ڈال دی، پھر اس تیس سال کے بعد چالیس سالہ دَور میں دُوسرے مرکز نے تیسرے مرکز کو اس قدر مضبوط و مُستحکم اور عالمگیر بنایا کہ تمام عالم میں اِسلام کا سِکّہ بیٹھ گیا اور دُنیا کی کسی طاقت کو مُقابلہ کی تاب نہ رہی۔

(الف) سے مراد مرکز مکّہ مُعظّمہ ہے اور اس کے کام کی ابتداء، (لام) سے مراد مرکز کا کام اور اثراتِ صالحہ اس دَور میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا زمانہ حیات اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی اڑھائی سالہ خلافت اور حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اڑھائی سالہ خلافت کا ابتدائی حصّہ جس میں شام فتح ہوا ۳۱ سالہ دور سب آجاتا ہے (میم) سے مُراد مرکز مدینہ مُنورہ کے وہ کام جو فتوحاتِ عالمی میں قدم رکھنے میں پہل کا سبب بنے اور مرکزِ شام کو ایک ایسی شہرت و قوّت اور سطوت بخشی کہ وہ بین الاقوامی سطح پر اسلام کی اشاعت و سطوت کا سبب بنا۔

ساڑھے نو سال خلافت عمریؓ، بارہ سال خلافتِ عثمانیؓ، چار سال خلافتِ حیدریؓ، پندرہ سال خلافتِ اُمویہ کے آغاز حکومت کے ملا کر چالیس ۴۰ سال مُکمّل ہوتے ہیں۔ یہی دَور خیر و برکت اور اِسلامی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔

"قرآن اور نئی انقلابی زندگی" [۱۳]

یہ آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ ان کے نزول سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ وہاں دس گیارہ برس کے عرصہ میں آپؐ نے[۱۳] مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اللہ کے رسولؐ اور خدا کی کتاب کے سوا کسی بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ کفارِ مکہ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے غلام مسلمان ہو کر خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف متوجہ ہوں اور کفار کے بتوں کا صاف انکار کر دیں۔ غرض انہوں نے مسلمانوں کو ہر طرح سے تکالیف دینی شروع کر دیں۔ اس لئے وہاں سے تنگ ہو کر آپؐ اور مہاجرین کی جماعت جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ تھے۔ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت مدینہ میں یہود اور مشرکین موجود تھے۔ یہود کی صحبت سے مدینہ کے مشرکین بھی تورات پر اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے مگر وہ اسے صرف بنی اسرائیل کے لئے مخصوص سمجھتے تھے۔ غرض کسی نہ کسی رنگ میں تورات کے سب قائل تھے۔

"حریت انسانی کے حوالے سے کتب الٰہی کا کردار" [۱۴]

اب[۱۴] تورات کا قرآن مجید سے مقابلہ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ تورات کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرعون کے پنجہ سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا اور شام کا زرخیز علاقہ انہیں عطا کیا گیا۔

اب تورات کے مقابلہ میں بتایا جاتا ہے کہ اسی سے قرآن پر عمل کرنے والوں کی ترقی کا اندازہ کر لو کہ ان کا رسول انہیں اس کتاب کی پیروی سے اس رتبہ پر لے آیا کہ وہ سوائے خدا کے کسی کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے۔ غرض "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" والا معاملہ ہے۔ یعنی جس طرح سورج نکلتا ہے اسی قدر اس کی گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کتاب پر عمل کرنے والوں کی مثال ہے کہ وہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی پہلی امتوں سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بالوضاحت ہے۔

(بقیہ حاشیہ) شان و شوکت کا دور تھا۔ جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(تفسیر مقامِ محمود مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور ——— صفحہ ۱۲۴ و حروف اوائل السور صفحہ ۸۲)

(ع۔ ق)

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو۔

(یہ کتاب ایسی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے) اس[15] قسم کے مُتّقی پیدا ہوئے جن کی ترقّی کا اُوپر ذکر کیا گیا۔ جس طرح کہتے ہیں کہ اس[1] عورت کے دُودھ سے اس پہلوان نے پرورش پائی۔ حالانکہ ماں کا دُودھ اس نے شیر خوارگی میں پیا تھا مگر اس کی نشو و نما اسی دُودھ سے ہوئی۔ اسی طرح اس کتاب پر غور و خوض کرنے اور اس پر عمل کرنے سے اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے یعنی اس کتاب کی تعلیم ایسے مُتّقی لوگ پیدا کرتی ہے۔

"قرآن پر عمل سے مُتقیوں کا پیدا ہونا"

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ترجمہ: جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تعلیم دی اور اس کے بعد جب انہیں احکام الٰہیہ کی پیروی کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم جب تک تیرے رَبّ کو (ظاہری آنکھوں) سے نہ دیکھ لیں گے اس پر یقین نہ لائیں گے[2]۔ اب بتایا جاتا ہے کہ قرآن کی تعلیم سے مُسلمانوں کی یہ صفت[16] ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے اس پر یقین لاتے ہیں اور ساتھ ہی حدیث میں حکم[3] ہے کہ نماز اس طرح پڑھو گویا کہ خُدا کو دیکھ رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان بالغیب سے ایمان بالمشاہدہ کی طرف رسائی حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بہیمیّت (حیوانیّت) کے گاڑھے گاڑھے پردے اس سے دُور ہو کر مَلکیّت (عقلیّت) کا نُور ظاہر ہو جائے اور عالمِ قُدس (بارگاہِ الٰہی) سے اس پر یقین ترشّح (اثرہ) ہو جائے اور جتنی چیزوں کا ذکر وہ زبان سُنے سب وہ چیزیں اس کو مشاہدہ ہو جائیں۔ مومن بندہ جو ہمیشہ بہیمیّت سے مدافعت (مقابلہ) کرتا ہے اور ملکیّت کا ساتھ دیتا ہے اس حالت کا اس قدر مشتاق ہو جاتا ہے جس طرح ہر عنصر اپنے مکانِ طبعی کا مشتاق ہوتا ہے۔ جس طرح ہر ذی حس ان چیزوں کی طرف جن سے اس کی حس کو لذّت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے۔

"گھر بیٹھوں کا یقین پیدا ہونا"

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: اور قائم رکھتے ہیں نماز کو

قرآن مجید میں ایک جگہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ جب تم مصر سے بچ کر نکلو اور شام میں داخل ہو تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے شکرانہ کے نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غُلامی سے نجات دی اور پھر حکومت عطا کی[4]۔ اب اس کے احکام کی تابعداری کرتے رہو مگر اس کی بنی اسرائیل پابندی نہ کر سکے اور قرآن حکیم پر جو جماعت کاربند ہے اس کی یہ حالت[17] ہے کہ دُعا کے لئے انتظام اور قاعدہ سے کھڑے ہوتے

"قرآنی جماعت کی نماز کی خصوصیت"

سلہ یہاں تقوی کی مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی ص۶۰ تا ۶۴ (ترجمہ ص۸ تا ۱۰ طبع کبیر والا ۱۲

سلہ ملاحظہ ہو آیت ۵۵ سورت بقرہ، ترجمہ یہ ہے "اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے ۱۲

سلہ مشہور حدیث جبریل "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ" (متفق علیہ) ۱۲

سلہ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۵۸، ۵۹ پ۱ و سورۃ الاعراف ۱۶۱، ۱۶۲ پ۹ ۱۲ (ع-ق)

ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر انہیں اعتماد ہے اور ایک چیز کے اُس سے خواستگار ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

ترجمہ: اور جو ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ③

ت ۱۸ "انفاق کے بارے میں مسلم ذہنیت اور یہودی ذہنیت میں فرق"

اس کتاب کو ماننے والے اپنی ضرورت سے زیادہ چیز کو اپنی جماعت کے لوگوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یہودیوں میں بُری عادت تھی کہ مَن و سلویٰ کے متعلق جو حکم تھا کہ روزانہ کھایا کرو۔ اس پر کاربند نہ رہ سکے۔ اس لئے کہ ان میں توکل نہ تھا اور دُوسرے دن کے لئے پس انداز (جمع) کرنے لگے۔ یہودی آج تک دُنیا میں سُود خوری میں مشہور ہیں۔ مگر یہ لوگ (مُسلمان) جماعت انسانیہ کو اپنا کُنبہ تصوّر کرتے ہیں۔ ان کا انفاق (خرچ) ایسا ہوتا ہے جیسے اپنے عیال پر وَفِی حَقِّ الیہود لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ (سُورہ ۳۔ آیت ۱۸۱) (اور یہود کے بارے میں ارشاد ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بات سُن لی جو کہتے ہیں کہ "اللہ محتاج اور ہم مالدار ہیں") غرض ان ہی آیات میں قرآنی تعلیم اور تورات کی تعلیم کا مقابلہ کرکے دکھایا گیا ہے کہ پہلی کتابوں کے متبعین اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے جو بات بات پر لغزش کھاتے تھے اور قرآن حکیم کے تابعین اس قسم کے مُتّقی پیدا ہوئے۔ کیا اب بھی اس کتاب کے مُتعلق کسی کو شک ہوسکتا ہے۔ غرض اس آیت میں تین باتیں سکھلائی گئیں۔ خُدا پر ایمان، نماز، روزہ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف

ت ۱۹ "مکی زندگی میں قومی پروگرام پر یقین اور عمل"

جو تجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ہم نے تجھے خلافت کے لئے روانہ کیا ہے اور ہم نے تجھے جو حکومت چلانے کے لئے حکم دیا ہے ان لوگوں میں اس کی پوری قابلیت موجود ہے۔ یعنی[19] مُسلمانوں کو مکی زندگی میں قومی حکومت چلانے کا ڈھنگ بتلایا گیا اور وہ واقعی اس کے اہل نکلے۔ یہ جماعت[20] مُتعصّب نہیں ہے۔ ان کے پاس کسوٹی موجود ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پہلی کتابوں کو اس سے پہچان کر ان پر عمل کرتے ہیں۔ الکلمۃ الحکمۃ ضالّۃ المومن الحدیث[1] (دانائی کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے) اس پر گواہ ہے۔

ت ۲۰ "مُسلم جماعت کی وسعت نظری"

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

ترجمہ: اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے،

پہلی قوموں کے لئے جو ہدایات آئیں مُسلمان ان کے قائل ہیں۔ یعنی قومی حکومت کو چلانے کا طریقہ

---

[1] ملاحظہ ہو حدیث عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھواحق بھا ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ وابراھیم بن الفضل المخزومی ضعیف فی الحدیث سنن ترمذی صفحہ ۹۲ طبع مجتبائی (دہلی ایڈیشن)

ف۲۱ مسلمانوں میں بین الاقوامی اداروں کے چلانے کی صلاحیت

تو مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں سیکھ لیا اور انتظامی ادارات (اداروں) میں بین الاقوامی قوانین کو سمجھنے کی مکمل قابلیت انہوں نے مدینہ طیبہ میں حاصل کر لی۔ غرض یہ ان کی دوسری قابلیت کی تعریف ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ ایک پیر کے مرید دوسرے پیر کو نہیں مانتے مگر اس کتاب کے مومن دوسری کتابوں پر یقین کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی حکومت کے لئے مبعوث ہوئے مگر ان کی قوم اپنے اندر یہ قابلیت پیدا نہ کر سکی۔ اس لئے وہ بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین الاقوامی حکومت پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور ان کے صحابہ کرام اس کام کے چلانے کے اہل ثابت ہوئے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؁

ترجمہ: اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔

ف۲۲ مسلمانوں کا سیاست کے ساتھ فکر آخرت میں یقین پیدا کرنا

اب مسلمانوں کی مدح کا جملہ ہے۔ آدمی جس قدر دنیاوی سیاست میں دخل دیتا ہے اسی قدر وہ آخرت سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیجئے۔ آپؐ نہایت کامیاب سیاستدان اور ایک قابل جنرل تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کھانا کھاتے، پانی پیتے، اٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت کوئی نہ کوئی دعا پڑھتے رہتے تھے۔ آپؐ اپنے خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ تھے۔ غرض اس جگہ بتلایا گیا کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت ہے کہ اس قدر دولت و جاہ و حشمت کے باوجود وہ خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں اور آخرت پر ایمان رکھنے کی یہی نشانی ہے۔ گویا ان چاروں[1] آیات میں دنیا کی سیاست اور آخرت کی کڑی کو ایک زنجیر میں منسلک کر دیا گیا۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

ترجمہ: وہی لوگ ہیں ہدایت پر

ف۲۳ بہترین ہدایت یافتہ اور کامیاب ترین امت

آدمی کو اس وقت ہدایت یافتہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اسے جو کتاب ملی اس پر عمل کرے اور وہ اس سے مستفید ہو۔ دنیا میں جس قدر امتیں ہیں ان میں سب سے بہترین یہی امت (مسلمہ) ہے۔

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؄

ترجمہ: اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے کامیاب

---

[1] (۱) الٓمّٓ (۲) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (۳) هُدًى (۴) وَالَّذِيْنَ ۱۲ (از مرتب)

کوئی قوم اپنی کتاب پر عمل کر کے مسلمانوں سے بازی نہیں لے جا سکتی۔ یعنی اس کتاب کی ہدایت سے ایسے آدمی پیدا ہوئے جن کے اوصاف اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب سب سے زیادہ ہدایت دینے والی ہے۔ غرض ان جماعتوں کے پیدا کرنے کا ذکر ہے جو اس کتاب اللہ نے پیدا کر دیں جن کا نام آگے چل کر مہاجرین اور انصار ہوا۔ یہی[۲۴] جماعت مسلمانوں کی مرکزی طاقت قرار پائی اور یہی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے مشن کو چلانے والی قرار پائی۔

۲۴ اسلام کی مرکزی جماعت »

قرآن حکیم کی تعلیم[۲۵] نے مکہ کی سوسائٹی میں لوگوں میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مکہ میں ابوجہل اور ابولہب جیسے آدمی اس سے مستفید نہ ہو سکے۔ آگے قرآن مجید اس کا جواب دے رہا ہے کہ یہ لوگ تو قرآن شریف کی تعلیم کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے۔ اگر اس کی تعلیم کو سنیں اور اس پر غور کریں تو پھر دیکھیں کہ طبیعتوں میں کس قدر انقلاب پیدا ہوتا ہے مگر انہوں نے تو قسم کھائی ہے کہ اس کی تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔

۲۵ کفار مکہ پر قرآنی تعلیم کا اثر کیوں نہیں ہوا؟»

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

یعنی اس تعلیم سے انکار کرتے ہیں اور ادھر دل سے غور بھی نہیں کرتے۔ تو یہ لوگ اس پروگرام کو نہیں مانیں گے ان لوگوں کا بیان سورہ مدثر اور نون میں ہے[۱]۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ ع

ترجمہ: مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے ﴿۸﴾

یہ ان کفار کا ذکر ہے جن کو سچی بات کے سننے سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ صداقت کو سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنے کان اس طرف متوجہ ہی نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے دل کو صداقت کی طرف مائل ہونے دیتے تھے۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹ پ۹) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ " ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں، کان رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھتے سنتے نہیں"۔ اس کی مثال[۲۶] ہے کہ ایک سمجھ دار آدمی ہے مگر بری عادتوں میں پڑ کر ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے کہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ جیسے النسان ہے۔ نکاح کرنے کی غرض و غایت یہ تھی کہ اس سے اولاد پیدا ہو مگر ایک اچھا بھلا توانا آدمی ہے مگر برے کاموں میں پڑ کر اس کو آتشک (سوزاک) لاحق ہو گیا ہے۔ اس کا علاج ڈاکٹر

۲۶ کفار کے لاعلاج مرض کی مثال »

ؔ۲۴ مولانا سندھی اس کی جگہ سنٹرل کمیٹی کے نام سے یاد کرتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے تحقیقی نوٹ زیر عنوان عترت کا قومی اور بین الاقوامی مفہوم زیر آیت ۱۲۴ سورت ہذا ۱۲ (م م)

ؔ۲۵ ملاحظہ ہو آیت ۸ تا ۲۵ اور آیت ۴۱ تا ۵۲ از سورۃ المدثر پ ۲۹ اور تشریح کے لیے قرآنی دستور انقلاب کا مطالعہ کیا جائے از قرآنی شعور انقلاب ص ۳۷۶ تا ۳۸۱، ص ۳۹۳ تا ۱۳۹۸ اور سورہ نون آیت ۸ تا ۱۵ پ ۲۹ ۱۲ (ع-ق)

نے یہ کیا کہ اس عضو کو ہی کاٹ ڈالا تاکہ بیماری آگے نہ بڑھنے پائے۔ اب اگرچہ اس کی صحت وغیرہ سب کچھ اچھی ہے مگر تولید کی قدرت نہیں۔ اسی طرح ان کفّار کا مرض لاعلاج ہے یعنی ان میں صداقت سُننے کا مادہ ہی فنا ہو چکا ہے۔

غرض ایک نہایت مفید اور عظیم الشّان تعلیم انہیں دی جا رہی ہے مگر یہ کم بخت اس کی طرف توجّہ ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بدعملی کی انہیں سزا دی یعنی ان پر لعنت کی۔ قرآن میں تو تاثیر تھی مگر لوگوں نے اس تعلیم سے فائدہ ہی نہ اٹھایا۔ ناحق اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔ ہر ایک دِل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُہر نہیں لگتی، بلکہ ان سنگدل لوگوں کے قلوب پر مُہر لگتی ہے جو نبی کی تعلیم کی پرواہ ہی نہیں کرتے نہ ہی ان کے دِل سچّائی کی طرف راغب ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے کان حق بات کو سُننا پسند کرتے ہیں اور نہ ان آنکھوں سے سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹﴾ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ ۙ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِۙ قَالُوۡاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں ﴿۸﴾ دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے ﴿۹﴾ ان کے دِلوں میں بیماری ہے، پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری، اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے، اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے ﴿۱۰﴾ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو مُلک میں، تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

"منافقین پر قرآن تعلیم کیوں اثر انداز نہ ہوئی؟!"

پہلا اعتراض یہ تھا کہ مکّہ کے لوگ مثلاً ابوجہل و ابولہب وغیرہ کو یہ کتاب مستفیض نہ کر سکی۔ اس کا جواب گزر چکا۔ دُوسرا اعتراض یہ ہے کہ مدینہ کے لوگ تو مُسلمان تھے، نماز بھی پڑھتے تھے مگر وہ اس کے ساتھ منافق بھی تھے۔ ان پر قرآنی تعلیم نے کوئی اثر نہ کیا۔ آگے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

مدینہ کے بہت سے لوگ بظاہر تو مُسلمان ہیں اور مُسلمانوں کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں مگر درحقیقت وہ مُسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں۔ جیسے عبداللہ بن ابی مدینہ طیّبہ میں ایک بارسوخ آدمی تھا اور آپ کی ہجرت سے پہلے وہ مدینہ کے لوگوں کا سردار بننے کو تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم مدینہ طیّبہ میں تشریف لائے تو اس کا اور چند آدمیوں کا خیال تھا کہ ہم مُسلمان ہو کر آدھی جاہ و حشمت اور عہدۂ جلیلہ حاصل کرلیں گے جو ہمیں قبل از اسلام حاصل تھے، مگر اسلام نے اس تمیز کو سرے سے اُڑا دیا اور اس نے اس کی بجائے متّقی اور صالح ہونے کی شرط لگائی۔ اس لئے ان لوگوں کو سخت ناگوار گزرا اور عداوت پر اُتر آئے۔ مرض[۲۸] سے مُراد ان کے دِل کے اندر جو حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے آنے سے اور ان کی سرداری کی اُمید ہونے سے جو درد اُٹھا اللہ تعالیٰ اُن کے مرض کو بڑھاتا ہے۔ یعنی جُوں جُوں اسلام کی ترقی دیکھتے ہیں ان کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کا مرض دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔

۲۸ منافقین کا مرض

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے ﴿۱۲﴾ اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف۔ جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے ﴿۱۳﴾

۲۹ "منافقین کا شیوہ اسلام اور مسلمان دُشمنی"

یہ منافق[۲۹] لوگ مُسلمانوں اور مشرکوں دونوں کی جماعت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مُدّعا یہ تھا کہ اسطرح ان دونوں جماعتوں میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ اگرچہ بظاہر مُسلمانوں کے ساتھ تھے مگر در پردہ ہمیشہ مُسلمانوں کے خلاف منصوبے باندھتے تھے اور اس طرح ہمیشہ مُسلمانوں کے دُشمنوں کو مدد دیتے رہتے تھے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ہنسی کرتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾

لے الہام الرحمان میں سورہ بقرہ کی آیت ۸ کی تفسیر میں مولانا سندھی نے مسلمانوں کی جماعت کو زندہ انقلابی اور آگے بڑھنے والی جماعت قرار دیا ہے اور منافقوں کو پیچھے رہ جانے والی "مردار، رجعت پسند اور دھوکہ باز ٹولی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کر سکتیں۔" الہام الرحمان فی تفسیر القرآن ص۴۳-۴۲، طبع سندھ ۱۲ (رم ام) (راز مقام محمود ص۱۳۵ طبع رشیدیہ)

شیاطین سے مُراد ان کے بڑے بڑے سردار ہیں۔ (غرض آیت نمبر ۸ تا ۱۴) تک بتلایا گیا کہ وہ مُسلمانوں کی مجلسوں میں صرف اس لئے آتے ہیں کہ ان سے مذاق کریں۔ نہ کہ قرآن حکیم سُننے کے لئے۔ اگر قرآن کو پڑھتے پھر اس پر غور کرتے تو اس کی تعلیم ان پر اثر کئے بغیر نہ رہتی۔ مگر اس کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا تو ان کا مقصد ہی نہیں۔ پھر قرآنی تعلیم سے کیا اثر ہو مثلاً ایک لڑکا سکول جاتا ہے۔ وہاں ہم جماعتوں سے ہنسی مذاق کرتا اور کھیل کُود کر واپس گھر آ جاتا ہے تو اب اگر یہ لڑکا تعلیم حاصل نہ کر سکے تو کتاب کا کیا قصور رہا؟

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ ﴿۱۵﴾

باپ کی شفقت، اُستاد کی تعلیم اور عادل بادشاہ کا انصاف، ان تمام صفات کے مجموعے کو لاکھوں اور کروڑوں سے ضرب دیجئے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تھوڑی سی جھلک دِکھلائی دے گی۔ عادل بادشاہ مُجرم کو ہمیشہ اس کے جُرم کی نوعیّت پر سزا دیتا ہے۔ جُرم سے زیادہ کبھی سزا نہیں دیتا۔ اسی طرح انسان کی بداعمالیوں کی سزا کا حال ہے۔ انسان جس قدر جُرم کرتا ہے اسی قدر اس کو سزا ملے گی۔ یہ خیال غلط ہے کہ ہر فعل کی سزا جہنّم ہے۔ موجودہ صورت میں قرآنی تعلیم جو فطرت پر مبنی ہے وہ انسان کے آگے پیش کی جا رہی ہے۔ مگر ان میں سے چند بدبخت (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اس فطرتی تعلیم پر ہنسی اور مذاق کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کارندے بھی اسی طرح ان لوگوں کا مذاق اڑائیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ ان اسباب کے ذریعہ ان کی تذلیل ہوگی۔ مثل مشہور ہے کہ موجودہ لال قلعہ اور دہلی شاہ جہان بادشاہ نے بنوائیں۔ حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ اس نے صرف حکم دیا تھا اور شہر کی تعمیر کرنے والے انجنیئر اور کاریگر تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان لوگوں کی ہنسی اڑائی جائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ استہزاء کیا ہے؟ اسی آیت کے اخیر میں ہے۔ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ یعنی ان کی سرکشی کی رسّی دراز کر دی جائے گی۔ یعنی وہ ہنسی مذاق میں مصروف ہیں اور ادھر اسلام دن بدن ترقی کر رہا ہے اور وہ اس کی تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ بعض اوقات کوئی تحریک ابتدائی درجہ میں شروع ہوتی ہے اور مخالفین دھڑا دھڑ اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔ اس وقت مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ انسان ان کے اعتراض کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے اور اعتراضات کو نظر انداز کر دے۔ اس لئے کہ اگر اس بحث میں پڑ جائے گا تو اصل مطلب فوت ہو جائے گا۔ ہاں جب یہ ابتدائی دَور سے نکل جائے تو اس وقت اعتراضات کے جواب دینے کا کافی موقع ہے۔

۳۰ "جرم کے مطابق سزا کا قانون"

۳۱ "منافقین پر استہزاء کی صورت"

۳۲ "ابتدائے تحریک میں معترضین کے ساتھ رویّہ"

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

ترجمہ: یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری اور نہ ہوئے راہ پانیوالے ⑯

۳۳ منافقین کا اسلام جاہ طلبی کے لیئے

منافقین کی اب دو قسمیں بتلائیں۔ ایک ۳۳ وہ جو اسلام سے پہلے سردار تھے اور اب انہوں نے اسلام صدقِ دل سے قبول کر لیا کہ مسلمان ہو کر بدستور سردار بنائے جائیں گے مگر اسلام تو اس قانون کا قائل ہی نہیں۔ وہ صالح اور متقی لوگوں کو سردار بنانے کا روادار ہے۔ انہیں اب چونکہ یقین ہو گیا کہ ان کو سرداری نہیں ملے گی تو وہ نا اُمید ہو گئے تو اسلام کے متعلق ان کے دِل میں کدورت آ گئی۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے تو اس تجارت میں منفعت نہیں ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ⑱

ترجمہ: ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا انکو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے ⑰ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں لوٹیں گے ⑱

۳۴ منافقین کی دو قسمیں

اب ۳۵ بتلایا جاتا ہے کہ ہنسی مذاق کرنے والے لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے اسلام کی تعلیم کو دیکھا مگر چند ذاتی اغراض کی وجہ سے اسلام کی پیروی چھوڑ دی۔ یعنی ان کے پاس روشنی پہنچائی گئی۔ انہوں نے روشنی دیکھی مگر غفلت یعنی ذاتی اغراض کے باعث وہ روشنی بجھ گئی۔ مطلب یہ کہ کسی نے آگ جلائی اور پھر بجھ گئی۔ ان کے دِل میں ایمان کی روشنی آئی مگر ان کی ذاتی ہوس یعنی سرداری کے خیال نے اس روشنی کو بجھا دیا۔ اب نہ تو وہ قرآن حکیم کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لیئے کہ انہوں نے ہدایت کا راستہ ترک کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اب ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ "ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ" یعنی ان کے دیکھنے کی آنکھ ماری گئی۔ اب اندھی ہو گئی آگ جلانے پر جو کوشش تھی وہ رائیگاں ہو گئی۔

۳۵ (۱) خود غرض جاہ پسند

(۱۸) صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ روشنی نہ ہونے کے باعث وہ اندھے ہو گئے اور حق کو باطل سے تمیز نہ کر سکے۔ ان کے کان تھے کہ حق کی بات سُنتے پھر اسے پرکھتے مگر انہوں نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ

ترجمہ: یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی — دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے، اور اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا (۱۹) قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں، جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

منافقوں کا دوسرا طریقہ

اب دُوسرے طبقے مُنافقوں کا ذکر ہے۔ ایک پیر کے پاس مُرید جاتے ہیں تو فرض نماز کے علاوہ وہ نفل تک وہاں ترک نہیں کرتے مگر جب گھروں میں واپس آجاتے ہیں تو نفل کُجا فرض بھی ندارد۔ (نفل تو کیا فرض بھی نہیں پڑھتے) ان کی مثال دی کہ بجلی چمکی تو انہوں نے راستہ دیکھ لیا یعنی مُرشد کی محفل میں نماز پڑھ لی۔ اگر بجلی نہ چمکی تو یہ اندھیرے میں ہیں یعنی آپ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۰)

اگر یہ (دوسرے طبقے کے منافقین) اپنے آپ کو درست نہ کریں یعنی قرآنی تعلیم پر مکمّل طور پر عمل نہ کریں تو ان کی حالت پہلے منافقوں کی طرح ہو جائے گی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: اے لوگو! بندگی کرو اپنے ربّ کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (۲۱)

دُوسری مُنافق جماعت کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی حالت کو سدھارو اور قرآن حکیم پر غور کرو۔ پہلی بات یہ کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے تمہارا کوئی حاکم نہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم عدالت قائم کر سکو گے۔ (دیکھو سُورۃ سجدہ[1])

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے، سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کا مقابل اور تم تو جانتے ہو ﴿۲۲﴾

آسمان و زمین اور پھل وغیرہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا کیں۔ فَلَا تَجْعَلُوْا اس کے سوا کسی کو حاکم نہ مانو وہی تمہارا حقیقی بادشاہ ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالم ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سُورت اس جیسی، اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو۔ اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ﴿۲۳﴾ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے ﴿۲۴﴾

قرآن کی پروگرام کا اعجاز

اگر تم اس کتاب یعنی قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرتے ہو تو جس قدر پہلی اُمتیں گزریں ان کی کُتبِ مُقدّسہ سے کوئی باب نکالو اور پھر اس کا اس کتابِ الٰہی یعنی قرآن سے مقابلہ کرو، پھر تم دیکھو گے کہ کون سا قانونِ الٰہی واجب العمل ہے، چوتھی صدی ہجری تک مُسلمانوں کا خیال تھا کہ "سُورت" سے مُراد قانونِ الٰہی ہے، مگر چوتھی صدی کے اخیر میں جب مُسلمانوں نے صرف و نحو تصنیف کی اور قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت پر نظر کی تو انہوں نے اس (یعنی قرآن) کو علم ادب میں ایک نایاب چیز پایا اور سُورت سے مُراد آیات لیں اور

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں یہ حوالہ نہیں ہے، غالباً اس سے سورت سجدہ کی آیت ۹ مراد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو، وہ ہے رب جہان کا" ملاحظہ ہو سورہ حٰم سجدہ آیت ۹ پ۲۴ ع ۱۶ ر ق

اس سے اعجازِ قرآن ثابت کیا ⁽²⁴⁾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ ترجمہ: (اس قانونِ الٰہی کا مثل تم دوسری کتبِ الٰہیہ سے نہیں لا سکتے تو لامحالہ تمہیں اسی قانونِ الٰہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا)

۳۸ "قرآن پر عمل اور اس سے انکار کا نتیجہ"

فَاتَّقُوا النَّارَ۔ (تو پھر بچو اس آگ سے) یعنی اس کے بعد بھی اگر تم اسے نہ مانو تو یقیناً تم اپنے لئے آگ خرید رہے ہو۔ اس لئے اگر تم اس قانونِ الٰہی پر عمل کرو گے تو تم دنیا کی حکومت کے وارث بن جاؤ گے اور اگر اس سے روگردانی کرو گے تو تمہارے لئے اس دنیا میں ذلت اور اگلی دنیا میں نارِ جہنم ہوگی۔ انسان جہنم کی آگ کا ایک قسم کا ایندھن ہے۔ بخار میں انسان کو ایک قسم کی آگ لگی ہوئی ہوتی ہے اور اس کا تمام جسم اس سے گرم یعنی آگ ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح جہنم میں بھی اس کے دل سے آگ نکلے گی جو اس کی بداعمالیوں کے سبب سے ہوگی۔ جس طرح بدپرہیزی یا خلافِ عادت یعنی خلافِ فطرت کام کرنے سے انسان بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بداعمالیوں کے باعث اس کے اندر سے آگ بھڑکے گی اور وہ اس قدر تیز ہوگی کہ اگر اس میں پتھر بھی ڈالیں تو وہ بھی پانی پانی ہو جائیں۔ جس طرح بخار والے آدمی کے پاس آدمی بیٹھ نہیں سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ (مزید شرح کے لئے دیکھو سورۃ الھمزہ)

۳۹ "انسانی بداعمالیاں آگ بنتی ہیں"

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⁽²⁵⁾

ترجمہ: اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے ⁽²⁵⁾

قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے والوں کے انعامات کی تفصیل بیان ہے۔ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ" اس سے مراد شام و عراق کی زرخیز زمینیں کی دنیا کی بھی ہیں۔ جنت کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے والوں کیلئے یہاں بھی جنت ہے اور آگے بھی جنت ہے۔ ہر جگہ خوش و خرم ہیں۔

۴۰ "اسباب و علل کے سلسلہ کی وسعت"

علم الکلام اور الکلام صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۳ مصنفہ علامہ شبلی میں ہے کہ عام جسمانیات میں اسباب و علل اور اثر و مؤثر کا سلسلہ ہے۔ مثلاً سنکھیا قاتل ہے، گلاب مُحرِّکِ نزلہ (نزلہ آور) ہے، املتاس مُسْہِل (دست آور) ہے۔ اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات میں بھی قائم ہے۔ نیک و بد جس قدر افعال ہیں۔ ان کا نیک یا بد اثر روح پر

؎۱ دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ ج۱۲؍۱ تتمہ باب چہارم ص: ۱۵۲ طبع مصر ۱۳۵۲ھ جس میں چوتھی صدی سے پہلے اور بعد کے مسلمانوں کا حال بیان کیا ہے، نیز ملاحظہ ہو قرآن پاک ۱۰۱، ۳۹، (۱:۱۶، ۱۷، ۹۰) ۱۲ (م ا م)

؎۲ دیکھیے قرآن حکیم ۲۴ : ۵۵ جس کا ترجمہ یہ ہے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ۱۲ (م ا م)

؎۳ ملاحظہ ہو تفسیر مقام محمود ص ۱۳۹ طبع علمی دار الکتب لاہور ۱۲ (ع۔ق)

مُرتّب ہوتا ہے۔ اچھے کاموں سے رُوح کو انبساط (خوشی) ہوتا ہے۔ بُرے افعال سے انقباض، آلودگی اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو اس سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چُرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی مُعاف بھی کر دے تو چوری کرنے سے اس شخص کی عزت پر جو داغ آ گیا وہ کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتا، غرض اچھے افعال سے رُوح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے، اور بُرے کاموں سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے اسی کا نام عذاب و ثواب ہے، اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالیؒ معنون بہ علی غیر اہلہ میں لکھتے ہیں کہ امر و نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی نہیں کہ خُدا کو غصہ آئے گا اور وہ انتقام لے گا، بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائے گا اس کی اولاد نہ ہوگی۔ طاعت و معصیت کی وجہ سے قیامت میں جو ثواب و عذاب آخرت میں ہوگا اس کی بالکل یہی مثال ہے۔ لہٰذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیوں ہوتا ہے۔ گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیوں مرتا ہے، (امام غزالیؒ) نے اس کتاب میں یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتوں کا حُکم دیا ہے یا جن باتوں سے روکا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے اور مُضر چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے اور مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہیں کرتا تو اس کو ضرر ہوتا ہے۔ یہ ضرر صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بد پرہیزی کی، لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ مریض نے چونکہ حکم کی نافرمانی کی اس لئے ضرر ہوا۔ حالانکہ ضرر کی اصلی علت' بد پرہیزی ہے۔ فرض کرو کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر تو ہوتا۔ اسی طرح خُدا گُناہوں کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا تاہم گناہوں کے ارتکاب سے رُوح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا۔[1] عذاب و ثواب اور معاد (آخرت) کی اصل حقیقت کیطرف قرآن حکیم میں جابجا اشارے بلکہ تصریحات مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

عذاب و ثواب کی حقیقت

(۱) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ۔ (۱۰۲: ۵ تا ۶) ہاں اگر تم کو علم یقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے۔ امام غزالیؒ اس آیت کے متعلق جواہر القرآن میں لکھتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یعنی دوزخ خود تمہارے اندر موجود ہے"

(۲) وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (۲۹: ۵۴) (کُفار تجھ سے کہتے ہیں کہ عذاب جلدی آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافروں کو ہر طرف سے چھپا لیا ہے) امام غزالیؒ اس آیت کے متعلق جواہر القرآن میں لکھتے ہیں کہ خُدا نے یہ نہیں کہا کہ دوزخ آئندہ محیط ہو جائے گی۔ بلکہ یہ کہا کہ ابھی اسی وقت محیط ہے۔

(۳) إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (۱۸: ۲۹) (ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہے جس کے پردوں نے ظالموں کو گھیر لیا ہے۔ امام غزالیؒ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ خُدا نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ گھیر لے گی (بلکہ یہ کہا کہ اس وقت گھیر لیا ہے)۔ امام غزالیؒ ان آیات کی تفسیر کے بعد

---

[1] ملاحظہ ہو علم الکلام اور الکلام شبلی نعمانی صفحہ ۲۰۱-۲۰۳ طبع دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور۔

لکھتے ہیں۔ تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہیں سمجھ سکتے تو تم کو قرآن حکیم سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہائم کو گیہوں میں سے صرف بھوسہ ہاتھ آتا ہے[1]۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھّر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے، سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے ربّ کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں، کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے، گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو، اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو، اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو ﴿٢٦﴾ جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدے کو مضبوط کرنے کے بعد، اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں، وہی ہیں ٹوٹے والے ﴿٢٧﴾

(حاشیہ: ۴۲ "قرآن میں ادنیٰ مثالیں کیوں؟")

شاہانہ کلام میں اگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں دی جائیں تو اسے عیب سمجھا جاتا ہے مگر یہ تو کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش تھی کہ قرآن میں مکھّی اور مچھّر جیسے ناتواں جانوروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ مکھّی اور مچھّر کی مثال سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا۔ ایسی ادنیٰ مثالیں دینے سے مُدّعا یہ ہوتا ہے کہ ضعیف الاعتقاد لوگ جو اعتراض کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کی تمیز ہو جائے۔ حالانکہ اگر وہ مکھّی اور

---

[1] مسئلہ عذاب و ثواب کو سمجھانے کے لئے صاحبِ امالی نے علم الکلام شبلی سے یہ بحث اپنی طرف سے اضافہ کی ہے۔ جیسا کہ آخر میں صاحب امالی نے یہاں تصریح کی ہے کہ یہ عبارت مولانا سندھیؒ کی نہیں ۱۲

ملاحظہ ہو علم الکلام اور الکلام صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳ طبع مذکور

مچھر کی مثال پر غور کریں تو ان کو اس سے بہت سے سبق ملیں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوا جس قدر معبود سمجھے جاتے ہیں وہ مکھی سے بھی کمزور ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو فاسقین سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں فاسقین کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ (مزید تفسیر آیت ۲۱ تا ۲۷)

۴۳ قرآن حکیم کا پروگرام

یَاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا الآیہ اس آیت میں قرآن حکیم کا پروگرام ذکر کیا گیا ہے اور باقی قرآن اس پروگرام کی تفصیل ہے۔ لوگوں نے طرح طرح کے ڈورے ڈال کر نوعِ انسانی کو غلام بنانے اور اس کی عقل کو کج فہم بنانے کے لئے تجویزیں سوچ رکھی ہیں۔ کہیں تو اس کا نام طرزِ حکومت رکھا اور کہیں اس کا نام وطنیت رکھا اور کہیں اس کا نام مذہب رکھا۔ غرض انسان کے سوچنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اب قرآن حکیم نوعِ انسانی کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ جب انسان خدا کو بھول کر راستہ ڈھونڈنا چاہتا ہے تو خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ پہلے یہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے کہ اے انسانو! تم خدا کے بندے اور غلام بن جاؤ اپنے اوپر کسی انسان یا فرشتہ کو حاکم مت بناؤ اور ربّ اور خالق فقط ایک خدا ہے۔ جیسے انسانی فطرت اس کی گواہ ہے۔ پرورش کرنے والا وہ ایک خالق ہے۔ دوسروں کے دست نگر مت بنو۔ جب تم کو اس نے پیدا کیا تو تمہاری پرورش کا سامان وہی کرے گا۔ جیسا کہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مکالمہ کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی اور وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ قبل زمانی ہو یا رُتبی ہو سب کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کی پرورش کرنے والا وہی قدّوس بے ہمتا ہے، تو دولت مندوں کو اپنا پرورش کرنے والا مت بناؤ۔ نہ کسی ولی، مُرشد کو اپنا ربّ سمجھو۔ تم اس بات میں ان سے کم نہیں ہو اور کسی زندہ یا مُردہ پھندے میں مت پھنسو۔ تم کو خُدا نے آزاد پیدا کیا ہے، آزاد رہو۔

۴۴ (الف) نوعِ انسانی کو آزادی دلانا

۴۵ "آزادئ رائے کا مساویانہ حق"

جب انسان کسی سوسائٹی میں اور مجمع میں داخل ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سوسائٹی کے نظام میں میرا رُتبہ مُساوی ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ دولتمندوں اور بڑے آدمیوں کی بات سُنی جائے اور میرے نظریہ کی کوئی وقعت نہ ہو تو انسان کی اس خواہش کو اگر نہ مانا جائے تو انسان اس سوسائٹی سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے، اور سوسائٹی کی بربادی اس سے ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کی آزادئ رائے کا حق ماننا یہ پہلا زینہ اصلاح اور ترقّی کا ہے۔ احسن نظام تب قائم ہوتا ہے جب آزادئ رائے کا حق دیا جاتا ہے۔ اگر کسی کی رائے غلط ہو تو اس کو سمجھانا چاہیئے نہ کہ دبا دینا چاہیئے، اب آزادی رائے سے مساوات پیدا ہوتی ہے تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم اللہ سُبحانہٗ کے غلام بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی دُوسرے کو اپنے اوپر حاکم مت بناؤ، تو اس سے تقویٰ پر پہنچ جاؤ گے۔ تقویٰ کے معنی حضرت

۴۶ "تقویٰ کا مفہوم"

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس خداوند تعالیٰ کے قول "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" کے تحت فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ "علمائے تقویٰ کے معنی میں اختلاف کیا ہے اور حقیقت متقی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ پرہیزگاری خداوند تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ

بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ[3] جو ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اس آیت کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اموی خلیفہ نے خطبہ جمعہ میں داخل فرمایا ہے[4]

---

[1] اصل مسودہ میں ۲۱ تا ۲۷ کی بلاعنوان دوبارہ تفسیر کی گئی ہے جبکہ مطبوعہ نسخہ میں یہاں آیات ۲۱ تا ۲۴ کی مزید تفسیر کا عنوان قائم کیا گیا اور اس میں آیت ۲۵ تا ۲۷ کی تفسیر پہلے ذکر کر دی گئی ہے۔ ہم نے یہاں اصل مسودہ کی ترتیب کو ہی باقی رکھا کیونکہ یہ تفسیر ایک مستقل مضمون کی مانند معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲ (ع۔ق)

[2] ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین مترجم فارسی مع عربی از علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی ص ۳۸۴ مطبع امید لاہور در فصل فی اقاویل المشیوخ بالتوبۃ ۱۲ (ع۔ق) نیز دیکھئے عربی مع اردو ایڈیشن ص ۵۲۹ مکتبہ سعودیہ کراچی ۱۲ (م ام)

[3] آیت کا ترجمہ یہ ہے اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نا معقول کام سے تمکو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ ملاحظہ ہو سورۃ النحل آیت ۹۰ پ ۱۴ ۱۲ (ع۔ق)

[4] فوائد موضح الفرقان از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحت ۱۶ : ۹۰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ ص ۲۸۵ (م ام)

اس آیت میں اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ بڑے معنی رکھتا ہے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جو شخص جس چیز یا رتبہ کا طالب ہو اس کو وہ حق دیا جائے جس کا وہ حق دار ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ خداوند قدوس کے بندے بن جاؤ تو تم خلوت پر پہنچ جاؤ گے۔

(۴) سر ۴۴ بنیادی ضروریات کا حق

یہاں تک تو آزادی رائے پیدا کرنا مقصود تھا اور آیت اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا میں پیٹ کی گزران اور مکان اور پینے کے لئے پانی اور ہوا کا ذکر ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کو ایک آزاد رائے کی ضرورت ہے، اور دوسری چیز کھانے پینے وغیرہ کی ہے۔ انسانی ضرورتوں کو شمار کرو اور تحلیل کرتے جاؤ تو ان دونوں ضرورتوں پر جا کر ختم ہوں گی تو اب انسان کو فرش کی ضرورت ہے جس پر بیٹھ کر وہ کام کاج شروع کرے تو زمین پر حق تعالیٰ نے مُساوی طور پر حق دیا اور فرمایا اے انسانو! تمہارے لئے مُساوی طور پر زمین کو فرش بنایا۔ یعنی تمہارے لئے زمین فری اور آزاد ہے اور وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً۔ آسمان کی روشنیاں اور ہواؤں کو تمہارے لئے مُساوی طور پر چھت بنایا اس میں تم سب شریک ہو۔ یہ روشنی اور ہوا جیسے دولت مندوں کا حق ہے ویسا ہی تمہارا بھی حق ہے اور یہ آزاد ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔ تو پانی بارش سے برستا ہے اس میں ہر ایک مُساوی طور پر حصہ دار ہے۔ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔ تو ان اسبابوں سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے۔ ان چیزوں کا ثمرہ (نتیجہ) تمہارا رزق ہے۔ اس میں تمہارے زندہ رہنے کے اسباب ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

سر ۴۸ شرک کا غیر فطری ہونا

آپ سے یہ توقع ہے کہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا نِد کے معنی ہیں ضد اور مقابل یعنی اللہ تعالیٰ نے جیسے ان چیزوں کو آزاد رکھا اور تمہارے زندہ رہنے کے لئے آزاد بنایا ہے تو تم کو چاہیئے کہ کسی ایک کی ملکیت ان کو مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ کے بالمقابل اس کی بادشاہی مت بناؤ کہ وہ ان تمام چیزوں پر قبضہ کر کے خود مختار ہو جائے اور اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ کر کے ان اشیاء کو جو تمہارے لئے پیدا کیا تھا اس پر بندش ڈال کر تم کو غلام بنائے گا۔ پنجابی میں ضرب المثل ہے کہ "مار نہ گُٹ پیٹ جا گھُٹ" زمین پر قبضہ کرے گا اور ثمرات اور رزق پر محصول لگائے گا۔ غرض زمین کو آزاد کراؤ! جو اس پر کام کرنا چاہے اس کو آزادی دلواؤ! وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ لوگوں کے ضمیر سے اپیل ہے کہ تم علم اور سمجھ والے ہو کر ایسا کام کرتے ہو۔ زمین کو آزاد رکھنے کا علم ہر ایک انسان کو ہے۔ آگے فرماتے ہیں وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ۔ اگر قرآن حکیم کی تعلیم میں تم کو شک ہے کہ یہ منزل من اللہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں تو قرآن حکیم جو تعلیم دے رہا ہے اس کے برخلاف لاؤ۔ وہ لوگ جو کیپی ٹالسٹ (سرمایہ دارانہ ذہنیت والے)

سر ۴۹ "آزادی فطری احساس ہے"

سر ۵۰ "قرآنی پروگرام کا اعجاز"

لہ۔ اصل (قلمی نسخہ) اور مطبوعہ نسخہ دونوں جگہ آیت اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ کے اور "اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی" کی تفسیر کے درمیان مذکورہ عبارت دی گئی جو بالکل بے جوڑ ہے، لہٰذا ہم نے اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی "کی تفسیر کے بعد اسکو ذکر کیا ۱۲ (ع۔ق)

ٓہ بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب اس لئے کام میں مشغول ہیں کہ تو (اے انسان) ایک روٹی ہاتھ میں لے سکے اور اسے غفلت کے ساتھ نہ کھائے سب تیرے واسطے کوشش کرنیوالے اور حکم اٹھانیوالے ہیں، تو پھر یہ انصاف کی بات نہیں کہ تو خدا تعالےٰ کا تابع فرمان نہ ہو (ملاحظہ ہو خطبہ گلستان سعدی ۱۲ ع۔ق

ہوتے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی یہ تعلیم آزادی کی کیسے منزل من اللہ (اللہ کی طرف سے) ہو سکتی ہے۔ یہ تو تخریب ہے اور دولتمندوں کی تباہی اور بربادی۔ تو کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایک سورت قانون مثلاً یَاأَیُّهَا النَّاسُ سے لے کر أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تک کی لاؤ۔ جس میں ہو کہ انسان آزاد رائے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسروں کے غلام بن کر رہو اور پیٹ و مسکن (مکان) کے محتاج رہو۔ زبردست اور مستبد (ظالم) حاکم ہوں۔ ایسی سُورت ایک لاؤ اور جو سمجھدار آدمی ہوں اُنہیں، لاؤ جو اس پر شہادت دیں مگر ایسا ہرگز نہ کرسکو گے تو اللہ سے ڈرو۔ "مثل" کے معنیٰ یہ نہیں کہ دوسرے لفظوں میں اس معنیٰ کو دُہراؤ۔ کیونکہ یہ معنیٰ تو مطلب قرآن حکیم ہے بلکہ اس تعلیم کے برخلاف لاؤ۔

(۲۵) أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ الخ: متشابہ کا مطلب (واللہ اعلم بالصواب۔) رنگ برنگی است کہ گلستان نہ جائے دل تنگی است" یعنی جنت گوناگوں رنگوں والی ہے کیونکہ وہ دل تنگی کی جگہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے (واللہ اعلم بمراد کلامہ) کہ فاحشہ عورتیں نہ ہوں گی (۲۶) یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا: جس کالج کے طلبہ نصف پاس ہوں تو اس کے پروفیسروں کو اعلیٰ محنتی اور اس کورس کو اعلیٰ کورس سمجھا جاتا ہے اور وہ اعلیٰ کالج شمار ہوتا ہے مگر پھر اس کی بھی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ جو تعلیم نہیں پاتے فیل ہو جاتے ہیں (چنانچہ آگے ارشاد ہے وَمَا یُضِلُّ بِهٖ: ۔ فاسق بدچال لوگ جن کی بدچالی اظہر من الشمس ہے اگر گمراہ ہوں تو وہ پہلے بھی گمراہ ہیں جیسا کہ اُن کی صفات آگے آرہی ہیں [1]

سرخی ۵۔ فاسقین کی صفات: (۱) نقض عہد (۲) قطع رحمی (۳) فساد فی الارض

یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ: کسی مجبوری اور معذوری سے اگر کوئی شخص وعدہ پورا نہ کرسکا تو وہ دُوسری بات ہے۔ اس جگہ ان فاسقوں کا ذکر ہے [۵] جو صرف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، ذرا سا موقع پایا جھٹ وعدہ توڑ دیا۔ وَیَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ الخ: صلہ رحمی نہیں کرتے۔ یعنی اپنے والدین اور عزیز و اقارب سے اچھا برتاؤ نہیں کرتے۔ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْأَرْضِ: احکامِ الٰہی کی پابندی نہیں کرتے، بلکہ مُلک کے انتظام میں خلل ڈالتے ہیں۔ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی لوگ فاسق ہیں اور یہی لوگ صریحًا نقصان میں ہیں۔

سرخی ۶۔ "قانونِ الٰہی قوموں کی زندگی اور ترقی کی راہ ہونا ہے"

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ نے قانون عطا کیا۔ مُسلمانوں نے اس پر عمل کرکے ترقی کی۔ اب تم دیکھتے ہوئے، سمجھتے ہوئے اسی قانون سے منحرف ہونے کا خیال کس طرح دِل میں لا سکتے ہو۔ قانونِ الٰہی سے منحرف ہونا گویا خدا

[1] اصل (قلمی نسخہ) میں عبارت کے اندر تکرار اور بے چیدگی تھی، جبکہ مطبوعہ نسخہ میں تلخیص ہے لہٰذا راقم نے اصل سے مکرر عبارت کو حذف کر دیا اور وضاحت کے لئے بین القوسین عبارتوں کا اضافہ کیا (ع۔ق)

سے انکار کرنا ہے ۔ جب تمہیں قانونِ الٰہی پر اعتبار نہیں تو تم اللہ تعالیٰ پر کیسے یقین کر سکتے ہو ۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا الخ ۔ تمہاری[۵۳] حالت نہایت گری ہوئی تھی مگر قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے تم دوبارہ زندہ ہو گئے ۔ مطلب یہ کہ قانونِ الٰہی کو ہر وقت مدِّ نظر رکھو ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے قانون کا خیال تمہیں ہر لمحہ رہے مثلاً گندم کا دانہ لیجئے ۔ اسے زمین میں بوتے ہیں تو بالکل سُوکھا ہوتا ہے مگر بارش یا پانی کے باعث اسے دوبارہ زندگی ملتی ہے ، پھر وہ دوبارہ اُگتا ہے ۔ یعنی جب گندم کا دانہ بویا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ موسم میں بویا جائے اور ہر طرح کی پیش بندی اور اس کی حفاظت کی جائے ۔ زمیندار ہر ممکن طریقہ سے اس کی نگہداشت اور پرورش کرتا ہے ۔ تب کہیں جا کر وہ ثمر آور ہوتا ہے ۔ اسی طرح قوم کی زندگی کا حال ہے ۔ قوم میں بھی اسی طرح بیج بویا جاتا ہے ۔ زمیندار یعنی قوم کے بزرگ قوم کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیّت کا خیال رکھتے ہیں تو پھر کہیں قوم گندم کے دانہ کی طرح دوبارہ زندہ ہوتی ہے ۔ انسان دانہ ، گھاس (اناج ، سبزی) کھاتا ہے وہ اناج زمین سے پیدا ہوتا ہے وہاں سے نُطفہ ہوا ۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ الخ ۔ تم دیکھتے[۵۴] ہو کہ اپنی پیدائش سے لے کر زندگی بھر میں تم اپنے خُدا کے ساتھ وابستہ ہو ، لہٰذا اس کے قانون پر عمل کر کے تم دُنیا میں ہر قسم کی ترقی کر سکتے ہو ۔ مرنے کے بعد جو زندگانی ہے اس میں بھی تم اس سے وابستہ ہو ، پھر تم اپنے اللہ تعالیٰ کا کیسے انکار کر سکتے ہو ۔ غرض بتلایا جا رہا ہے کہ قانونِ الٰہی کی پیروی سے قوم زندہ ہوتی ہے ۔

[۵۳] قومیں کس طرح زندہ ہوتی ہیں

[۵۴] " قوموں کی احیاء اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے "

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ : وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب ، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان ۔ اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے ﴿۲۹﴾

اللہ تعالیٰ[۵۵] نے تمہیں ایسا قانون دیا کہ اس پر عمل کرنے سے تم زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو ۔ دریاؤں سے نہریں نکال کر کھیتی باڑی سے زمین کو شاداب کر سکتے ہو ۔ سمندر میں جہاز و کشتی تیرا سکتے ہو ۔ ہوا میں ہوائی جہاز چلا سکتے ہو ، اس کے ذریعہ پنکھا گھما کر مشین چلا سکتے ہو وغیرہ ۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ اس کے بعد آسمان کی طرف متوجّہ ہوا یعنی جسطرح تم قانونِ الٰہی کی پابندی سے زمین کی چیزوں سے اِستفادہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح آسمانی برکتوں سے مستفید ہو سکتے ہو ۔ غرض آیت نمبر ۲۱ سے ۲۹ میں قرآن کی حقانیت بتلائی گئی کہ قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے زمین و آسمان کی برکتوں سے انسان استفادہ حاصل کر سکتا ہے ۔ (۳۰) سے لے کر (۳۹) تک[۵۶] بتلایا جا رہا ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کی پابندی

[۵۵] " قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے زمین و آسمان کی برکات کا حصول "

[۵۶] قانونِ الٰہی کی پابندی فطری تقاضا اور حکومت کے حصول کا ذریعہ ہے "

کرے اور اس پابندی کا نتیجہ حکومت کا عطا ہونا ہے۔ یہ ایسی چیزیں نہیں کہ انسان کے سر پر خواہ مخواہ ٹھونس دی جائیں بلکہ انسانی فطرت انسان کو اس طرف مجبور کرتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۳۰)

ترجمہ: اور جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب، کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہاتے، اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو فرمایا بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (۳۰)

ملائکہ کی ضرورت[۵۷]

موسم گرما میں جب سورج نصف النہار پر ہو تو کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں کہ سورج کی طرف نظر بھر کر دیکھے اور ایک ساعت اگر وہ بالفعل اس کی طرف نگاہ کرے تو اس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور اس حالت میں اگر وہ کسی دوسری طرف نگاہ کرے گا تو اس کو تاریکی ہی دکھلائے گی۔ غرض یہ راز تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی نگاہ سے پردہ میں ہے۔ انسانی آنکھ میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ ذاتِ اقدس کا جلال دیکھ سکے، آنکھ اٹھائی نہیں کہ خیرہ ہوئی نہیں۔[۵۷] اب ضروری ہے کہ اس کی ذاتِ اقدس اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہو جو اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ اس درمیانی واسطہ کو ملائکہ کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ان کے قائل ہیں۔ ہندو دھرم میں دیوتاؤں کے نام سے بھی مانے جاتے ہیں۔ غرض دنیا کے تمام مذاہب ان کے وجود کے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں۔

آدم اور اس کی فطرتِ خلافت[۵۸]

آدم سے مراد نوعِ آدم ہے (قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے "تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کرنے والا ہوں سورہ الحجر آیت ۲۸ پ ۱۴ ع ۳) اس کی فطرت میں خلافت یعنی حکومت کا مادہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اس کا مقابلہ فرشتوں سے ہوا۔

قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ الخ اس سے انکار نہیں کہ انسان دنیا میں مفسد ہے اور قتل و غارت بھی کرتا ہے مگر اسے جیسا کہ آیت نمبر ۳۱ سے معلوم ہوگا ایک وسیع علم دیا گیا ہے۔ اس لیے فرشتوں کا اندازہ کہ انسان صرف مفسد ہی ہے غلط تھا۔ انسان میں اگرچہ بدی کا مادہ بھی ہے مگر اس میں نیکی کی سرشت بھی رکھی گئی ہے۔ اگر انسان نیکی کی طرف متوجہ رہے تو بدی پر غالب رہے گا اور اس طرح فرشتوں سے بھی افضل ہو جائے گا۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس فرشتوں کے رو برو اسی قوتِ نیکی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

---

۵۷ اصل رقلمی نسخہ میں بین القوسین والی عبارت نہیں ہے مطبوعہ نسخہ سے اضافہ کی گئی ملاحظہ ہو مقام محمود ص ۱۵۹ مطبوعہ رشیدیہ (ع ۔ ن)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور سکھا دیئے اللہ نے آدمؑ کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے، پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو ﴿۳۱﴾ بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا ﴿۳۲﴾ فرمایا اے آدم! بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیئے اس نے ان کے نام، فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو ﴿۳۳﴾

امام فخر الدینؒ رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو چیزوں[۵۹] کی خاصیتیں اور ان کے نتائج سے آگاہ کیا اور اسی طرح آدم علیہ السلام کو علم دے کر اسے فرشتوں سے فوقیت دی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب لکھتے ہیں کہ جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں خرما (کھجور) کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک تدبیر خاص اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس خرما کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کے موسم کی تاثیر جانتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ خوب اُگے گی اور اس کی پیداوار کے متعلق بعض بعض باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے علم کی استعداد آدمؑ کو دی گئی۔ جس کی مدد سے وہ سمندر میں جہاز تیراتا ہے، ہوا سے پنکھا گھما کر مشین چلاتا ہے، آبشار سے بجلی پیدا کرتا ہے۔

[۵۹] "انسان کے اندر اشیاء میں خواص کی پرکھ کی استعداد کی وجہ سے حکومت کی قابلیت"

(۳۲ تا ۳۳) انسان کا جب فرشتوں سے مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسماء الہیہ بتلائے جس سے وہ فرشتوں پر برتر رہا ہے اور ان سے گوئے سبقت (سبقت کی بازی) لے گیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان علم اور حکومت میں فرشتوں سے ممتاز ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ انسان میں قابلیت دی گئی کہ وہ ہر ایک چیز کے خواص کو پہچانے، فرشتوں کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا، اور جب وہ ان چیزوں کے خواص سے آگاہ ہی نہیں تو وہ حکومت کیا خاک کریں گے۔ انسانوں کو یہ تمام خاصیتیں دی گئیں اور اس سے وہ

ہر ایک چیز کو پرکھ سکتا ہے۔ اسی لئے وہ حکومت کے قابل ٹھہرا۔ مثلاً اگر انسان ایک غیر آباد جزیرے میں تربیت پائے جو شہروں سے بالکل دُور ہو اور کسی سے کسی قسم کا راہ و رسم نہ رکھے تو وہ طبعی طور پر آہستہ آہستہ ترقی کرے گا۔ زراعت کا انتظام تک چلا سکے گا اور اسی طرح اس غیر آباد جگہ کو آباد کرے گا اور پھر آہستہ آہستہ ایک شہر کی بنا رکھ کر حکومت کی تیاری کرے گا۔ غرضیکہ یہ علم تھا جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے حواس دیئے ہیں کہ وہ ان سے ہر ایک چیز کے مُتعلق اندازہ لگا لیتا ہے مثلاً ناک سے ہر ایک چیز کو سُونگھ لیتا ہے۔ کان سے ہر بات کو سُنتا ہے۔ آنکھ سے فاصلہ دراز دور کی چیزیں دیکھتا ہے۔ دماغ سے ہر ایک قسم کا سائنٹیفک کام لیتا ہے۔ غرضیکہ اس علم کی بناء پر اسے حکومت عطا کی گئی۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

ترجمہ: اور جب ہم نے حُکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان، اس نے نہ مانا اور تکبّر کیا اور تھا وہ کافروں میں (۳۴) اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنّت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو،

دُنیا پر انسان، جنّ، ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ ان تینوں[۶۰] پر ایک حاکم مقرر کرنے کی مصلحت تھی۔ فرشتے تو درحقیقت انسان کے معاون کے طور پر ہیں اور جنّات بھی فرشتوں کی مانند نظر سے اوجھل ہیں۔ اس لئے انسان کو حاکم بنایا گیا۔ سجدہ کے معنی ہیں جُھکنا۔ خواہ رکوع اور سجود سے ہو۔ مُدّعا یہ تھا کہ سجدہ کرا کر انسان کو سب پر فضیلت دی جائے اور سب کو اس کے ماتحت رکھا جائے۔ غرض[۶۱] آدم علیہ السّلام کو تمام مخلوقات سے افضل کیا اور حکمرانی کے لئے مُنتخب کیا اور دُوسروں کو کہا گیا کہ تمہارا سرِ اطاعت انسان کے آگے خم ہوگا۔ انسان[۶۲] کو اختیارات دیئے گئے اور ساتھ ہی اسے (خُدا کا) غلام رہنے کی تاکید بھی کی گئی۔ اسے قانونِ الٰہی دیا گیا تاکہ اسے دُنیا میں نافذ کرے۔ اس کا نام خلیفہ یا نائب ہے۔ خلیفہ کو فطری قانون اپنے اوپر تسلیم کر کے حکومت کرنی سکھلائی گئی۔ یعنی وہ خود بھی قانونِ فطرت کے ماتحت رہے گا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ قانونِ عمومی[۱] اور قانونِ الٰہی کا پابند رہے۔ اسی لئے اسے خلیفہ یا اللہ کا نائب کہا گیا۔ حکومت تو اللہ کی ہے اور اس کے جو قانونِ فطرت ہیں، یہ خلیفہ کا کام ہے کہ ان کو دُنیا میں رائج کرے۔ رسول ترجمان ہے۔ رسول کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترجمانی کرے۔

سن ۶۰ "انسان کی حاکمیت کو تسلیم کرنا"

سن ۶۱ "خلافت کی ذمہ داری اور قانونِ الٰہی کی پیروی کا حکم"

سن ۶۲ "رسول کا کام اور خلیفہ کا کام"

---

[۱] قانونِ عمومی (UNIVERSAL LAW) قانونِ فطرت (LAW WORKING IN THE NATURE) اور قانونِ الٰہی (DIVINE LAW) تینوں ایک ہی قانون ہیں جس کے تحت نظامِ عالم چل رہا ہے ۱۲ (م ام)

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪

ترجمہ: اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم۔ پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔

نمبر ۶۳ "آدم کو جنت میں رکھنے کا مفہوم"

اس کے بعد آدمؑ و حواؑ کو جنت میں رکھا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو مدعا یہ تھا کہ حکومت کرے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آدمؑ کو تمام کائناتِ عالم پر برتری اور فوقیت دینی منظور تھی۔ آدمؑ کو باغ میں رکھا جہاں اسے راحت کے ہر قسم کے سامان مہیا تھے۔ تکلیف اور مصیبت کے نام سے اس کے کان نا آشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ باغ میں سے جس قدر میوہ تم چاہو کھاؤ۔ اس کے ساتھ ہی حکم ہوا کہ تم کو اس باغ میں نہ تو پیاس ہی محسوس ہو گی، نہ تم اپنے آپ کو برہنہ پاؤ گے جس سے تمہیں تن پوشی اور ستر پوشی کی ضرورت پڑے، نہ تو بھوک پیاس محسوس ہو گی اور نہ سورج کی تپش تمہیں پریشان کرے گی۔ غرض آدم علیہ السلام کی راحت کے تمام سامان اس جگہ مہیا کر دیئے گئے۔ اس سے بڑھ کر آدم علیہ السلام کی تسکین کے لئے حوا کو آپ کے ساتھ رکھا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۹ میں بھی مذکور ہے اور حکم دیا کہ اس درخت کے پاس مت جانا، ورنہ تم اپنی جان پر بہت ظلم کرو گے۔

نمبر ۶۴ انسانی مزاج اور فرشتوں کی فطرت میں فرق"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام ملائکہ کو ایک جگہ جمع کیا گیا اور پھر انہیں حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے آگے گر پڑو اور سجدہ کرو بلکہ مدعا یہ تھا کہ ملائکہ جو اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک قسم کا واسطہ ہوتے ہیں ان پر انسان کو افضل دکھایا جائے۔ جب انسان اپنے علم اور روحانی طاقت کے زور سے مکمل انسان بن جاتا ہے تو نیکی کی قوت جو فرشتوں میں ہوتی ہے انسان اس پر غالب آجاتا ہے اور بدی کی طاقت جو انسان میں بدستور ہوتی ہے وہ نیکی کی قوت سے مغلوب رہتی ہے۔ فرشتوں میں صرف نیکی کی قوت ہے برائی کا مادہ ان میں پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ جب انسان کی نیکی کی قوت، بدی پر غالب آتی ہے تو وہ فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ غرض اسی طرح فرشتوں کے روبرو انسانی فضیلت کا مظاہرہ کیا گیا، ابلیس نے چونکہ سجدہ نہیں کیا، اس لئے وہ درگاہِ الٰہی سے راندا گیا۔

نمبر ۶۵ "ابلیس کی آدمؑ سے مخالفت"

غرض یہ بنا تھی جس پر آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان نفاق کی آگ بھڑک اٹھی، اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تنبیہہ کی کہ اس سے خبردار رہیو یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے اور پھر تمہیں رنجیدہ اور آزردہ نہ ہونا پڑے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں رکھنے کا مدعا یہ تھا کہ آرام اور عافیت اور خوشی و خرمی سے زندگی بسر کریں۔ جس میں کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت نہ ہو۔

ل؎ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں جن ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا وہ ہمارے نزدیک ان ملائکہ عُنصریین میں سے تھے کہ جن میں سے ابلیس بھی تھا، یہ ملائکہ فلکیین تھے۔ بس وہ عُقدہ بھی حل ہو جاتا تھا جو اس آیت کے پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے کہ "وہ جن کی قوم سے تھا" اس لئے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی" تو آلا ابلیس میں استثناء متصل ہے۔ (الخیر الکثیر صفحہ ۱۱۹، طبع کراچی اُردو ترجمہ عابد الرحمان صدیقی ۱۲ (ع۔ق)

اب سوال یہ ہے کہ درخت سے کیا مُراد ہے۔ قرآن حکیم نے مرد اور عورت کے تعلّقات کو نہایت لطافت اور خوش اسلوبی سے بیان ہے۔ سُورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۷ میں ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ یعنی عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو اور سُورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۳ میں نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ بالجملہ حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدائش کے بعد جب باغ میں رکھا گیا تو انواع و اقسام کے میوہ جات اور ہر قسم کی خُوشی و خرّمی کے مُہیّا ہونے کے باعث نشو و نما پرورش پا کر جوانی کو پہنچ رہے تھے، اور ان میں خواہشاتِ نفسانی کا پیدا ہونا ضروری امر تھا۔ اس لئے پہلے ہی تاکید کر دی گئی تھی کہ دیکھو کہ اس درخت[1] یعنی زن و شو کے تعلّقات کو نہ چھُونا یعنی اس کی طرف مائل نہ ہونا شیطان تو انسان کا دُشمن چلا آتا تھا اور آدم کو دھوکہ دینے پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ جیسا کہ سُورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶ میں ہے۔ اس نے قسم کھا کر آدم اور حوا کو ان کے مُحسن ہونے کا یقین دلانا شروع کیا۔ جیسا کہ سُورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰ میں مذکور ہے۔ شیطان نے قسم کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اگر تم زن و شو کے تعلّقات قائم کرو گے تو تمہارا نام قیامت تک زندہ رہے گا اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوگا۔ جس طرح شجر نشو و نما سے پھلتا پھُولتا ہے اسی طرح تمہاری نسل بھی قیامت تک پھلتی پھُولتی رہے گی۔ شجر سے جو لوگ شجرۂ نسب تعبیر کرتے ہیں اس میں بھی یہی راز مُضمر ہے۔

حکمت ربّی بھی یہی تھی کہ انسان کی نسل پھلے اور پھُولے۔ جب اس طرح کُنبہ ہو جائے گا تو اس سے سوسائٹی پیدا ہوگی اور بعد میں حکومت کرنے کا مادہ پیدا ہوگا۔ ماں جب بچے کا دُودھ چھُڑانا چاہتی ہے تو پستان کے اوپر کڑوی سی چیز لگا دیتی ہے تاکہ بچہ خود ہی دُودھ سے نفرت کرے اور بچے کو وہم و گمان بھی نہ ہو کہ اس کی ماں اس سے دُودھ چھُڑانا چاہتی ہے۔ اسی طرح حکمت ربّی بھی اس امر کی مقتضی تھی کہ نسلِ آدم کا سلسلہ بڑھے اور وہ ناممکن تھا جب تک کہ آدم علیہ السّلام اور حوا میں میاں بیوی کے تعلّقات قائم نہ ہوں۔ غرض آدم علیہ السّلام شیطان کے سبز باغ دکھانے میں آ گئے۔ اس وقت بہیمیّت کا غلبہ ہوا اور ملکیت پر غالب آ گئی اور شیطان کی قسم پر اعتبار کر کے اس شجرہ کے وہ نزدیک گئے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا یعنی وہ بیوی سے ہم بستر ہوئے۔ جیسا کہ سُورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۱، ۲۲ میں مذکور ہے۔ ایک تو شیطان نے قسم کھا کر فریب دیا دُوسرا آغازِ جوانی تھی۔ ان سے حُکم کی نافرمانی ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے عتاب میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غفور و رحیم ہے۔ ان کی ندامت پر ان کی خطا سے درگزر کیا گیا۔ یعنی اس نافرمانی کا اثر ان کے دِل سے دُور ہو گیا اور جب تک ان پر یہ گناہ کا اثر طبع میں تھا تو کچھ سوچ سمجھ نہ سکتے تھے اور ارتفاقات (دُنیاوی مُعاملات) کی طرف توجّہ نہ تھی۔ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ نافرمانی نہ تھی بلکہ اسی خطا کا کرنا بھی ہماری فطرت میں رکھا ہوا ہے اور بخشش کی رحمت ان کے دِل کو تسلّی دینے لگی[1] اب وہ زمین و آسمان پر غور و فکر کرنے لگے اور تمام مسائل کو سوچنے لگے کہ کس طرح حیات کا بقا، اور رُوحانیات کی ترقی ہوگی۔ اب باقی

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس واقعے کی تشریح یوں کرتے ہیں، "اس خاص درخت کا پھل کھانے سے آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا

"شجرہ" کے قریب جانے کا مفہوم" — سر ۶۶

کہ اس سے تم جنت سے خارج ہو جاؤ گے اور نہیں تکلیف پہنچے گی، ان کے دل میں یہ بات بھی آئی کہ اگر وہ اس درخت کا پھل کھالیں گے تو انہیں ہمیشگی حاصل ہوگی اور ان کی نوع باقی رہے گی۔ آدم علیہ السلام پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا اور وہ متحیر و متردد ہو گئے وہ نہیں جانتے تھے کہ اب کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نسیان کی حالت طاری کر دی اور وہ بھول گئے، پھر ان کے سینہ میں داعیہ شہوت پیدا ہوا اور انہوں نے اس درخت کے پھل کو چکھ لیا انہوں نے یہ سمجھا کہ خلد کے معنیٰ جنت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ ان کا یہ خیال وسوسہ شیطانی تھا۔ (تاویل الاحادیث مطبوعہ حیدرآباد طبع ۱۹۶۶ء ص ۱۴۰) حضرت سندھی نے الہام الرحمان میں اس خاص درخت کو تعلقات زن و شو کی صورت میں متشکل قرار دیا۔ حضرت علامہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی مدظلہ فرماتے ہیں، "شجرہ ممنوعہ" کے بارے میں تفاسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں مگر کسی قول پر کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے کوئی سند نہیں، علامہ محدث قاضی بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ شبلی حنفی متوفی ۷۶۹ھ نے "احکام المرجان" میں اس اختلافی مسئلہ پر مستقل ایک فصل قائم کی چنانچہ فرماتے ہیں۔

اختلف المفسرون فی الشجرہ التی نہی آدم وحواء عنہا فقیل ھی الکرم ... و تزعم یہود انہا الحنطۃ ... وعن مجاھد التینۃ وقال ابوالعالیۃ کانت شجرہ التینۃ وقال ابوالعالیۃ کانت شجرۃ من اکل منہا احدث ولا ینبغی فی الجنۃ الحدث انتہیٰ ملخصاً۔

مفسرین نے اس "شجرہ" کے بارے میں جس سے آدمؑ و حواءؑ کو منع کیا گیا تھا اختلاف کیا ہے بعض کے مطابق انگور، یہود کے زعم میں گندم اور مجاہد سے یہ انجیر کی روایت ہے ابوالعالیہ فرماتے ہیں وہ ایک ایسا درخت تھا جس نے اسکو چکھا وہ مُحدِث (ناپاک) ہو گیا حالانکہ جنت کے ماحول میں مُحدث (والاحدث) مناسب نہیں۔

علامہ بدرالدینؒ نے یہ اقوال مختلف مفسرین رحمن کا ذکر طوالت کے خوف سے ہم نے چھوڑ دیا) سے نقل کئے پھر آخر میں فیصلہ فرماتے ہیں۔

وقد ابہم اللہ تعالیٰ ذکرھا وتعینھا ولو کان فی ذکرھا مصلحۃ تعود الینا لعینھا لنا کما فی غیرھا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر اور تعین کو مبہم رکھا اگر اس کے ذکر میں ہمارے نفع میں کوئی مصلحت ہوتی تو دوسری باتوں کی طرح اس کی بھی تعین فرما دیتے۔

علامہ بدرالدینؒ نے ابن جریر سے ابن زیدؒ کے حوالہ سے ایک روایت شیطان کے ورغلانے اور آدم و حواء کے شجرہ سے انتفاع پر نقل کی ہے، جس میں یہ بھی مذکور رہے۔

" درخت سے پھل چکھنے (مجامعت کا مزہ اٹھانے) کے بعد جب شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں (تو پہلے سادہ پن اور بداوت کی وجہ سے ان پر پوشیدہ رہتی تھیں) تو آدم علیہ السلام جنت میں بھاگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے پکارا اے آدم کیا مجھ سے بھاگتا ہے عرض کیا نہیں لیکن تجھ سے حیاء کی بناء پر فرمایا اے آدم، تو کہاں سے آیا عرض کی حواء کے پاس سے اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب میں اس کو (ربلوغت کی وجہ سے) ہر ماہ ماہواری کے خون سے دوچار کروں گا اور اسکو کم عقل بنا دوں گا جب کہ وہ بردبار پیدا ہوئی تھی اور اس کو حمل اور وضع حمل کی مشقت برداشت کرنیکا عادی بنا دوں گا" ملاحظہ ہو احکام المرجان ص ۲۰۱

الحاصل قرآنی کنایات " ولا تقربا " " ذاقا الشجرۃ " ابو العالیہ کی روایت اور آخر الذکر روایت کا سیاق و سباق تمام تائیں حضرت امام سندھیؒ کے استنباط کی تائید کرتی ہیں جس سے انسانیت کی ارتقاء کی ابتدائی حالت کا عقدہ انتہائی آسانی سے کھل جاتا ہے یاد رہے روایت کے ترجمہ میں بین القوسین کی وضاحت حضرت سندھیؒ کے مسلک کے مطابق ہماری اپنی طرف سے ہے ۱۲ (ع۔ق)

؎ یہاں سے آخر تک عبارت مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے، ہمارے پاس اصل مسودہ میں موجود ہے، ۱۲ (ع ق)

رہی یہ بات کہ یہ بہشت آسمانی تھی یا زمین پر۔ آسمانی بہشت میں شیطان کا داخل ہونا ممکن نہیں اس لئے امام ابن قیمؒ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ زمین پر آسمانی قوتوں (مثالی قوتوں) سے پیدا ہوئی تھی اور دوسرا یہ کہ آسمانی بہشت تھی مگر آدم میں دو قوتیں تھیں۔ ملکیت، بہیمیت اور معراج کے معنی ہیں کہ شئی اپنی معدن میں پہنچ جائے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی کہ ملکیت اپنی معدن میں پہنچ گئی اور بہیمیت بھی اس کے ساتھ تھی تو جب آدم اور حوا کو معراج ہوتا تو زمین پر آجاتے کیونکہ ملکیت اپنی معدن میں تھی۔ رُوح اپنے معدن میں تھا اور جسمِ خاکی کو معراج زمین پر آئی یہاں شجرہ کا معاملہ ہوا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک ﴿٣٦﴾

اس کے بعد ۶۷ آدم و حوا کو اس حالت سے نکالا اور ان کو غیر آباد زمین میں آباد کیا گیا اور کہا گیا کہ تم کھیتی باڑی کرو اور اپنی روزی آپ پیدا کرو۔ اس کے ساتھ ہی تاکید کردی کہ اگر ہمارے احکام کی تابعداری کرو گے تو پہلی جنت سے اعلیٰ جنت عطا کی جائے گی۔ غرض ان کو پہلی جنت سے نکالنے میں بھی مصلحت تھی کہ اگر قوانینِ الٰہیہ پر کاربند رہیں گے تو اس سے اعلیٰ جنت ان کو دی جائے گی۔ ایسا کئی دفعہ ہوا کہ کھیت کے ڈنٹھل جلا دیئے گئے تو اس سے کھیت میں اعلیٰ قسم کا کھاد تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے نکالنے میں اسی کی بہتری کا راز مضمر تھا۔

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے ربّ سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر، بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا ﴿٣٧﴾

اللہ نے انسان کو کلمات سکھلائے جس سے اس کو تسکین ہوئی پھر ۶۸ وہ اپنی کھیتی باڑی میں اور جسمانی، مادی اور رُوحانی ترقی میں لگ گیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا

خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ ، ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب ، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۳۸﴾

انہیں جنّت سے نکال کر زمین پر رکھا گیا اور کہا گیا کہ محنت اور مشقّت کرو اور کھاؤ پیو ! جمیعا سے مُراد ہے آدم علیہ السّلام اور اس کی زوجہ اور اس کی اولاد جو جنّت میں پیدا ہوئی۔

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ۔ اس قسم کی غلطیوں کے واسطے آئندہ کے لئے اس طرح روک تھام کی جاتی ہے کہ تمہارے پاس ہماری طرف سے نبی آئیں گے ۔ اگر ان کی پیروی کرتے رہو گے تو جسطرح آدم علیہ السّلام کو از سرِ نو پاک کر کے بزرگی دی گئی اس طرح تمہارے مراتب بلند کئے جائیں گے ۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ : اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۹﴾

اس کے بعد بھی جو قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرے گا ان کے لئے دُنیا میں ذلّت اور آخرت میں عذاب جہنّم ہے ۔ خَالِدُوْنَ ۔ خلود بمعنی[۶۹] ٹھہرنا یا اقامت کرنا یا عرصۂ دراز تک اقامت کرنا اس لئے خَالِدُوْنَ کے معنی ہوئے اقامت کرنے والے اور ابدالاباد تک اقامت کرنا مُراد نہیں جیسا کہ غلط خیال ، عام ہوگیا ہے[۱]۔

۶۹ ”خُلد کا مفہوم“

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۔ جب[۷۰] ایک قوم جہنم کو مانتی ہی نہیں تو اسے جہنّم کا خوف دلانے سے کیا فائدہ؟ مطلب یہ ہے کہ انسان کو قانونِ الٰہی دیا گیا مگر اس نے اس اعلیٰ قانون کی نہ پیروی کی نہ قدر کی ۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں اب وہ مامون و محفوظ نہیں ہے ۔ ان کا مال ، جان ، عزّت اسلامی نقطۂ نگاہ سے اب محفوظ نہیں ۔ اب ان کی یہ تمام چیزیں خطرے میں ہیں اس لئے کہ اسلام کے امن کی آغوش میں وہ نہیں رہے ۔ وہ ہر وقت اس خطرے کو محسوس کرتے ہیں ۔ یہی آگ ہے جس میں وہ جل رہے ہیں ۔ یعنی ان کو تسکینِ قلوب حاصل نہیں اور اس سے بھی ایک بڑی آگ ہے جو ان کے لئے اگلی دُنیا میں ہے ۔ مثلاً[۷۱] ایک امیر نے ایک محل بنایا اور باغ رکھا اور اس میں استراحت کے کمرے اور کھانے پینے کے اسباب رکھے اور اس کی رہائش عام کر دی گئی اور ایک قانون اس کی رہائش کے لئے لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا کہ فلاں جگہ سونا اور فلاں جگہ پاخانہ پھرنا اور فلاں رکابی میں جو طعام ہے وہ اوّل کھانا وغیرہ ۔ تمام قانون سہولت کے لئے لکھ کر لٹکا دیئے اور آخر میں لکھ دیا کہ جو شخص خلاف ورزی کرے گا اس کو یہاں سے نکال دیا جائے گا تو مثلاً ایک شخص استراحت کے کمرے میں پاخانہ پھرتا ہے تو ایسے شخص کو محل سے نکال دیا جائے گا ۔ اس دُنیائے جہاں کو بھی اسی طرح خیال کرو کہ اس کے رہنے کے لئے قانون انبیاء علیہم السّلام نے بنا

۷۰ ”اصحاب النار کو دُنیا اور آخرت دونوں جگہ عذاب“

۷۱ ”قانون کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے“

---

[۱] اس مسئلہ پر تفصیلی کلام حضرت امام سندھی رح نے تفسیر سورہ الانشقاق از مقام محمود (پارہ ۳۰ عم) میں فرمایا ہے ، ۱۲ (ع - ق)

بیئے ہیں اور جو خلاف ورزی کرے گا اس کو ذلت سے نکال دیا جائے گا۔

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِىٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰىَ فَٱرْهَبُونِ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو میرا قرار تو میں پورا کروں تمہارا قرار اور مجھ ہی سے ڈرو۔

نوٹ: "دین کے قیام کے لیے حکومت ضروری ہے"

نعمت:۔ علم اور حکومت یعنی قومی حکومت ہم اُسے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہیں۔ دماغ کی ترقی کے لئے (علم) دین کا ہونا ضروری ہے، اور دین کو قائم کرنے کے لئے حکومت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکومت دی اور جب تک وہ قانونِ الٰہی پر کاربند رہے اس وقت تک حکومت ان کے قبضہ میں رہی اور جب نافرمان ہوگئے تو حکومت ان سے چھن گئی اور ان کی بجائے قانونِ الٰہی پر عمل کرنے والی قوم یعنی مُسلمانوں کو عطا کی گئی۔ اس سُورت کی چند پہلی آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ عربوں کی حالت اس قُرآن یعنی قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے سُدھر گئی۔ اب قرآن حکیم بتلا رہا ہے کہ اسلام سے پہلے بہت سی متمدّن اور مہذّب قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ مگر ان کا تمدّن ایک برباد شدہ چیز ہے جو اس زمانہ میں رائج نہیں ہو سکتا اور نہ اس وقت اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اس وقت ایک اور مکمّل قانونِ الٰہی کی دُنیا کو ضرورت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ) جو دُنیا کو راستبازی اور امن اور تمدّن کا سبق دے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرآن حکیم نازل ہوا۔ موجودہ زمانہ میں پہلی کتابوں سے اس وقت کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس زمانہ کی ضروریات کا متکفّل (ضامن) بھی قرآن ہی ہے غرض عہد اللہ سے مراد ہوتی ہے۔ کتاب اللہ، اس کتاب اللہ کے ذریعے قوموں سے اللہ تعالیٰ معاہدہ کرتا ہے کہ یہ کتاب تم کو دی جاتی ہے اس کے احکام پر پورے طور سے عمل کرو! ہم تم کو دُنیا میں بڑی بڑی حکومتیں اور آخرت میں جنّت عطا کریں گے۔ تو اب کہا جاتا ہے کہ تورات کو قائم کرو۔ اس میں جو احکام ہیں ان پر پورا پورا عمل کرو تو ضرور تم کو احتیاج ایسے قوانین کی پڑے گی جو قرآن حکیم بتلا رہا ہے۔ تو پھر اس زمانہ میں حکومت قائم کر سکو گے۔

نوٹ ۳: "قرآن سے پہلے جملہ تمدن فرسودہ ہو چکے ہیں"

نوٹ ۴: "عہد اللہ سے مراد اللہ کی کتاب ہے"

وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اُتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو

سب میں اوّل منکر اس کے، اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا، اور مجھ ہی سے بچتے رہو (۴۱)

"۵۔ مضمونِ کریم کے بارے میں سابقہ کتب کی پیشین گوئیں"

تورات میں پیشین گوئی ہے (۱) کہ بنی اسرائیل کے بنی موسیٰ علیہ السلام کی مانند ایک نبی ان کے بھائیوں سے آئیگا (کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ و ۱۸) بنی اسرائیل کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ایسا نبی موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہیں آیا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعوٰی نہیں کیا کہ وہ وہی نبی ہیں، مگر جب وہ نبی آگیا تو بنی اسرائیل پر فرض تھا کہ وہ اس نبی پر ایمان لاتے مگر وہ ایمان نہیں لائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آغازِ نبوت ہی میں فرمایا تھا کہ وہ مثیل (مانند) موسیٰ ہیں، اور قرآنِ حکیم اس کے متعلق متعدد بار ذکر کرتا ہے (۲) کتاب استثنا باب نمبر۶ آیت نمبر۱ تا ۱۰ میں ہے۔" اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خدا وند سینا سے آیا اور ساعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشین شریعت ان کے لئے تھی۔" غرض تورات کی اس بشارت میں کوہِ سینا کو جناب موسیٰ ؑ سے اور کوہِ ساعیر جناب عیسیٰ علیہ السلام سے اور کوہِ فاران کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علی الانبیاء کلھم سے نسبت دی (۳) کتاب پیدائش تورات آیت ۱۰۔۱۳ باب ۱۶ میں ہے کہ خدا وند کے فرشتے نے اُس (ہاجرہ) سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خُداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خُداوند نے تیرا دکھ سُن لیا اور وہ وحشی[1] آدمی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔ (اسماعیل کا ترجمہ اسمع ایل یعنی خُدا نے سُنا) اور تورات میں جو "وحشی" کا لفظ ہے اصل میں ترجمہ کرنے والے کی غلطی ہے۔ اس جگہ لفظ "بیابان کا رہنے والا" ہوگا۔ چونکہ بیابان کے رہنے والا ہوگا تو ہمیشہ اس کی اولاد لڑائی بھڑائی کرنے والی ہوگی۔ (۴) اور کتاب پیدائش آیت نمبر۶ تا ۸ باب ۱۷ میں ہے) اسماعیل کی پیدائش پر خُداوند ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہوا کہ "میں تجھے بہت برومند کروں گا اور قومیں تیری نسل سے ہوں گی اور بادشاہ تیری اولاد میں سے برپا ہوں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی سب پشتوں کے لئے اپنا عہد جو ابدی (ہمیشہ کا عہد ہوگا) باندھوں گا تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خُدا ٹھہروں (۵) اسماعیل علیہ السلام سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اسقدر محبت تھی کہ جب اسے اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے خُدا سے کہا کہ "کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔"

(کتاب پیدائش ۱۷ آیت ۱۸) (اور ایک آیت کے بعد ہے)

تب خُدا نے کہا کہ "اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اسی سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔"

(کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت نمبر ۲۰[2]) (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں (کتاب یوحنا یعنی انجیل میں ہے

---

[1] برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور مطبوعہ ۱۹۳۵ء کے تحت کتاب مقدس مترجم نسخہ میں ہے کہ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا ملاحظہ ہو صـ ۱۶۳ ۱۲

[2] ملاحظہ ہو حوالہ مذکور ۱۲ [3] ملاحظہ ہو حوالہ مذکور صـ ۱ ۱۲ (ع-ق)

باب ۱۴ آیت ۱۶، میں باپ (اللہ تعالیٰ) سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں فارقلیط (ترجمہ میں اسے دوسرا مددگار دکھلایا گیا ہے حالانکہ حقیقی ترجمہ "احمد" ہے وہ) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (آیت ۱۶) لیکن فارقلیط (اس کا مددگار ترجمہ کر دیا گیا ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب باتیں سکھلائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ (باب ۱۴ آیت نمبر ۲۶) جب وہ فارقلیط (انجیل میں مددگار ترجمہ کر دیا گیا ہے) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (باب ۱۵ آیت ۲۶، ۲۷) لیکن تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (بائبل میں مددگار ترجمہ کر دیا گیا ہے۔) تمہارے پاس نہیں آئیگا اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (باب ۱۶ آیت نمبر ۷) لیکن جب وہ فارقلیط (یہاں ترجمہ رُوحِ حق کیا گیا اس کے مصداق بھی ہمارے نبی اکرمؐ ہیں) آئے گا تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (باب ۱۶ آیت ۱۳ کتاب یُوحنا) غرض اب تورات اور انجیل کی پیش گوئی کی تکمیل اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اس نبی کا دُنیا میں ظہور ہو مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور عیسیٰ علیہ السّلام کی پیش گوئی کے مُطابق وہ نبی دُنیا میں آتا ہے تو بنی اسرائیل اس سے مُنکر ہو جاتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ بنی اسرائیل اپنی کتاب کو خود جھٹلاتے ہیں۔ ایک قانون ایک نبی ایک اُمّت کو دیا جاتا ہے، مگر نبی ساتھ ہی کہہ دیتا ہے کہ میرے بعد فلاں نبی آئے گا۔ وہ اس قانون کی تکمیل کرے گا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ قانون ایک محدود عرصہ تک دیا گیا ہے۔ یعنی دوسرے نبی کے آنے تک ہی یہ نافذ رہے گا۔

(حاشیہ: "اھلِ کتاب کا خود اپنی کتابوں سے مُنکر ہونا")

یہود نے بہت مدت سے تورات کو غیر معمولی (IMPRACTICABLE) ٹھہرا کے چھوڑ دیا تھا کہ اس کے قوانین اب زمانہ میں نہیں چل سکتے۔ وہی احکام قرآن حکیم نے بتا کر اس کو عملی صورت میں لایا اور اس قانون پر عمل کرنے کے لئے ایک بڑی سمجھ دار جماعت پیدا کر دی تو اس سے ثابت ہوا کہ اساسی قانون تورات کے سچّے تھے تو یہود کو چاہیئے تھا کہ اس دعوت کو لبیک کہتے مگر انہوں نے چونکہ دیکھا کہ قرآن حکیم ان کی جزئیات مخصوصہ قومی کو ردّ کرتا ہے تو وہ بگڑ بیٹھے۔ حالانکہ وہ جزئیات زمانہ میں چل نہیں سکتی تھی۔ نہ وہ جزئیات تورات کے اساسی اصول تھے۔

(حاشیہ: "قرآن نے اساسی قانون کو عملی شکل دی")

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ. بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس نبی کی نبوت سے انکار کرو گے تو پہلی کتابوں کی پیشین گوئیوں میں شکوک پیدا کرو گے۔ اس لئے کہ اس نبی آخر الزّمان کے مُتعلّق حضرت ابراہیم علیہ السّلام (دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا) اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تمام اولوالعزم پیغمبر پیشین گوئیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ غرض انکار احکام القرآن یستلزم انکار احکام التوراة وھو کفر متفق علیہ۔ (غرض احکامِ قرآن سے انکار کر کے تورات کے احکام کا انکار لازم آتا ہے جو متفق علیہ کُفر ہے۔) اس کے مرتکب تم اوّلاً مت بنو یعنی پیشوائے کافرین مت بنو وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ایک

(حاشیہ: "قرآن کے انکار سے تورات و انجیل کا انکار لازم آتا ہے")

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب مقدس مذکور (دینا عہد نامہ) ص۹۹ ۱۲ ۲؎ حوالہ مذکورہ ۱۲

۳؎ یہاں مذکورہ مطبوعہ نسخہ میں جملہ " یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے " سے اپنی طرف سے تفسیر کی گئی، بالفرض اگر " روح حق " کی یہ تفسیر اور ترجمہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کے مصداق بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بنتے ہیں ۱۲ (ع ـ ق)

۴؎ ملاحظہ ہو حوالہ مذکور ص۱۰۱ ۱۲

۵؎ حوالہ مذکور ص۱۰۱ ۱۲ ۶؎ حوالہ مذکور ۱۲

۷؎ اس سے مراد دین کے وہ اصول ہیں جو احکام کی حکمت ہوتے ہیں اور وہ غیر تبدل ہوتے ہیں۔ قرآن ان اساسی اصولوں کی بشارتوں کی تصدیق تو کرتا ہے لیکن جزئیات تورات کو واجب الاتباع قرار نہیں دیتا الہام الرحمان ص۱۰۱ ۱۲ (م ا م)

مذہبی سوسائٹی ہے۔ وہ چند[۷۹] مذہبی قانون جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان پر جماعت کو آگاہ نہیں کرتی اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ لوگ اس پر عمل درآمد نہ کر سکیں اور جب انہوں نے لوگوں کو احکام بتلائے لوگوں نے عمل نہ کیا تو وہ مذہبی سوسائٹی کی ساکھ نہ رہی۔ اس لئے وہ آئندہ اس قسم کے سخت قوانین یا کسی اور قسم کے قوانین لوگوں کو نہ بتلائے گویا وہ اپنی اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک قلیل رقم پر فروخت کر رہے ہیں۔ وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ تقویٰ کے معنی ہیں۔ قانون انصاف کی پابندی کرنا یعنی میرے قانون کی پابندی کرو۔

۷۹ "یہودیوں کا ذاتی مفاد کیلئے قانون کے سخت پہلوؤں کی پابندی نہ کرانا"

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر ﴿۴۲﴾

۸۰ "تلبیس حق کا مفہوم"

[۸۰] (۱) انسان کے مدِّنظر دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد مثلاً جہاد مقصد ہے اور حج اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد، حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھ کر آئندہ قتال کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدانِ جنگ میں سخت مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط (فراوانی سے) سامانِ جنگ خرید سکے۔ اب[۸۱] صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے۔ گو یہ بھی فرائض سے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا۔ اسی کا نام ہے سچ میں جھوٹ ملا دینا۔ (۲) بنی اسرائیل کو دینی حکومت عطا کی گئی مگر انہوں نے اسے اب دنیاوی حکومت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس میں صرف سہل اور مطلب کے قوانین نافذ کئے، باقی کو ترک کر دیا۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ اور نہ ہی اصل قوانین یعنی سچ کو چھپاؤ۔

۸۱ "مقصود کے ذرائع پر زور دینا خود مقصد کو ضعف کر دینا ہے"

تورات میں نبی آخر الزمان کی آمد کے متعلق صاف پیشین گوئی تھی مگر اس[۸۲] کی اب بنی اسرائیل اپنے الفاظ میں تاویل کرنے لگے اور اسی طرح سچائی کو جھوٹ سے ملاتے تھے اور "فارقلیط" کی تاویل کر دی ورنہ "فارقلیط" کے صحیح معنی "احمد" ہیں جیسے "خطباتِ احمدیہ" مصنفہ سر سید احمد میں ہے۔

۸۲ "غلط تاویل کرنا"

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾

[۸۳] اب ابتدائی فرائض کو ٹھیک مطلب کے لئے ادا کرو، جس سے اصلی مقصد پورا ہو۔ وَارْكَعُوْا جو جماعت اصلی مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہے اور کوشاں ہے تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ۔ یعنی جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ٹھیک اور درست طریقہ پر ادا کرتے ہیں تم ان کے ساتھ فوراً شامل ہو جاؤ۔ یہ

۸۳ "اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کی اجتماعی حکمت"

لے جب علماء اپنے فرض منصبی کو چھوڑ دیں اور اللہ کے وہ احکام جن پر عمل کرنے سے ٹیسا انعام حاصل کر سکتے ہیں کو چھوڑ کر دنیاوی منافع حاصل کرنے میں مشغول ہو جائیں تو ان پر یہ آیت صادق آئے گی کہ "انہوں نے اللہ کی آیات کے عوض تلیل ثمن حاصل کر لی" (الہام الرحمان جلد ۱ ص ۱۰۱) ۱۲ ع۔ق

لے الہام الرحمان میں حضرت امام سندھی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ایسے ہی جو شخص مستحبات اور سنن کو واجبات اور فرائض کی شکل قرار دے اور مستحبات اور سنن کی حقیقت کو چھپا دے اسے بالکل فراموش کر دے تو گویا اس نے بھی حق کو باطل سے ملا دیا۔

۱۔ ہمارے ملک میں سب سے اہم اور مقصود بالذات کام ہندوستان کو یورپی سامراج کے تسلط سے آزاد کرانا اور غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ لیکن اکثر سوسائٹی نے اس کام کو بالکل فراموش کر دیا، سوائے امام شاہ ولی اللہ کے متبعین کی قلیل جماعت کے بلکہ اس کی بجائے (قربانی) میں گائے کے ذبح کو اپنے دین کا اہم امر قرار دے دیا اور اس قدر نہ سمجھ سکے کہ گائے کے ذبح کرنے کا مسئلہ ہندوستان پر اسلامی غلبہ کی ابتداء میں تھا تاکہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں امتیاز حاصل ہو یعنی یہ ان کے غلبہ پانے کا ایک وسیلہ تھا لیکن مذہبی طبقہ اس حقیقت کو بھول گیا۔ الٹا اس مسئلہ کو شکل فرض اور واجب کے قرار دیکر سامراج کا مقصد "ڈی وائیڈ اینڈ رول" کو پورا کر دیا۔

تمام مسلمانوں کے ہاں دین کی اساس قرآن پاک ہے۔ احادیث بمنزلہ شروح اور حواشی کے ہیں، اسی طرح منطق، نحو، صرف، معانی، بدیع، بیان اور دیگر علوم جیسے اصول فقہ اصول حدیث سب قرآن تک پہنچنے کے ذرائع ہیں، لیکن آج مذہبی طبقہ نے ان تمام چیزوں کو مقصود بالذات بنا دیا اور قرآن (کی حکمت عملی پر غور و فکر اور عمل کرنے) کو چھوڑ دیا۔ البتہ امام ولی اللہ کے اتباع سے ایک قلیل جماعت اس سے مستثنیٰ ہے تو یہ بھی حق کو چھپانا اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ ملا دینا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں میں یہی صفت تھی۔ (ملاحظہ ہو الفوز الکبیر) الہام الرحمان جلد اوّل ص ۱۰۱، ۱۰۲ حیدر آباد سندھ (ع۔ق)

ہی بین الاقوامی طریقہ ہے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ﴿۴۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب، پھر کیوں نہیں سوچتے ہو ﴿۴۴﴾ اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔ اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر ﴿۴۵﴾ جن کو خیال ہے کہ وہ رو برو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۴۶﴾

اگر عام لوگوں میں امام مسجد یہ خیال پھیلائے کہ جمعرات کے دن مُردوں کی رُوحیں کھانے کے لئے آتی ہیں تو اس طرح لوگ جو اس عقیدے کے قائل ہیں وہ بھی خوش رہتے ہیں اور امام مسجد کی روٹی کا ذریعہ بھی قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی آدمی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے کہ مُسلمانوں کے درمیان یہ ایک گمُراہ کن خیال ہے تو نہ صرف عام مُسلمان ہی اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے بلکہ امام مسجد بیچارے کا تو حلوا مانڈہ بھی بند ہو جائے گا۔ اب بنی اسرائیل کے عُلماء کو حکم ہوتا ہے کہ اگرچہ تمہیں نقصان ہی اُٹھانا پڑے تم پھر بھی اس حالت میں قانونِ الٰہی کو پھیلانے کے لئے مُکمّل جدّوجہد کرو۔ اس راستہ میں اگر مُشکلات بھی پیش آئیں تو ان پر صبر کرو اور پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ اس کام کی طاقت وہمّت بھی صرف انہی لوگوں میں ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کی اُمید ہوتی ہے اور انہیں اس بات کا خوف ہے کہ کل اللہ تعالیٰ کے رو برو سب حساب وکتاب دینا پڑے گا۔ وہاں کسی قسم کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے بلکہ اپنے اللہ کے ہاں سُرخرو رہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل موجود تھے ان کے لئے ان آیات میں بتلایا گیا کہ اگر وہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے میں مُسلمانوں کے ہم شریک ہوں گے تو ان سے حکومت نہیں چھینی جائے گی بلکہ مُسلمانوں کے ساتھ وہ بھی حکومت میں شریک ہوں گے۔

يٰبَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کیئے اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر ﴿۴۷﴾

نعمت = علم وحکومت یعنی قومی حکومت[1] وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ: ہم نے ایک ایسی کتاب دی جس کے اتباع سے قوموں کے سردار بن سکتے ہیں۔ قوم میں اگر چند افراد قابل ہوں تو قومی حکومت بنا سکتے ہیں اور

---

[1] تحقیق گذر چکی ہے لاحظہ فرمایئے: صـ ۱۲

اگر قوم قابل ہو جائے تو بین الاقوامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا پروگرام بین الاقوامی حکومت بنانے کا تھا مگر ان کی قوم اس قابل نہ ہو سکی کہ اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔ اس لئے آخرکار ان سے حکومت لے لی گئی۔ موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتی۔ اس لئے آخرکار تباہ ہو گئی۔

(۱) قرآن حکیم میں زیادہ یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا ہے اور دُنیا کی باقی متمدّن قوموں کے حالات کو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذکر صرف مثال کے طور پر آیا ہے۔

(۲) قُرآن حکیم دُنیا بھر کے لئے تعلیم پیش کرتا ہے۔ اس کی دو صُورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کسی قوم یعنی عرب یا قُریش کو دُنیا بھر کا شہنشاہ بنا دیں۔ اس طرح جیسا کہ ہم پہلے سوچتے تھے کہ عرب کا ایک بادشاہ دُنیا میں سب سے بڑا ہو گیا تو اس سے ترقّی ہو جائے گی مگر اب ہم نے سمجھا کہ یہ خیال غلط ہے۔ اگر قوم ترقی کر کے آگے نہ بڑھے گی تو دُوسری قومیں اس کو برباد کر دیں گی۔ ہندوؤں میں برہمن اور مُسلمانوں میں سادات ان دونوں کی ایک ہی پوزیشن ہے۔ یہ دونوں بس یہی سوچتے ہیں کہ دُنیا بھر میں صرف انہی کی حکومت ہونی چاہیئے اور دُنیا ہے کہ وہ ان کی بات سُنتی ہی نہیں۔ اس واسطے یہ پھر کہتے پھرتے ہیں کہ دُنیا میں اب قابل آدمی ہی نہیں رہے جو ہماری قدر کریں۔

(۳) کیا قرآن حکیم کا یہ مقصد ہے کہ سیّدوں کے بزرگوں کو شہنشاہ بنا دیا جائے اور قرآن حکیم اس کو پورا نہ کر سکا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سب سے زیادہ فیل ہونے والی کتاب قُرآن مجید ہے۔ اس لئے کہ سادات کے بزرگ تو شہنشاہ بن نہیں سکے۔ اس کے بعد دُوسرا درجہ آتا ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ جس طرح آج کل ہم پر برٹش نیشن (برطانوی قوم) حکومت کر رہی ہے، اس طرح ہم عرب کو تمام دُنیا پر حاکم مان لیں۔ عربوں کا اصلی دورِ حکومت صرف دو سو سال یا اڑھائی سو سال رہا۔ اس کے بعد عجمی آگے بڑھے اور وہ برسرِ اقتدار آ گئے۔ اب عرب روتے پھرتے ہیں کہ ہماری ترقّی رُک گئی۔

(۴) اگر قرآن حکیم کا مطلب یہ تھا کہ عرب کو بادشاہ بنا دیا جائے تو سمجھئے کہ قرآن حکیم فیل ہو گیا۔ اسلئے کہ عرب جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنی حکومت دو اڑھائی سو برس سے زیادہ قائم نہیں رکھ سکے۔ اب اس کے بعد ہمارے سامنے قرآن حکیم کا اصلی مقصد آتا ہے کہ ابراہیمی اصول پر جو فطرتِ انسانی کے بالکل قریب قریب ہے، ایک دینی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) تحریک کامیاب کر کے دکھا دے جس میں تمام قومیں جو ان کے اصول کو قبول کریں، مُساوی درجہ میں رہیں جو لوگ ان اصولوں پر زیادہ عمل کریں گے، وہ مقدّم سمجھے جائیں گے۔ خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی۔ اس کے مُتعلّق اسلام میں آج تک صاف روایات ملتی ہیں کہ "عرب کو عجم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے"۔ یعنی جو آدمی سب سے زیادہ متّقی ہو گا وہ سب سے زیادہ افضل ہو گا۔ قرآن حکیم نے اس کے مُتعلّق صاف طور سے کہا

حاشیہ:

[۸۴] "یہود بین الاقوامی حکومت کیوں نہ کر سکے۔"

[۸۵] "قرآن میں یہود و نصاریٰ کا ذکر بطور مثال کے ہے۔"

[۸۶] "قرآن کے بین الاقوامی اصول کے مطابق جو قوم بھی عمل کرے گی کامیاب ہو گی۔"

[۸۷] "قرآن کسی خاص قوم یا قبیلہ کو نسلی بنیاد پر فضیلت نہیں دیتا۔"

[۸۸] "بین الاقوامی اسلامی حکومت کے ادوار اور آج کا تقاضا۔"

[۸۹] "قرآن حکیم کا اصل مقصد انٹرنیشنل اصول قائم کرنا ہے۔"

ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (۴۹:۱۳) یعنی تم میں عزّت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ وہ ہے جو اسی قانون کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ (مگر ہمارا ترجمہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ عزّت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو قرآن حکیم کے قانون کے مُطابق سب سے زیادہ عدالت کر سکتا ہے) تو اس آیت کی تفسیر میں آج تک روایات بھری پڑی ہیں کہ عرب اور عجم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب اس سے ہم ایک نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام دُنیا میں ایک اصول کو زندہ کرنے آیا ہے۔ اس کو کوئی شخصیت یا قبیلے یا کسی خاص قوم سے تعلّق نہیں ہے۔ زمانہ کے حالات کے مطابق جو قوم یا قبیلہ یا شخص ان اصولوں پر زیادہ پابند رہے گا۔ ان کی دُنیا میں عزّت ہونی لازمی ہے۔ جب وہ ان اصولوں پر کاربند نہیں رہیں گے اور دُوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیں گے، تو اب جو عزّت پہلے لوگوں کی تھی اب ان کی وہی عزّت ہو گی اور پھر پہلے لوگوں کے پس ماندوں کی عزّت نہیں رہے گی۔ اس لئے کہ انہوں نے قانونی پابندی نہیں رکھی۔ تو کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ قرآن حکیم ایک انٹرنیشنل اصول قائم کرتا ہے۔

ص ۹۰ "قرآن کے اصول ملّتِ ابراھیمی کے اصول کے مؤید ہیں"

(۵) اس کے بعد یہ اصول جس کی قرآن حکیم نے ابتداء کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ابراہیمی اصول کی تائید کرتا ہے۔ اس نے کوئی نیا اصول پیش نہیں کیا، بلکہ یہ قرآن اصولِ ابراہیمی کی طرف دعوت دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی رکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اصول اس قدر فطری ہیں کہ وہ تمام قوموں میں مُسلّم تھے۔ ابراہیم علیہ السّلام سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی اس اصول کے حامی تھے اور بعد میں جو لوگ اچھے پیدا ہوئے تو وہ اس سے زیادہ اچھا بنیادی قاعدہ (قانون) نہیں پیش کر سکے۔ اسی معنی میں ابراہیم علیہ السّلام دُنیا بھر کے امام ہیں۔ اور یہ بات قرآن حکیم کے مضامین میں سے ——— نکلتی ہے۔

ص ۹۱ "آلِ ابراھیم کی خصوصیت باقی اقوام پر اور قرآن میں تفصیلی تذکرہ"

(۶) اب[۹۱] ابراہیم علیہ السّلام کو ماننے والی دُنیا میں دو قومیں پہلے سے موجود ہیں۔ یہود[۱]، نصاریٰ[۲] اور ان کے پاس تعلیماتِ الٰہی، انبیاء اور اپنی تاریخ کا ایک سلسلہ موجود ہے اور اس میں جس قدر زمانہ کی مُسلسل تاریخ پیش کی گئی ہے۔ دُنیا کی کوئی اور قوم شاید پیش نہ کر سکی۔ اس میں شک نہیں کہ دُوسری قوموں کے تاریخی ٹکڑے بہترین شکل میں ملتے ہیں مگر ان میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ اب ان تینوں قوموں ——— بنی اسرائیل کی دو قومیں یہود و نصاریٰ اور بنی اسماعیل کو ملا کر قرآن نے دُنیا کے رُوبرو ایک انٹرنیشنل تحریک پیش کر دی اور پروگرام کی تمام تفاصیل ان کی ضروریات کو سامنے رکھ کر مقرر کر دیں۔ یہ چیز ایسی ہے کہ قرآن حکیم کے مقاصد میں سے ہے، جیسے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قوم سے خطاب ہے یا حضرت عیسیٰ کی روایات ہیں اور ان کے واقعات ہیں جو مثال کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

ص ۹۲ "قرآن میں باقی اقوام کا تذکرہ کیوں نہیں"

(۷) یہاں[۹۲] تک ہماری سمجھ پہنچ گئی ہے۔ اس کے بعد ہمیں ایک شبہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم اپنی تعلیم میں ان تینوں قوموں کے علاوہ کسی چوتھی قوم سے غرض نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اہل علم کی مُتفقہ ذہنیت پائی جاتی ہے اور

دُوسری قوموں کو ان تینوں قوموں کے مجموعے کی ڈکٹیٹر شپ (بالادستی) مان لینی چاہیئے۔ **ہم اس عام خیال** کی ترجمانی کر رہے ہیں اور یہ عام علمی خیال ہے جو ہم نے بھی لیا ہے۔ اس پر ہمارا شُبہ یہ نیا پیدا ہونا شروع ہوا کہ سب سے زیادہ مذہبی جماعت آج دُنیا میں بُدھ ہیں اور پھر دوسرے درجہ پر اپنی قدامت کو محفوظ رکھنے والی جماعت ویدک دھرم (ہندو) ہیں۔ ان کی کسی قدر پرانی لمبی تاریخ ہے اور یہ اس پر شاندار طور پر چلے آ رہے ہیں۔ اب اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ دونوں اگرچہ اپنی شان رکھتے ہیں۔ اس واسطے اب ان کا نام نہیں لینا چاہیئے؟ جس قدر ہم نے قرآن حکیم کو دیکھا ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کی غلطیاں بتلاتا ہے۔ اس سے زیادہ غلطیاں بُدھ اور ہندو دھرم میں قطعی طور پر نہیں ہیں؟ ہندوؤں اور بدھوں میں کوئی غلطی ایسی نہیں جو حرف بحرف یہود و نصاریٰ میں نہ ہو تو یہ سبب کافی نہیں ہے کہ چونکہ یہ گمراہ قومیں (ہندو اور بدھ) ہیں۔ اس واسطے ان کا قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں آنا چاہیئے۔

(۸) اب[۹۳] ہم نے اپنی طرف سے ایک نظریہ (اسی شُبہ کا جواب) بنانا شروع کیا۔ نصاریٰ کی تعلیم میں جس طرح کی رہبانیت پائی جاتی ہے۔ اسی قسم کی رہبانیت بدھوں میں بھی ملتی ہے۔ تو ممکن ہے کہ ان کے اصول قریب قریب ہوں جیسے نصاریٰ میں مسیح کو ایک فرقہ خُدا مانتا ہے۔ ویسا ہی بدھوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ "ساکی منی گھوتم" کو خُدا مانتے ہیں۔ یہود میں اپنی پُرانی رسموں کے ادا کرنے میں جس قدر تشدد پایا جاتا ہے اور وہ اپنے سوائے دُوسری قوموں کو بالکل خارج مان لیتے ہیں۔ قریب قریب یہی حال ہندوؤں میں آرین تہذیب کا ہے۔ وہ اپنی پُرانی باتوں کو نہایت سختی سے ادا کرتے ہیں اور اپنے برابر کسی کو نہیں جانتے۔ بُت پرستی اور شرک ہندوؤں میں بہت زیادہ پھیل گیا مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے تو یہ ان کی اصل دینی بات نہیں تھی۔ اس قسم کی چیزیں یہود میں بھی ملتی ہیں۔ اگرچہ نسبت کا فرق ہے۔ ہندوؤں میں زیادہ اور یہود میں کم۔ یہود اور برہمنوں کی بہت سی ذہنیتیں ایک ہی قسم کی ہیں جیسے یہودی تورات کے الفاظ کو خُدا کی زبان سے نکلا ہوا مانتے ہیں۔ اس واسطے عبری (عبرانی) زبان کو دُنیا بھر کی زبانوں سے مقدّس سمجھتے ہیں۔ اس طرح برہمن سنسکرت زبان کے تقدّس کے اسی طرح قائل ہیں، جس طرح کہ نسبی طور پر دین میں عزّت قائم رکھنا دونوں فرقوں میں ہے۔ یہود بنی اسرائیل کی نسل کو دین کا حقیقی مالک سمجھتے ہیں اور دُوسری قوموں کو خادم کے درجہ پر سمجھتے ہیں اور یہی حال ہندو دھرم کا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کا حقیقی مالک سمجھتے ہیں اور باقی دنیا کو شودر یعنی خدمت کرنیوالے، اب ہندو دھرم میں نسلی برہمن ہمیشہ برہمن ہی ہے اور باقی جو قومیں داخل کر لی جاتی ہیں۔ انہیں صرف خدمت کے لئے ملا لیا جاتا ہے۔ اب ہمارا خیال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں یہود و نصاریٰ کو جو مخاطب کیا ہے اور ان کی غلطیاں بتلائی گئی ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہود و نصاریٰ اس انٹرنیشنل کا جُز ہیں بلکہ یہ صرف مثال کے طور پر بتلائی گئی ہیں۔ جیسے نحو میں نصب کی مثال دینی ہو تو بھی زید کا نام لیا

[۹۳] "نصاریٰ اور بدھوں، یہود اور ہندوؤں میں مماثلت"

جاتا ہے جس طرح ضَرَبتُ زَیدًا اور رفع وغیرہ کی مثال میں بھی زید کا ہی نام لیا جاتا ہے جیسے ضَرَبَ زَیدٌ۔ مَرَرتُ بِزَیدٍ۔

(۹) عرب[۹۴] چونکہ یہود و نصاریٰ سے زیادہ واقف تھے اور دُوسری قوموں سے زیادہ واقف نہ تھے۔ اس واسطے قرآن حکیم میں انہیں قوموں پر زیادہ زور دیا گیا ہے، ورنہ تحقیقی طور پر جو درجہ اس انٹرنیشنل باڈی میں یہود کا ہوگا وہی درجہ ایک برہمن کا ہوگا اور جو درجہ ایک عیسائی راہب کا ہوگا وہی درجہ ایک بدھ بھکشو کا ہوگا۔ بشرطیکہ یہ لوگ ابراہیمی اصول کو مقصدِ حیات بنالیں۔ اگر اس طرح ان دو بڑی قوموں کو جس میں ویدک تہذیب ماننے والے (اور زرتشتی یہ بھی ہمارے نزدیک آرین تہذیب کے ساتھ ہی مانے جاتے ہیں) اور بدھ ان دونوں قوموں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ ملا کر اس کو انٹرنیشنل کا جزو بنا دیا جائے تو ہمارا خیال ہے کہ مُتمدّن دُنیا کا کوئی ٹکڑا باقی نہیں رہے گا۔ غیر متمدن حصّے تمام دنیا میں جہاں جہاں پھیلے ہوئے ہیں ایک رُتبہ رکھتے ہیں۔ عرب کے بَدُّو، وسط ہند کے راجپوت، ایران کے زرتشتی، جزائر کی آبادیاں، اور سائبریا کے لوگ سب ایک درجہ پر ہیں۔ یہ سب غیر متمدن درجہ رکھتے ہیں اور یکساں ہیں۔[۹۵] متمدّن قوموں کا فرض ہے کہ غیر متمدّن قوموں کو ترقی کی راہ دِکھلائیں۔ قُرآن حکیم کا جو سیدھا مطلب ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام اقوام کو ایک انٹرنیشنل باڈی میں جمع کر دیا جائے۔

(۱۰) ہمارے[۹۶] اس نظریہ کے مطابق ہمیں قرآن حکیم کی باقی تعلیم عمومی میں اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ ہم اس کو جن طلبار کے رُوبرو ذکر کرتے ہیں وہ سُن تو لیتے ہیں مگر قدرے ناگواری سے، اس لئے کہ عام عُلمار اس کے مُتعلق کچھ لکھتے نہیں ہیں اور عُلمار کے نزدیک ویدک دھرم اور بدھ دھرم کے بزرگوں کی عزّت کرنا ناجائز ہے۔ ہمارے ایک دوست نے ایک کتاب لکھی ہے، اَلجِهَادُ فِی الْاِسْلَام اس نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہود[۹۷] و نصاریٰ ویدک بدھ کے مذاہب میں جہاد کی جو اصلی تعلیم ہے اس نے ان مذاہب کی کتابوں سے نقل کر کے اصل صورت میں پیش کردی ہے۔ ان میں ایک عجیب بات ہے کہ یہود اور ہندو بالکل ایک ہی ذہنیّت کے صاف دکھلائی دیتے ہیں تو یہ کتاب ایک طرح پر ہمارے نظریہ کو ایک قسم کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ "حُجَّةُ اللهِ البَالِغَة" پڑھنے کے بعد قرآن حکیم کو عالمگیر تحریک کا مصداق ثابت کر کے اس سے کم کسی تحریک میں رہنے کی طاقت نہیں رہی یعنی اس سے کم درجہ پر ہم کسی تحریک کو مانتے ہی نہیں۔

(۱۱) اس[۹۸] کے بعد بعض الفاظ ایسے ہیں جیسے کہ مذہبی عُہدہ داروں کے نام ہیں اور وہ یہود اور ویدک دھرم والوں میں یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر لیجئے "کاہن" جو یہود کا سب سے بڑا عہدہ دار ہے۔ جو ان کی عبادت گاہوں کے انتظام کرنے والا ہے اور ویدک دھرم میں مہابھارت کے ہیرو کا لقب "کاہن" ہے۔ اب ان دونوں الفاظ میں کہیں اتصال ہونا چاہیئے۔ ہندوؤں نے یہود سے لیا یا یہود نے ہندوؤں سے ہمیں اس سے بحث نہیں ہے۔ جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہود نے ہندوؤں سے لیا تو وہ مصر کو

مر ۹۴ "ابراہیمی اصول کو ماننے پر انسانیت کے متمدن طبقات ایک ھی درجہ شمار ھوں گے"

مر ۹۵ متمدن قوموں کا فریضہ اور قرآن کا مقصد

مر ۹۶ قرآن کی تعلیم میں عمومیت،

مر ۹۷ جہاد کی اصلی تعلیم اور اقوام،

۹۸ "یہود اور ویدک دھرم، نصاریٰ اور بدھ مت کی اصطلاحات و نظریات اور ذہنیت میں مماثلت کے چند نکات"

واسطہ بناتے ہیں۔ ہندوؤں[99] سے مصریوں نے لیا اور مصریوں سے یہود نے لیا۔ اب دُوسرا خیال یہ ہے کہ ہندوؤں سے یہود نے لیا۔ ان قوموں کے اتصال کا کون سا مقام ہے۔ ہمیں ان کی کوئی بات معین نہیں ہے اور اگر یہ نظریہ صحیح بھی مان لیا جائے تو ہماری رائے میں مقام اتصال کشمیر ہو جانا چاہئے۔

ت ۹۹ "ہندو اور یہودی تہذیب کا مقام اتصال کشمیر یا مصر"

(۱۲) ہندوؤں کی دونوں تہذیبوں کا (ویدک دھرم اور بدھ) اپنے اپنے زمانہ میں کشمیر میں بڑا مرکز رہا ہے۔ ہندو لٹریچر میں "اندر" بہشت کے راجہ کا نام ہے۔ بعینہٖ جیسے اسلام نے "رضوان" نام کا فرشتہ جنّت کا خادم مان رکھا ہے۔ تاریخی تحقیق یہ ہے کہ "اندر" جس کا ہندو لٹریچر میں نام ہے وہ کشمیر کا راجہ تھا اور کشمیر کو آج تک جنّت[100] نظیر کہا جاتا ہے۔

ت ۱۰۰ "کشمیر جنت نظیر"

(۱۳) اسلامی[101] لٹریچر میں بھی اس کے قریب قریب ملتی ہے کہ آدم جب جنّت سے نکالے گئے تو روایت یہ ہے کہ وہ اس کے بعد سراندیپ پہنچے۔ "سُبحۃ المرجان" میں آزاد بلگرامی نے تفسیروں کی روایات نقل کی ہیں اور اسی طرح ایک دوسری کتاب "آکام المرجان" ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ آدمؑ جب فوت ہونے لگے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ ان کو اس جنّت کے باغ کا سیب ملے۔ غرض ان کی طبیعت کی خواہش دیکھ کر ان کی اولاد میں سے چند آدمی شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں انہیں فرشتہ نے بتلایا کہ تمہارا باپ فوت ہو گیا ہے۔ اس واسطے سیب کی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں کشمیر سے زیادہ بہتر سیب کہیں نہیں ملتا۔ اگرچہ ان روایات کو ہم خُرافات کا درجہ دیتے ہیں مگر بعض اوقات ان کی تہ میں بڑی حقیقتیں آ جاتی ہیں۔

ت ۱۰۱ "ہندوستان اور کشمیر کے بارے میں روایات اور حقیقت"

(۱۴) جس[102] وقت اسلام کشمیر میں آگیا اس وقت کشمیر میں بدھوں کی حکومت تھی اور یہی حالت سندھ کی تھی کہ وہاں جب اسلام آگیا۔ اس وقت وہاں زیادہ تر بدھ تھے اور یہ دونوں ٹکڑے اسلام سے معمور ہو گئے۔ بدھوں میں اسلام قبول کرنے کی استعداد زیادہ تھی اور دونوں ملکوں (کشمیر اور سندھ) میں مُسلمانوں کے بڑے بڑے صوفی پیدا ہوئے تو جو اسلام ایک مُسلمان صُوفی پیش کرے گا اسے ایک بدھ صُوفی بہت جلد قبول کرلے گا۔ اب اگر ہمارا یہ خیال صحیح مان لیا جائے تو مسیح علیہ السّلام کی زندگی کا جو غائب حصّہ ہے

ت ۱۰۲ "کشمیر میں بدھوں میں اسلام کی آمد"

اسے اس طرح حل کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام بنی اسرائیل کی گُم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر تک پہنچے اور اسی طرح ان دونوں مذاہب (ویدک دھرم اور بُدھ مت) سے اتصال[103] ہوا اور اس کے بعد مسیح علیہ السّلام جو تعلیم یہود کی اصلاح کے لئے پیش کرتے ہیں وہ اسی طرح کی ہے جیسے کہ گوتم بدھ نے ہندوؤں کی اصلاح کے لئے پیش کی تھی۔ اسی طرح کی مناسبت پر نظر کرنے سے ایک قسم کا تخیّل بن سکتا ہے۔ اس تفصیل کا اجمال سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۹ پ ۶ میں مل سکتا ہے۔ س ۵

۱ ملاحظہ ہو "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" ص۶۲/۵ مصنفہ حسان الہند مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی طبع قدیم ہند ۱۳۰۳ھ ۱۲

۲ ملاحظہ فرمایئے "آکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجان" ص۲۰۳ مصنفہ قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ شبلی حنفی المتوفی ۷۶۹ھ طبع نور محمد کراچی لیکن اس روایت میں سب کی بجائے "جنت کے گوشہ ہائے انگور" کی خواہش کرنے کا ذکر ہے جبکہ سبحۃ المرجان میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ ۱۲ (ع۔ق)

۳ ہمارے نزدیک کابل کو بھی کشمیر کے ساتھ ملحق کیا جا سکتا ہے کیونکہ سبحۃ المرجان میں علامہ آزاد بلگرامی نے کابل (جو کہ مدت تک سلطنت ہندوستان کا حصہ رہا ہے) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارد ہونے کی روایت نقل کی ہے اور حضرت امام سندھیؒ کابل غزنی وغیرہ کو ہندوستان کے اضلاع سے شمار کرتے ہیں اور پشتو کو کشمیری، پنجابی سندھی کی طرح سنسکرت کی شاخ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو خطبات ومقالات ص۱۸۵، ۲۱۳ طبع سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۸۷ء

اسی طرح مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں "لیکن ان بارہ اسباط میں سے دو ایک نہیں پورے دس اسباط کو جب نبوکد نصر اور اس کے بیٹے سرگون نے شامرون کے شہر سے نکالا" اس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے یہ دس اسباط کہاں گم ہو گئے مورخین کا اس کے متعلق مختلف خیال ہے عام رجحان یہی ہے کہ افغانستان اور سرحد کی پہاڑیوں میں رہنے والے شاید یہی لوگ ہیں جنہوں نے پہلے بدھ مت اور اخیر میں اسلام قبول کیا، درہ خیبر، کوہ سلیمان وغیرہ اسمی قرائن کے سوا ان کی شکل وصورت عادات واطوار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے نیز تورات کا کوئی حصہ بھی سرحدی قبائل میں کسی مورخ کو ملا تھا، خود بھی ان میں بعض اپنے آپ کو اسرائیلی کہتے ہیں، پشتو زبان کے الفاظ میں بھی اس کے قرائن ہیں ۱۲ ملاحظہ ہو النبی الخاتم ص۱۱ طبع رشید یہ لاہور ۱۲ ع۔ق

۵ اس جگہ قلمی نسخہ میں (دیکھو سورۃ مائدہ آیت ۶۹) کا ذکر ہے جو بے جوڑ ہے لہذا ہم نے اس کی بجائے مطبوعہ نسخہ سے عبارت نقل کی ہے۔ چنانچہ اس آیت اور اس کے علاوہ سورۃ بقرہ کی آیت ۶۲ کو حضرت امام سندھیؒ بین الاقوامی اصول اشتراک واجتماع پر عنوان قرار دیتے ہیں۔ اور تمام ادیان کو اس میں برابر قرار دیتے ہیں۔ تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی جلد اول ص۱۱۵ تا ص۱۱۷ طبع حیدر آباد سندھ ۱۲ مزید تحقیق آگے آرہی ہے آیت ۶۲ کے تحت تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ (ع۔ق)

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلا اور نہ ان کو مدد پہنچے ﴿۴۸﴾

ایک بادشاہ کے دربار میں ایک مجرم کی رہائی کے چار ذرائع ہیں۔

(۱) اپنے عوض کسی دوسرے کو پیش کرے کہ درحقیقت یہ بے گناہ ہے اور خطا دوسرے کی ہے۔

(۲) کوئی بادشاہ کے مقربین میں سے اس کی سفارش کرے یا اس کی گزشتہ خدمات کے معاوضہ میں رہائی دلوا دے۔

(۳) زر طلبی یا فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے۔

(۴) کوئی دوسری طاقت اسی بادشاہ سے جنگ کر کے اسے رہائی دلوا دے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں۔ وہاں صرف اپنے عمل ہی کام آئیں گے۔ غرض اس میں بتلایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو علم اور حکومت عطا کی گئی اور اگر وہ اس کی استعداد حاصل کر لیتے تو یہ نعمت ان کے پاس رہتی مگر ان کے استعداد حاصل نہ کرنے کے باعث یہ نعمت ان سے چھین لی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کو اس کی استعداد کے مطابق نعمت دیتا ہے۔

(حاشیہ: ۱۰۳ "مجرم کی رہائی کیلئے چاروں ذرائع اللہ کے سامنے کام نہیں آئیں گے" ۔ ۱۰۴ نعمت حکومت کے لیے استعداد حاصل کرنا ضروری ہے)

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر برا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ﴿۴۹﴾ اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا فرعون کے لوگوں کو

اور تم دیکھ رہے تھے (۵۰) اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ علیہ السّلام سے چالیس رات کا پھر تم نے بنا لیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے (۵۱) پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ احسان مانو۔ (۵۲)

نوٹ ۱۰۵ "تعلیم دینے کا طریقہ"

یعنی انسان کو تعلیم دینے کا یہ طریقہ ہے کہ اسے کام سمجھا کر کام پر لگا دیا جائے۔ اس کام کے سرانجام دینے میں اس سے دو قسم کی غلطیاں سرزد ہوں گی۔ یا تو پیچھے رہ جائے گا یعنی نیچے گر پڑے گا یا حد سے زیادہ آگے بڑھ جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں اسے معافی دینے کے بعد پھر اسے دیکھا جائے گا کہ تیسری دفعہ بھی کام کو سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں۔ اس وقت اس کی قابلیّت کا اندازہ لگ جائے گا۔

نوٹ ۱۰۶ "بنی اسرائیل کی غلطیوں پر معافی کی غرض"

بنی اسرائیل کی پہلی غلطی آیت نمبر ۵۱ میں بیان کی جاتی ہے کہ جب ان کو فرعون سے نجات دے کر حکومت دی گئی اور ان کی پہلی نیچے کی طرف یہ غلطی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام جب چالیس دن کے لئے پہاڑ پر گئے تو یہ شرک میں مُبتلا ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ آیت نمبر ۵۲ میں انہیں معاف کیا۔ تاکہ جیسی انہیں تعلیم دی گئی تھی اس تعلیم پر عمل کریں۔ شکر کے معنی ہیں۔ اس نے اس تعلیم کی قدر کی یعنی شاکر اس آدمی کو کہیں گے جسے جیسے تعلیم دی جائے بعینہٖ عمل کرے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۵۳)

ترجمہ: اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔

نوٹ ۱۰۷ "فرقان کا مفہوم صحیح تمیز"

"فرقان" = بمعنی قوّت ممیّزہ، "کتاب دی" یعنی قانون دیا اور حق و باطل کو تمیز دینے والی قوّت دی یعنی انہیں کتاب اور حکمت (فرقان) دی تاکہ وہ سیدھے راستہ کا امتیاز کر سکیں۔ مثلاً سُورج کو اگر کتاب سمجھیں اور سُورج سے دیکھنے والی آنکھ کو فرقان۔ اسی طرح اس سُورج یعنی کتاب کو دیا اور حق اور باطل کو تمیز کرنے والی آنکھ یعنی فرقان (قوّت ممیّزہ) عطا کی،

نوٹ ۱۰۸ "اسلام تین چیزوں کا مجموعہ، عمل، ایمان، دعا"

اسلام میں تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ اسلام۔ ۲۔ ایمان۔ ۳۔ احسان، احسان کو آج کل کی اصطلاح میں تصوّف کہتے ہیں۔ یعنی جس سے حق و باطل کی تمیز کر سکیں۔ جب تک کہ احسان کے نام سے اسے تعبیر کیا جاتا تھا تو یہ گروہ پاک اور بے لوث تھا۔ جو گروہ شرارتیں کرنے والا مفسدہ پرداز تھا۔ اسے منافق کہتے تھے۔ اسی طرح اب موجودہ صوفیوں میں بھی دو گروہ ہیں۔ ایک تو محقّق صوفی دوسرے دُنیا دار صوفی جن کا کام ہی دنیا کمانا ہے۔ فرقان کے معنی ہیں صحیح ضمیر عطا کرنا جس سے حق و باطل میں تمیز کر سکیں، جب یہ قوّت ان سے چھن جاتی ہے تو وہ غرق کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

نوٹ ۱۰۹ "مردہ ضمیر لوگ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے"

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

فَتُوبُوٓا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوٓا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ

فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان، یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر، بے شک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان۔ ﴿۵۴﴾

یعنی[۱۰] یہ شرک کرنا گویا خودکشی کے مترادف ہے۔ پہلی غلطی کے متعلق یہ تنبیہہ کی کہ اپنے آپ کو قتل کرو فَاقۡتُلُوٓا اَنۡفُسَکُمۡ۔ انقلابی جماعت یا کوئی گری ہوئی جماعت جب کام کرنے کیلئے آمادہ ہوتی ہے تو یا تو پہلے سے بھی گر جاتی ہے یا بہت زیادہ آگے بڑھ جاتی ہے۔ ان کے لیڈر کا کام ہے کہ ان کو درمیانی راستہ بتلائے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ ہر ایک قسم کے ظلم برداشت کرتے تھے مگر اتنی ہمت نہیں تھی کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت سدھارنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ وہ قوم کو حق کی تعلیم دے رہے تھے اور ان کو سیدھے راستے پر چلا رہے تھے کہ راستہ میں بچھڑے کو پوجنے سے وہ گر گئے اور اسی طرح انہوں نے جماعتی قواعد کی خلاف ورزی کی، اصول[۱۱] کی نافرمانی کی سزا انقلابی جماعت میں واجب القتل ہے مگر اس سزا پر ایسی صورت میں عمل درآمد ہو سکتا ہے جب حکومت اپنی ہو۔ چونکہ بنی اسرائیل میں حکومت نہ تھی اس لئے ان کے ضمیر کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی صدق دل سے توبہ کرتے ہو تو اپنے آپ کو قتل کرو۔ اس سے تمہاری مغفرت ہوگی۔ انقلابی جماعت گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کے ممبر قوانین کی خلاف ورزی کریں اور جب وہ ایسا کریں تو ان کی سزا واجب القتل ہوتی ہے۔ انقلابی جماعت میں اگر ہر ایک شخص آزاد ہو تو ترقی معدوم ہو جائے گی۔ اس لئے قتل کی سزا بہت ضروری ہے۔

[۱۰] "انقلابی جماعت میں گر کر رہ جانے والے لوگوں کے متعلق رہنمائی کے اصول"

[۱۱] "انقلابی جماعت اپنے ممبروں کیلئے قواعد کی خلاف ورزی برداشت نہیں کر سکتی"

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ

الصّٰعِقَۃُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ ﴿۵۵﴾

اب بنی اسرائیل[۱۲] کی تیز گامی کی مثال بتلائی جاتی ہے کہ وہ یا تو اس قدر بڑھ گئے کہ اللہ کو دیکھنے کے خواہشمند ہوئے اور حالت یہ ہے کہ بجلی کی طاقت کی تاب نہیں اور آرزو ہے اللہ کو دیکھنے کی۔ یہ ان کی حد سے بڑھنے کی

[۱۲] "انقلابی جماعت میں حد سے تجاوز کرنے کی سزا"

مثال دی جاتی ہے۔ اس کی سزا بھی وہی قتل ہے۔ غرض انبیاء کی تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ انسان وسطی درجہ پر رہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو۔

جس طرح مریض کو سکتہ کی حالت میں ڈاکٹر موت کا فتویٰ دیتا ہے حالانکہ مریض کی موت واقع نہیں ہوتی۔ اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس میں زندگی کے آثار دوبارہ آجاتے ہیں بعینہٖ بنی اسرائیل کی یہی حالت تھی ان پر ایک ایسی حالت طاری کر دی گئی اور بعد میں ان کو اصلی حالت پر لایا گیا۔ قرآن حکیم کی تعلیم کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ جب ملک الموت انسان کی رُوح کو قبض کرتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ دُنیا میں آئے۔ ہاں انسان پر سکتہ سی حالت طاری ہوتی ہے تو رُوحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے بندے انہیں دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں شُکر کے معنی ہیں کہ جیسی تعلیم دی گئی ہے بعینہٖ اس پر عمل کرے۔ یعنی اس تعلیم کی انہوں نے قدردانی کی، غرض ذکر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ زندگی بخشی، شاید کہ وہ شکر کریں، یعنی جیسی ان کو تعلیم دی گئی ہے بعینہٖ اس پر عمل کریں، اور اپنے تعمیری پروگرام کو مکمّل کرنے پر مستعد ہو جائیں۔ بنی اسرائیل کو جو اخلاقی تربیّت دی جارہی تھی وہ اس جگہ ختم ہوئی۔ اب صحرائی اور دیہاتی زندگی کا ذکر آتا ہے جس میں بہتر تیاری (یعنی فوجی تربیّت) بھی ہو سکتی ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اُتارا تُم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تُم کو دیں۔ اور انہوں نے ہمارا کچھ نُقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نُقصان کرتے رہے۔

(حاشیہ: ۱۱۳ بنی اسرائیل کو صحرا میں رکھ کر فوجی تربیت کا اہتمام)

بنی اسرائیل کو اب تعمیلِ حکم کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ انہیں یہ سکھلایا جا رہا ہے کہ حُکم کی تعمیل فوراً ہونی چاہیئے۔ مگر جیسا کہ آخری حصّہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قانون پر کاربند نہ رہ سکے۔ مسٹر کریو بھی یہی لکھتا ہے کہ "موسیٰ یہود کو لے کر ریگستان میں پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی فوجی تربیّت مکمّل کر کے ان کو لڑاکا جوان بنا دیا۔" اس بیان کے اس حصّہ سے کہ یہود کو ریگستان میں اس لئے رکھا گیا تاکہ انہیں فوجی تربیّت

دی جائے۔ ہمیں اتفاق ہے، وَمَا ظَلَمُوْنَا اگر وہ اس زمانہ میں اپنے تعمیری پروگرام کی تکمیل کر لیتے تو وہ بہت حد تک ترقی کر جاتے، مگر وہ پیچھے رہ گئے اور اپنے پروگرام کی تکمیل نہ کر سکے۔[1]

من وسلویٰ کے مفہوم اور دشتِ سینا کیسا ہے حیثیت پر تحقیقی نوٹ[114]

کتاب خروج[2] کا سولہواں باب یوں شروع ہوتا ہے کہ " پھر وہ ایلیم سے روانہ ہوئے اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت ملک مصر سے نکلنے کے بعد دوسرے مہینے کی پندرہویں تاریخ کو سین کے بیابان میں جو ایلیم اور سینا کے درمیان ہے پہنچی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کہ کاش ہم خداوند کے ہاتھ سے ملک مصر میں جب ہی مار دیئے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لئے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو آیت ۱، ۲، ۳)[3]

اس جھنجھلانے کا جو نتیجہ ہوا وہ تیرہویں آیت سے اس باب کے آخر تک یوں بیان ہوا ہے کہ " اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بٹیریں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ کو ڈھانک لیا اور صبح کو خیمہ گاہ کے آس پاس اوس پڑی ہوئی تھی اور جب وہ پڑی تھی سوکھ گئی اوس تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول گول چیز ایسی چھوٹی جیسے پالے (شبنم) کے دانے ہوتے ہیں زمین پر پڑی ہے، بنی اسرائیل اسے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے ،، مَنّ !،، کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے، تب موسیٰ نے ان سے کہا کہ یہ وہی ہے اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ من ؛ کیونکہ انہوں نہ جانا کہ وہ کیا ہے تب موسیٰ علیہ السلام نے کہا روٹی ہے جو خُدا نے کھانے کو تم کو دی ہے[4]" اور بعض اجنبی قوموں سے جو ان میں ملے ہوئے تھے حرص سے خواہش کی اور بنی اسرائیل سے بھی پھرے اور روئے اور بولے کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مُفت مصر میں کھاتے تھے اور کھیرے اور خربوزے اور گندم اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چکی۔ یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں مگر یہ من سُوکھے دھنیئے کے مانند تھا اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر جا کر اسے جمع کرتے تھے اور چکّی میں اسے پیستے یا اوکھل میں کُوٹتے تھے اور رات جب خیموں پر اوس پڑتی تو مَنّ بھی ان پر پڑتا تھا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر کنعان کی طرف آئے تو جس علاقہ میں سے انہیں گزرنا پڑا وہ بہت غیر آباد تھا اور دُور دراز فاصلہ پر بعض شہر آباد تھے۔ اب تک یہ علاقہ ایسا ہی ہے۔ اب بھی اس علاقہ سے گزرنا آسان نہیں۔ فلسطین پر انگریزی قبضہ کی وجہ سے اب اس علاقہ میں ریل جاری ہو گئی اور سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں، لیکن اس کی غیر آبادی میں فرق نہیں آیا۔ کیونکہ یہ علاقہ آبادی کے قابل زمینوں سے خالی ہے اور بے آب و گیاہ میدانوں پر مشتمل ہے۔ ترکوں نے جنگِ عظیم میں بہت کوشش کی کہ کسی طرح مصر میں داخل ہو کر انگلستان اور ہندوستان کے تعلّقات کو منقطع کر دیں لیکن پانی کی دِقّت اور سامانِ خورد و نوش کی کمی کے سبب عقلوں کو حیرت میں ڈال دینے والی قربانیوں کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انگریزوں نے بھی شروع میں بہت زور مارا لیکن خشک اور چٹیل

---

[1] حضرت امام سندھیؒ الہام الرحمان میں فرماتے ہیں انسانی اجتماعیت کے چار مدارج ہیں (۱) بدویانہ زندگی جس میں شخصی ذمہ داری اور تہذیب اخلاق کا درجہ طے ہوتا ہے (۲) قروی زندگی جس میں بڑے گاؤں میں رہنے انتظام کی صلاحیت اور نظام و قانون کی

پابندی کا درجہ بھی طے ہوتا ہے) ۳۔ شہری یا قومی زندگی (جس میں اجتماعیت کے انتظام اور ان میں عدل قائم کرنے کے لیے قوانین و ادارے اعلیٰ درجہ میں تشکیل پاتے ہیں) ۴۔ بین الاقوامی زندگی (جس میں ملکوں اور اقوام کا اجتماعی نظام ڈویلپ ہوتا ہے) حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زندگی سے نکال کر ان چاروں مراتب میں ترتیب کے لئے کوشش کی مگر قوم نے ساتھ نہ دیا چنانچہ آیت ۴۹ سے ۵۶ پہلے درجہ کا بیان ہے اور ۵۷ میں ناکام ہونے کی تصریح ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۰۹ تا ۱۱۱)

۲؎ یہ نوٹ صاحبِ املی نے مَن وسلویٰ اور دشتِ سینا کے متعلق اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے جیسا کہ قلمی نسخہ میں تصریح موجود ہے کہ یہ مولانا کی تقریر نہیں) (ع۔ق)

۳؎ کتاب خروج باب ۱۶ ص ۶۸ طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۵ء ہم نے یہ عبارت اپنے پاس موجود نسخہ کے مطابق نقل کی ہے جس سے الفاظ میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی ہے ۱۲ ع۔ق

۴؎ ملاحظہ فرمایئے حوالہ مذکور ص ۶۹ آیت ۱۲، ۱۴ء ۱۵) ۱۲

میدانوں کی وجہ سے وہ بھی سویز کے راستہ سے فلسطین میں داخل نہ ہو سکے۔ آخر جنرل ایلنبی نے نیل سے پانی لے کر سویز کے اوپر سے نلوں کے ذریعہ سے پانی گزارا اور اس علاقہ کو جو بڑے شہروں کے لئے نا قابلِ گزر تھا قابلِ سکونت بنا دیا۔ صلیبی جنگوں کے وقت جب فلسطین اور شام کے محاذ پر یورپ کی تمام اقوام کے منتخب بہادر اس نیت سے ڈیرے ڈالے پڑے تھے کہ اسلام کے بڑھنے والے سیلاب کو روک دیں۔ اس وقت بھی دشتِ سینا مسلمانوں اور مسیحیوں سے راستہ دینے کا ٹیکس لیتا رہا۔ نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں نہ معلوم کتنے اسلامی اور مسیحی لشکر پانی نہ ملنے اور کھانے کی کمی کے سبب اس دشت میں تباہ ہو گئے تھے۔

غرض دشتِ سینا ایک ایسا خطرناک علاقہ ہے کہ بڑی جماعتوں کے لئے بھی بغیر خاص انتظام کے اس میں سے گزرنا مشکل ہے اور اس میں قیام کرنا اور بھی مصیبت ہے، پھر بنی اسرائیل نے جو بے سروسامانی کی حالت میں مصر سے بھاگے تھے اس علاقہ میں کس طرح گزرے اور کس طرح ایک زمانہ اس علاقہ میں بسر کیا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو صدیوں سے دُنیا کو حیرت میں ڈال رہا ہے۔ فی الواقع ایک ایسی چیز سینا کے علاقہ میں پائی جاتی ہے جو شبنم کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور دُھوپ کی گرمی سے پگھل جاتی ہے اور تیل کا سا اس کا مزہ ہو جاتا ہے اور سفید رنگ کی ہوتی ہے جس کی ایک قسم کو ہمارے مُلک میں "شیر خشت" کہتے ہیں اور دُوسری کو "ترنجبین" اور ہندی میں اسے یواس شرط کرا یعنی جُواسے کی شکر کہتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں یہ چیز "جُواسے" کے درخت سے نکالی جاتی ہے۔ لاطینی میں اسے مَنّا کہتے ہیں۔ اس چیز کی ماہیت پوری طرح طبی کتابوں میں درج ہے۔ سبی کے علاقہ میں اور بعض اضلاع سندھ میں مارچ اپریل میں بعض اوقات "گز لئی" پر بہت شکر لگ جاتی ہے۔ وہ بعینہٖ اس شکر کے موافق ذائقہ اور غذا میں برابر ہوتی ہے۔ یعنی جیسے گنّے کی شکر۔

کتابِ مقدّس کے ترجمہ میں کتاب خروج کی آیت نمبر ۱۵ میں سے لفظ من کے معنی بہت کچھ واضح ہوتے ہیں۔ لاطینی ترجمہ میں ہے کہ جب اسے بنی اسرائیل نے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہا "مَنْ ھٰذَا" جس کے معنی یہ ہیں کہ (یہ کیا ہے) کیونکہ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ (من) کیا ہے۔

مختصر یہ کہ عبرانی لفظ مَن جو اس چیز کا نام ہو گیا ہے حقیقت میں مَن استفہامیہ ہے اور اس چیز کا یہ نام اس سوال سے پیدا ہو گیا ہے کہ مَنْ ھٰذَا (یہ کیا ہے) اور یہ وہ سوال تھا جو اس چیز کو دیکھ کر بنی اسرائیل کے ذہن میں پیدا ہوا کیونکہ انہوں نے اس وقت سے پہلے یہ چیز کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس سوال کو چونکہ ہر شخص ایک دوسرے سے دُہراتا تھا۔ اس لئے ہوتے ہوتے یہی اس کا نام قرار پایا۔ یورپین سیاحوں نے شہادت دی ہے کہ اب تک اس علاقہ میں "من" ملتا ہے۔ گو وہ شبنم کے ساتھ نہیں گرتا بلکہ "ستیمر کس گیلیکا" نامی درخت کا رس ہوتا ہے، جس کی چھال کو ایک کیڑا جسے اب گاسپیر یا منیفر پا کہتے ہیں چھیدتا ہے تو اس سے یہ رس ٹپکتا ہے۔ بغیر کیڑے کے انسانی ہاتھوں سے درخت کی چھال میں شگاف کر دینے سے بھی یہ رس گر گر کر بہہ

جاتا ہے اور مختلف ممالک میں اس درخت سے مختلف طریقوں سے اسے جمع کیا جاتا ہے۔ سسلی اور خراسان کا مَنّ مشہور ہے۔ ہندوستان میں بھی جُواسے کے درخت سے وُید مَنّ" بناتے ہیں۔ مصر سے مصنوعی بنا ہوا "مَنّ" آتا ہے، لیکن اطباء اسے پہچان لیتے ہیں۔ برفاڈٹ جرمن سیاح کا بیان ہے کہ سینا میں موجودہ درختوں کی مقدار کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ سالانہ اڑھائی تین سو سیر تک "مَنّ" تیار ہو سکتا ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ پہلے زمانہ میں جنگل زیادہ وسیع ہوتا تھا اور اس سے بہت زیادہ "مَنّ" تیار ہو سکتا تھا۔

لیکن سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل "مَنّ" پر گزارہ کر سکتے تھے۔ "مَنّ" ایک گوند ہے جو ہے بھی مُسہل، اس غذا پر انسان چند دن سے زیادہ گزارہ نہیں کر سکتا، پھر بنی اسرائیل نے اڑتیس سال تک اس پر کیسے گزارہ کیا۔ نئے یورپی محققین بھی اس سوال کی معقولیّت کے قائل ہو گئے ہیں، اور اب ان کا یہ خیال ہے کہ "مَنّ" کی جو ماہیّت بائیبل میں بتلائی گئی ہے، اس میں مُبالغہ اور تداخُل (اضافہ) ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک "مَنّ لچن" کے دانوں کا نام ہے جو قحط کے دنوں میں لوگ کھانے لگتے ہیں۔ لچن ایک بُوٹی ہے جو سطح کے اوپر ہی اُگ آتی ہے۔ جڑ کے لئے اسے زمین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے چٹانوں کی سطح اور درختوں کی چھال پر اُگ آتی ہے۔ اس کی بعض قسمیں پتّھروں پر اُگتی ہیں۔ خصوصاً چُونے کے پتّھروں پر اور جب اسے پتّھر سے الگ کر دیا جاتا ہے تو جوار کے چھلکے ہوئے دانہ کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب یہ بُوٹی پک جائے تو اس کے چھلکے جڑ سے الگ ہو کر گول شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہلکا ہونے کی وجہ سے ہوا انہیں دُور دُور لے جاتی ہے۔ (یہ تمام عبارت انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۳ کی ہے۔)

عُلماء نباتات کے نزدیک یہ بُوٹی کھمب کے قسموں میں سے ہے۔ اگر نئے یورپی محققین کی رائے تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ بائیبل کے بیان کردہ مَنّ کی ماہیّت کے ساتھ اس بُوٹی کو کوئی نسبت نہیں۔ نہ یہ بُوٹی میٹھی ہوتی ہے نہ اس کا مزہ تیل کا سا ہے اور نہ یہ بُوٹی دوپہر کو پگھل جاتی ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں بائیبل اور اس کی متعلقہ کتب سے نہیں مل سکتا۔ یورپی محققین خواہ کتنا ہی زور لگائیں وہ اس سوال کا پوری طرح جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ اس سرچشمے سے دُور ہیں جس سے حقیقی علم عطا ہوتا ہے۔ پس اگر ہمیں صحیح جواب کی ضرورت ہے تو ہمیں چاہیئے کہ قرآن حکیم اور حدیث سے استمداد (مدد) حاصل کریں۔ قرآن حکیم اور حدیث میں مندرجہ ذیل حقائق "مَنّ" کے متعلق ہیں۔

(۱، ۲) وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۵۷، پ۱ اور سورۃ الاعراف آیت ۱۶۰ پ۹)

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ○ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۸۰، ۸۱ پ۱۶)

(۴) بخاری میں سعیدؓ بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ کھمب بھی مَنّ کے اقسام میں سے ہے۔

(۵) ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ اعراب کے توہمات کے مطابق باتیں کر رہے تھے کہ کھمب زمین کی چیچک ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس بات کو سُن کر فرمایا کہ نہیں کھمب مَنّ کے

اقسام میں سے ہے۔ غرض جو چیزیں بنی اسرائیل کو کھانے کے لئے ملتی تھیں وہ ایک چیز نہ تھی بلکہ کئی چیزیں تھیں اور ان کئی چیزوں میں سے ایک کھمب بھی تھی۔ اور چیزیں ان کو کھانے کے لئے مہیّا کی گئی تھیں۔ وہ غذا کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تھیں اور ایسی نہ تھیں کہ غذائیت یا مزے کے لحاظ سے تکلیف دہ ہوں۔ یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ منّ کا ذکر قرآن کریم میں تین جگہ پر آیا ہے۔ سُورہ بقرہ[1] میں۔ اعراف[1] میں۔ طٰہٰ[1] میں۔ تینوں[1] جگہ اس ذکر کے بعد کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ کا فقرہ ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی تردید کرنا مقصود ہے کہ وہ کھانا طبیعت پر بوجھ ڈالنے والا یا غذائیت کے لحاظ سے ادنیٰ قسم کا کھانا تھا۔ جیسا کہ ہم لچن کی (جس کا ذکر اوپر آ چکا) تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کھمب کی قسم کا پودا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے۔ لچن اور کُھمب کے اقسام بالکل آپس میں ملتے جُلتے ہیں، اور یہ امر ان اقسام کی مشابہت سے جو ایک دوسرے کی طبعی سرحد پر واقع ہے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ لچن خود کوئی اچھا کھانا نہیں ہے۔ بلکہ قحط کے ایّام میں مجبوراً لوگ اسے کھاتے ہیں۔ اس کے برعکس کھمب اعلیٰ درجہ کے کھانوں میں سے ہے اور گراں قیمت سے فروخت ہوتی ہے اور خاص طور سے اُمراء کے لئے بویا جاتا اور فرانس میں تو اس کی اس قدر کھپت ہے کہ پیرس میں ایک زمیندار دن میں تین سو سے تین ہزار پونڈ تک کھمب منڈی میں فروخت کرنے بھیجتا ہے اور پھر یہ ہے بھی جلد اُگنے والی چیز۔ چنانچہ انگریزی میں اس چیز کو جو جلد ہو جائے "مشروم گروتھ" یعنی کُھمب کی طرح پیدا ہونے والی کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو کھانے سے تنگ ہوں ایسی ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو جلد اُگ آئیں اور جلد استعمال میں آسکیں۔ اب صاحبانِ بصیرت کے لئے عجیب بات نہیں کہ بائیبل کے کثیر نسخوں اور علمِ طبیعات کے ماہروں کی امداد کے باوجود یورپ بیسویں صدی میں جس نتیجہ پر "مَنّ" کے مُتعلّق پہنچے وہ بھی ناقص صورت میں، اس کی اب سے تیرہ سو سال پہلے نہایت جامعیّت کے ساتھ توضیح کر دی گئی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دشتِ سینا میں کھمب، ترنجبین اور ایسی ہی اور چیزیں جو جلد تیار ہو جاتی ہیں پیدا کر دیں۔ جس سے بنی اسرائیل کو بآسانی غذا ملنے لگی اور چونکہ اس کے لئے انہیں محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ اس لئے اس غذا کا نام "مَنّ" یعنی احسانِ الٰہی سے ملنے والی غذا کہا گیا۔ وہ ایک قسم کی غذا نہ تھی بلکہ کئی قسم کی غذائیں تھیں۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ کئی طرح کا "مَنّ" تھا۔ ہاں سب میں ایک مشابہت تھی اور وہ یہ کہ غذائیں ہل چلا کر اور محنت کر کے بنی اسرائیل کو پیدا نہیں کرنی پڑتی تھیں۔ لیکن چونکہ یہ غذائیں اور بٹیر جو اس وقت کثرت سے اس جنگل میں آ گئے تھے شکم میں قبض کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے "ترنجبین" بھی کثرت سے پیدا کر دی۔ جسے دُوسری غذاؤں میں ملا کر کھانے سے ان کی صحت دُرست رہتی تھی۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے من کی۔ جس کا کثرت سے ان ایّام میں پیدا ہونا ایک معجزہ تھا لیکن خود اس کا وجود اس دنیا کی چیزوں میں سے تھا۔ وہ ایسی غذا تھی جسے ایک عرصہ تک کھایا جا سکتا تھا اور اس کی مصلح ترنجبین بھی ساتھ ہی پیدا کر دی گئی۔ تاکہ جنگل کی خشک غذا صحت

---

[1] ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۵۸ پ۱ اور سورہ اعراف آیت ۱۶۰ پ۹ اور سورۃ طٰہٰ آیت ۸۰، ۸۱ پ۱۶ یہ آیات جو بھی مذکور ہوئیں ۲ (۲ع-ق)

کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس تشریح کے ساتھ سب سوال حل ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی کہ مَنّ کو لوگ دیر تک کس طرح کھاتے رہے اور یہ بھی کہ سال بھر کس طرح ملتی رہتی تھی اور یہ بھی کہ وہ تیل کی طرح بھی تھی اور اس سے روٹیاں بھی پکتی تھیں اور پھلکیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ ایک چیز نہ تھی بلکہ کئی چیزوں کا نام مَنّ تھا۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخشش دے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو ﴿۵۸﴾

صحرائی[۱] زندگی سے اب دیہاتی[۲] زندگی کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور جس مشن کے لئے انہیں مقرر کیا گیا تھا وہ اسے پورا نہ کر سکے۔ انہیں دو قانون پیش کئے گئے۔ ایک شہر کے باہر سجدہ، دوسرا پس انداز (ذخیرہ) نہ کرنا۔ تو دونوں میں فیل ہو گئے۔

زیادہ کھانے سے وبائی بیماریوں میں مُبتلا ہوئے۔ غرض وہ ان دونوں قوانین پر کاربند نہ رہ سکے۔ ہر جگہ ناکام ہوئے اور جس مشن کے لئے انہیں روانہ کیا گیا تھا اسے بھی پورا نہ کر سکے۔

س ۱۱۵ "صحرائی زندگی کی آزمائش میں ناکامی کے بعد دیہاتی زندگی کی دو آزمائشیں اور ناکامی"

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر ﴿۵۹﴾

زیادہ کھانے سے وبائی بیماریوں میں مُبتلا ہوئے۔

۱؎ آخر میں مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں "انتباسات از ارض القرآن" کا حوالہ رقم ہے جبکہ ارض القرآن از مولانا سید سلیمان ندویؒ میں یہ عبارت کہیں نہیں ملی، غالبًا یہ اقتباس بھی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام سے ماخوذ ہے، جبکہ مولانا ابو الکلام آزادؒ ترجمان القرآن میں رقمطراز ہیں "من" درخت کا شیرہ ہے جو گوند کی طرح جم جاتا ہے اور خوش ذائقہ اور مقوی ہوتا ہے، سلویٰ ایک پرندہ ہے، یہ دونوں چیزیں کوہِ طور کے اطراف و جوانب میں بکثرت ہوتی ہیں "من" کا حلوا میں نے خود کھایا ہے جو فلسطین کے یہودی بنایا کرتے ہیں ملاحظہ ہو ترجمان القرآن ابو الکلام آزاد جلد اول ص۲۲۶ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء ۱۲ (ع ق)

۲؎ الہام الرحمان میں حضرت امام سندھیؒ فرماتے ہیں۔
آیت ۵۸ میں دوسرے دور میں شروع ہونے آیت ۵۹ میں اس درجہ میں بھی فیل ہونے کا تذکرہ ہے (ملاحظہ ہو الہام الرحمان جلد اول ص۱۱۱ و ص۱۱۲، مدارج انسانی پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شعور و آگہی بحث ارتقاقات اور قرآنی شعور انقلاب ص۲۷۹

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر، سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ، کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے ﴿٦٠﴾

اب[116] دیہاتی زندگی سے شہری زندگی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے اور ہر ایک قبیلہ اپنے چشمے سے پانی لے رہا ہے۔ بعینہٖ شہری زندگی کا حال ہے۔ شہر میں محلے ہوتے ہیں۔ ہر ایک محلے میں جُدا جُدا آبادی اور کنوئیں ہوتے ہیں۔ اس جگہ بھی وہی قانونِ الٰہی پر کاربند نہ رہ سکے جیساکہ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ سے ظاہر ہے کہ زمین پر فساد یعنی قانون شکنی مت کرو۔

[116] "یہودیوں میں شہری زندگی کی تشکیل اور اسمیں ناکام ہوجانا"

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع

ترجمہ: اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دُعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اُگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے اُترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو۔

ے الہام الرحمان میں حضرت سندھی" اس آیت ۵۵ میں دیہاتی زندگی سے شہری یا قومی زندگی کیطرف انتقال کرتے ہوئے معبد، مراق زندگی میں دوبارہ آزمائش کا دور قرار دیا ہے۔ نیز اس میں آپس میں کسی امر مشترک کی عادلانہ تقسیم کا ایک قانون بھی دیا گیا، اور شہری اور قومی زندگی کی ابتداء اور ناکامی آیت ۴۰ میں قرار دی ہے ملاحظہ ہو ص۱۱۲ تا ۱۱۵ ، ۱۱ ر ع ق

اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غضہ لے کر یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی
کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔ (۶۱)

ان کی قانون شکنی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ وہ کسی حکم پر بھی عمل نہ کر سکے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الخ
یعنی تم ایک اچھی زندگی پر خراب زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ یعنی تمہیں سپاہیانہ سادہ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ مگر تم اس
کی بجائے شہری یعنی آرام دہ زندگی کی طرف مائل دکھلائی دیتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سپاہیانہ زندگی کے اوصاف
تم میں مفقود ہو جائیں گے اور تم ہر جگہ مغلوب ہو جاؤ گے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ الخ بنی اسرائیل ہر جگہ
لغزشیں کھا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی انہوں نے تعلیم نامکمل طور پر حاصل کی تھی۔
اس لئے ہر جگہ غلطی کھا رہے ہیں۔ اپنی کتاب سے مونہہ موڑ رہے ہیں، احکام سے نافرمانی کر رہے ہیں۔
یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کر رہے ہیں۔ نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے
ہیں۔ اس لئے بنی اسرائیل اپنے نبیوں کے خلاف جھٹ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کو ناحق قتل کرنے کے
درپے ہو جاتے ہیں، غرض بنی اسرائیل بین الاقوامی پروگرام کے مرتب اور مکمل کرنے میں ہر جگہ ناکام ثابت
ہو رہے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۲)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (ان میں سے)
اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس اور نہیں
ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

"صابی"، ایرانی جس میں یونانی بھی شامل ہیں۔ "یہود" جن میں برہمن مذہب یعنی ویدک دھرم مذہب والے
بھی شامل ہیں اور "نصاریٰ" جن میں بدھ مذہب والے بھی شامل ہیں۔ ترجمہ: الخ وہ لوگ جو ایمان لائے یہود و نصاریٰ
اور صابی جو کوئی اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنے آقا کے ہاں سے اس
کا عوض لیں گے، نہ ان کو کسی قسم کا فکر ہوگا، نہ کسی قسم کا غم ہے۔ یہاں ابتدائی مدارج ایمان بتلائے گئے ہیں۔
جیسے کہا جائے کہ "الانسان حیوان ناطق" انسان حیوان متفکر ہے پھر آگے انسان متفکر کی دو قسمیں ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ، اسی طرح
مذہبی آدمی ہونے کے لئے یہ اوصاف (جو آیت میں مذکور ہیں) ضروری ہیں۔ اس سے کم اوصاف والے مذہبی جماعت نہیں کہلاتی

اسلام کے بین الاقوامی نقطہ نظر پر تحقیق بعض

اور نہ نجات کی مستحق ہے۔

ایمان داروں سے مراد مسلمان۔ یہود و نصاریٰ سے یہودی و عیسائی ہیں۔ صابی کے معنی ہیں، رجوع کرنے والا۔ اسلام کے عہد میں دو مشہور مذاہب یہودیت و نصرانیت تھے۔ قرآن مجید نے ان کا نام تو صاف طور پر لیا ہے اور باقی مذاہب جن کے نام مٹ چکے ہیں یا جو چراغِ سحری کی مانند چند روز کے مہمان ہیں، ان کے نام مجمل طور پر کسی جگہ بتلائے گئے ہیں اور کسی جگہ ذکر نہیں کیے گئے۔ اس لئے کہ قرآن مجید دُنیا کے مذاہب کی تاریخ نہیں ہے۔ قرآن مجید اس بات کو بہت زور سے بیان کرتا ہے کہ دُنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جس میں ڈرانے والے نہیں آئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دُنیا میں ہر قوم کے پاس نبی اور رسول آئے، جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت امام ربانی وغیرہ بزرگانِ سلف اس امر پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں رام چندر اور کرشن جی ان ہی کے زمرہ سے تھے۔ مگر اب مشکل یہ ہے کہ اہلِ ہنود نے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جو ان کی زندگی کا خاکہ ایک نہایت مہیب (ہیبتناک) شکل میں پیش کرتے ہیں۔ کرشن جی کی کتاب گیتا تصوّف کے متعلق ایک بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ یہ ان کی یادگار ہے۔ ویدک مذہب، یہودیت سے اور بُدھ مذہب، نصرانیت سے بہت مشابہ ہے ۔ گیتا میں ہے کہ "بہت سے لوگ مجھ کو چھوڑ کر دُوسروں کو پُوجتے ہیں، تو میں ان سے بیزار ہوں خود کرشن جی اپنی تقریر میں جس میں انہوں نے ارجن کو مخاطب کیا۔ چاند اور سُورج کی پُوجا کرنے والوں سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے (کتاب عرب و ہند سید سلیمان ندوی)۱

بدھ مذہب کے دینی پیشوا دُنیا سے الگ الگ گوشۂ تنہائی میں رہتے تھے۔ اسی طرح عیسائیت میں بھی راہب تارک الدُّنیا ہو کر دُنیا سے الگ رہ کر خُدا کی یاد کرتے ہیں۔ زرتشتی مذہب جو اہلِ ایران کا تھا اس کے پیرووں کا بھی یہی حال تھا۔ غرض قرآن مجید بتلاتا ہے کہ دُنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اور ان کے پیرو خُدا اور قیامت کے قائل ہیں، وہ اگر نیک عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ ان کو ان کے اعمال کا معاوضہ ضرور دیتا ہے۔ اس لئے ان کو کسی قسم کا فکر و غم نہیں ہوگا۔ غرض اس آیت نے ایک معیار قائم کر دیا کہ اس دائرہ کے اندر رہ کر جو آدمی نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کا احسن بدلہ دے گا۔ اس خیال کا کہ ایک خاص اُمت ہی نجات کی مستحق ہے اس آیت نے قلع قمع کر دیا۔ اسلام کی تعلیم دیکھئے کہ یہود مسلمانوں سے دشمنی پر تُلے ہوئے ہیں مگر اسلام ان کے نیک آدمیوں کی تعریف کر رہا ہے۔ دُشمنوں کے اوصاف بیان کرنا تو درکنار ہمیشہ ان کی بُرائیوں کو آشکارا کیا جاتا ہے۔ اس سے اسلام کی ———— رواداری کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوا کہ خُدا اور قیامت پر ایمان رکھنا اسلامی عقائد میں سے ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو بھی صرف زبانی عقیدہ پر نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ وہ نیک عمل نہ کریں۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ف ۱۱۸ "قاریخی اور غیر تاریخی مذاہب"

ف ۱۱۹ "خدا اور قیامت کے معتقد لوگوں کے نیک عمل کی محنت ضائع نہیں ہوتی۔"

---

۱ عرب و ہند تعلقات" از سید سلیمان ندوی طبع کراچی ۱۹۷۶ء بحوالہ ابوریحان بیرونی کتاب ہند باب نمبر گیارہ مطبوعہ لندن ۱۲۰۰ (؟)

اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء سے فرمایا کہ اے فاطمہ اس گمان میں مت رہیو کہ میں رسول کی بیٹی ہوں بلکہ قیامت کے دن صرف عملِ صالح پر نجات منحصر ہے۔[۱] اسلام سکھاتا ہے کہ اگر ایک غیر مسلم خدا اور قیامت پر ایمان رکھے اور نیک عمل کرے تو اس کے لئے بھی ویسا ہی معاوضہ ہے جیسا کہ ایک مسلمان کے لئے ہے[۱۲۰]۔ اسلام نے غیر مذاہب کے نیک لوگوں کی نہ صرف تعریف ہی کی — بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ غرض آیت نے قوموں کی یکجہتی اور اتفاق سے رہنے کا ایک ایسا سبق دیا کہ اور مذاہب ایسی تعلیم دینے سے قاصر ہیں۔ امن اور چین کی دنیاوی زندگی اور روحانی زندگی جو اسلام سکھاتا ہے کسی اور مذہب میں بمشکل ملے گی۔ اس لئے کہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ نیاز خم کرنے والی تعلیم، سوائے اسلام کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔ اس آیت نے ایک زبردست ہیجان طبیعتوں کے اندر پیدا کر دیا اور تمام دنیا کے انسانوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بلال حبشؓ سے اٹھے، اسی کی برقی قوت تھی جس نے سلمان فارسیؓ کو جنبش دلائی، یہی کلام معجزہ نما جو روم سے صہیبؓ جیسے برگزیدہ انسانوں کو حجاز میں لائی۔ غرض اسی آیت نے ایک بین الاقوامی سوسائٹی پیدا کر دی۔ جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ کشاں کشاں آئے اور حریت اور مساوات کے سبق سیکھ کر دنیا میں وہ کام کئے کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔[۱۲۱] دنیا میں جس قدر آل پارٹیز کانفرنس ہیں ان کی تہ میں اسی آیت کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ برہمو سماج لیجئے یا انجمن اقوام یا اقوام متحدہ غرض سب کو اسی آیت نے سبق پڑھایا تو آپ کی مجلس اقوام اسی آیت کا ایک مجمل سا خاکہ ہے جس میں مختلف اقوام شامل ہیں۔ غرض اسی آیت نے دنیا کو مساوات اور اخوت کا سبق دیا ہے اور تمام قوموں سے پیار اور رشتہ اخوت باندھنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کو لیجئے۔ ہر ایک مذہب اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے اور دنیا بھر کی خرابیاں دوسرے مذاہب کے سر تھوپتا ہے۔ مگر اسلام کس رواداری کو برتتا ہے اور دوسروں کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔[۱۲۲] قرآن حکیم دوسری قوموں کے نیک لوگوں کی ہر جگہ تعریف کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ آیت ۶۶ پ۶ میں ہے۔ "وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ الخ" ترجمہ: یعنی ان میں سے ایک جماعت والے میانہ رو ہیں۔ حتیٰ کہ مشرکوں کے متعلق قرآن حکیم نے کہا۔ ان کے بتوں کو برا مت کہو۔ (سورۃ الانعام۔ آیت ۱۰۹) قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ الی قولہ مُعْرِضُوْنَ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۸۳ پ۱) ترجمہ: "اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرو گے اور والدین، رشتہ داروں، مسکینوں اور حاجتمندوں کے ساتھ بھلائی کرو گے اور لوگوں کو اچھے لفظ بولو گے، نماز پڑھو گے، اور زکوٰۃ دو گے مگر سوائے چند کے تم اس وعدہ سے منحرف ہو گئے اور اب تم ان سے منحرف ہو رہے ہو۔" اس جگہ قرآن مجید نے اعتراف کیا ہے کہ گو اکثر اطاعت سے منحرف ہو گئے، مگر چند آدمی پھر بھی ایسے ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

[۱۲۳] اسلام نے تو خدا کے احکام کے آگے سرِ نیاز خم کرنا ہی نیکی کا معیار مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء آیت ۱۲۵ پ۵ میں ہے۔ "اس سے بہتر مذہب کس کا ہے جس نے اپنے آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کا تابعدار بنا دیا اور دوسروں سے نیک سلوک کرتا ہے اور ابراہیمؑ کے ملت کا پیرو ہے۔ وہ ابراہیمؑ جو حنیف تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دوست بنایا۔"

سر ۱۲۰ یکجہتی اور اتفاق کا سبق
سر ۱۲۱ انجمن اقوام یا اقوام متحدہ
سر ۱۲۲ قرآن ہر مذہب و قوم کے نیک لوگوں کی تعریف کرتا ہے
سر ۱۲۳ نیکی کا معیار احکام خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرنا

---

[۱] حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن ابی هريرة قال لما نزلت وانذر عشيرتك الاقربين دعا رسول الله قريشا فعم وخص فقال۔ يا فاطمة انقذی نفسك من النار فانی لا املك لكم من الله شيئا الحديث۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم ص۱۱۴ جلد اول طبع نور محمد دہلی ع ق

وَقَالَتِ الیھود والنصاری" لَن یَدخُلَ الجَنَّۃَ اِلَّا مَن کَانَ ھُودًا اَو نَصَارٰی" لانھم ابناء اللّٰہ واحباؤہ کما فی قولہ وَقَالَتِ الیَھُودُ والنَّصَارٰی نَحنُ اَبنَاءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاءُہٗ (سورۃ المائدہ) وقال القرآن فی جوابہ۔ بَلٰی مَن اَسلَمَ وَجھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحسِنٌ الخ (سورۃ البقرۃ: ۱۱۱)

یعنی یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا۔ اس لئے کہ وہ اللّٰہ کے بیٹے اور پیارے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۱ پ ۱، سورۃ المائدہ آیت ۱۸ پ ۶) اس کے جواب میں قرآن حکیم کہتا ہے بَلٰی مَن اَسلَمَ الآیۃ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۱) یعنی جو اللّٰہ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور دُوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے یہ ایک ایسا شخص ہے جس کا اجر خُدا کے ہاں ہے اسے نہ کسی کا فکر اور نہ کسی قسم کا ڈر ہوگا۔" ایک اور جگہ حکم ہوتا ہے کہ سب کچھ عمل پر منحصر ہے اور عملوں پر نجات کا ملاک ہے۔ یہی وجہ ہے[۱۲۴] کہ قرون اولیٰ کے مُسلمان ہر ایک مذہب کے عالم کی قدر کرتے ہیں، غرض یہ قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عرب نہایت کشادہ دلی اور عالی ظرفی سے تمام دُنیا کے عُلماء کا خواہ کسی ہی مذہب سے کیوں نہ ہوں استقبال کرتے تھے اور یہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ عربوں نے خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں دورانِ جنگ اتفاقی واقعات کو چھوڑ کر جن قوموں سے مُعاہدہ کیا یا صُلح کی، اُنکی عبادت گاہوں کو ٹھیس بھی نہیں لگنے دی۔ ایران کے آتش کدے اسی طرح روشن رہے۔ فلسطین، شام، مصر، عراق کے گرجے جُوں کے توں ویسے ہی پٹے پڑے تھے ویسے ہی ناقوس کی آواز سے گونجتے رہے[۱۲۵] اصل یہ ہے کہ اسلام نے تمام دُنیا کی قوموں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) مُسلمان۔ (۲) اہلِ کتاب۔ یعنی وہ قومیں جو کسی ایسی آسمانی تعلیم کی پیرو ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ (۳) مشابہ اہلِ کتاب یعنی وہ قومیں جو کسی آسمانی تعلیم کی پیروی کی مُدّعی تو ہیں مگر قرآن حکیم میں ان کا نام نہیں ہے۔ اس لئے ان کے اہلِ کتاب ہونے کا یقین نہیں مگر گمان ضرور ہے۔ (۴) کُفّار۔

محمد بن القاسمؒ جب سندھ کے مشہور شہر الور (اروڑ) پہنچا تو شہر والوں نے کئی ماہ تک حملہ آوروں کا پرزور مقابلہ کیا پھر صُلح کی اور اس میں دو شرطیں پیش کیں۔

(۱) شہر کا کوئی آدمی قتل نہ کیا جائے۔ (۲) ان کے بُت خانوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

محمد بن قاسم نے جس وقت ان شرائط کو قبول کیا تو یہ الفاظ کہے کہ ہندوستان کے بُت خانے بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے آتش کدوں ہی کی طرح ہیں[۱۲۶]۔ ایک عرب فاتح کی زبان سے یہ وہ تصریح ہے کہ اس نے ہندوؤں کو وہی حیثیت دی جو کسی آسمانی تعلیم کے پیروؤں کی اسلامی قانون میں ہے اور ان کے بُت خانوں کو بھی وہی درجہ دیا جو اہلِ کتاب یا مشابہ اہلِ کتاب کے معبودوں کا اسلام میں ہے[۱۲۷]۔

کتاب عرب[۱۲۸] و ہند کے تعلّقات مصنّفہ سیّد سلیمان ندویؒ میں ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ میں بغداد کی حالت یہ تھی کہ دنیا کے تمام مذہبوں اور عقیدوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ عباسی خلفاء اور ان کے بعض فلسفہ پسند امراء کے دربار میں مذہبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور ہر مذہب والے کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کی دلیلیں پیش کرے اور اسلام پر اعتراضات کرے اور ان کے جوابات سُنے۔ ان مجلسوں اور مناظروں میں مُسلمان مُتکلّمین

حاشیہ: ص ۱۲۴ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اور دیگر مذاہب اور ان کے علماء سے سلوک
ص ۱۲۵ دنیا کی مختلف اقوام اور قومیں چار حصّوں میں تقسیم
ص ۱۲۶ عباسی دور میں مذاہب کے ماہرین علمی مباحثوں کے تعلقات

ـه جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ نہ تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو کوئی برا کام کریگا اس کی سزا پائیگا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ○ اور جو کوئی کام کرے اچھے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر (سورۂ نساء رکوع ۱۸ آیت ۱۲۳، ۱۲۴ پ ۵)

ـه فتوح البلدان: از بلاذری طبع لندن ص ۴۳۹ نیز عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۳۷

ـه یہاں قلمی نسخہ میں صاحب املا لکھتے ہیں: "یہاں تک مولانا کی تقریر ہے۔ آگے اقتباس کا تقریر پر اضافہ صاحب املا کی طرف سے ہے۔" مطبوعہ نسخہ میں محمد بن قاسم کے واقعہ پر عرب و ہند تعلقات از سید سلیمان ندوی ص ۲۹۱ کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقالات سیرت ص ۲۱ طبع رشیدیہ لاہور۔ (ح ق)

سب سے پیش پیش رہتے تھے اور برامکہ کا خاندان خاص طور سے ان لوگوں کی سرپرستی کرتا تھا ملاحظہ ہو صفحہ ٢٠٢ اور دوسری جگہ میں ہے کہ ایک عرب مُصنّف قاضی صاعد اسپین کا باشندہ جو $\frac{\text{٢٥٠ھ}}{\text{٤٨٦٤}}$ [١] میں گزرا ہے وہ اپنی کتاب طبقات الامم میں تمام دنیا کی متمدّن قوموں کے علوم کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ ہندوؤں کے بارے میں لکھتا ہے "ان کا علمِ الٰہی" اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور شرک سے پاک ہے اور مؤرخ مسعودی م ٣٤٦ھ جو ٣٠٣ھ میں ہندوستان آیا۔ کھمبائت کے حالات میں لکھتا ہے کہ "جب ٣٠٢ھ میں یہاں آیا تو یہاں کا حاکم ایک بنیا تھا جو برہمنی مذہب رکھتا تھا اور وہ مہانگر کے راجہ ولبھ رائے کے ماتحت تھا۔ اس کو مناظرہ کا بہت شوق تھا۔ اس کے شہر میں باہر جو نئے مُسلمان یا اور مذہب کے لوگ آتے تھے وہ ان سے سخت مناظرہ کرتا تھا [٢] ملاحظہ ہو عرب و ہند صفحہ ٢١١ اور ایک اور جگہ لکھا ہے کہ امام بخاری متوفی ٢٥٠ ہجری نے اپنی کتاب ادب المفرد میں صحابہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ضبط کیا ہے کہ ایک دفعہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار پڑیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب کو ان کے علاج کے لئے بلایا [٣]۔ ہارون الرشید کا علاج مفکر نامی وید نے کیا۔ جس سے اس کو صحت ہوئی۔ برامکہ نے اپنے شفاخانہ کا افسرِ اعلیٰ ابن دہن کو مقرر کیا جو سنسکرت سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرنے والے لوگوں میں تھا۔ خلیفہ منصور اور ہارون الرشید کی سرپرستیوں اور برامکہ کی قدردانیوں اور فیاضیوں کی بدولت ہندوستان کے بیسیوں پنڈت اور وید بغداد پہنچے اور سلطنت کے طبّی اور علمی محکموں میں مصروف ہوئے اور حساب، نجوم، ہیئت، طب، ادب، اخلاق کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ برامکہ بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کا اصل تعلق ہندوستان سے تھا مگر اسلام کی وسعت نظری سے متاثر ہو کر اس کے دامنِ عافیت میں آ گئے۔ چونکہ ان کا تعلّق ہندوستان سے تھا، اس لئے انہوں نے اپنے زمانۂ وزارت میں تمام علمی سرگرمیاں، علوم وفنون کی سرپرستیاں، شعر وسخن کی قدردانیاں، ہندوستان کی طب اور ہیئت کو عربی میں منتقل کر دیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے تم سے اقرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہِ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم ڈرو ﴿٦٣﴾ پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہوتے۔ ﴿٦٤﴾

قانونِ الٰہی [١٢١] پر عمل کرنے کے لئے جب تم پر زور دیا گیا تو تم نے پھر بھی قانون شکنی کی۔ یہ معنی ہیں آیت ٦٤ کے۔

١٢١ "یہود کی قانون شکنی کی عادت اور سزا"

۱؎ علامہ چلپیؒ فرماتے ہیں التعریف بطبقات الامم ابی القاسم صاعد بن احمد القاضی القرطبی المتوفی سنہ ۲۵۰ھ کی تصنیف ہے، ملاحظہ ہو کشف الظنون ص۱۰۹۵ طبع تہران ۱۹۴۷م ۱۳۶۸ھ ۱۲ (ع-ق)

۲؎ "مروج الذہب" مسعودی ج۱ ص۲۵۲ طبع لیڈن ۱۲ (م ام)

۳؎ الادب المفرد امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ ص۵۱ باب بیع الخادم من الاعراب طبع مکتبہ اثریہ شیخوپورہ پاکستان ۱۲ (ع-ق)

۴؎ "عرب و ہند کے تعلقات" سلیمان ندوی ۱۹۳۰ء طبع کراچی ص۲۳۹ پر یہ حوالہ درج ہے ۱۲ (م ام)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل۔ ﴿۶۵﴾

یعنی یوم السبت کی حرمت بھی تم نے چھوڑ دی یعنی قانون شکنی اختیار کی۔ اس کی سزا میں تم انسانیت سے خارج ہو گئے اور بندروں کے اوصاف تم میں نمایاں ہو گئے۔ آیت کا ترجمہ ہے "ہم نے ان کو کہا کہ ہو جاؤ (مثل) بندر" یعنی بطورِ حقارت یہ فقرہ استعمال ہو رہا ہے۔ جیسا کہ کسی آدمی کو ایک کام سمجھایا جائے اور اس کے بعد وہ اسے نہ کر سکے تو اسے گدھے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ بعینہٖ بنی اسرائیل کی حالت تھی۔ وہ ہر بار اپنے پروگرام کی تکمیل میں ناکام ہو رہے ہیں اور ہر بار قانونِ الٰہی کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ انجیل میں ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل کی شکلیں تک بندروں میں تبدیل ہو گئیں۔ حالانکہ یہ قانونِ قدرت کے صریحاً خلاف ہے بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کی اب ذہنیت ہی تبدیل کر دی گئی۔ اس لئے کہ وہ بُرائی کے سوائے کسی طرف جُھکتے ہی نہ تھے۔ انسان جب حد سے گزر جاتا ہے تو اسے عموماً یہی کہتے ہیں کہ اس کی ذہنیت ہی تبدیل ہو گئی ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے۔ ﴿۶۶﴾

س ۱۲۸ "قانون شکنی کا انجام سوچ اور عمل دو الگ جمل کہ جانا"

کسی قوم کے جب بُرے دن آتے ہیں تو ان کو ہمیشہ بُری باتیں ہی سُوجھتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہو چکا ہے اور وہ نیکی کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی قانون شکنی سے ان پر عذاب نازل ہوا۔ اس سے متّقی لوگوں کو یعنی قانونی زندگی پر چلنے والوں کو نصیحت لینی چاہیئے کہ قانون شکن قوم کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے۔ وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتا ہے؛

لہ مجاہد اور ابن جریر نے بھی "کُوْنُوْا قِرَدَةً" کے یہی معنی مراد لئے ہیں تفسیر مجاہد اسلام آباد ۱۳۹۶ھ ۱۲ (م ام)

کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں۔ (۶۷)

"قدیم قوموں کے گائے کے متعلق عقیدہ اور اسلام کے ذبح کرنے کے حکم کا مفہوم اور حکمت" ۱۳۹

مصری بھی ہندوؤں کی طرح گائے کی پرستش کرتے تھے۔ مصریوں کے ساتھ چار سو برس رہنے سے بنی اسرائیل بھی گائے کی اسی طرح تعظیم کرتے تھے۔ اسی عظمت کے خیال کو دُور کرنے کے لئے گائے کی قُربانی کا حُکم دیا گیا۔ حنفی مذہب میں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایران، عرب، ہندوستان، مصر وغیرہ ممالک میں گھوڑے بافراط مُہیّا نہیں ہوتے کہ جہاد کی ضرورت کے کفیل ہوں۔ اگر انہیں مثل دوسرے جانوروں کے قربانی کے لئے ذبح کیا جائے تو ان کی تعداد جلدی ختم ہو جائے گی۔ اس لئے گھوڑے کی حُرمت کے متعلق کہا گیا اسی طرح گائے کی حالت تھی۔ بنی اسرائیل کے اس عظمت کے خیال کو دُور کرنے کے لئے گائے کی قُربانی کا حُکم دیا جا رہا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

ع ۸

ترجمہ: بولے کہ دُعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے۔ بڑھاپے اور جوانی کے، اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے۔ (۶۸) بولے کہ دُعا کر ہمارے واسطے اپنے ربّ سے کہ بتا دے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو۔ (۶۹) بولے دُعا کر ہمارے واسطے اپنے ربّ سے کہ بتا دے ہم کو کس قسم میں ہے وہ، کیونکہ اس گائے میں شُبہ پڑا ہے ہم کو، اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے۔ (۷۰) کہا وہ فرماتا ہے

کہ وہ ایک گائے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو، بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں، بولے اب لایا تو ٹھیک بات، پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے۔ (۷۱)

بنی اسرائیل بھی مصریوں کی مانند گائے کو مقدس خیال کرتے تھے اس لئے گائے کی قربانی نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ ٹال مٹول کر رہے تھے۔ آخر جب کوئی بہانہ کارگر نہ ہوا تو مجبوراً قربانی کرنی پڑی۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور جب مار ڈالا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے، اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔ (۷۲) پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا، اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو، اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو۔ (۷۳)

اب اصل واقعہ بتلایا گیا ہے۔

۱۳ "معجزہ کی حقیقت پر بحث"

موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کے عجیب عجیب نمونے دیکھے تھے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ نے کر دیا اور اس کی سمجھ (حکمت) یہ ہے کہ اس حقیقت کو متعین کر لیا جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے دل و دماغ میں پیدا ہوئی۔ جس کا اثر یہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نبی سے جس قدر کام صادر ہوتے ہیں وہ اس کی استعداد کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگر انسان اب ان کو سمجھ لے تو بظاہر قدرت کے خلاف کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس قسم[۱۳] کے بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اللہ تعالیٰ پر جس قدر اعتماد بڑھ جاتا ہے اس کے خلاف اگر اس کے ساتھ حکمت کے اصول کو سوچنا چھوڑ دیا جائے تو عقل غائب ہو جاتی ہے اور انسان بے عقل ہو جاتا ہے۔

۱۳ "انبیاء اور اہل اللہ کی محبت کی تاثیر"

اب بنی اسرائیل کو ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس سے ان کو اس حقیقت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان کوئی خاص استعداد پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ وہی کام کرے گی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ اس طرح کی سمجھ پیدا ہونے کے بعد وہ موسیٰ علیہ السلام کے پروگرام کو چلا سکتے ہیں۔ اب ان آیات میں واقعہ بتلایا گیا ہے۔ یہ ایک تمثیل ہے۔ بنی اسرائیل کے ہاں ایک آدمی مارا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ معلوم ہو وہ خاص آدمی کون ہے۔ اب اگر موسیٰ علیہ السلام کو الہام اللہ تعالیٰ دے دے اور وہ لوگوں کو بتلا دے تو سمجھو کہ کام ہو گیا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام چاہتے ہیں کہ قوم میں خود یہ استعداد پیدا کی جائے۔ اس لئے کہ اس قتل سے

قوم کے دماغ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اب اگر ان کے دل و دماغ کی قوّت کو ایک نُقطہ پر کسی طریقہ سے جمع کر دیا جائے اور وہ اس طرح ایک زبان ہو کر خُدا سے مانگیں تو کام فوراً ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو قوّت اس طرح پیدا ہوتی ہے وہ قوّت ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے اور وہ مرکز عالمِ مثال میں ہے اور پھر وہاں سے بذریعہ الہام زمین پر نازل ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ سمندر کے بخارات اٹھیں اور وہ آسمان کی طرف جا کر مینہ کی شکل میں برس پڑیں۔ اب موسیٰ علیہ السّلام نے حکم دیا کہ گائے ذبح کرو۔ اب بنی اسرائیل کے دل میں پریشانی پیدا ہوئی کہ اس قتل کے واقعہ کو گائے کے ذبح کرنے سے کیا تعلّق۔ پہلے انہیں تعجّب ہوا مگر جب انہیں یقین ہوا کہ موسیٰ علیہ السّلام تحقیق چاہتے ہیں تو اب ان کا دماغ تنبیہہ کرتا ہے اور ایک مرکز پر پہنچتا ہے۔ کہتے ہیں (یہ روایت بالکل قریب قریب موضوع ہے) کہ اس قسم کی گائے ایک نیک خاندان میں تھی اور ایک یتیم لڑکے کے پاس ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کو ضرورت تھی اس واسطے خواہ وہ کس قدر گراں قیمت پر ملتی۔ اس لئے روپیہ جمع کرنے کے لئے ان کا دماغ ایک طرف متوجّہ ہوا اور روپیہ جمع کر کے اس گائے کو خرید لیا۔ اب اس کے بعض اجزاء مارنے سے اس مقتول میں انسانی رُوحانیت سرایت کر گئی اور اس (مُردہ) نے خود بتا دیا کہ قاتل کون ہے۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ اب بنی اسرائیل کی سمجھ میں آ گیا کہ اس طرح کام کرنے سے اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ مشکل حل کر دیتا ہے۔ اس واسطے اس آیت کے آخر میں کہا گیا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ تم اس بات کی حقیقت سمجھنے لگ جاؤ گے، کہ قدرت کے اس قسم کے بڑے بڑے واقعات جو ہوتے ہیں ان کا کیا سبب ہوتا ہے۔ اب اگر اس کی بجائے موسیٰ علیہ السّلام اپنے رُوحانی تصرّف سے مُردہ کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اُٹھ اپنا قاتل بتلا تو یہ ایک معمولی واقعہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اسی قسم کے مُعجزات موسیٰ علیہ السّلام سے دیکھ چکے تھے، مگر موسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کے بعد اگر نبی کی قوم مُتّفق ہو کر کوئی کام سوچے تو وہ نبی ہی کی طرح اس کام کو کر گزرتی ہے۔ نبی نے ان کو اس واقعہ میں یہ راز بتلایا۔

۱۳۲ اجماعِ اُمت کا مقام

ہمارے[۱۳۲] فقہا میں بھی اس قسم کی بات موجود ہے کہ مُسلمانوں کے فقہا و علماء مُتّفقہ طور پر جس مسئلہ یا بات کے متعلّق سوچیں (اسے اجماع کہا جاتا ہے) تو ان کا اس کے متعلّق متّفقہ فیصلہ نبی ہی کی مانند ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید کے مخصوص احکام کو مُلتوی کر سکتے ہیں اور قرآن مجید کی مُبہم آیات کی جو تشریح وہ کریں وہی معین ہے۔ جس زمانہ میں مُسلمانوں نے ترقّی کی ہے انہیں یہ عقل تھی کہ انہوں نے اس (اجماع امۃ) کو قاعدہ بنا لیا مگر اس کے برعکس اب ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عالم نہیں سمجھ سکتے کہ اجماع کا کیا مطلب ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مُعاملہ کے ہمارے تمام شکوک رفع کر دیئے ہیں اور اب ہم اجماع کا مطلب بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس اجماع کا نام ہماری اصطلاح میں آج سنٹرل کمیٹی ہے۔

۱۳۳ "عترت کا قرابتی اور ذوی القربیٰ کا مفہوم"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں۔[۱۳۳] (۱) قرآن حکیم۔ (۲) عترت[۱]۔ قرآن مُسلمانوں کے لئے صحیح پروگرام ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی عترت یا اقرباء یا ذوی القربیٰ ان تینوں الفاظ کا مطلب ہمارے

---

[۱] عترت یا ذوی القربیٰ کی مزید مفصل بحث کے لئے قرآنی شعور انقلاب ص۱۹۶ تا ص۲۰۲ کا مطالعہ کیجئے ۱۲ (ع-ق)

ہاں سنٹرل کمیٹی" ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری نسبی جن لوگوں سے تھی ان کو آپ کا قائم مقام ماننا ایک بڑی سخت غلطی ہے۔ آپؐ کے قائم مقام وہ جماعت ہوتی ہے جو آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرتی رہے اور یہی جماعت فقط رسولؐ کی حیثیت سے رسولؐ کے اقربار ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی ذوی القربیٰ کا لفظ آیا ہے اس میں آپ کے رشتہ دار اور دوسرے بھی شامل ہیں اور آپ کے جو رشتہ دار اس پروگرام کے مخالف تھے آپ نے ان کو منہ تک نہیں لگایا۔ اس کے بعد یہ خیال پیدا کرنا کہ آپ کے رشتہ دار ہی ذوی القربیٰ ہیں تو اسکا نتیجہ نکلا کہ مسلمان قرآن کی بہت سی چیزیں سمجھنے سے رہ گئے، آپؐ کا قبیلہ بنی ہاشم کہلاتا تھا۔ بنی ہاشم میں سے جو لوگ اس جماعت میں کام کرتے رہے وہ بھی اسی جماعت کے ممبر ہیں۔ آپؐ کی ازواجِ مطہرات جو عورتوں کو تعلیم دینے میں امام ہیں وہ بھی اس جماعت میں داخل ہیں۔ ابوبکرؓ نے جس وقت اپنے آپ کو خلافت کے لئے پیش کیا تو کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت سے ہوں۔ غرض ابوبکر صدیقؓ بھی آپؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بھی اس جماعت میں شامل ہیں۔ اس "انٹرنیشنل باڈی" کو ایک خاص خاندان میں محدود کر دینا دین کی تحریف ہوگی

اصل میں حدیث اتنی قدر ہے۔ ترکت فیکم امرا لن تضلوا ما تمسکتم به کتاب اللهؐ

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ جب تک تم اسکو مضبوطی سے تھامے رہو ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) ہے

(رواہ مسلم)

اس کے بعد شیعہ نے "عترتی" کا لفظ بڑھایا اور سنیوں نے "سنتِ رسولہ" کا لفظ بڑھا دیا اور ایک حدیث مسلم میں ہے کہ آل بنی فلاں لیسوا باولیائی انما اولیائی المتقون۔ (آل بنی فلاں میرے اولیاء نہیں ہیں کیونکہ میرے اولیاء تو متقین ہے)

کہ آل ابی طالب لیسوا باولیائی انما اولیائی المتقون

یعنی ابوطالب کی آل میرے اولیاء نہیں ہیں میرے اولیاء تو متقین (عدالت واحسان قائم کرنے والے) ہیں

اس مبہم لفظ کی تشریح احکام القرآن ابن عربی میں ہے۔ اس حدیث سے تو بالکل واضح ہوگیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث وہ لوگ ہوں گے جو عدالت اور احسان کو قائم کرنے والے ہوں گے۔

علم الکلام ۶۵ میں ہے۔ یحییٰ بن حزلہ ابتداء میں عیسائی تھا۔ علوم کی تحصیل ولید معتزلی سے کی اور اس ہدایت اور قوتِ استدلال کا معتقد ہو کر ۴۹۶ھ ہجری میں اسلام لایا، چونکہ تورات، انجیل کا واقف تھا اور ماہر تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں پر جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں، ایک مستقل کتاب لکھی اور اس بحث پر غالباً یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس نے اپنی تصنیف میں اس بات کو نہایت صاف دلائل سے ثابت کیا کہ یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو جان بوجھ کر چھپاتے اور جھٹلاتے ہیں۔[۱۳۴]

عبداللہ ترجمان پہلے عیسائی تھا۔ اس کے بعد اسلام لانے کی یہ وجہ ہوئی کہ تورات وانجیل میں آپ کی پیشین گوئیاں دیکھ کر اپنے استاد سے جو اس زمانہ کا بہت بڑا پادری تھا، اس کی حقیقت دریافت کی۔ پادری نے کہا بے شبہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہیں، لیکن میں دنیا کی منافع کی بناء پر انکو ظاہر نہیں کر سکتا۔ تم کو خدا توفیق دے تو مسلمان ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا اور "تحفۃ الاریب" نام کی ایک کتاب لکھی۔

[۱۳۴] معصومؑ کے بارے میں آمد کی پیشین گوئیاں چھپانے کی یہود ونصاریٰ کی عادت۔

جس میں یہ تمام حالات درج کئے اور آسمانی کتب سے آپ کی پیشین گوئیاں ثابت کیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ[۱۳۵] توریت اور انجیل کی تحریف کو دو پہلوؤں سے ثابت کرتے ہیں:[۱] ایک یہ کہ ان کتابوں کے نسخوں میں سخت اختلاف ہے اور چونکہ ان میں کسی طرح تطبیق نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔[۲] دوسرے یہ کہ

لہ مشکوٰۃ میں مسلم شریف کے حوالے سے "باب مناقب اہل البیت" میں تفصیلی حدیث نقل کی گئی ہے جس کے آخر میں ہے وفی روایۃ کتاب اللہ ھو حبل اللہ من اتبعہ کان علی الھدٰی ومن ترکہ کان علی الضلالۃ رواہ مسلم ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص۵۶۸ طبع قدیمی نیز اس کے ہم معنی حدیث ابن عباسؓ سے روایت کی ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۱) بعینہ مذکورہ عبارت نہیں مل سکی ۱۲ (ع ق)

ان میں اکثر باتیں خلافِ عقل ہیں۔ اس لئے وہ منزل من اللہ (منجانب اللہ) نہیں ہوسکتیں۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ علماءِ سلف کسی بات کا خلافِ عقل ہونا اس بات کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔ انتہیٰ کلامہ۔

اس میں[۱۳۶] دو جگہ غلط استدلال ہے۔ ایک تو یہ کہ انجیل کا مقابلہ قرآن سے کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث کے درجہ کی کتاب ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں دیکھو تو اختلاف نظر آتا ہے۔ ایک راوی ایک لفظ کہتا ہے دوسرا دوسرا لفظ، تو اس جگہ حتی الوسع تطبیق کی کوشش کرنی چاہیئے اور دوسرا یہ کہ خلافِ عقل ہونے سے قابلِ استدلال نہیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کیونکہ عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے کوئی معیار بنانا چاہیئے۔

وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ اس[۱۳۷] سے عقلمندوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ یعنی نبی جو حکم دے اس کی فوراً تعمیل کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ طبیعت پر کس قدر بوجھ ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ فوراً تعمیل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعمیلِ حکم سے زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ اسی طرح اپنے نبی کے احکام کی تکمیل کرنے سے قومیں دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا جا رہا ہے کہ جب تک تم نبی کے احکام کی تعمیل کرتے رہے تو تمہاری دعاؤں اور تمہارے کارِ نمایاں میں یہاں تک تاثیر تھی کہ اس سے مُردے زندہ ہو جاتے تھے مگر جب سے تم نے اپنے نبی کے احکام سے سرکشی اختیار کی تو اب انجام ظاہر ہے۔

[۱۳۶] "توریت و انجیل کی حیثیت بحیثیت حدیث کی ہی ہے"

[۱۳۷] "نبی اور حقیقی دارین کے حکموں کی تعمیل کا اثر"

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت، اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے، اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔ ﴿۷۴﴾

تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں، پتھر ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے پہاڑوں پر کسی جگہ تو دریا بہتے ہیں اور کسی جگہ ان سے چشمے پھوٹتے ہیں، اور یہی پتھر خدا کے خوف سے سرنگوں ہوتے ہیں۔ مگر اے بنی اسرائیل! تمہارے دل ایسے پتھر ہو گئے کہ ان پتھروں سے بھی گئے گزرے (ہو گئے)

قرآن حکیم کے شروع ہی میں بنی اسرائیل کا ذکر کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ جب قوم نبی[۱۳۸] کے احکام کی فرمانبرداری ترک کر دیتی ہے تو نتیجۃً اسکی تباہی یقینی اور لازمی ہو جاتی ہے مسلمانوں کو اس جگہ بتلایا جا رہا ہے کہ تم بھی اپنے نبی کی اطاعت کرو

۱۳۸ نبی کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ سنگدلی، تباہی اور محکومیت ہے

ے تورات و انجیل میں تحریف کے متعلق حضرت امام شاہ ولی اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و دیگر محققین کے مسلک کے مطابق اسی کے قائل ہیں ان میں اصل کلام الٰہی میں لفظًا تحریف واقع نہیں ہوئی، بلکہ ترجموں اور مطالب کے اندر ان کے علماء تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو الفوز الکبیر ص۱۲ طبع علمیہ لاہور، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ مصنفہ حضرت مولانا سندھی رح ص ۱۲

اور اس کے کسی حکم پر اعتراض مت کرو۔ بنی اسرائیل سنگدل ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے منحرف ہو گئے۔ اسی طرح تباہ ہو گئے۔

انسان کے پاس جب راس المال ہوتا ہے تو وہ اس کے ذریعہ ہر قسم کی ضروریات مُہیّا کر سکتا ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کو ایک قانونِ الہٰی دیا گیا۔ جس کی پیروی سے انہیں دُنیاوی جاہ و شوکت اور رُوحانیت دینی منظور تھی، مگر وہ پیروی نہ کرنے سے سنگدل ہو گئے۔ غرض اس جگہ بھی بنی اسرائیل اس قانون کی پیروی نہ کر سکے اور ناکام نکلے۔ اس طرح پے در پے نافرمانی کرنے والوں کو حکومت عطا نہیں کی جاتی۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اب کیا تم اے مُسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سُنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے ﴿۷۵﴾

قرآن حکیم ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتاب کے بہت سے احکام کی تحریف کر دی ہے اور آج کل جو پادریوں کی یورپ میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں کہ انجیل کے بہت سے احکام کو تبدیل کرنے کی آج بھی ضرورت ہے۔ یہ قرآن حکیم کے اعتراض کی تصدیق کرتا ہے، غرض یہود کے عُلماء کی یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے تھے، اس لئے ترقی نہ کر سکے۔

١٣٩ دُر انجیل کی غرضیوں کے ضرورت کے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: اور جب ملتے ہیں مُسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے تم پر اللہ نے تاکہ جھٹلائیں تم کو اس تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۷۶﴾ کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۷﴾

یہود اپنے کم احتیاط کرنے والے مذہبی علماء سے بحث کرتے ہیں کہ وہ نبی آخر الزمان کی پیشین گوئیاں

١٤٠ یہودی علماء کی ذہنیت کا ایک رجحان

لے قلمی نسخہ میں یہاں عبارت اسطرح ہے (ایک حاشیہ اس کا علم الکلام سے پہلے ہو چکا ہے اس کو دیکھو۔ دیکھو آخر تقریر ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا الاٰیۃ) چونکہ یہ عبارت زائد ہے اس لئے ہم نے حذف کر دی ۱۲ (ع۔ ق)

مُسلمانوں کو نہ بتلائیں۔ اس لئے کہ مُسلمان ان سے فائدہ اٹھالیں گے۔ ان کے اس خیال کی اگلی آیت میں تردید کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچ سچ ہی تھا خواہ اسے بنی اسرائیل ظاہر کریں یا پوشیدہ رکھیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھُوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات ﴿۷۸﴾

ف ۱۴۱ یہودی عوام کی ذہنیت

اب ان[141] پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ اَمَانِیَّ یعنی وہ لوگ جو صرف الفاظ پڑھتے ہیں مگر معنی نہیں سمجھتے، نہ جانتے ہیں یعنی وہ صرف تلاوت کرنا ہی جانتے ہیں۔ بعینہٖ آج کل مُسلمانوں کا یہی حال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

ف ۱۴۲ یہودی علماء کی ذہنیت کا ایک اور پہلو

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے ﴿۷۹﴾

یہ عُلماء[142] کا ذکر ہے جن کا پہلے آیت نمبر ۷۵ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ خُدا کی کتاب کے معانی اپنے مطلب پر ڈھال لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتاب کا مطلب درحقیقت یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے، کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے ﴿۸۰﴾

ف ۱۴۳ رجعت پسند یہودی بزرگوں کا اپنے آپ کو برگزیدہ خیال کرنا

ولو کنا عاصین غایۃ العصیان الا ایاما معدودۃ ثم ندخل الجنۃ۔ "یعنی یہود[143] کہتے تھے کہ خواہ وہ کس قدر ہی گنہگار کیوں نہ ہوں گے صرف چند روز ہی جہنّم میں رہیں گے، اس کے بعد جنّت میں آجائیں گے۔" یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لُطف یہ ہے کہ آج کل مُسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مُسلمان گنہگار چند دن

جہنّم میں رہنے کے بعد جنّت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی اُمّتیں جہنّم میں رہیں گی۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾

[۱۴۴] یہود کے اس عقیدے کی تردید ہے۔ بُرے عمل کی سزا ضرور ملے گی۔ بُرے کام کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے اور اہلِ جہنّم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کو اس کی خطاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو۔

ح ۱۴۴ مکافاتِ عمل سے کوئی قوم نہیں بچ سکتی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ع ۹ | ۹

ترجمہ: جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنّت کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۸۲﴾

[۱۴۵] جو اللہ تعالےٰ کے قانون کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ لوگ بہشت کے مالک ہیں۔

ح ۱۴۵ کامیابی کا معیار۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک کرنا نیک اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے۔ ﴿۸۳﴾

ے الفوز الکبیر میں اس خیال کو معنوی تحریفات میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو الفوز الکبیر فارسی عربی اردو طبع قرآن محل کراچی ۱۳۹۳ھ ص ۱۲ (ع۔ق)

"یہودیوں کا اخلاق اور معاشی معاھدہ سے پھرجانا"

یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ والدین، عزیز و اقرباء، یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ لوگوں کو نیکی کی بات کہیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ شروع میں کثرت سے بنی اسرائیل اس پر کاربند تھے مگر بعد میں اس پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے لوگ رہ گئے۔ باقی منحرف ہو گئے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو۔ ﴿۸۴﴾

یہ قانون یہودیوں کے لئے تھا، اب اسی طرح مسلمانوں کے لئے ہے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر وہی آئیں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو، بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں ان کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں، اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں سخت سے سخت عذاب میں، اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔ ﴿۸۵﴾

اے بنی اسرائیل! تم صرف ایک اصول (یعنی قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرانے) پر کاربند ہو اور آیت ۸۴ والے قانون کو بالکل فراموش کر دیا۔ ۱۴۷

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الخ

تم کتاب کا ایک حصہ تو مانتے ہو اور باقی حصے سے انکار کرتے ہو۔ یعنی کچھ حصے پر تو عمل کرتے ہو اور کچھ حصہ سے منکر ہو۔

سیاست میں قانونِ الٰہی کی پیروی نہ کرنا دنیا میں عذاب، ذلت اور غلامی کا موجب ہے۔

آج کل مُسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب کسی یورپین طاقت کی کسی اسلامی سلطنت سے جنگ چھڑ جاتی ہے تو یورپین طاقت کے زیرِ اثر مسلمان اپنی اسلامی سلطنت کو قلمے، قدمے درہمے خوب مدد دیتے ہیں۔ کہیں چندہ روانہ کرتے ہیں، کہیں طبّی امداد دیتے ہیں اور اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ یورپین طاقت کو فوج کے لئے سپاہی بھی دیتے ہیں جو اسلامی سلطنت کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ ای العمل ببعض الکتب وترک البعض نتیجہ الخزی الخ

یعنی کتاب اللہ کے بعض حصہ پر عمل اور بعض کو چھوڑنے کا نتیجہ رسوائی ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی نعمت (حکومت) ہے وہ تم سے چھن جائے گی اور دُنیا میں رُسوا ہو جاؤ گے۔ چنانچہ یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ آج دنیا میں ان کی کسی جگہ بھی حکومت نہیں ہے۔ مُسلمان بھلا قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کر کے کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب کے ایک حصہ پر عمل کیا دوسرے حصہ سے پھر گئے، ان کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ آج مُسلمانوں سے بتدریج سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ان کی بجائے جو چھوٹی چھوٹی نام نہاد اسلامی سلطنتیں کھڑی کی جا رہی ہیں ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔ اوپر تو دُنیاوی ذلت کا ذکر کیا گیا ہے اور قیامت کو اس سے بھی سخت سزا کے مستحق ہوں گے، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور تمہیں تمہارے اعمال کی سزا اور جزا اس دنیا میں دیتا ہے اور آخرت میں بھی سخت سزا ہوگی۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع ۱۰

ترجمہ: یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب اور ان کو نہ مدد پہنچے گی۔ (۸۶)

یہی لوگ ہیں یعنی جن کا ذکر آیت ۸۵ میں ہوا ہے۔ جو آخرت کا خیال نہیں کرتے۔ اس واسطے انہیں ان کے اعمال کی سزا اس دنیا میں مل رہی ہے۔ آخرت کی سزا تو اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ قانونِ الٰہی پر عمل نہ کرنے کی سزا دُنیا میں یہ ہے کہ ان سے اللہ کی نعمت یعنی حکومت چھین لی جائے تو آخرت کی سزا کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر خوفناک ہوگی۔

---

[1] الہام الرحمان میں اس جگہ حضرت امام سندھی رح نے تفصیل سے کلام کیا ہے ملاحظہ ہو الہام الرحمان (عربی) جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۹

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور بے شک دی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا۔ اور ایک جماعت کو تم نے قتل کیا۔

۱۴۸ "قانون شکنی کی عادت حقیقی رہنماؤں کا دشمن بنا دیتی ہے"

"بینات بمعنی ملکوتی قوت یعنی روحانی قوت جس میں کوئی کھلی ہوئی نشانی ہو جیسے پتھر پر دم کیا وہ سونا ہو جائے۔ "روح القدس" (ملکوتی تعلیم) ایسی صاف تعلیم جس سے ہر قسم کے شکوک رفع ہو جائیں یعنی بنی اسرائیل کے پاس ایسے نبی روانہ کیئے گئے جو ملکوتی قوت اور صاف تعلیم لے کر ان کے پاس آئے مگر وہ قانون شکنی کے عادی ہونے کی وجہ سے بعضوں پر تو ایمان ہی نہیں لائے اور بعضوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ بلکہ لعنت کی اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ:۔

۱۴۹ "یہود اور بعض چند مذہبی طبقہ کا اپنے علم پر غرور کی وجہ سے اللہ کی لعنت کا مستحق ہونا"

یہود کا خیال تھا کہ وہ انبیاء کے وارث تھے۔ اس لئے قانونِ الٰہی کو ان سے زیادہ اور کون سمجھتا تھا۔ اس خیال کے ماتحت وہ کہتے تھے کہ ان کو کسی اور تعلیم کی ضرورت نہیں تھی "غُلْفٌ" یعنی ان کے دل علم کے مخزن تھے۔ چونکہ وہ خود عالم تھے اس لئے دوسرے علم یعنی قرآن کی تعلیم کو نہیں حاصل کرتے تھے۔

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ الخ بلکہ ان کے انکار کرنے پر ان پر لعنت کی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ یہود قرآنی تعلیم کو اس وجہ سے حاصل نہیں کرتے تھے کہ ان کے زعم میں ان کے دل آگے ہی علم سے لبریز تھے۔ اس لئے ان کو اور تعلیم کی ضرورت نہیں تھی۔ انہیں اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ ان کے کفر کے باعث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تعلیم کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ قانونِ الٰہی کی

مسلسل قانون شکنی ـــــــ سے ان کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ وہ قرآن حکیم جیسی پاک تعلیم کی طرف نہیں آتے اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہے کہ وہ اس تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ : اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے، اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر، جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے، سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔ بُری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ منکر ہوئے۔ اس چیز کے کہ اُتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اُتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں، سو کما لائے غُصّہ پر غُصّہ، اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلّت کا۔

(۸۹) کِتٰبٌ (ای قرآن) مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ مِنَ الْكُتُبِ۔ یعنی وہ کتاب (قرآن حکیم) آئی جو اُن پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تو وہ اس کتاب سے مُنکر ہو گئے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ پہلے انبیاء اور کُتبِ مقدّسہ پر ایمان رکھنا مُسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ الخ یہود جب دشمنوں سے مقابلہ کرتے تو نبی آخر الزماں کے واسطہ سے فتح کے لئے دُعا مانگتے اور اب بھی یہود کا خیال تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمان آئے گا تو اس کے ذریعہ سے وہ دُشمنوں پر غالب آئیں گے۔ یعنی ان کے دین کے دشمن لوگوں پر ان کو فتح ہو جائے گی۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ مع معرفتهم به۔ اور جب [نمبر ۱۵] وہ نبی آخر الزماں آیا تو انہوں نے باوجود اسے پہچاننے کے اس سے مُنکر ہو گئے۔ اور اس کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ یہود آج تک اس نبی آخر الزّمان کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسا کہ انجیل میں آتا ہے "تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے اگر تم عیسیٰ نہیں ہو اور نہ ایلیاس اور نہ وہ نبی" وہ نبی سے مُراد جس کا وہ آج تک انتظار کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل

نمبر (۱۵) "یہود کی معاندانہ ذہنیت کی ایک اور مثال"

تین مختلف نبیوں کا انتظار کر رہے تھے اور اس نبی کا تو وہ عیسیٰ کی وفات کے بعد بھی انتظار کر رہے تھے۔
عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی نبی نہیں گزرا تو لامحالہ تسلیم کرنا
پڑے گا کہ وہ نبی آخر الزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَآ أُنْزِلَ
عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ
وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۹۲﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّورَ ط خُذُوا مَآ آتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوا ط قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق
وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ
إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِينَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ط وَاللّٰهُ
عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ﴿۹۵﴾

سہ یعنی بنی اسرائیل کے اپنے عقیدے کے مطابق ۱۲ ر ع ق

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر اور نہیں مانتے اس کو جو سوا اس کے ہے، حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے، کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے (۹۱) اور آچکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو (۹۲) اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہِ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب ان کے کفر کے کہہ دے کہ بڑی باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو (۹۳) کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو (۹۴) اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو (۹۵)

(۹۰) وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ الآیہ:-

ف ۱۵۱ یہودیوں کا قومی تعصب

وہ کہتے تھے[۱۵۱] کہ غیر بنی اسرائیلی نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس پر وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اس کی آمد تو درحقیقت انہی کی کتاب کی پیشین گوئی کو پورا کرتی ہے۔ یعنی یہ تو وہی نبی ہے جس کا یہود انتظار کر رہے تھے۔ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ الخ یہود کہتے تھے کہ وہ صرف اسرائیلی نبی کی پیروی کریں گے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ان پر تم کب ایمان لائے۔ ان میں سے بعض کو تم نے جھٹلایا، بعض کو قتل کیا[۱]

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ع (۹۶)

ع ۱۱

ف ۱۵۲ یہود میں لمبی عمر کی حرص

ترجمہ: اور تو دیکھے گا کہ ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص[۱۵۲] مشرکوں سے بھی۔ چاہتا ہے ایک ایک ان میں کہ عمر پاوے ہزار برس، اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا، اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (۹۶)

مشرکوں سے مراد غالباً زرتشتی والے ہیں، جو کسی کو دعا دیتے ہیں تو ایک ہزار برس کی زندگی کی دعا دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے اس سے عیسائی مراد ہوں کیونکہ انہوں نے بھی توحید میں اب شرک اختیار کر لیا تھا۔ غرض اس آیت سے مراد ہے قوم کی زندگی خوشحالی میں، اور کسی ایک فرد کی زندگی مراد نہیں ہے[۲]

لہ آیت ۹۲، ۹۳ کی تفسیر کے بارے میں مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی فرماتے ہیں "اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر پوری طرح چل رہے ہیں۔ اور اب انہیں کسی نئے دین اور شریعت کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا تھا کہ تم تو اپنے بہت سے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور ان میں سے بعض کو قتل تک کرتے چلے آئے ہو۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے پاس حضرت موسیٰ کو بھیجا اور آپ کو بہت سے معجزات بھی دیئے لیکن یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی، توحید کو چھوڑ کر کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کے دامن میں ان سے چند احکام پر کاربند ہونے کا وعدہ لیا۔ اس وقت تو ڈر کے مارے انہوں نے عہد کر لیا، لیکن بعد میں ماننے سے صاف انکار کر دیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارا ایمان جس کا تم دعویٰ کرتے ہو، یہی کچھ سکھاتا ہے کہ نبیوں کو قتل کرو، اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرو، وعدہ کر کے اسے توڑ دو تو یہ ایمان بہت بُری باتیں سکھاتا ہے، یہ سچا ایمان کیسے ہو سکتا ہے" (ملاحظہ درس قرآن ج ۱ ص ۱۲۲ طبع لاہور)

اور ایک آیت نمبر ۹۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ایک اور عقیدے کی تردید فرمائی ہے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ یہودیوں نے من گھڑت اور جھوٹی آرزوئیں قائم کر رکھی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ موت کے بعد صرف وہی جنت میں جائیں گے، اس من گھڑت عقیدے کو اللہ تعالیٰ نے نہایت عام فہم دلیل سے غلط ثابت کر دیا کہ اگر دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو" انتہٰی ملخصًا (ص ۱۲۳) حضرت سندھی رح نے الہام الرحمان میں فرمایا موت کی اس تمنا سے مراد یہ ہے مخالفین حق کے ساتھ جہاد اور قتال کرو، کیونکہ جب کوئی آدمی اپنے آپ کو حق پر ہونے کا یقین رکھتا ہے تو اس کی راہ میں لڑنا آسان سمجھتا ہے۔ جب حق کی خاطر قتال میں پیش قدمی نہیں کرتے تو اپنے ایمان کے حقانیت کے دعوے میں جھوٹے ہو اسی کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے (ملاحظہ ہو الہام الرحمان ج ۱ ص ۱۴۲)

لہ یعنی پوری قوم کا مزاج یہ ہے کہ ہزاروں سال عمر کی تمنا میں اس لئے ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی فائدے اٹھا سکے (ع ح)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: تو کہہ دے جو کوئی ہو دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو ﴿۹۷﴾

یعنی یہود[۱۵۳] جبریل کو اپنا دشمن تصوّر کرتے تھے کہ ظالموں پر غضبِ الٰہی نازل کرنے کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ دوسرے یہود کا خیال تھا کہ جبریل بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرف وحی لانے پر مامور تھے، اور اب اس نے بنی اسماعیل کی طرف آنا شروع کیا اس لئے وہ جبریل کے دشمن ہو گئے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: جو کوئی ہو دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا ﴿۹۸﴾ اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کریں گے مگر وہی جو نافرمان ہیں ﴿۹۹﴾

درحقیقت[۱۵۴] انسان اور اللہ کے درمیان دشمنی نہیں۔ انسان کی اللہ تعالیٰ سے دشمنی سے مراد ہے اس کے احکام کی نافرمانبرداری کرنا، قانونِ الٰہی کی پابندی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی انسان سے دشمنی سے مراد ہے انسان کو قانونِ الٰہی کی نافرمانی کی سزا دینا۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

۱۵۳ یہود کا اپنی سماجی زندگی میں ناکامی پر حضرت جبرئیلؑ کو قصوروار ٹھہرانے کا غلط نظریہ اور ان سے دشمنی

۱۵۴ قانون الٰہی کی پابندی نہ کرنا اللہ سے دشمنی کے برابر ہے

ترجمہ: کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے (۱۰۰) اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہلِ کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں (۱۰۱) اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔

سر ۱۵۵ "نبی آخرالزمان کی پیشین گوئی کے باوجود آپ کا انکار"

یعنی[155] جو نبی آخرالزمان کے متعلق پیشین گوئی تھی اس کی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف انہوں نے توجہ کرنی چھوڑ دی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب وہ نبی آخرالزمان انہی کی کتاب کی پیشین گوئی کے مطابق دُنیا پر آیا تو اس پر ایمان لاتے مگر انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ اس پیشین گوئی کا قرآن بار بار ذکر کرتا ہے کیونکہ یہ نبی آخرالزمان کے متعلق بالکل صاف اور واضح پیشین گوئی تھی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انقلاب لانے کے لئے آئے تھے۔ جس انقلاب کا وہ انتظار کر رہے تھے اور وہ انقلاب کامیاب ہوتا ہوا ان کو اپنی آنکھوں سے نظر آ رہا تھا تو عقلمند کو چاہیئے کہ اس کا اتباع کرے اگرچہ پیشین گوئی اس پہ صادق آئے یا نہ آئے۔ کام سے مطلب ہے۔ اب ان یہود کی ذہنیت کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کو نہ پیشین گوئیوں کا لحاظ ہے نہ دینی انقلاب کی ضرورت کا۔ ان کی فقط ایک خواہش ہے کہ وہ پیر[156] بنے بیٹھے رہیں اور لوگ ان کے مُرید رہیں اور اپنی کتاب تورات کو بھی انہوں نے چھوڑ رکھا ہے، ساری جماعت تعویذ گنڈے اور عملیات کی تلاش میں لگی ہوئی ہے اور انبیاء اور ملائکہ کا نام بھی سُننا نہیں چاہتے کیونکہ یہ عملی کام بتاتے ہیں اس لئے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کی ذہنیت بالکل گندی ہو چکی ہے کسی جماعت میں شامل ہونے کی ان میں استعداد بھی باقی نہیں رہی۔

سر ۱۵۶ "مقدس بننے کی خواہش"

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ

اَنْفُسَهُمْ ۗ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ : اور کفر نہیں کیا سلیمانؑ نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اُترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے، اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو اگر ان کو سمجھ ہوتی ﴿۱۰۲﴾

سُلیمان علیہ السّلام کے زمانہ میں جو غیر اقوام ان میں کام کیا کرتی تھیں اور وہ بڑی شیطان صفت تھیں انہوں نے یہود کی ذہنیّت بدلانے میں بڑا کام کیا۔ انہوں نے منتر شنتر اور تعویذ گنڈے ایجاد کئے اور سلیمان علیہ السّلام کی ترقی دولت کا راز ان کو یہ بتایا اور (انہیں) سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے نقش سلیمانی وغیرہ۔ حالانکہ سلیمان علیہ السّلام اللہ کے نبی تھے۔ انہوں نے جتنی کامیابی حاصل کی وہ صحیح اصولوں کی پابندی کے سبب سے تھی نہ کہ ان شیطانی اعمال سے جس میں ادنیٰ عقل والے لوگ پھنسے رہتے ہیں، عالی دماغ آدمی کبھی ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

اور دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل نے اپنی بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہاروت اور ماروت سے اس علم کو سیکھا۔ یہ کام بذاتِ خود اگرچہ نیک اور اچھا تھا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مدد مانگتے تھے مگر اس کے ناجائز استعمال سے تباہ ہو گئے۔ میاں بیوی میں جُدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرنے لگے تاکہ بیوی کے ساتھ دوسرا آدمی شادی کر سکے۔ غرض انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قانونِ الٰہی کو ترک کر دیا اور کی بجائے تعویذ گنڈے کے استعمال میں لگ گئے۔ قوموں کی تنزّلی کے زمانہ میں یہی حالت ہوتی ہے کہ قوم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ترک کر دیتی ہے اور اس کی بجائے تعویذ گنڈے میں لگ جاتی ہے۔ پچھلی صدیوں سے مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پُشت ڈال دیا اور اس کی بجائے تعویذ گنڈے کی طرف دن بدن زیادہ مائل ہوئے تھے۔ پنجاب، سندھ، کشمیر، برما کے چشم دید حالات ہیں کہ وہاں امام مسجد سوائے مُردہ کو غسل دینے کے کچھ نہیں جانتے۔ مگر تعویذ گنڈوں کے متعلق ان کے پاس ایک نہ ایک کتاب ضرور ہو گی جس سے لوگوں کو اپنے قابو میں رکھیں۔

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ الخ۔ یہ اس علم والوں[158] کی ذہنیت کا بیان ہے یعنی ان کی عادت ہے کہ یوں کہتے ہیں تاکہ طلبہ کو اس طرف زیادہ میلان ہو اور احتمال ہے کہ یہ خدا پرست ہوں اور یہ علم ایسا ہے جیسے تلوار ہاتھ میں لے کر ناحق قتل کرتا پھرے۔ اس لئے جو اس میں ماہر ہوئے ہیں اجازت میں شرط لگا دیتے ہیں جب استاد کی شرط توڑ دی جائے تو اس سے عزیمتوں کا اثر چلا جاتا ہے تو اس لئے آگے کہا جاتا ہے فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا الخ یعنی اپنی تہذیب اخلاق کے لئے اور تقرب الی اللہ کے لئے نہیں سیکھتے بلکہ ایسے بُرے کام کے لئے سیکھ لیتے ہیں جو اس علم کی غرض وغایت بھی نہیں۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ یہاں نفی ضرر کی بیان کی گئی ہے کہ اس کی تاثیر بھی نہیں۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ[159] مگر کبھی یہ تفریق قوانینِ فطرت کے تحت ہو جاتی ہے اور یہ لوگوں کو اپنی گرم بازاری کے لئے کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھو ہمارے تعویذ نے پورا اثر کیا۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ الخ یعنی جب لوگوں کو خبر ہوئی ہے کہ یہ خبیث ایسے کام کرتے ہیں تو ان سے بُغض وحسد بڑھ جاتا ہے اور ان کی کوئی سمجھ دار آدمی عزت نہیں کرتا اور ایسے کاموں کا بُرا اثر[160] اخلاق پر پڑتا ہے، اور آخرت میں ایسے کاموں پر سخت عذاب ہے مگر یہ بے علم لوگ ہیں اور بد تہذیب ہیں اس لئے یہ انسانیت سے خارج ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ع ۱۲/۱۲

ترجمہ: اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو بدلا پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی ﴿١٠٣﴾

اگر وہ ایمان[161] لاتے یعنی قانونِ الٰہی پر کاربند رہتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے انعام واکرام سے مالامال ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام اور اس کی سب سے بڑی نعمت حکومت ہے۔

اس[162] مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ بشریت میں جس قدر علوم رائج ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ایسے ہیں جو زمین، ہوا، پانی اور طبعی چیزیں (جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے) ہیں ان سے تعلّق رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسرے جو فلکیات یعنی سُورج، چاند اور ستاروں وغیرہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔

۳۔ تیسرا جو رُوحانیات یعنی انسان کے دل ودماغ سے تعلّق رکھتے ہیں۔ تاریخ میں مختلف دور گزر چکے ہیں۔ بعض وقت علم کا ایک حصّہ انسانیت میں اعلیٰ مانا جاتا تھا پھر انسانیت میں اس سے جو آگے ترقی ہوتی تو وہ پیچھے ہٹ گیا یعنی اب وہ ری ایکشنری بن گیا۔ اب اس پر زور دینا ارتجاعی (رجعت پسند) بن جانا ہے۔ اس طرح جتنے علوم ترقی کرتے جائیں گے جو غیر ترقی یافتہ شکل ہے وہ ارتجاعی بن جائے گی۔ پہلے ایک[163] زمانہ ایسا تھا کہ فلکیات کا عروج (یعنی ستاروں کے علوم کا زمانہ) تھا۔ اس زمانہ میں انسانی ضرورتیں سب انہیں کے توسّل سے پوری کی جاتی تھیں، بیماری کا علاج بھی سُورج چاند کی طرف توجّہ کرکے انہیں کے نُور سے کیا جاتا تھا، اسی طرح

ف ۱۵۸ "عملیات سِفلیہ والوں کی ذہنیت"

ف ۱۵۹ "باذن اللہ کا مفہوم"

ف ۱۶۰ "تعویذ گنڈوں سے انسانیت کو نقصان پہنچانے والوں کا انجام"

ف ۱۶۱ "پابندیٔ قانون سے انعام حکومت"

ف ۱۶۲ ستاروں کی تاثیر اور علم نجوم کی تاریخ کے ادوار سحر اور روحانی علم پر تحقیقی بحث۔

ف ۱۶۳ "قدیم ملتوں میں ستاروں کے علوم کی ابتدائی شکلیں و بعد میں ان سے انحراف شروع ہو گیا"

انسانی اجتماعیت کی جو دقتیں (مشکلات) ہیں وہ ان کے توسّل سے پوری کی جاتیں تھیں۔ مثل دو آدمیوں میں دوستی یا دشمنی ڈالنی ہے تو وہ اس قسم کی صورتوں میں انہیں سے مدد لیتے۔ ان علوم کی ایک شکل ایسی تھی کہ وہ انسانیت کے لئے ایسی مضر تھی۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا چلانے والا ہے تو اصل توجّہ اس مُدبّر واحد (اللہ تعالیٰ) کی طرف رہتی تھی اور ان آسمانی چیزوں کو (سورج، چاند، ستاروں کو) اس کی تدبیر کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایسا دور آیا کہ اس مالک واحد کی طرف سے توجّہ ہٹ گئی اور انہیں علوم کی طرف توجّہ بندھ گئی یعنی اللہ تعالیٰ کی بجائے ان آسمانی چیزوں کی طرف توجّہ زیادہ ہوگئی اور انہیں کی طرف سے نفع و نقصان سمجھنے لگے۔ دماغوں میں جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ اصل ایک تدبیر سے توجّہ ہٹ جائے اور خاص خاص گروہوں کی طرف مستحکم ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسانیت آپس میں پھٹ جائے گی اور ان میں کشت و خون شروع ہو جائیں گے جو انسانیت کے لئے مضر ہیں۔ اس حالت میں ایک مصلح پیدا ہوا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام۔

انہوں[۱۶۴] نے انسانیت کو اس طرف سے ہٹا کر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش شروع کی اور انسانی دل و دماغ کی جو قوتیں ہیں انہیں کو خُدا شناسی کا ذریعہ بنایا اور ان کے اس دین کو "دینِ فطرت" کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانی فطرت یہی چاہتی ہے کہ وہ دل و دماغ سے کام لے۔

اسی طرح جب انسانیت کا مکمل ترقی کا پروگرام سامنے آگیا تو پہلا جو نظام تھا کہ آسمانی چیزوں سے استمداد (مدد) حاصل کی جائے۔ وہ متروک قرار دیا جائے گا اور انسانیت کو ہمیشہ اس سے ہٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ تاکہ وہ اس طرف متوجّہ نہ ہو مگر اس کا بقیہ دنیا میں موجود ہے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا کیونکہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ وہ اس کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں اور اسی کو اوڑھنا اور بچھونا بنایا ہوا ہے۔

اب[۱۶۵] ابراہیمی طریقہ میں آسمانی قوتوں سے مدد لے کر کسی قسم کی تاثیر پیدا کرنا بالکل ممنوع ہے۔ اس سے آہستہ آہستہ قوم میں شرک پیدا ہو گا یعنی ان کی مرکزی قوت بٹ جائے گی۔ جب ساری انسانیت خُدا کو ایک مانتی ہو تو ان کی مرکزیت ایک ہے مگر جب انہوں نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ خُدا بنا لئے تو ان کی مرکزی قوت بٹ جائے گی۔ چونکہ آخری دور میں ان علوم کا یہی حشر ہوا کہ اس سے انسانیت بٹ گئی تھی اور شرک پیدا ہو چکا تھا۔ ہر ایک آدمی نے اپنا علیحدہ علیحدہ خُدا بنا لیا تھا۔ بعض تو ستاروں کو آسمان پر ہی خُدا بنا لیتے تھے اور بعض ان کی رُوح کا مظہر ایک بڑا انسان سمجھتے تھے اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا مجسّمہ بنا لیتے اور اس کو مان لیتے، آرین تہذیب کے ساتھ یہ فکر اور خیال دُنیا میں عام طور پر موجود ہے۔

تعلیم میں درحقیقت حقانیت موجود تھی اور اب بھی بعض ایسے آدمی ملیں گے کہ وہ اس تعلیم کے صحیح پابند ہوں گے مگر اس کا انسانیت پر جو عام اثر لازم آتا ہے کہ انسان مختلف خُدا بنا لیتا ہے اور تمام مخلوقات کا ایک مرکز (خُدا) ماننے کا خیال اس کے دماغ سے ہٹ جاتا ہے، اب یہ جو علیحدہ علیحدہ خُدا بنائیں گے، یہ ان کی عملی زندگی میں ہوگا، اگرچہ نقلی طور پر وہ ایک خُدا کے قائل رہیں گے، اس شرک یا تفریق انسانیت کو ابراہیمی ملّت برداشت نہیں کر

سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں اس قسم کے بنیادی اصول موجود ہیں جو اس تعلیم سے علیحدگی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کسی مصنوعی بُت کو سجدہ کرنا اور اس کی تعظیم کرنا ان کے ہاں قطعی حرام ہے اور یہ درحقیقت اس پہلی ملّت کے نسخ (مُعطّل) کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس پہلی حالت میں جب انسان خُدا کی طرف توجّہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو ضرور کسی ستارے کو اپنا قبلہ بنا لے گا، اور پھر اس ستارہ کا زیادہ مثلی (مجسمہ) جو انسانوں میں ملتا جلتا ہے اسے سمجھے گا، اور پھر اس انسان کی عدم موجودگی میں اس کا قبلہ بنائے گا اور بعض اوقات اس ستارے کی تصویر بنا لے گا جس کو اپنے سامنے رکھ کر خُدا کی طرف توجّہ کرے گا۔ جاہل لوگ تو اس کو اصل چیز سمجھنے لگ جائیں گے، مگر صحیح تعلیم کا مالک اس کو ضرور توجّہ کا ذریعہ بنائے گا۔ اب موسوی ملّت میں جب حکم دیا گیا کہ کسی تصویر کے نزدیک مت جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلی ملّت سے بالکل علیحدہ رہو۔ اب یہود کی تاریخ میں چند واقعات گزرے ہیں جس میں انہوں نے اس منسوخ ملّت کی طرف توجّہ کی ہے (۱) پہلے تو یہ لوگ جب بابل میں قید ہو گئے تو انہیں اس تعلیم کے اس جگہ صحیح اُستاد ملے (یعنی ہاروت و ماروت) ان میں شرک کی تعلیم بالکل نہیں تھی۔ وہ ان چیزوں کو (سُورج، چاند، ستارے وغیرہ) قبلہ سمجھ کر استعمال کرتے اور بعض اسماءِ الٰہیہ بتاتے جن کی تاثیر سے انسان کے کام ہو جاتے تو ہاروت و ماروت کو فرشتہ خصلت انسان سمجھتے جیسے ہمارے بعض صوفی، زاہد اور مقدّس انسان تھے، یہود نے بعض اسماءِ الٰہیہ کی خصوصیات ان دو بزرگوں (ہاروت و ماروت) سے سیکھیں، مگر انہوں نے سکھاتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر ان کو غلط طریقہ پر استعمال کرو گے تو کافر سمجھے جاؤ گے (یعنی ہماری جماعت میں سے نہیں ہو گے اور منکر سمجھے جاؤ گے) تسخیر اور عملیات کا یہ حصّہ جو یہود نے ان دو شخصوں سے سیکھا تھا یہود میں برابر چلا آتا تھا۔ اس میں شرک اور بُت پرستی بالکل نہیں ہے مگر اس میں شک نہیں کہ ملّت ابراہیمی کے یہ اذکار نہیں ہیں۔ مثلاً دارا شکوہ نے جب اپنی مہر پر "اللہ" کے بجائے "پربھو" لکھنا شروع کیا تو مسلمانوں کو بہت ناگوار گزرا۔ اس میں زیادہ نقص کی بات نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ غیر ملّت (اسلامی) کا لفظ تھا اس واسطے مسلمانوں کو ناگوار گزرا، مسلمانوں کے ہاں ایسے بے شمار صوفی ہیں جنہوں نے اس تعلیم پر عمل کیا، مگر انہوں نے اس میں سے شرک نکال دیا اور اصلی حقیقی تعلیم پر عمل کیا جیسے محمد غوث گوالیاریؒ میں اسی قسم کے صُوفی بزرگ گزرے ہیں۔

غرض اس طرح کا علم ہاروت و ماروت سے سیکھا ہوا یہود میں موجود تھا اور یہود کے خاص لوگ اس علم کو جانتے تھے، مگر عام کی اس تک رسائی نہیں تھی اور خاص لوگ بھی بہت محنت اور تکلیف سے اس کو سکھاتے تھے۔

(۲) دوسری دفعہ یہود میں اس علم کا اثر اس وقت آیا جب حضرت سلیمان علیہ السّلام نے صابی قوموں میں سے بیت المقدس کی تعمیر کے واسطے آدمی بلائے اور انہوں نے آکر بیت المقدس بنایا۔ یہ صابی مذہب کے کاریگر ابراہیمی طریقہ کے پابند نہیں تھے، بلکہ وہ اپنے طریقہ کے قائل تھے، اور ان میں شرک بھی برابر موجود تھا،

لے موسوی ملت سے مراد ابراہیمی ملت کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل مراد ہے ۱۲ (ع۔ق)

ٹے قال ابن عباسؓ هماساحران کانا یعلمان السحر وقال المحشی فی الحاشیۃ نقلاً عن الصاوی قدّم هٰذا القول اشارۃ لقوتہ وانھما رجلانِ ساحران ویسا بملکین ۱۲صاوی۔ ملاحظہ تفسیر جلالین ص۱۶ طبع کراچی ۱۲

ٹے اس موضوع پر موصوف کی کتاب جواہر خمسہ ترجم اُردو طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ بہت مشہور ہے ۱۲

ٹے قال الجصاص فنها سحر اهل بابل الذين ذكرهم الله تعالىٰ فی قولہ یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت وکانوا قوماً صابئین ۱۲ ملاحظہ ہو احکام القرآن رازی ص۴۳ علامہ جصاص رازی نے "سحر اور ساحر کے حکم کے بارے میں مستقل ایک باب لکھا ہے جس میں علم سحر و نجوم کی تاریخ اور اس کی اقسام و حکم پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے احکام القرآن رازی ص۴۱ تا ۵۸ طبع سہیل اکیڈمی لاہور ۱۲ (ع۔ق)

تو بعض یہود نے ان سے مل کر بھی کچھ علم سیکھا تھا۔ اسماء[169] الٰہی کی تاثیر کی ایک مثال ہم نے دیکھی۔ اہل حدیث طائفہ کے بزرگ کا واقعہ ہے جس کا نام فتح محمدؐ ذات کا بنجارہ اور خان پور ریاست بہاولپور کا رہنے والا تھا۔ اسے ایک چور نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کی اجازت دی کہ بِسۡمِ اللّٰہ کہہ کر تم جس قفل میں ہاتھ ڈالو گے قفل کھل جائے گا، اس کے ساتھ ہی شرط کر دی کہ کسی کو مت بتانا۔ اب فتح محمدؐ کی یہ حالت تھی کہ اس کی دکان کے تالے کی چابی کئی دفعہ گھر رہ گئی، اس نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے تالا کھول لیا۔ یعنی اس کا تجربہ حاصل ہو گیا تھا، مگر جب اس نے ایک دوسرے آدمی کو یہ بتلا دیا تو پھر کچھ بھی نہ رہا۔ جس دن اس نے یہ شرط توڑ دی اسی دن اثر ختم ہو گیا۔

جب[170] کوئی مذہبی قوم اپنی اصلی مذہبی تعلیم سے ہٹ جائے تو اس میں طبعی طور پر دوسری قوموں سے ایسی چیزیں سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اپنی عظمت دوبارہ بحال کر سکیں۔ یہود کے تنزل کے زمانہ میں انہوں نے صابی قوموں سے (آرین کو ہم صابی سمجھتے ہیں) چند ٹونے ٹوٹکے حاصل کر لئے تھے۔ اس میں ایسی چیزیں بھی تھیں جن میں شرک بھی آتا ہے اور اس کا اثر اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ کسی کو تعویذ لکھ کر دے دیتے ہیں، کہ عورت اور مرد میں محبت پیدا ہو جاتی ہے یا منافرت پیدا ہو جائے۔ جب کہ تعویذ میں ہم نے ایسی تاثیر دیکھی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رنجش پیدا کر دے کہ عورت کو کسی اور مرد کی طرف مائل کر دیا اور پھر وہ اس دوسرے) مرد پر عاشق ہو گئی۔ اب پہلے مرد سے ناچاقی رہتی اور وہ عورت کو طلاق دے دیتا، پھر وہ اس دوسرے مرد سے شادی کر لیتی۔ غرض یہود نے اس قسم کے تعویذ کرنے سیکھ لئے تھے۔ سندھ، پنجاب اور برما کی یہ چشم دید حالت تھی کہ دیہاتوں میں ہر ایک مولوی صاحب کے پاس نقش سلیمانی کتاب موجود ہے۔

غرض[171] تاریخ اپنے واقعات کو دُہراتی ہے اور قوموں میں اس کی مثالیں بار بار ملتی ہیں۔ اس سے انکار نہیں کرنا چاہیئے، خود مسلمانوں کے زوال کی تاریخ ہمارے رُوبرو ہے اور اس[172] سے ہم یہود کے زوال کی تاریخ سمجھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ترقی کا یہ راستہ تھا کہ وہ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں، مگر وہ اس کی بجائے دوسری باتوں کی طرف راغب ہو گئے، اور جب دین کے عُلماء کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے بعد کیا یہ قوم دُنیا میں کہہ سکتی ہے کہ ہمارا دین قبول کر د۔ قرآن پاک نے اس قسم کے اعمال سے شرم دلائی ہے۔

(۱۰۱)[1] وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ الخ۔ یہود کے دین کو قائم کرنے کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے تو یہود کے ایک حصہ نے اپنی کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ پر اُتر آئے اس مقابلہ کرنے میں انہوں نے یہ کام کیا۔

(۱۰۲) وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوۡا الخ۔ یعنی کتاب الٰہی کو چھوڑ کر تعویذات پر جُھک پڑے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کی تعمیر کے واسطے جو شیطان (بڑے بڑے قد کے آدمی جو کافر تھے) جمع ہوئے تو کچھ تو ان سے سیکھے اور وہ کہتے تھے کہ خود سلیمان علیہ السلام نے انہی علوم سے اپنی حکومت پیدا کی۔[173] وَمَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ الخ۔ مگر

۱؎ یہاں آیت ۱۰۱ سے آیت ۱۰۳ ختم رکوع تک علیحدہ علیحدہ جملوں کی تفسیر مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں ہے۔

قرآن حکیم ان کی تکذیب کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السّلام نے اس قسم کے کام نہیں کئے بلکہ شیاطین اس قسم کے کام کرتے تھے۔ وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ۔ ای اتبعوا ما انزل علیھما من العلم۔ الخ ان پہلی ملّتوں کا یہ صحیح علم تھا لوگ فرشتہ منش انسانوں (ہاروت و ماروت) سے یہ علم سیکھا کرتے تھے اور وہ کفر میں استعمال نہ کرنے کی شرط لگا کر لوگوں کو یہ علم سکھاتے تھے۔

سحر اور تعویذ کی تعلیم اجتماعیت کیلئے نقصان دہ ہے

یہ علم اجتماعیت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ عام لوگوں کو فائدہ پہنچائے بلکہ اس سے صرف خاص خاص لوگ ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس واسطے یہ علم عام لوگوں کے واسطے نہیں تھا اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ نقصان کُفر کا بھی خدشہ تھا۔ ہاروت و ماروت بعض صحیح چیزوں کو خاص پابندیوں کے ساتھ لوگوں کو سکھلاتے تھے، اور اسی طرح ان سے یہود نے بھی اس علم کو سیکھا۔ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْھُمَا۔ الخ وضمیر منھا یرجع الی ہاروت و ماروت عند البعض وھو خطأٌ (بعض مفسّرین کے نزدیک "منھا" کی ضمیر کا مرجع ہاروت و ماروت ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اس معنی سے آیت کا مطلب ہی بگڑ جاتا ہے اور اس معنی کی بنا پر بے سروپا قصّے بنائے گئے ہیں۔

اصل ترجمہ یوں ہے "پس سیکھتے ہیں ان دونوں علموں سے یعنی ایک علم شیطانوں کا جو یہود نے سُلیمان علیہ السّلام کے زمانہ میں سیکھا تھا، دوسرا علم جو انہوں نے فرشتہ منش انسانوں (ہاروت و ماروت) سے سیکھا تھا" غرض ان دونوں علموں میں سے جن کے عالم یہود کے ہاں موجود ہیں۔ یہ اپنے علماء سے سیکھتے ہیں۔ مَا یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ۔ الخ تاکہ مرد عورت میں نفاق ڈال دیں۔ وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ۔ الخ ان کو آخر اتنا تو یقین ہونا چاہیئے کہ یہ ایک معمولی سا سبب ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسی تاثیر پیدا نہ ہونے دے، مطلب یہ ہے کہ یہ یقین نہیں ہے کہ اس میں ضرور تاثیر پیدا ہوگی، اب اس کا ضرر قطعی ہے کہ کفر کی تعلیم اخذ کراتے ہیں اور نفع مشکوک ہے، یہ تو دُنیاوی حالت ہے کہ نقصان ظاہر ہے کہ دنیا میں اپنا دین چھوڑا۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖ۔ اور یہ بہت بُرا ہے کہ انہوں نے آخرت کو بُری طرح فروخت کر دیا۔

"مفسّرین کی انتہا پسندی"

اب ہمارے ہاں دو قسم کے مفسّرین ہیں۔ ایک تو ایسے ہیں جو اس قسم کی چیزوں (جادو ستاروں کی تاثیر سے اثر پیدا کرنا) کا بالکل انکار کر دیتے ہیں کہ ان میں تاثیر نہیں ہوتی۔ اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹی بات ہے، ہم اس (ان علوم کا) انکار نہیں کرتے اس لئے کہ اس قسم کے واقعات بے انتہا ثابت کئے جا سکتے ہیں مگر یہ دوسری قوموں کے ہیں۔ ادھر مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہے کہ وہ دوسری قوموں ——— جو کچھ ہے اسے غلط کہتے ہیں۔ دوسری قوموں کے واقعات کو چھوڑ دیجئے۔ خود مسلمان بزرگوں کے واقعات (جو اس قوم میں یکتا گزرے ہیں) ہمارے رُوبرو ہیں، لیکن یہ مفسّرین ان مسلمان علماء کو کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں اور تاریخ کی جن کتابوں میں ایسے واقعات کا ذکر ہو ان کتابوں کا انکار کر دیتے ہیں، ہم اس علم کی جس قدر یہ سائنس حقیقت ہے اسے قبول کرتے ہیں، مگر ایک سائنس ہے کہ اس کا اثر انسان کے دل و دماغ پر بُرا پڑتا ہے۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے

۱؎ مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی صفحہ ۱۵۰ و ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح مترجم مع فارسی از علامہ مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۰۶ طبع اشرفیہ دہلی ۱۲ (ع۔ ق)

ہم اسے حرام قرار دیں گے۔ زہریلی چیزیں اور نشہ آور چیزیں قطعی تاثیر رکھتی ہیں۔ اس واسطے حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی عام بکری (فروخت) روک دے، اسی طرح یہ چیزیں بھی تاثیر رکھتی ہیں۔ انسانیت کی تکمیل کرنے والے قانون کا فرض ہے کہ انسانیت کو ان کے نقصان سے بچانے کے لئے ان کو ممنوع قرار دے دے۔

اب دوسرے مفسّرین ایسے ہیں کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں کسی نے جو کچھ سچ اور جھوٹ لکھ دیا ہے اس پر قرآن حکیم کی مانند ایمان لے آتے ہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں آج کل اسی جماعت کا غلبہ ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم کو حکمت کے ساتھ منطبق کرنا (جیسا کہ قرآن حکیم سکھلاتا ہے) ہم لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو بالکل ہی انکار کر دیا یا بالکل ہی ثابت کرنے بیٹھ گئے۔

(۱۰۳) وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا الخ ؂

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نہ کہو "راعنا" اور کہو "انظرنا" اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک ﴿۱۰۴﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ

یعنی راعنا کا معنی ہے کہ مہربانی کر کے ہماری رعایت کیجئے۔ دوسرے یہ معنی کہ ہم ایک متکبّر سے بات کرتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شان مبارک میں بُرے الفاظ استعمال کرتے۔ "اُنْظُرْنَا" بمعنی ہم پر نظر کیجئے۔ بنی اسرائیل جیسا کہ آیت ۱۰۲ تک بیان کیا گیا۔ مذہب سے حد درجہ پیچھے ہٹ گئے تھے، اور قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے کی بجائے انہوں نے ٹونے ٹوٹکے کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اس سے وہ اس قدر سیاہ دل ہو گئے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام کے انقلابی پروگرام کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مکمّل کر دکھایا تو انہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور یہی ان کی شقاوتِ قلبی کی نشانی تھی اور اسی کا نام ملعون ہے۔ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم ان حرکتوں کی پیروی نہ کرو بلکہ ان سے بچو یہ تو اب حد سے زیادہ ذلیل ہو گئے ہیں۔ مبادا ان کے جراثیم تم میں اثر کر جائیں۔

مر ۱۴۶ "یہود کا گستاخانہ رویہ اور مسلمانوں کو ھدایت"

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

؂ ابتداءِ بحث میں ہی اس آیت کی تفسیر گذر چکی ہے۔ ۱۲ (ع۔ ن)

ترجمہ: دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہلِ کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے ربّ کی طرف سے اور خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔(۱۰۵)

یہود اصل مذہب سے بہت دُور ہٹ گئے اور اب سب کچھ کھو چکے تھے۔ قرآن کی حقانیت کے گو قائل تھے، مگر کہتے تھے کہ ہماری (بنی اسرائیل کی) موجودگی میں کسی دوسرے پر کیوں خیر و برکت نازل ہو؟ اب ان کے اس خیال سے دوسری مستحق قوموں سے جو قانونِ الٰہی پر پابندی کر رہی تھیں ان سے خیر و برکت روکی نہیں جا سکتی تھی۔

سرخی ۱۴۷: یہود اور مشرکین کا تعصّب اور حسد

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۰۶)

ترجمہ: جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۰۶)

یہود کا اعتراض تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر کیوں وحی نازل کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے احکام کیوں منسوخ کیے جاتے ہیں۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے اس لئے انتخاب کر لیتا ہے۔ اگر ایک قانون منسوخ کیا جاتا ہے تو اس کی بجائے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ذریعہ اس سے ایک بہتر قانون دیا جاتا ہے۔ 'آیات' بمعنی پیغام ہیں۔ اسی سے مُراد آیاتِ قرآنی نہیں بلکہ آیاتِ موسوی مراد ہیں۔ اگلی آیت میں قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے کہ پُرانے قانون کو منسوخ کر کے نئے قانون ہمیشہ وضع کیے جاتے ہیں۔ تاکہ ادنیٰ قوانین کی بجائے اعلیٰ قوانین دیئے جائیں۔ مثلاً باغ میں ایک درخت جب اپنی بہار دے کر خشک ہو جاتا ہے تو باغبان اسے اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے اور اس کی بجائے ایک نیا پودا لگا دیتا ہے۔ قانونِ موسوی صرف ایک خاص وقت تک اور ایک خاص قوم کے لئے مخصوص تھا اور صرف اسی قوم کا مُتکفّل ضامن تھا۔ اسکو اب منسوخ کر کے اس کی بجائے ایک اعلیٰ دائمی قانونِ فطرت دیا جا رہا ہے۔ الغرض اس جگہ موسوی قوانین کے منسوخ کرنے کا ذکر ہے۔

سرخی ۱۴۸: "موسوی قوانین کی منسوخی اور اس کا سبب"

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱۰۷)

ترجمہ: کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی؟ اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ (۱۰۷)

"قانونِ قدرت اور احکام کی تبدیلی کی کیفیت"

آیت ۱۰۶ میں نسخ کا ذکر کیا گیا۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کا شہنشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ [۱۷۹] دن کے بعد رات آتی ہے تاکہ اس میں آرام کر کے دن کی تھکان کو دُور کر سکیں۔ رات کے بعد دن آتا ہے تاکہ ہم اپنی ضروریاتِ زندگی کے لئے سازوسامان پیدا کر سکیں۔ غرض اسی طرح ایک چیز کے بعد دوسری بہتر چیز آتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبدیلی کی کیفیت ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں آغازِ اسلام میں چند مصلحتوں کے باعث جنگ کی اجازت نہیں تھی، مگر جب انہوں نے کچھ جمعیت پیدا کر لی تو ان کو جنگ کرنے کی اجازت ہوگئی۔

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے، اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے۔ (۱۰۸)

"قانونِ الٰہی پر بے جا اعتراض اور انجام"

موسیٰ [۱۸۰] علیہ السلام کی قوم اپنے نبی کے احکام پر جو من جانب اللہ تھے اعتراض کرتے تھے اور اسی کے باعث اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا جیسا کہ آیت ۴۷ میں ذکر ہے۔ نبی کے احکام کی صدقِ دل سے پیروی کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اللہ کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

"تحقیق مسئلہ جبر و اختیار و دین الٰہی نقطۂ نظر"

وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ۔ الخ۔ مذہب [۱۸۱] اور فلسفہ دونوں نے اس اصول کو مان لیا ہے کہ انسان بہت سی باتوں میں مجبور ہونے کے باوجود اپنے ارادے اور مشیت اور نیت کی آزادی برحال رکھتا ہے اور عجیب کشمکش جبر و اختیار میں ہے، لیکن انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات اس کشمکش کے اختیار سے محروم ہے اور ان میں سے ہر ایک یا تو اپنی جبلت یا اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور محض ہیں اور ان لوازم، خصائص اور اثرات کی بجا آوری پر مضطر ہے جس کے لئے اس کی خلقت ہوئی، آفتاب سے نور ہی ظاہر ہوگا، گلاب سے خوشبو ہی نکلے گی، اور سنکھیا سے موت ہی صادر ہوگی، مگر انسان [۱۸۲] سے نور اور تاریکی، خوشبو اور بدبو، حیات اور ممات دونوں صادر ہو سکتے ہیں۔ ان کے اخلاق اور خصائل تربیت پذیر ہیں اور اس لئے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہیئے کہ کائنات کی ہر مخلوق فطرتاً اسی کام کو کرنے پر مجبور ہے جس کے لئے اس کے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے، لیکن انسان تھوڑا سا اختیار پا کر فعل اور ترکِ فعل (کرنا اور نہ کرنا) کے درمیان ترجیح کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس کی پیدا ہوتی ہے کہ وہ پہلے ان اغراض کو

"انسان میں نیکی بدی کا اختیار"

سمجھے جس کے لئے اس کی خلقت ہوئی ہے اور پھر ان اغراض کے مطابق اپنے کام کو پُوری مستعدی اور دیانت داری سے سرانجام دے۔

موجودہ صورت میں اسے اپنے نیک و بد کا اختیار دیا گیا ہے۔ اسے اب بتلایا جا رہا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی پابندی سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور اس کی نعمت یعنی حکومت کو حاصل کر سکتا ہے، اور قوانینِ الٰہی سے سرکشی کرنے سے وہ غضبِ الٰہی کا مستحق ہو گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت (حکومت) اس سے چھین لی جائے گی اور وہ دُنیا میں ذلیل و رُسوا ہو گا۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ اس نے بے شک سیدھا راستہ چھوڑ دیا یعنی جب انسان قوانینِ الٰہی پر کاربند رہنا ترک کر دے تو یقیناً وہ گمراہ ہے۔

غرض اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی یہود کی طرح[۱۸۳] اپنے رسول سے تنسیخ کے بارے میں متواتر دریافت کرتے ہو، حالانکہ یہود کا مُدّعا صرف یہی ہے کہ وہ اس بارے میں مسلمانوں میں شکوک پیدا کر دیں اور اس طرح ان کو اپنے مذہب اسلام سے مُتنفّر کر دیں اور پھر وہ بدستور یہود و نصاریٰ وغیرہ میں ملیں۔

یہودی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیم کی صداقت پوری طرح سمجھ چکے تھے مگر چونکہ وہ بنی اسماعیل تھا اس لئے اس کے خلاف ہو گئے۔ جیسا کہ آیت ۱۰۵ میں مذکور ہے۔ وہ مسلمانوں کی ترقی برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ تنسیخ کے مسئلہ میں مسلمانوں میں شکوک ڈال کر ان کو اپنے مذہب سے مُتنفّر کر دیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمٰنِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: دل چاہتا ہے بہت سے اہلِ کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے ظاہر ہو چکا ان پر حق سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۹۰﴾

وَدَّ كَثِيرٌ الآیۃ :-

یہود کی تو یہی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے اندر تنسیخ کے بارے میں شکوک ڈال کر انہیں گمراہ کر دیں۔ اگرچہ ان پر صداقت آشکارا ہو چکی ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام اپنی صداقت کے باعث کس طرح روزانہ بڑھ رہا ہے۔ فَاعْفُوا الخ۔ اے رسول! تم ان[۱۸۴] سے پہلو تہی کرو اور جو کچھ وہ کہیں اس سے درگزر کرو۔ یہاں

[۱۸۳] "انقلابی جماعت کے اندرونی دشمن یکطرف سے شکوک پیدا کرنے کی سازش"

[۱۸۴] "انقلابی جماعت کو موقع آنے تک مصلحتی گریز کا حکم"

تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق تجھے کوئی حکم دے (یعنی یہود کے ساتھ قتال کا حکم) یعنی تم اتنا عرصہ پُرامن رہو اور ان کی شرارتوں سے درگزر کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس، بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔ ﴿۱۱۰﴾

پہلے[۱۸۵] بتایا گیا ہے کہ اصل غرض جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کا نام مقصود بالذات ہے (آیت ۴۲) اور باقی ذرائع مقصد۔ جہاد مقصد ہے اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد ہیں۔ غرض حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے مستعد رہو اور اس طرح ذرائع مقصد کو پورا کرتے رہو، جب تک کہ تم کو جنگ کی اجازت نہ دی جائے، کسی سے جنگ نہ کرو۔ انصار مدینہ کے دل میں یہود کے علماء کی علم و فضیلت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اب[۱۸۶] مسلمانوں کو بھی ان کے مساوی قوت رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے تاکہ مسلمان انصار کے دل سے علماء یہود کی برتری کے خیالات نکال دیئے جائیں۔

[حاشیہ: ۱۸۵ سر انقلابی تحریک کے عملی پروگرام میں جہاد مقصود بالذات اور باقی عبادات ذرائع ہیں۔]

[حاشیہ: ۱۸۶ سر "دشمن کا رعب اور عظمت دل سے نکالنے کا حکم"]

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

۱۳ ع ۱۴

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی، یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہہ دے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو[۱۸۷]۔ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۱۱۲﴾

(۱۱۱) وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْاٰيَة:-

یہود[۱۸۷] و نصاریٰ کو بتلایا جا رہا ہے کہ ان کا عقیدہ (کہ نجات صرف انہی کی ہوگی) غلط ہے۔ نجات کا طریقہ

[حاشیہ: ۱۸۷ سر "نجات کا دارومدار اللہ کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت پر ہے"]

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی مخلوق کی خدمت کی جائے، اور اسلام یہی سبق دُنیا کو سکھاتا ہے۔

(۱۱۲) بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ الخ جس نے[۱۸۸] اپنے آپ کو اللہ کے آگے جُھکا دیا۔ لفظ "اسلم" سے اس مذہب کا نام قرآن حکیم سے نکلتا ہے۔ جس کا نام اسلام ہے۔ اس کے معنی ہیں جُھک جانا یا امن میں داخل ہونا، درحقیقت اسلام امن کا زبردست حامی ہے اور اسلام کا منتہائے مقصد بھی امن کا مقام ہے۔ غرض نجات اس کے لئے ہے جو دُنیا میں اصلی اور صحیح معنی میں امن قائم کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔

[۱۸۸] "اسلام کا مفہوم اطاعت اور امن"

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب۔ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے۔

یہود و نصاریٰ[۱۸۹] اگرچہ دونوں تورات پر ایمان رکھتے ہیں مگر دونوں میں تعصّب اس قدر بھر گیا ہے کہ دونوں ایک دُوسرے کی صداقت کے مُنکر ہیں اور دونوں ایک دُوسرے کو غلط راستہ پر بتلاتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اسلام[۱۹۰] کہتا ہے کہ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ صداقت موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان کی ہدایت کے لئے نبی روانہ کئے، لطف یہ ہے کہ یہ الفاظ اسی ذات گرامی سے کہلوا رہا ہے جس نے نہ کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ کسی مذہب کا مُطالعہ کیا۔

[۱۸۹] یہود و نصاریٰ کا فرقہ وارانہ تعصّب اور مسلمانوں کی وسعت نظری

[۱۹۰] "قرآن کی صداقت کا ثبوت"

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوهَآ اِلَّا خَآئِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلّت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (۱۱۴)

یہودِ مدینہ[۱۹۱] جنہوں نے اسلام کے خلاف ہر ممکن کوشش کی، وہ لڑائی میں یا مارے گئے یا جلاوطن ہوئے۔ بُت پرست یا قریش جو مسلمانوں کو مسجدوں میں عبادت نہیں کرنے دیتے تھے۔ انہیں بالآخر انہی مسلمانوں کی اطاعت کرنی پڑی، جن کو خدا کی عبادت کرنے سے روکتے تھے۔

۱۹۱ "مخالفین مسجد و حرم کو دو سزائیں ملیں گی بالآخر دنیا و آخرت دونوں جگہ رسوا ہوں گے"

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۱۵)

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، سو جس طرف تم مُنہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ، بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۱۱۵)

قبلہ[۱۹۲] کی تعیین میں وقت ضائع نہ کرو کہ تم نماز بیت المقدس کی طرف پڑھو یا خانہ کعبہ کی طرف، تمہارا قبلہ ایک سمت مقرر کرنے سے مُراد یہ ہے کہ اس سے تمہاری تنظیم ہو جائے، تم دیکھو کہ قبلہ ایک سمت مقرر کرنے سے مراد کیا ہے؟ جب[۱۹۳] تم یہ بات سمجھ لو گے تو پھر تم جس طرف رجوع کرو گے اسی طرف ہی اللہ کی غرض ہے یعنی اس طرف تمہیں اعلیٰ اور عمدہ انعام دیئے جائیں گے اور یہ وعدہ شام، مصر، عراق کی زرخیز زمینوں کے فتح ہونے پر ہوا۔

۱۹۲ "قبلہ کی وحدت کی حکمت مرکزیت اور تنظیم"

۱۹۳ "کامیابی کا وعدہ"

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۶)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد۔ وہ تو سب باتوں سے پاک ہے۔ بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ سب اسی کے تابعدار ہیں۔ (۱۱۶)

نصاریٰ نے بیت المقدس کو مقدس گھر سمجھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقدس انسان سمجھ کر اسے یہاں تک بڑھایا کہ اسے[۱۹۴] خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خُدا کا بیٹا قرار دیا اور زمانہ جاہلیت کے عربوں نے فرشتوں کو خُدا کی لڑکیاں قرار دیا۔ اسی واسطے اسلام کہتا ہے کہ ؎

تم اوروں کی مانند دھوکہ نہ کھانا | کسی کو خُدا کا نہ بیٹا بنانا

۱۹۴ "ابنیت کا باطل نظریہ"

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾

نمبر ۱۹۵ "روح اور مادہ کے قدیم ہونے کے تصور کی تردید"

آریہ سماجی اصول کہ روح اور مادہ قدیمی ہیں۔ خدا نے ان کو صرف مرکب کر کے انسانی شکل میں ڈھال دیا ہے[195] اس کی تردید کی جا رہی ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جو عام سمجھ سے باہر ہیں۔ ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا یا تشبیہہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال بن سکے۔ بعض ایسے ہیں کہ اگر صاف صاف بیان کر دیئے جائیں تب بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں، لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے مثلاً خدا کی قدرتِ کاملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "کُن" یعنی ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر طرزِ کلام خود بتلا رہا ہے کہ قدرتِ کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہے، نہ یہ کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت "کُن" کا لفظ بولا کرتا ہے۔

نمبر ۱۹۶ "اللہ پر اعتماد کی مزید دعوت اور عجیب دعوی"

پہلے ذکر ہو چکا ہے[196] (آیت ۳۱) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم یعنی سمجھ دی جس کے ذریعہ وہ سمندر میں جہاز تیراتا ہے، دریا سے نہریں نکال کر ان سے اپنی کھیتی باڑی کو شاداب کرتا ہے، ہوا سے پنکھے گھما کر پن چکیاں چلاتا ہے اور آبشار سے بجلی پیدا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض وہ انسان کو عقل دے کر اس سے عجیب و غریب کام کراتا ہے، اس تمام کائنات کے اوپر ایک ایسی ذات موجود ہے جو اس تمام مخلوق کی خالق ہے اور عالمِ بے بسی میں انسانی فہم و فراست کا پُتلہ اسی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ؎

نمبر ۱۹۷ "اصطلاح "کُن" کا مفہوم"

نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ ہے ایک اسکا بنانیوالا
نظامِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا
نسیمِ مستانی چل رہی ہے چمن میں پھر رُت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گُل کھلانے والا
(اکبر)

غرض[197] جو کام اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر کرتا ہے اور وہ دیگر کام جو انسان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتے ان امور کو اللہ تعالیٰ کی ذات لفظ "کُن" سے حکم کرتی ہے، اور اسی وقت تمام امور سرانجام پاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت' اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے انہی کی سی بات۔ ایک سے ہیں دل ان کے' بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں۔ ﴿۱۱۸﴾ بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا' اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی ﴿۱۱۹﴾ اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا۔ تو کہہ دے جو راہ بتلا دے وہی راہ سیدھی ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔ ﴿۱۲۰﴾

(۱۱۸) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الخ۔

۱۹۸ «کفار مکہ کا اللہ سے ہمکلامی یا نشانی اتارنے کے مطالبہ کا جواب»

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یا تو اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے اور انہیں بتلائے کہ اسلام سچا مذہب ہے یا ان کو کوئی نشانی دے۔ نشانی سے مُراد یہ تھی کہ اگر وہ اس نبی کو نہیں مانتے تو ان پر غضبِ الٰہی نازل ہو۔ ان دونوں کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے رسول! تم ان کو خوشخبری دو کہ اگر یہ قانونِ الٰہی کی پابندی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا اور رسول بطور نذیر ان کو ساتھ ہی ساتھ تنبیہ کر رہا ہے کہ اگر انہوں نے قانونِ الٰہی کی پیروی نہ کی تو ان پر غضبِ الٰہی نازل ہوگا۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ امیوں میں یہ دلولہ کہ خدا ہم سے بات کرے یعنی پیغمبر ارسال کرے تو عمومی ضرورت یوں پوری ہوئی کہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ الخ (یعنی بلاشبہ ہم نے تجھے حق دے کر بھیجا) خُدا تعالیٰ انسان سے تین طرح کلام کرتا ہے یا وحی سے یا پردۂ نورانی کے حجاب سے یا ایک پیغمبر کو روانہ کرنا، رسول کی بات مرسل کی ہوتی ہے۔ نائبِ حکومت کی بات حکومت کی ہوتی ہے تو عرب اُمّی کہہ رہے ہیں۔ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ یا سچ اور جھوٹ کی پہچان کے لئے کوئی نشانی ہو چونکہ اہلِ کتاب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی رسوم مشرکانہ ہیں تو اُمّیوں کی

تسلّی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس سے آگے جو اُمّی لوگ تھے وہ بھی یہی تقاضا کرتے تھے۔ چونکہ اب ضرورت عامہ پیدا ہوئی تو اس ضرورت عامہ کے لئے آپ کو ارسال کیا جاتا ہے "خاص کند بندہ مصلحت عام را"۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۠ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا، وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ:۔

اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسی کہ تلاوت کرنی چاہیئے۔

"تلا" یعنی پیروی کرنا یعنی اس کی پیروی کرتے ہیں جیسی پیروی کرنی چاہیئے یعنی اس کتاب پر عمل کرتے ہیں جیسے عمل کرنے کا حق ہے۔ یہ تسلّی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے کہ یہی امّت عربیہ اس کتاب کا حق پورا ادا کریں گے اور تمام جہان میں اس کی منادی کریں گے۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کیئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہلِ عالم پر۔ ﴿۱۲۲﴾

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ:۔ المراد من النعمة الحكومة "آیت میں نعمت سے مُراد حکومت ہے۔

یعنی جاہ وحشمت وغیرہ جو تم کو عطا کی گئی تھی۔ غرض دینی اور دُنیاوی سب سے بڑی حکومت تھی۔ تم تمام دُنیا کی قوموں میں ممتاز تھے اور دوسری قومیں تمہاری گرد تک بھی نہ پہنچ سکتی تھیں۔

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آئے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے۔ ﴿۱۲۳﴾

مگر جب تم نے قانونِ الٰہی سے سرکشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت یعنی حکومت تم سے چھین لی گئی۔

"اُمّی" کو ضرورت عامہ کو پورا کرنے کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔

"تلاوت کتاب" سے مراد اس کی عملاً پیروی ہے جس کا حق اُمّت عربیہ نے ادا کیا۔

"قانونِ الٰہی سے سرکشی کا انجام غلامی اور بے کسی"

قانونِ الٰہی کی جو پابندی نہیں کرتا اس کے متعلق نہ تو کسی کی سفارش سُنی جاتی ہے اور نہ اسے کسی قسم کی مدد بہم پہنچائی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل نے جب نافرمانی کی تو ان کو جو سزا ملی، تورات اس پر گواہ ہے۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل اقتباسات۔

؎ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے پہلے عربی قوم کی اصلاح کی اور پھر انہیں آگے اسلام کی اشاعت کے لیے آلۂ کار بنایا، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت قریش کے ذریعے اردگرد کے قبیلے اسلام لائے پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا وسیلہ بنے اور ان کے ذریعے ہند و ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے ۱۲ (م م ا)

حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ۱۱۸ و جلد دوم ص ۱۱۲) طبع مصر اور مطالعہ کے لئے مزید قرآنی شعور انقلاب ص ۳۲۰ تا ۳۴۰ دیکھیے ۱۲ (ع ت)

① تورات کتاب قاضون باب ۶- آیت ۱ تا ۶ میں ہے- پھر بنی اسرائیل نے خُدا کے آگے بدی کی- تب اس نے ان کو سات برس تک اہلِ مدین کے قبضہ میں کر دیا اور اہلِ مدین کا ہاتھ بنی اسرائیل پر قوی تھا جس وقت بنی اسرائیل جو کچھ بوتے تھے اس وقت اہلِ مدین، عمالیق اور اہلِ مشرق ان پر چڑھ آتے تھے ان کے کھیتوں کے حاصل (آمدن) کو برباد کرتے تھے- ان کے لئے ایک ذرّہ بھی خوراک نہ رہنے دیتے تھے- نہ بھیڑ نہ بکری نہ گائے نہ بیل نہ گدھا، سو بنی اسرائیل اہلِ مدین کے سبب نہایت مسکین ہوئے-

② اور تورات میں کتاب قاضیون باب ۱۳- آیت ۶ تا ۹ میں ہے- پھر بنی اسرائیل نے خُداوند کی نظر میں بدکاری کی اور خُداوند نے انہیں چالیس برس تک فلستیوں کے ہاتھ میں کر دیا-

③ کتاب استثناء باب ۲۸ آیت نمبر ۱۵ میں ہے-

" لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سنکر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی"

اس میں صرف تین واقعات بتلائے گئے ہیں جن میں بنی اسرائیل کو دوسری حکومت کے ماتحت کر دیا گیا[۱]

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے ربّ نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا- بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا قرار ظالموں کو ﴿۱۲۵﴾

یہود کہتے تھے کہ نبوّت صرف انہی کی قوم میں مخصوص ہے اور یہ کہ آخری نبی بھی اسی قوم میں سے ہوگا- اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ ہم نے[۲۰۲] تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی اولاد میں برکت دیں گے اور اس وعدہ کے مطابق اسحاق اور اسماعیل پیدا ہوئے، تو دونوں کی اولاد پر یہ وعدہ حاوی ہے- تورات میں اللہ تعالیٰ، حضرت ابراہیم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ " اور اسماعیل کے متعلّق میں نے تیری دُعا سُنی- دیکھ میں نے اسے برکت دی اور اس کی اولاد کو بہت برکت دوں گا- اسی سے بارہ شہزادے ہوں گے، اور اسی سے ایک بڑی قوم ہوگی"[۱] تورات میں ایک اور جگہ ذکر آتا ہے کہ میں تم کو اور تمہاری اولاد کو وہ زمین دوں گا، جہاں تو اجنبی ہے- کنعان کی تمام زمین ہمیشہ کے لئے، اور میں ان کا خُدا ہوں[۳] گا اور اب[۴] دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ وعدہ صرف اسحاق علیہ السّلام کی قوم کے لئے تھا تو مسلمانوں کی آمد پر کنعان کی زمین کا تیرہ سو برس تک حضرت اسحاق کی قوم سے نکل جانا ایک عجیب معمّہ ہے- درحقیقت بات یہ ہے کہ یہ وعدہ

۲۰۲ "نبوّت اور قوموں کی پیشوائی کا وعدہ ابراہیم علیہ السلام اور اسکی اولاد کیلئے، وعدہ کی صداقت پر تاریخی شہادتیں"

---

[۱] ان کے علاوہ ملاحظہ ہو کتاب قضاہ باب ۲- آیت ۱۱، باب ۳- آیت ۷ تا ۱۵، باب ۴- آیت ۱ تا ۳ الخ

یہاں کتاب استثناء کے حوالہ میں مطبوعہ اور زیر تحقیق قلمی مسودہ دونوں جگہ کتاب قاضیوں والی مذکورہ عبارت ہی غلطی سے مکرر درج ہے ہم نے استثناء کی محولہ عبارت درج کردی ہے جس کے بعد آٹھ باب تک لعنت کی تفصیل کا ذکر ہے جو چھوڑ دیا گیا۔
ملاحظہ ہو کتاب مقدس استثناء ص۱۹۳ تا ص۱۹۵ طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۵ء ۱۲

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ تھا اور یہ وعدہ اب تک بدستور قائم ہے۔ پہلے کنعان کی زمین یہود کے قبضہ میں یعنی حضرت اسحاق علیہ السّلام کی اولاد کے قبضہ میں تھی۔ اس کے بعد اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ اس کے بعد پھر تقریباً اسّی برس تک اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعنی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس کے بعد پھر اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی اور اب پھر موجودہ جنگ عمومی کے بعد اسحاق علیہ السّلام یعنی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوّت صرف بنی اسرائیل کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد کے لئے، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی اسحاق اور اسماعیل علیہما السّلام دونوں کی اولاد میں نبوّت کا وعدہ تھا۔

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ ع وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ

۱۵ ع ۸ ۱۵

نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی۔ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ، اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔ (۱۲۵) اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے ربّ! بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بُری جگہ ہے رہنے کی۔ (۱۲۶) اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیمؑ بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیلؑ اور دُعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بے شک تو ہی ہے سُننے والا جاننے والا۔ (۱۲۷) اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی، اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر، بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (۱۲۸) اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو، بے شک تو ہی ہے زبردست بڑی حکمت والا (۱۲۹) اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو، اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں (۱۳۰) یاد کر جب اس کو کہا اس کے ربّ نے کہ حکم برداری کر، تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا۔ (۱۳۱) اور یہی وصیّت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو! بے شک اللہ نے چُن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان (۱۳۲) کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت، جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد، بولے ہم بندگی کریں گے تیرے ربّ کی اور تیرے باپ دادوں کے ربّ کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں۔ وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

(۱۲۵) وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ الآية:۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے پاس چند متبرک چیزیں تھیں، جن کو وہ صندوق میں محفوظ رکھ کر اپنے پاس رکھتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی یاد دلایا گیا کہ ہم نے تمہیں بھی اسی طرح چند متبرک چیزیں دی ہیں۔ جن میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ حنیفیہ دی۔ دوسرے حجرِ اسود۔ تیسرے اس گھر کو ہم نے امن کی جگہ بنا دیا، دُنیا میں لڑنے جھگڑنے کے لئے ہزاروں مقام ہیں، اس گھر کے متعلق فرمایا کہ جب تم اس جگہ آؤ تو امن چین سے رہو۔ "حجرِ اسود" ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی بات پر عہد لیتے تو پتھر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب دعوتِ حنیفیہ دی، تو اس پتھر پر ہاتھ رکھ کر سب سے عہد لیتے کہ وہ خُدا کی توحید کے قائل ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ سوائے خُدا کے کسی کی عبادت نہیں کریں گے، غرض اس جگہ بتلایا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح تم کو بھی دعوتِ دین دینی چاہیئے، اس لئے حکم ہوتا ہے کہ میرے گھر کو میرے بندوں کے لئے پاک کرو۔ یعنی اس جگہ سوائے قانونِ الٰہی کے اور کسی قانون کی تعمیل نہیں کرنی چاہیئے۔

حاشیہ [۲۰۳]: "مسلمانوں کی متبرک چیزیں اور مقدس و مرکزی مقام اور ان کی خصوصیات"

الطَّائِفِينَ: انسانی دماغ جب تھک جاتا ہے تو اسے حرکت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بعد دماغ فکر کی طرف آتا ہے۔ الْعَاكِفِينَ: اسی طرح انسانی دماغ کو تھکنے کے بعد سکون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے سکون کے بعد دماغ فکر کی طرف آتا ہے۔ طَهِّرَا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ یا بیت اللہ ابراہیم کے زمانہ سے پہلے موجود تھا۔ سر ولیم میور جس نے پچھلی صدی میں اسلام کے خلاف سب سے زیادہ زہر اُگلا ہے ...... وہ بھی

حاشیہ [۲۰۴]: "طواف اور اعتکاف کی حکمت"

کہ عرب میں ایک عبادت گاہ ہے جس کی عرب بہت عزّت کرتے ہیں۔ یہ سوائے بیت اللہ کے اور کوئی جگہ نہیں۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب اس گھر کی زیارت کے لئے یمن، حضرموت، خلیج فارس کی بندرگاہوں، سیریا، عراق اور دُور دراز کے مقامات سے آتے ہیں۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں نے اس گھر کو دوبارہ تعمیر کیا اور ان کی یادگار آج تک مقامِ ابراہیم کی صورت میں قائم ہے، تورات میں عرب کی سرزمین کے ساتھ اسماعیل کا نام وابستہ ہے۔ کیونکہ کیدار (اسماعیل علیہ السلام کا بیٹا) کا نام تورات میں سرزمینِ عرب کے مُتعلّق بار بار آتا ہے، مسلمان اسی گھر کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے ہیں مگر وہ اس گھر کو سجدہ نہیں کرتے، وہ صرف اپنے اللہ کے آگے سرِ نیاز خم کرتے ہیں، اگر اس گھر کو سجدہ کرتے وقت تصوّر ہو کہ یہ گھر نفع و نقصان کا مالک ہے تو یہ شرک ہے۔ عُمرؓ کا قول جو انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت کہا تھا مشہور ہے۔ "تو ایک پتھر ہے نہ تو فائدہ اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے تجھے اس لئے بوسہ دے رہا ہوں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے ایسا کیا ہے"۔ اس کی تاکید کرتا ہے۔ حجرِ اسود کے

حاشیہ [۲۰۵]: "بیت اللہ کی تاریخ"

حاشیہ [۲۰۶]: "مرکز اور اس کے متعلق چیزوں کی تعظیم میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو"

---

[۱] اس کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں قرآن پاک کی سورۃ آلِ عمران آیت ۹۵ میں بھی اس کا تذکرہ۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ ۱۲ (ع۔ق)

مُتعلق سُورہ آلِ عمران آیت ۹۵ کی تفسیر میں ان شاء اللہ مفصّل بحث آرہی ہے (ملاحظہ فرمائیں منفوظ)

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔ ﴿۱۳۴﴾

۳۰۷ نئے قانون الٰہی کی پیروی کا اور پرانے نظام کی اچھی باتیں لینے کا حکم۔

تم اپنے قصے چھوڑ دو اور جو قانونِ الٰہی آج تمہیں دیا جا رہا ہے اس پر عمل کرو۔ ہاں اگر کوئی پُرانی بات اچھی معلوم ہو اور فائدہ مند دکھلائی دے تو اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں ہے ۔الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن الحدیث (کہ بھلائی کی بات مسلمان کی گمشدہ متاع ہے جہاں اُسے پاؤ لے لو۔ ؎

کہ حکمت سو اک گُمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو (حالی)

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پا لوگے راہِ راست۔ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف تھا اور نہ تھا شریک کرنے والوں میں۔ ﴿۱۳۵﴾

قُلْ بَلْ مِلَّةَ ۔۔ تم یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر مت چلو، بلکہ خلیل اللہ کے طریقہ پر چلو جو سب کا جدِّ امجد تھا۔ تمہارا اس کے قانون کی طرف رجوع کرنا گویا قانونِ الٰہی کی اطاعت کرنا ہے ۔مشرک وغیرہ بھی اس کے طریقہ پر تھے مگر ان میں بعد میں شرک و بدعت آگیا۔ جیسے ویدمت میں (بھی شرک کی آمیزش بعد میں ہوئی)

۳۰۸ روحانی و مادی ترقی کے جامع بین الاقوامی پیغمبران کرام کے بانی کی اتباع کا حکم۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

ؔ۱ آیت ۱۲۶ تا ۱۳۴ کی مفصل تفسیر مولانا سندھی نے تفسیر ہذا میں نہیں کی۔ اسے ان کی دوسری تفسیر مسمّٰی بہ الہام الرحمان مطبوعہ حیدرآباد سندھ (جو علامہ موسیٰ جار اللہ نے آپ سے قلمبند کی ہے) کے صفحات ۹۶۹ تا ۱۰۷۲ میں دیکھئے۔ ۱۲ (م ا)

ؔ۲ الترمذی کتاب العلم باب ۱۹ نیز ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۵ ۔ ۱۲ (م ا)

ترجمہ: کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۱۳۶﴾

۲۰۹ "مسلمانوں کا وسیع اور بین الاقوامی نقطۂ نظر"

مسلمانوں[۲۰۹] کے لئے نہ صرف بنی اسرائیل کے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ حکم ہوتا ہے کہ انبیاء پر جو کچھ نازل ہوا ان پر صدق دل سے ایمان لاؤ۔ لطف یہ ہے کہ یہ تعلیم اس وقت دی جا رہی ہے جب یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کی بیخ کنی کا تہیّہ کر لیا تھا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: سو اگر وہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جائیں تو پھر وہی ہیں ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ ﴿۱۳۷﴾

۲۱۰ "بین الاقوامی پیر دگرام کی مخالفت کا انجام ناکامی"

جسطرح[۲۱۰] تم قانونِ الٰہی کی پابندی کرتے ہو اور سب انبیاء کی تعلیم کو مانتے ہو اگر وہ بھی اسی طرح کا ایمان رکھیں تو یقیناً اس بین الاقوامی تعلیم و طریقہ پر چل کر مراد کو پہنچ جائیں گے۔ اگر مخالفت کریں گے تو یقیناً ناکام رہیں گے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔ ﴿۱۳۸﴾

۲۱۱ "اسلام کی تعلیم فطرت کا رنگ"

فطرت[۲۱۱] کی تعلیم = عیسائیوں کے ہاں دستور ہے کہ بچّہ کو بپتسمہ دیتے وقت اس پر رنگ چھڑکتے ہیں۔ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ دیا گیا ہے۔ حکم ہوتا ہے یہ بپتسمہ کیا ہے بلکہ بپتسمہ (اصلی رنگ) یہ ہے کہ ہم فراخدلی سے تمام انبیاء سابقہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس نبی آخر الزّمان پر جو اصلی قانونِ الٰہی لایا ہے، اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اس قانونِ الٰہی پر کاربند رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ اس تعلیمِ فطرت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے ایک نئی زندگی پیدا ہوگی۔ اس لئے سچائی کی طرف جھکو گے اور تمام نیک اور بزرگوں کی تعلیم سے بہرہ مند ہوگے۔ انجیل متی میں ہے کہ یوحنا نبی فرماتے ہیں کہ میں تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے پیچھے آنے والا ہے۔ وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے[۱] گا۔ اس پیشین گوئی کی طرف اس

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب مقدس نیا عہدنامہ متی ۳: ۱۱ طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۳۵ء ص ۳ ع نق

آیت میں اشارہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوائے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ حضرت یسوع نے حضرت یوحنا نبی سے بپتسمہ لیا اور نہر اردن کے کنارہ پہ لوگوں کو خود یسوع بپتسمہ دیتا تھا اور آج تک عیسائیوں کا یہی بپتسمہ ہے۔

قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِی اللّٰہِ وَہُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمۡ ۚ وَلَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ۚ وَنَحۡنُ لَہٗ مُخۡلِصُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ: کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔ (۱۳۹)

ہم جب تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر تم ہم سے کس وجہ سے لڑائی کرتے ہو۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰہٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ کَانُوۡا ہُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰہُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَتَمَ شَہَادَۃً عِنۡدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی۔ کہہ دے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی ہے اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔ (۱۴۰)

یہود کہتے تھے[۲۱۲] کہ جب تک یہودی نہ ہو اور عیسائی کہتے تھے کہ جب تک عیسائی نہ ہو، کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی اور ہر ایک اپنے طریقہ کو طریقۂ ابراہیمی بتلاتا تھا۔ حکم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام تو بہت پہلے گزرے ہیں۔ ان کے ایک عرصہ کے بعد موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام آئے۔ جس سے یہودیت اور نصرانیت کی ابتداء ہوئی تو تم اپنے آپ کو کس طرح ابراہیم علیہ السّلام کا پیرو خیال کرتے ہو۔ تم تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کے پیرو ہو۔ (اگر تم کو واقعی ان کا پیرو کہا جا سکے) ابراہیم علیہ السّلام نے تو خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس نے یہی قبلہ مقرر کیا۔

عرب کے مسلمانوں کا یہی قبلہ ہے، مسلمانوں کو اب[۲۱۳] چونکہ بین الاقوامی تعلیم دینی منظور تھی، اس لئے ان کے رسولؐ نے مدینہ منوّرہ میں کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی تاکہ وہ قومیت

ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ آیت ۱۳ ۱۲ (ع ق)

۲۱۲ "یہودیت اور نصرانیت کی تنگ ذہنیت"

۲۱۳ مسلمانوں کو بین الاقوامیت کی تعلیم دینی ہے کچھ عرصہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنوایا

سے بالاتر ہو جائیں۔ اس لئے کہ اسلام صرف عربوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے آیا تھا اور جب کہ آگے آیت ۱۴۳ میں آئے گا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں عربوں کا امتحان بھی منظور تھا۔ جب اس امتحان میں کامیاب نکلے تو انہیں سابق کی طرح خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، غرض نسخ (آیات اور قبلہ) پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا گیا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

۱۶ ع ۱۲/۱۶

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا، اور تم سے پُوچھ گچھ نہیں ان کے کاموں کی۔ ﴿۱۴۱﴾ ع

۲۱۴ "دیتا ریخ سے سبق"

یہ پُرانے[۲۱۴] لوگوں کی باتیں ہیں ان میں غور کرو گے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے والے دُنیا میں کس طرح کامیاب و سرخرو ہوتے ہیں، اور آخرت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بے حساب اجر ملے گا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

ترجمہ: اب کہیں گے بیوقوف کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ۔ ﴿۱۴۲﴾

۲۱۵ "تحویل قبلہ کی مصلحت"

آنحضرت[۲۱۵] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ ہی میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی بدستور ایک سال اور چار ماہ تک بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ بیت اللہ اگرچہ مشرکوں کے ہاتھ میں تھا مگر اسے قبلہ مقرر کرنے میں یہ ظاہر کیا کہ عنقریب وہ مُسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گا۔ یہود نے بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانے پر اعتراض کیا۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ

عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس کے واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا اُلٹے پاؤں۔ اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے۔ اور ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان، بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾۔ بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے مُنہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ اب پھیر مُنہ اپنا طرف مسجد حرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو مُنہ اسی کی طرف۔ اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ﴿۱۴۴﴾

(۱۴۳) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ الخ۔

اے رسول ہم نے تیری اُمّت کو اُمّتِ وسط یعنی بین الملی (درمیانہ درجہ) کی اُمّت بنایا، نہ تو حد سے زیادہ بڑھنے والی، نہ ہی پیچھے رہ جانے والی، تمہاری اُمّت کو[۲۱۶] دُوسری اُمّتوں کے لئے معیار بنایا، یعنی جو اس اُمّت کے طریقہ پر چلے گا وہی فلاح پائے گا اور تمہاری اُمّت پر ہم نے تجھے معیار مقرر کیا ہے، یعنی تیری اُمّت کے لئے تیری کتاب اور تیری سُنّت فلاحِ دارین کا طریقہ ہے، جس قدر تجھ سے قُرب حاصل کریں گے اس قدر وہ بتدریج ترقی کرتے جائیں گے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الخ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے خواہش تھی کہ بیت اللہ قبلہ مقرر ہو مگر وحی کے منتظر تھے۔ اگر وحی اپنی طرف سے گھڑ لیتے تو سولہ ماہ تک وحی الٰہی کا انتظار کرنا چہ معنی۔ غرض بیت المقدس[۲۱۷] ایک امتحانی قبلہ تھا تاکہ قوم کی ذہنیت بین الاقوامی استعداد پیدا کرے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ الخ۔ یعنی ایمان والوں[۲۱۸] کو قبلہ کی تبدیلی میں کسی قسم کی پس و پیش نہ تھی، اس لئے ان کو یہی حکم تھا کہ اپنے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اپنے ایمان کی برکت سے اس آزمائش

سے بچ نکلے اور ان کے ایمان نے انہیں سیدھا راستہ بتلا دیا۔

(۱۴۴) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ۔ الخ۔ آپ مکہ معظمہ میں بیت المقدس[219] کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو وہاں بیت المقدس کیطرف منہ کرنے سے بیت اللہ کیطرف پشت ہوتی تھی اس لئے آپؐ کی آرزو تھی کہ بیت اللہ قبلہ ہو، اس لئے آپؐ آسمان کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت کے لئے دُعا کرتے تھے، غرض آپؐ نے مکہ مکرمہ میں عربی قبلہ کو برقرار رکھا۔ اگرچہ وہ مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور اس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یعنی اپنا قومی اسمٰعیلی قبلہ مدِّ نظر تھا۔ مدینہ منورہ میں اسرائیلی قبلہ کی طرف رُخ کرتے تھے، گو بیت اللہ کے قبلہ ہونے کی آرزو تھی۔ اللہ نے آپؐ کی دُعا سُن کر جس قبلہ کی بناء ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام نے رکھی تھی، اس کو قبلہ مقرر کیا۔ یعنی اب اسماعیلی اور اسرائیلی یعنی بین الاقوامی قبلہ مقرر ہوا، پہلا قبلہ خالص عربی، دوسرا بیت المقدس وسطی اسرائیلی تیسرا بیت اللہ اسماعیلی و اسرائیلی دونوں کا مجموعہ یعنی بین الاقوامی قبلہ مقرر ہوا۔[220] پہلے نبی قومی پروگرام لے کر آتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السّلام بین الاقوامی تعمیری پروگرام لے کر آئے، مگر وہ اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ قوم اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السّلام آئے مگر وہ حکومت کے نزدیک نہیں گئے، اور ان کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس پر عمل کیا اور اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا کر دی کہ قوم اس پروگرام کو چلانے کے قابل ہو سکے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ میں بھی اشارہ ہے کہ اس نبی نے اپنی قوم میں بین الاقوامی پروگرام کی استعداد پیدا کر دی ہے۔ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ترمیم بدستور ہوتی رہے گی۔ جس طرح ہندوستان میں تعزیراتِ ہند کا قانون بنا دیا گیا ہے۔ اس میں ضرورت کے مُطابق ترمیم بدستور ہوتی رہتی ہے۔ ترمیم کرنے کے لئے اجماع امّت کا قیام ضروری ہے۔ یعنی مسلمانوں کی کثرتِ رائے سے جو پاس ہو وہ واجب العمل ہے، شروع صدی میں مسلمان اس پر عمل کرتے رہے، مگر تیمور کے حملہ کے بعد ان کے خیالات نے پلٹا کھایا۔

(۱۴۶) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ الخ۔ ایک حدیثؐ کے مطابق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے آپ کو دُعائے خلیل کہا ہے۔ یہود و نصاریٰ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نہ صرف حضرت اسماعیل کی اولاد سے ایک نبی کے پیدا ہونے کے لئے دُعا کی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی برکت کا وعدہ کیا تھا، سُورۃ البقرہ آیت ۱۲۴ یہ متبرک مقام یعنی بیت اللہ[221] جس کو ابراہیم علیہ السّلام نے پاک کیا تھا۔ بنی اسرائیل کو اس کا علم تھا کہ آئندہ چل کر یہ گھر اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد سے ایک نبی کی تعلیم کا مرکز ہوگا، جس کی تعلیم سے متاثر ہو کر اہلِ عرب تمام دُنیا میں فاتح ہو گئے مدینہ میں آپؐ اور صحابہ کرامؓ اٹھارہ ماہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ دو ماہ قبل (از غزوۂ) بدر تحویل قبلہ ہوئی

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

[219] مسجد حرام کا تمام قوموں کیلئے مرکز و قبلہ بن جانا۔

[220] ایضاً۔ کے قومی اور بین الاقوامی پروگرام کا خاکہ اور تدریجی ارتقاء

[221] بیت اللہ کی مرکزیت اور حضورؐ کی نبوت کے متعلق یہود کو یقینی علم تھا۔

۱ یعنی اصول دین توان کے بھی بین الاقوامی اور پوری انسانیت کے لیے تھے مگر حکمت عملی قومی پروگرام تک محدود رہی ۱۲ (ع-ق)

۲ ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ آیت ۳ پ ۶ ۱۲

۳ اس موضوع پر حضرت امام سندھی رح نے شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ افادات و ملفوظات اور شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک میں کلام فرمایا ہے جبکہ حضرت امام الائمہ رح نے حجۃ اللہ میں اس موضوع پر مستقل کلام فرمایا ہے ملاحظہ ہو باب حقیقۃ النبوۃ باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناہج مختلفۃ و باب اسباب نزول الآ نع الیٰ حتۃ بعصر دون عصر ص۸۴ تا ص۹۱ طبع دار نشر الکتب لاہور

۴ عن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ وساُخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم ع وبشارۃ عیسیٰ ع الحدیث رواہ فی شرح السنۃ ورواہ احمد عن ابی امامۃ من قولہ ساخبرکم (مشکوۃ ص۵۱۳) ۱۲ (ع ق)

۵۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش از کتاب مقدس

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اگر تو لائے اہلِ کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو ماننے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتاہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بے شک تو بھی ہوا بے انصافوں میں سے ﴿۱۴۵﴾

مُسلمانوں نے[۲۲۲] کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا، دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ بنانے پر یہود نے اعتراض کیا۔ حکم ہوتاہے کہ تم جانتے ہو کہ اس قبلہ کی بناء رکھتے وقت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام نے دُعا کی تھی کہ لے خُدا اسحاق کی مانند اسماعیل کی اولاد کو بھی بڑا کیجیو، اسے برکت دیجیو، اس کی نسل سے بارہ بادشاہ کیجیو[۱]۔ غرض بیت اللہ اسماعیلی و اسرائیلی یعنی بین الاقوامی قبلہ ہے۔ اے یہود جب تم اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کرنے کے لئے اصرار کر رہے ہو تو مُسلمان تمہارے قبلہ کی طرف کیوں رُخ کریں، جب ان کو تم سے اعلیٰ وارفع یعنی بین الاقوامی قبلہ دیا گیاہے۔ جب ایک قوم دُنیا میں ترقی کرنے کی خواہشمند ہو تو ضروری ہے کہ ان کے قوانین دوسری اقوام کے قوانین سے اعلیٰ ہوں۔ اس لئے اس فاتح قوم یعنی مُسلمانوں کا قبلہ بھی بنی اسرائیل سے بڑھ کر ہونا چاہیئے۔

۲۲۲ "بیت اللہ کے بارے میں یہود کی تنگ نظری اور مسلمانوں کی رفعت"

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾

ع ۱۷ / ۱

ترجمہ: جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتا ہے حق کو جان کر ﴿۱۴۶﴾ حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا ﴿۱۴۷﴾

ابراہیم علیہ السّلام کی نسل میں سے تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوئے، بنی اسرائیل جانتے تھے کہ ابراہیم کے دونوں لڑکوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے برکت کا وعدہ کیا تھا اور موسیٰ علیہ السّلام کی پیشین گوئی تھی کہ ان کی مانند ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہوگا، چونکہ اس قسم کا کوئی پیغمبر آج تک نہیں ہوا (اور بنی اسرائیل اسے بھی تسلیم کرتے ہیں) اس لئے لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب مقدس پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸، ۲۰ طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور۔ ۱۲

نبی آخر الزّماں، اس پیشین گوئی سے مشابہت رکھتے تھے، لہٰذا آپ وہی موعود پیغمبر ہیں۔ غرض بنی اسرائیل جانتے ہیں کہ یہ نبی (آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) ابراہیم کی اولاد سے ہے اور اپنے انبیاء کی طرح لے بھی جانتے ہیں۔ غرض بنی اسرائیل اس تعلیم کو اپنے بچّوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک شخص ہزارہا تکالیف اٹھا کر اپنے بچّے کی تکمیل کرتا ہے جب اس کے رُوبرو وہ جوان ہوگا تو اس کو ضرور پہچانے گا۔ اسی طرح اس تعلیم کو موسیٰ علیہ السّلام سے لے کر اپنے خُون کی ندیاں بہا کر بنی اسرائیل کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے، کیا آج اس کو نہیں پہچان سکتے، (اس تعلیم کو) کہ یہ وہی تعلیم ہے جو موسیٰ علیہ السّلام لائے تھے اور یہ وہی انقلاب ہے جو موسیٰ علیہ السّلام چاہتے تھے، جس کو داؤد اور سلیمان علیہما السّلام مکمّل کرنے کی کوشش کرتے رہے، تو آج اس پیغمبر نے اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت لوگوں کو بھی خبر دیتی ہے کہ یہ وہی تعلیم ہے، مگر ایک نالائق جماعت اس کو چھُپاتی ہے، مگر وہ بھی جانتی ہے کہ یہ تعلیم حق ہے کیونکہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اتنا بڑا انقلاب برپا کیا ہے کہ جہان میں وہ بڑے واقعات میں شمار ہونے لگا ہے اور اس کا تذکرہ ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں رہے گا۔

[۲۲۳]

حاشیہ: "انقلاب بھی تاریخ انسانیت کا نقطہ کمال اور یہود کا اس پر دانستہ پردے ڈالنا۔"

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

وقف النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

ترجمہ: اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ مُنہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہو گے کہ لائے گا تم کو اللہ اکٹھا، بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ﴿۱۴۸﴾ اور جس جگہ سے تو نکلے سو مُنہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف، اور بے شک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ﴿۱۴۹﴾ اور جہاں سے تو نکلے مُنہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف، اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف، تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں،

[۲۲۴]

حاشیہ: "بین الاقوامی قبلہ اور مسلمانوں کو وحدت فکری و اتفاق عملی کا سبق"

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مُسلمانوں کو ایک متّحدہ قوم بنادے۔ اس واسطے حکم دیا کہ تمام مُسلمان ایک قبلہ کی

طرف رُخ کریں۔ ان کا مقصدِ زندگی اور مرکز ایک ہونا چاہیئے، قبلہ کا واحد ہونا درحقیقت مقصدِ زندگی کا واحد ہونا ہے، اور اسی پر اسلامی اخوت کی بنا ہے۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ جو تمہارے قبلہ کی طرف رُخ کرتے ہیں اُن کو کافر مت کہو۔[1]

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

ترجمہ: سو ان سے (یعنی ان کے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی ﴿۱۵۰﴾ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔ ﴿۱۵۱﴾

مسلمانو! تم سوائے میرے کسی سے مت ڈرو۔ یعنی میرے قوانین کی پابندی کرو اس کے بدلے میں تمہیں نعمت یعنی حکومت دی جائے گی۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

ترجمہ: ۲۲۵ سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔ ﴿۱۵۲﴾

۲۲۵ ذکر کا مفہوم اور اہمیت

ذکر = انسان کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مُراد ہے، اس کے احکام کی پابندی کرنا اور اللہ تعالیٰ کا انسان کو یاد کرنے سے مُراد ہے، اس کو حکومت عطا کرنی۔ ذکر کے معنی بلندی کے بھی ہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے۔ تم مجھے یاد کرو یعنی میری حمد کہو، میرے قوانین پر عمل کرو، میں تمہیں بلند مراتب عطا کروں گا۔ غرض ہر وقت انسان کی توجہ حظیرۃُ القدس (بارگاہِ اقدس) کی طرف ہونی چاہیئے۔ تب جا کر اس کے دل میں اطمینان پیدا ہوگا اور وہ کامیابی کی طرف قدم اٹھائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

ترجمہ: اے مُسلمانو! ۲۲۶ مدد لو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾

۲۲۶ صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا مفہوم

صبر = انسان اپنی زندگی میں اپنے رُوبرو ایک نصب العین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، لازمی اَمر ہے کہ اسے پروگرام پر عمل کرنے میں مُشکلات اور مُصائب کا سامنا بھی ہوگا، مگر اسے چاہیئے کہ اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہے، اور مُشکلات سے نہ گھبرائے۔ اس کا نام "صبر" ہے اور اس کے ساتھ

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلہ ج ۱ ص ۵۶ طبع نور محمد کراچی

اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جب یہ کامیاب ہو جائے گا اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں تو وہ خود لوگوں پر ظلم کرنے لگ جائے گا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾

ترجمہ: اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خُدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔

اب بتلایا کہ صبر کرنا دو باتوں میں ضروری ہے۔ فوری اور زبردست مُصیبت میں مثلاً ایک آدمی اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروف ہے اور مُشکلات حاوی ہیں، مگر وہ بالکل نہیں گھبراتا بلکہ بدستور اپنی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس کی ہمت اس کی مُشکلات پر حاوی ہو جاتی ہے۔ مگر بعض اوقات گو وہ حاوی ہوتا ہے مگر اس کی کسی کمزوری کے باعث دُشمن اس پر غالب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس کی قوتِ ارادیہ تو غالب ہے مگر اس کی جسمانی کمزوری کے باعث مصائب سے دب جاتا ہے گو اس کی قوتِ ارادہ نہیں دبتی۔ اس طرح وہ جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے (یعنی مرجاتا ہے یا قتل ہو جاتا ہے) قوت تو بہر حال زندہ ہے وہ اپنے پروگرام کی تکمیل میں فاتح ہوئی۔ اس لئے اصلی معنوں میں زندہ ہے اور اپنی رُوحانی زندگی سے اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اس قسم کے انسان کو گو اس کا جسم الگ ہو گیا ہے اور اسوقت (بظاہر) زندہ نہ ہے اسے مُردہ مت کہو کیونکہ وہ تو اپنی مُراد کو پہنچ گیا۔ اس کی زندگی سے دُوسروں کو سبق ملتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور اس پر گامزن ہوں اور وہ بھی عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس نظامِ عالم کی بڑی مشینری میں کام کرتا رہے گا۔

غرض آیت "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" سے قرآن حکیم کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ پہلا باب ہے تہذیب اخلاق کا، اخلاق کے اصول چار ہیں۔ طہارت، اخبات، سماحت و عدالت اور ان اصولوں کی تہذیب چار اشیاء سے ہوتی ہے۔ (۱) ذکرِ الٰہی یعنی ہر وقت اپنے خُدا کو یاد کرے اور اس پر بھروسہ رکھے۔ (۲) شکر یعنی دی ہوئی نعمت کی قدردانی کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ (۳) صبر یعنی اس میں استقلال اور ہمت آ جائے۔ عرب کہتے ہیں: "الصبر مجموع الحماسة والدمانة" یعنی ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنا شرط ہے ورنہ ڈٹ کر کام کرنا حیوانات میں بھی ہے، اس لئے انسان کی شرافت اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دُعا مانگے اور آخر صبر کا موت ہے، اگر خُدا پر ایمان ہے تو چونکہ کام کرنے میں اس کی توجّہ الی اللہ (اللہ کی طرف) ہے تو وہ اس کثیف لباس جسمانیت و حیوانیہ کو چھوڑ کر نسمہ سے لطیفہ کا (روحانیہ و ملکیتہ) کا لباس پہن کر ملاءِ اعلیٰ (عرش میں اعلیٰ درجہ کے فرشتوں اور رُوحانی ارواح کی مقدس جماعت) میں مل جاتا ہے اور پھر بڑے زور سے اس کام کی تکمیل کرتا ہے اور علاوہ موت، کامیابی کے اور بہت سے امتحانات سے اس کو گزرنا پڑے گا۔ وہ خوفِ دشمن، بھوک، نقصان

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ ج ۱ ص ۵۲ تا ۵۵ و مقالہ " انسانیت کے بنیادی اخلاق " از شعور و آگہی طبع عزیز پبلیکیشنز ص ۱۱ تا ۱۹ اور قرآنی دستور انقلاب از قرآنی شعور انقلاب ص ۲۶۳ تا ۲۷۵

۲؎ امام راغب مفردات میں فرماتے ہیں ،، صبر ،، کے معنی ہیں اپنے جی کو اسطرح روک کے رکھنا جس طرح کہ عقل اور شرع کا تقاضا ہے۔ یا عقل و شرع جس چیز سے نفس کو روکنے کے مقتضی ہیں اس سے روک دینا پس صبر ایک عام لفظ ہے جس کے مختلف مواقع کے اعتبار سے مختلف نام ہو جاتے ہیں چنانچہ اگر کسی مصیبت پر جی کو تھاما جا رہا ہے تو یہ صبر کے سوا اور کسی نام سے موسوم نہیں ہوگا اور جزع (گھبراہٹ) اس کی ضد ہوگی اور اگر جنگ میں ہوا تو شجاعت سے موسوم ہوگا اور جُبُن (بزدلی) اس کی ضد ہوگا اور اگر کسی طول کو دیتے والے حادثہ میں ہوگا ،، رَحبُ الصدر ،، (کشادہ دلی) سے موسوم ہوگا ۔ اور ضَجُر (تنگ دلی) اس کی ضد ہوگا اور اگر بات کو روک کے رکھنے کے بارے میں ہوگا تو " کِتمان " (چھپانا) سے موسوم ہوگا اور " مَذَل ،، تنگ دل ہوکر فاش کر دینا) اس کی ضد ہوگا اور حق تعالیٰ شانہ نے ان سب باتوں کو صبر سے موسوم فرمایا ہے ملاحظہ ہو لغات القرآن جلد چہارم ص ۱۵ مؤلفہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی طبع دارالاشاعت کراچی ۱۲ (ع ۔ ق)

۳؎ اس کی تفصیل حجۃ اللہ البالغہ کے باب السعادہ جلد اول ص ۵۲ ، ۵۲ طبع دار نشر الکتب لاہور میں دیکھئے ۱۲

۴؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ باب ذکر الملاء الاعلیٰ ص ۱۵ و ص ۱۶ طبع مذکور ۱۲ (ع ۔ ق)

مال وجان اور نتائج کا ہوگا۔ یعنی کسی وقت نتیجہ اس کی کوشش کے برعکس نکلے گا، اگرچہ کامیاب ہونے میں دیر ہے، مگر جس قدر کام ہوا ہے دیکھو کیسے کیسے عُمدہ نتائج نکلے ہیں اور اس کو پوری سمجھ آجائے۔ مثلاً ایک شخص کھیت میں بیج بوتا ہے مگر بیج بونے اور حاصلات (آمدن غلّہ) اٹھانے میں دیر ہے اور گھبرا جاتا ہے تو اس کو سمجھا دینا کہ دیکھو تم نے کوشش کی، زراعت بڑی اچھی ہوئی اور آئندہ اس طرح کوشش کرتے رہنا اور اللہ سے دُعا مانگتے رہنا کہ اناج بہت دے گا اور بدبخت کو سمجھا دینا کہ تم نے زمین پوری طرح ہموار نہیں کی اور زمین میں کھاد نہیں ڈالی اور نگہبانی پوری نہیں کی جس سے آئندہ نتیجہ برآمد نہ ہوگا اور اس کو سمجھ آجائے یہ ہے "انذار" اور (۴) چوتھا اصول تہذیب اخلاق کا۔ تعظیم شعائر اللہ کرنا۔ وہ تین ہیں۔ ایک بیت اللہ اور اس کے مُتعلّقات صفا، مروہ، منٰی، مزدلفہ، عرفات، ہدی، قلائد، اشہرِ حُرُم، حاجی بیت اللہ کا جب تک کہ وہ گھر پہنچ جائے۔

ن۲۳۰ لعنت کے مستحق لوگ

——— تہذیب اخلاق کے برخلاف کام کرنے والوں پر خُدا کی لعنت ہے[۲۳۰]۔ اس کے بعد اِلٰـهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ سے ابتغاء الرزق (معاشیات) کا مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ رزق کے معدن (منبع) اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ الخ میں بتا دیئے گئے ہیں۔ یعنی اللہ پر بھروسہ کرنا اور اپنی ہمّت سے رزق کو اس کی جگہ سے تلاش کرنا، مگر ظالموں کی نوکری کرنا اور اُن کے توسّل سے رزق کمانا بالکل بُری بات ہے۔ کیونکہ اس سے انقلاب ہوجاتا ہے تو پھر جو مُصیبت ظالموں پر آئی وہی ان کے تابعداروں پر بھی آتی ہے ابتغاء الرزق (طلب معیشت) اکل کھانا پینا حلال اور طیّب ہونا چاہیئے جس سے اچھے تفکّرات افکار و خیالات پیدا ہوں جو تمدن کے لئے باعثِ رحمت ہوں پھر اچھی چیزوں کو استعمال کرکے اس کی قدر دانی کرنا (یعنی شُکر کرنا) پھر محرّماتِ اشیاء (وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے بتادی ہیں جو تمام شرائط میں حرام ہیں خواہ ابراہیمی شریعت ہو یا صابئی شریعت یعنی آرین تہذیب۔

تہذیب اخلاق اور تعلّق باللہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مسکینوں اور غریبوں کی خدمت کرنا اور ہر وقت نماز پڑھنا یعنی متوجّہ الی اللہ ہونا اس کے بعد مساوات ہے الی آخر الایات۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ‌ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَۙ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: اور البتّہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میوؤں کے اور خوشخبری دے کر ان صبر کرنے والوں کو۔ ﴿۱۵۵﴾

ل۔ یہاں صرف ایک کا ذکر ہے باقی دو رسول اللہ اور کتاب اللہ ہیں یہ تین تو بنیادی شعائر ہیں ان تینوں کا نتیجہ "صلوٰۃ" ہے جو چوتھا جزء ہے چنانچہ تعظیم شعائر اللہ کے موضوع پر حضرت امام الائمہؒ نے حجۃ اللہ میں مستقل باب قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حجۃ اللہ عربی ص۶۹ و ص۷۰ طبع لاہور اور الہام الرحمان ص۱۸۸، ۱۸۹ میں ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں حضرت امام سندھیؒ نے اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے ۱۲ (ر ع ق)

لے یہاں حضرت امام سندھیؒ احکام کی حکمت کے ساتھ اجمالاً آیت ۱۵۲ سے تا آخر سورت ربط آیات کیطرف اشارہ کیا ہے تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ ۱۲ (ر ع ق)

دوسری مصیبت کی اب مثال دی جاتی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ آتی ہے مگر دوامی (دائمی) ہوتی ہے۔ اس میں بیرونی خوف اور اندرونی مشکلات ہوتی ہیں۔ مال و جان کا نقصان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ نتائج یعنی بظاہر اس کے پروگرام کی تکمیل نظر نہیں آتی۔ مگر وہ اپنے نصب العین کی دُھن میں ہمہ تن دن رات مصروف ہے۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

ترجمہ: کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿١٥٦﴾

جب ان مصیبتوں، تکلیفوں اور پریشانیوں میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاتے ہیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اُن کے دل کو امن و چین و سکون رہتا ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ غرض یہ لوگ اپنے نصب العین کو مکمل کرنے کی دُھن میں دن رات بڑھے جاتے ہیں اور مصائب کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور اللہ کو نہیں بھولتے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ترجمہ: ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ﴿١٥٧﴾

یعنی ان کا کام کبھی غیر منتج (بے نتیجہ) نہیں رہتا۔ ان پر خاص رحمت نازل ہونے لگ جاتی ہے اور ملاءاعلیٰ کی تمام توجہ ان کی طرف ہو جاتی ہے۔ یہ ہیں معنی صلوٰت کے اور آئندہ کے لئے ان کی کامیابی کا راستہ کھل جاتا ہے اور کام سہل ہو جاتا ہے۔ یہ ہے رحمت اور آئندہ آنے والی نسل ان کی اقتداء کرتی ہے کیونکہ یہ مہتدون (ہدایت یافتہ) ہیں۔ ان کے پروگرام پر چل کر کامیابی یقینی ہے کہ یہ سائنٹیفک یعنی تجربہ شدہ بات ہے۔ غرض ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور دُنیاوی برکات نازل ہونے لگ جاتی ہیں اور ان کے مصائب ان سے آہستہ آہستہ دُور کر دیئے جاتے ہیں اور راستہ سہل ہو جاتا ہے۔ اس سے کہ یہ لوگ منزلِ مقصود کی طرف جا رہے ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ﴿١٥٨﴾

تعظیم شعائر اللہ تہذیبِ اخلاق کا ایک جزء ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ مشکلات میں صبر کرنے کی ایک مثال بھی ہے کہ حضرت ہاجرہؓ مکہ کی سخت گرمی میں اور پیاس سے بے تاب ہوکر پریشان پھر رہی ہیں، مگر اپنے اللہ سے غافل نہیں، اس کے ساتھ ہی یہ نہیں کہ پریشانی کی حالت میں ہمت توڑ کر بیٹھ گئیں بلکہ لگاتار اور مسلسل کوشش کر رہی ہیں کہ کسی طرح سے پانی دستیاب ہو سکے، وہ ان دونوں پہاڑوں یعنی صفا و مروہ کے درمیان پانی کی جستجو میں پھر رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صدا کو سُنا، ان کو پانی کا چشمہ دیا جو آج تک متبرک خیال کیا جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر ان پر اللہ تعالیٰ نے رحمت یہ کی کہ ان کی نسل سے ایک اولوالعزم پیغمبر بین الاقوامی پروگرام دے کر پیدا کیا۔ غرض یہ دونوں پہاڑ جو حضرت ہاجرہؓ کی تکلیفوں کے مظہر تھے۔ آج اس کی جزاء کے دو نشان ہیں جو اسے اس کے صبر پر دیئے گئے، حاجیوں کو حج کے احکام شروع کرنے سے پہلے اس کی یاد کو تازہ کرنا ہوتا ہے۔ غرض صبر یہ نہیں کہ ہمت ہار کر کام چھوڑ دے، بلکہ صبر یہ ہے کہ اس کام تکمیل میں ہر قسم کی مشکلات پر صبر کرے، اور اُسے مکمل کرنے میں پوری جدّ و جہد کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ: بے شک لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔

گزشتہ آیات کی تعلیم کو بعض لوگ، لوگوں کو حاصل کرنے نہیں دیتے، بلکہ اس تعلیم کو مخفی رکھتے ہیں، تاکہ لوگ اس سے واقف ہو کر ان کو ملامت نہ کریں کہ تم کیوں یہ کام نہیں کرتے، جس سے تمہارے اخلاق بھی مہذّب ہوں اور لوگ بھی مستفید ہوں، کیونکہ ان احکام کا لُبِّ لباب تو یہ تھا کہ لوگوں کی خدمت اور ظلم دُور کرنے کے لئے خود کو فنا کر دو، تب خُدا کو ملو گے۔ بینات اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو سمجھایا جائے اور وہ اُسے واضح طور پر سمجھ لے جیسے روشنی، سُورج اور چاند۔ ھُدیٰ چند سمجھ دار آدمی ایک صاف راستہ تجویز کریں اور اس کی صداقت پر یقین کر کے دُوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور آخر کار انہیں سمجھا دیں کہ اس راستہ پر چل کر دیکھو کہ تھوڑی محنت سے تم مطلوب کو پہنچ جاؤ گے اور ایک جماعت کو پہنچا بھی دیں۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

لے "صبر" کی تحقیق ابھی گذر چکی ہے مزید قرآنی اصول انقلاب آیت و تواصوا بالصبر کے ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمایئے دیکھئے قرآنی شعور انقلاب صہ ۱۲۶،۱۲۰ (ع-ق)

ترجمہ: مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔

۲۳۸ توبہ کا حقیقی مفہوم اور اس کے اجتماعی تقاضے عظیم نفسی انقلاب

اب بتایا جاتا ہے کہ توبہ کس کو کہا جاتا ہے۔ اوّل تو اپنے بُرے اعمال پر ندامت کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس کے بعد جس قدر اس کے غلط طریقۂ کار سے لوگوں کو نقصان پہنچا ہے اس کی اصلاح کرے اور لوگوں کو اصل تعلیم سے آگاہ کرے۔ یہ توبہ علماء کی ہے۔ یعنی اپنا گزشتہ طرزِ عمل لوگوں کو بتلا دے وہ غلط تھا، اب صحیح طریقہ عمل یہ ہے، میں بھی اس طریقہ پر چلتا ہوں، تم بھی چلو، توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا، یعنی اپنے غلط طریقہ کو چھوڑ کر سیدھے راستہ کی طرف رجوع کرے، اس لئے توبہ الی اللہ کے معنی ہوئے اللہ کی طرف رجوع کرنا، یعنی اطاعت کی حالت کی طرف رجوع کرنا بمعنی قوانینِ الٰہی کی پابندی کرنا، غرض توبہ سے مُراد ہے انسان کی حالت میں مکمل تبدیلی کرنا۔ قرآن حکیم یہی توبہ سکھلاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ انسان زبان سے چند الفاظ کہہ دے اور بس توبہ ہوگئی، توبہ سے یہ مطلب ہے کہ گزشتہ زندگی میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو جائے، پچھلے گناہوں سے توبہ کرے، یعنی نادم ہو اور آئندہ کو ان سے بچنے کے لئے دل میں عہد کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مُہلت ملے گی۔

۲۳۹ اللہ فرشتوں اور انسانیت کی نظر میں قابل نفرت لوگ اور ان کی ذہنیت کا تجزیہ

مثلاً گرمی کے موسم میں ایک قافلہ علی نصف النہار (عین دوپہر کے وقت) آتا ہے اور ایک کنوئیں کے کنارے ٹھہرتا ہے۔ گرمی کی شدّت میں وہ پیاس سے تڑپ رہے تھے، کہ کنوئیں کے دیکھنے سے ان کی جان میں جان آگئی، مگر کنوئیں کا مالک اس قدر سنگدل اور ظالم ہے کہ کنوئیں سے ان کو پانی پینے نہیں دیتا اور مسافر سِسک سِسک کر وہیں دم توڑتے ہیں، کیا ایسے ظالم کے لئے رحم کی گنجائش ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہیں ایسی اعلیٰ تعلیم دی گئی تھی کہ جس میں اللہ سے تعلق قائم کرنے اور لوگوں سے ظلم دُور کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے، اور ان کو کہا گیا کہ اس پر خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ! اگر وہ تعلیم لوگوں تک پہنچاتے تو مُردہ قومیں زندہ ہو جاتیں، مگر ان ظالموں نے کسی کو اس کی

تعلیم نہ دی اور نہ اس پر خود کاربند ہوئے، اس لئے ان پر خُدا اور اس کے فرشتوں اور برگزیدہ لوگوں اور عوام النّاس کی لعنت ہے۔ جس سے ان کے مذہب کی اسپرٹ مرگئی۔

(۱۶۲) خَالِدِينَ فِيهَا چونکہ ان[۲۴۰] کی مذہبی رُوح مُردہ اور غیرت وجوش اور ترقی کا خیال بھی ساتھ ساتھ مرگیا، اب یہ مُردہ قوم ہے۔ اس پر مذکورہ بالا لعنت ہے اور لعنت کا نتیجہ دُنیا میں محکومیت اور ذلت ہے تو اس ذلت میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے دشمن جو ان پر مُسلّط ہیں کبھی عذاب دینے میں رعایت نہیں کریں گے، یعنی روز بروز ظلم اور ذلت کی مُصیبت ان پر بڑھتی جائے گی، اور نہ ان کو اس ظلم سے کبھی فرصت ایک سال یا دو سال کے لئے ملے گی، بلکہ یہ محکومی کی لعنت ہمیشہ ان پر رہے گی اور آخرت میں بھی اس سے زائد لعنت اور عذاب ہوگا، یعنی ان کے دُشمن انقلاب کرکے ان کو دُنیا میں محکوم کریں گے یہ ہے لعنت۔

۲۴۰ "مردہ قوم کی صفت"

"لعنت الٰہی کا نتیجہ محکومیت ذلت اور دائمی عذاب"

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ: اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔ (۱۶۳) بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں

لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرگئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔ اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بنا لیتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو۔ ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔ اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر محبت اللہ کی۔ اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جب کہ دیکھیں گے عذاب کو کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

۲۴۱ مطلب معیشت کیساتھ اولین مشروط محبت الٰہی اور وفاداری

یہاں سے باب ابتغاء الرزق (طلب معیشت کا باب) شروع ہوتا ہے اسمیں اولین شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب سمجھے، یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو شخص ان کی جسمانی ضروریات کا متکفل (ضامن) ہو جاتے اس سے وہ بڑی حُب رکھتا ہے۔ اگر کسی بادشاہ کے ماتحت رزق کماتا ہے یا اس کی نوکری کرتا ہے یا کسی وسیلہ سے اس کو وہاں سے رزق ملتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی محبت ہو جاتی ہے اور اس کے تمام افعال کو مستحسن سمجھتا ہے اور اس کے دشمن سے مخالفت کرتا ہے اور پھر اپنی جان تک اس پر قربان کر دیتا ہے تو اگر انسان ایسا ہی سمجھے کہ یہ رزق میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب اور اس کی مہربانی سے کماتا ہوں یا اس سے بھی اونچا سمجھے کہ میری زندگی کی تمام ضروریات کا متکفل (ضامن اور بندوبست کرنیوالا) اللہ تعالیٰ ہے تو لازمی امر ہے کہ وہ خدا کے سوائے کسی کو اپنا ربّ اور محبوب نہیں سمجھے گا اور یہی معنی ہیں توحید کے، اور اگر کسی دوسرے شخص سے یہ کیفیت پیدا ہوگی تو یہ ہے شرک، غرض اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور یکتا ہے، اس کی شفقت انسانوں پر ماں باپ سے کئی ہزار گنا بڑھ کر ہے، جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے لئے ہر طرح کی آسائش کا سامان مہیا کرتے ہیں، اور اس کے رزق کے وہی متکفل ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے ہر قسم کے رزق کمانے کے سامان مُہیّا کر دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۲۴۲ "رزق کی بنیاد اور اساسی اصول معاش"

(۱۶۴) إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ۔ الخ ۲۴۲ یہ آسمان (۱) اور زمین بُنیاد اور اساسی اصول رزق کے ہیں، یعنی یہ معدنِ رزق ہیں۔ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی کہیں گرمی اور کہیں سردی سے اشیاء پیدا ہوتی ہیں تو برّی اور بحری چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کو بڑا دخل ہے۔ یہاں سے تجارت شروع ہوتی ہے۔ (۳) وَالْفُلْكِ۔ الخ مُلکوں کو مُلکوں سے ملانا اور جزائر کی پیدائش کو برِ اعظموں تک پہنچانا اور قوموں سے اتصال پیدا کرنے میں کشتیوں کو بڑا دخل ہے، اس تجارتِ بحری سے بڑے بڑے منافع ہاتھ لگ جاتے ہیں اور اس تجارت سے دُنیا کی مُردہ قومیں زندہ قومیں بن کر عروج حاصل کرتی ہیں۔ دیکھو انگریزوں نے تجارت کے ذریعہ ہندوستان جیسا وسیع مُلک لیا اور آج امریکہ، جرمن، جاپان اور انگریز تجارت کے ذریعہ مالا مال ہو رہے ہیں۔

(۴) وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔ الخ: یہ سبب ہے زراعت کا، دُنیا کی متمدن قومیں زراعت کے ذریعہ اپنے خورد و نوش کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔ مثلاً مصر کی روئی، آسٹریلیا اور ہندوستان کی روئی اور گندم وغیرہ۔

(۵) وَبَثَّ فِيهَا الخ۔ اقتنام مواش (مولیشی فارم) سے اپنا رزق پیدا کرنا، یعنی مولیشیوں اور ریوڑوں کا چرانا جیسے آسٹریلیا اور ہندوستان کے شمال میں (کاغان) بھیڑوں اور بکریوں کی تجارت سے لوگ کس قدر مالا مال ہیں۔

(۶) وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ۔ ہواؤں کے پھیر گھیر سے بہت سے اسبابِ رزق پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہواؤں سے پن چکیاں چلائی، اور ہوا سے اور بھی بہت سے کام لیتے ہیں جو اہلِ سائنس سے پوشیدہ نہیں یعنی ہوائی جہاز اور ہوائی مشین اور ہوا جو انسانی غذا ہے اس کو جمع کر کے اس سے فائدہ اٹھانا وغیرہ وغیرہ۔

(۷) وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ الخ۔ پانی سے[۲۴۳] جو بخارات نکلتے ہیں جسے اسٹیم کہا جاتا ہے، یعنی وہ سحاب جس کو تم مسخر کر سکتے ہو اس سے ہزاروں رزق کے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ ریلیں اور دخانی جہاز اور ہزاروں قسم کی مشینیں چل رہی ہیں۔ یہ رزق کے معدن اور یہ رزق کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ یہاں سے کماؤ کھاؤ اور دوسروں کی غلامی میں مت پھنسو، اور اللہ تعالیٰ سے[۲۴۴] محبت لگاؤ، جس محبت سے تمہارے دین کا راستہ جو سیر باطن (عقلی و روحانی ترقی) ہے آسان ہو جائے گا۔ سیرِ باطن تفکر اور تدبر سے ہوتی ہے، اگر کسی شخص کو وہ باتیں جو وہ غور و فکر سے حاصل کر سکتا ہے پہلے ہی بتا دی جائیں تو اس کی قوتِ فکر ضائع ہو جائے گی، اور اس بتائی ہوئی بات کو بھی اس یقین کے ساتھ نہیں سمجھ سکے گا جیسا کہ چاہیئے، اور آئندہ کی ترقی سے محروم رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نظامِ عالم میں کوشش کو ضروری قرار دیا، یعنی اس نظام میں غور کر کے اپنی روزی کے لئے راستے تلاش کرو، جب اس کو اپنی روزی کمانے کے اسباب میں غور و فکر کرنا پڑے گا تو آئندہ روحانی ترقی جو محض تفکر و تدبر کا نتیجہ ہے اسے حاصل کرنے کے راستے اس کے لئے سہل ہو جائیں گے، اور انسان اپنی اعلیٰ ترقی تک پہنچ جائے گا۔

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ الخ۔ جب[۲۴۵] اس میں تدبر و فکر کرنے کی اس کی عادت ہو جائے گی تو اس کو اعلیٰ تعلیم دینی آسان ہو جائے گی، ورنہ بے عقل لوگوں کو جو حیوانوں کی مانند ہیں اعلیٰ تعلیم دینی عبث اور بے فائدہ ہے، اس لئے اس نظامِ عالم میں غور کرنا اور اس سے اپنے فوائد تلاش کرنا ضروری قرار دیا گیا، تاکہ انسانی ترقی مکمل ہو جائے، تعلیم[۲۴۶] میں اس پہلو کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ تعلیم ایک لفظِ بے معنی ہوگا کیونکہ قوائے عقلیہ بیکار ہونے سے وہ علم بے ثمرہ ہوگا۔

(۱۶۵) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس قدر فضل و کرم کیا اور اس کے لئے اس قدر چیزیں پیدا کیں، مگر وہ اس کے باوجود ان اسباب سے روزی نہیں کماتا، بلکہ صرف روٹی کے ٹکڑے کے لئے غیروں کے آگے جبہ سائی کرتا ہے، حالانکہ رازق تو حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ غیروں کے آگے جبیں سائی ایک روٹی کے ٹکڑے کے لئے کرتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ ان سے خدا کی مانند محبت کرتا ہے، مگر جو لوگ کہ اللہ پر اپنے رزق کمانے کا بھروسہ رکھتے ہیں وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اگر کبھی[۲۴۷] انقلاب ہوگا تو اللہ سے محبت رکھنے والا ایک آدمی ان کے ہزاروں کو شکست دے گا۔

٢٤٨ ظالم حکمرانوں کے حمایتی لوگوں کا غلط خیال اور حسرت۔

[٢٤٨] وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوٓا ۔ الخ: ان کم عقلوں کو یہ خیال تھا کہ ان ظالم بادشاہ یا اُمراء میں بڑی قُوّت ہے
اور قُوّت والے کے ماتحت ہو کر روزی کمانا ضروری ہے، پھر ان کے ظُلم کی یہ حمایت کرتے ہیں، تو جب
انقلاب ہو گیا تو پھر ظالموں نے دیکھ لیا کہ ان کے پاس کس قدر ظاہری اسباب تھے، جن پر ان کو ناز تھا،
مگر مُسلمان گنتی کے چند جنہوں نے اللہ پر توکّل کر کے کام شروع کیا انہوں نے آہستہ آہستہ فاتح مند ہونا
شروع کیا، اور ظالموں کو اُلٹا کر رکھ دیا، تو پھر معلوم ہوا کہ ظالم لوگوں کے کوئی ہمدرد نہ تھے نہ ان میں قُوّت
تھی، بلکہ قوّت عدالت میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الآیۃ (سورۃ النحل آیت ٩٠ پ ١٤)

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا
تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ
بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ع ٢٠ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ
وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ
اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ
آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا
كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا
يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا
لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: جب بیزار ہو جائیں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو ان کے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب علاقے (۱۶۶) اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے، اسطرح پر دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو، اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار سے (۱۶۷) اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ، اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح (۱۶۸) وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ بُرے کام اور بے حیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے (۱۶۹) اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں سیدھی راہ (۱۷۰) اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلّانے کے، بہرے گونگے، اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے (۱۷۱) اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی ہم نے تم کو دی اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو (۱۷۲) اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے۔ مُردہ جانور اور لہو اور گوشت سُور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا، پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔ (۱۷۳)

(۱۶۶) اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ الاٰیۃ:-

یہ انقلاب کی تصویر ہے[۲۴۹]، ظالم لوگ مسکینوں پر ظلم کر کے اپنے معاونین کو دیتے ہیں اور یہ معاونین ان کی پُشت پناہی کرتے ہیں۔ جب انقلاب آتا ہے تو مظلوم رعیّت تو خدا پرست عدالت کرنے والی جماعت کے حامی بن جاتے ہیں اور ظالم شکست کھا کر بھاگ جاتے ہیں، اب جو لوگ ظلم کرتے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کر کے مال ظالموں تک پہنچاتے تھے تو وہ جب پکڑے جائیں گے اور مظلوم رعیّت اپنا بدلہ لینا شروع کرے گی، تو ان کو نجات دینے والا کوئی نہیں ہوگا اور تمام اندوختہ ان کا لوٹ لیا جائے گا اور افسوس کے ایسے کلمات کہیں گے جن کو سُن کر عقلمند حیرت میں پڑ جائیں گے، اور ہمیشہ کے لئے محکوم ذلیل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب دَور بھی دوسرا آگیا ہے۔ یہ پہلے دَور کو رو رہے ہیں اور ترقی کرنے کی ان کو جُرأت نہیں رہی، اور پھر کہتے رہیں گے، کہ افسوس ہم ان ظالموں کی بات نہ مانتے، تو آج ہم پر یہ مُصیبت نازل نہ ہوتی، اس حسرت کی آگ سے انہیں کبھی نجات نہ ہوگی۔

(۱۶۸) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ۔ الخ ظالموں کے ماتحت[۲۵۰] ہو کر رزق کمانا حرام خوری ہے، تم اپنا رزق حلال وجہ سے کماؤ! اور اس کو طیّب کر کے کھاؤ! اور یہ انسان کی شرافت اور تمدّن کی بنا ہے کہ حلال کمائی اور اس کو اچھی طرح

[۲۴۹] ظالموں اور ان کے حامیوں کا حشر

[۲۵۰] حلال وجہ سے کمانا اور طیب کر کے کھانا

تمدن انسانی اور تمدن کی بنیاد ہے

تدبیر سے کر پکا کر کھائیے! مثلاً گوشت ہے تو اس کو کچا مت کھاؤ۔

ولا تتبعوا الخ[251] یہ ظالم لوگ اخوان الشیاطین (شیطان کے بھائی) ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی باتوں پر مت چلو، اور ان کے بنائے ہوئے قواعد، شیطان کا راستہ ہے یہ تو خود سُود خواری سکھائیں گے اور طرح طرح کے ظُلم کرنے اور لُوٹنے کی سبیلیں تیار کریں گے۔

انه لکم عدو مبین[252]۔ انسانیت نام ہے اجتماع کا اور وہ سوائے حلال کسب اور ظُلم دُور کرنے سے ہو نہیں سکتا، اور ظلم سے تمدّن خراب ہو جاتا ہے، اور نظام بلدیت (شہریت) ٹُوٹ جاتا ہے۔ جس سے ویرانی آجاتی ہے اور انسانیت مصائب میں پھنس جاتی ہے تو یہ شیطانی کام ہے اور شیطان انسان کا ظاہر دشمن ہے، اور ظالم اور فریب کار لوگ تمہارے ظاہری دشمن ہیں۔ تمہارا مال، تمہاری عزّت، تمہارا دین برباد کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۶۹) انما یامرکم بالسوء الخ[253] ان ظالموں کے تین خصائل ہیں۔ تینوں انسانیت کے خلاف ہیں۔ (۱) انسانیت کو تکلیف پہنچانا۔ (۲) بے حیا بن کر لوگوں میں رہنا، اپنی دولتمندی اور زور سے بے حیائی کے کام اور باتیں علی الاعلان کرنا اور گالی گلوچ نکالنا۔ (۳) لوگوں میں یہ ظاہر کرنا کہ یہ بادشاہ ہے اس کی بادشاہی ہمیشہ رہے گی، اس کو بادشاہی اللہ نے دی ہے، ہم کو اس کے تابع رہنا ضروری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بادشاہ نہیں بنایا، اور چوتھی بات یہ ہے واذا قیل الخ[254] یعنی جب ان کو انسانیت کے قواعد پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے اپنی حکومت کا نظام یا ہماری امارت یا ہماری پیری مُریدی (کی بُنیاد) اس طرح رکھی گئی تھی تو ہم بھی اسی طرح چلتے آئے، لوگوں پر اگر ظلم ہوتا ہے تو ہمارا اس میں کیا گناہ، یہ راہ و رسم ہمارے بڑوں کی بنائی ہوئی ہیں، یعنی ان کو اگر کہا جائے کہ بھائی تم انسان ہو، انسانیت پر چلو، تو کہتے ہیں، ہم کیا کریں، ہمارے افسروں نے ہمیں حکم دیا اور بڑے اس طرح کرتے آئے ہیں، ہم بھی اس طرح کرتے ہیں، حالانکہ ان کے بڑوں کو بین الاقوامی معاملات کی عقل بھی نہ تھی اور نہ اس کے راستہ کو جانتے تھے۔

(۱۷۱) ومثل الذین کفروا الخ یعنی ایسے بے عقل لوگوں کو نصیحت کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے، جب قوموں میں تنزّل آجاتا ہے تو مذہبی رسوم پر بہت زور دیا جاتا ہے مگر اپنی باطنی پاکیزگی سے بالکل غفلت برتی جاتی ہے اور وہ مکروہ چیزوں سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور رزق جو ان کو ناجائز طریقہ سے آتا ہے سب کھا جاتے ہیں اور مستحبات پر زور دیتے اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان پر انعام و اکرام کی بارش برسانے کے بعد آیت ۱۶۸ میں حکم دیا ہے کہ اس کی حد کے اندر رہ کر اس کے قوانین کی اطاعت کرے اور نبی مثل دعوت دینے والے کے ہیں، لیکن جن کا کھانا پینا ظُلم کے طریقوں پر مبنی ہو وہ اس کو سُننا نہیں چاہتے بلکہ وہ مثل مویشیوں کے ہیں کہ آواز تو سُنتے ہیں مگر اس میں بالکل غور نہیں کرتے۔

(۱-۳) انما حرم علیکم الخ۔ اکل حلال کے بعد محرماتِ[255] طعام کا ذکر ہے کہ یہ چار چیزیں تمام کُتب الٰہیہ

ن ۲۵۱ "ظالم شیطان کے بھائی ہیں"

ن ۲۵۲ "انسانیت کے دشمن"

ن ۲۵۳ "ظالموں کی تین خصلتیں برائی، بے حیائی اور بہتان"

ن ۲۵۴ ظالموں کی چوتھی خصلت آباء اجداد کی اندھی تقلید اور بعد انسانیت پروگرام کی ناقدری۔

ن ۲۵۵ محرمات کی ناپاکی و حرمت پر انسانیت کا اتفاق ہے

ے مطبوعہ نسخہ میں یہاں سے دو سطر عبارت بے ربطگی کی وجہ سے حذف کی گئی، حالانکہ عبارت بظاہر مربوط ہے، البتہ قلمی نسخہ میں آیت ۱۶۴ کا حوالہ ناسخ کی وجہ سے غلط مندرج ہے، عبارت کا مطلب واضح ہے کہ آیت ۱۶۲ میں جن انعامات کا ذکر تھا اس کے بعد آیت ۱۶۸ میں نبی کے ذریعے قوانین کی اطاعت کا حکم ہے جن کی معاند کفار مخالفت کرتے ہیں اور مویشیوں کی طرح بے سمجھ ہیں ۱۲ (ع۔ق)

میں حرام ہیں۔ المیتۃ خود بخود جو چیزیں مرجائیں۔ شریف طبائع انسانوں میں اس سے نہایت نفرت کرتی ہیں اور انسان کو چاہیئے کہ خود مار کر کھائے اور خون بھی ایک مُضر چیز ہے اور خنزیر کا گوشت نہایت مُضرات میں سے ہے اور ایسی غیر اللہ کی نذر جس میں مذہبی قباحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کے نام کی ذبح کی ہوئی چیز کھانا۔ فَمَنِ اضْطُرَّ یعنی لاچاری کے وقت اگر کھائے تو جائز ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول، وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو، اور ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔ ﴿۱۷۴﴾

۲۵۶ "معاشرتی احکام الٰہی کی اشاعت نہ کرنیوالے مفاد پرست حرام خوروں کے ساتھی ہیں"

یعنی احکام الٰہی کی لوگوں میں[256] اشاعت نہ کرنا بلکہ حرام کھانے والوں (جیسے ظالم لوگ) سے مل جل جانا اور اپنی عزت اور ثروت کمانا یہ پیٹ میں آگ ڈالنا ہے، یعنی اس سے دُنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے جس سے حرمت و حلت کے مسئلہ کی طرف خیال بھی نہیں رہتا اور ایسی جماعتیں دنیا میں ذلیل ہو کر رہتی ہیں کیونکہ ان کو ادھر توجہ رہتی ہے کہ اور لوگ کمائیں اور ہم کھائیں، آخر کار ایسی جماعت محکوم ہو جاتی ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۱

ترجمہ: یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں دوزخ پر ﴿۱۷۵﴾ یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دُور جا پڑے ﴿۱۷۶﴾

صداقت کی بجائے گمراہی میں جا پڑے اور کس قدر دلیر ہیں کہ دیدہ دانستہ آگ سے کھیل رہے ہیں اور آگ

ہی خرید رہے ہیں، دُنیا میں انقلاب کے وقت سے پہلے پہلے یہ لوگ جل جائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے لئے سنجات نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے ہدایت کا راستہ روک رکھا تھا۔

(۱۷۶) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ الخ کیونکہ کتابِ الٰہی تو ضرورت رفع کرنے کے لئے آئی ہے۔ لوگوں کو اس کتاب کی سخت ضرورت تھی اور اس کے احکام کے سوائے ترقی نہ کر سکتے تھے۔ ان لوگوں نے اختلاف کر کے بات کو بگاڑ دیا اور اب سمجھ میں نہیں آتی کہ حق بات کیا تھی۔ غرض مُسلمانوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ صرف ظاہری پاکی پر ہی نظر نہ رکھیں، بلکہ باطنی صفائی بھی کرتے رہیں۔

اب تدبیرِ منزل کا باب شروع ہوتا ہے، یعنی ایمان کے بعد سب سے بڑا کام مال کی حفاظت ہے یعنی مال کسب کر کے اس کو اپنی جگہ پر خرچ کریں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔ لَيْسَ الْبِرَّ الخ۔

نیکی کی رُوح[۲۵۷] یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھو بلکہ نیکی کی رُوح یہ ہے کہ تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ! اور ملائکہ اور کتابوں اور پیغمبروں کو مان کر (نیکی کے اساسی اصول) مُشکلات میں اپنے اللہ کو یاد کرو۔ وَاٰتَى الْمَالَ،

اب شہری زندگی کی کیفیت بتلائی جا رہی ہے کہ تم اپنے نصب[۲۵۸] العین میں اس قدر سرگرم رہو، اور اس قدر کماؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں عزیز و اقارب، یتامیٰ، مستحقین، مسافروں، فقراء اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اپنا مال صرف کرو، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان اس قدر کمائے کہ اپنے اہل و عیال کو کھلانے کے بعد اس کے پاس اس قدر بچے کہ وہ باقی مُسلمانوں کی خبر گیری کرتا رہے۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ: نماز و زکوٰۃ[۲۵۹] کا حکم ہے۔ زکوٰۃ بغیر عمالِ حکومت کے ممکن ہی نہیں، غرض اس سے سلطنت کی بُنیاد پڑی۔

وَالْمُوْفُوْنَ الخ:[۲۶۰] اس میں سکھلایا کہ حکومت کرنے میں تمہیں غیر مُلکی دُوَل (حکومتوں) سے معاہدے بھی کرنے پڑیں گے۔ اس لئے شروع سے وعدہ وفائی کی عادت ڈالنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

الصّٰبِرِيْنَ الخ: جس قدر مشکلات تم پر آئیں ان پر صبر کرو اور رات دن اپنے کام میں لگے رہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا۔ الخ: یہ لوگ[۲۶۱] ہیں جنہیں اپنے آپ پر اعتماد ہے اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائے ہوئے ہیں اور یہی کامیابی کا طریقہ ہے۔ اس سے انسان ترقی کر کے حکومت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ تدبیر منزل

[۲۵۷] "نیکی کے اساسی اصول"

[۲۵۸] "انفاق مال کا اجتماعی مفہوم"

[۲۵۹] "نماز اور زکوٰۃ کا حکم"

[۲۶۰] "مسلسل محنت اور صبر"

[۲۶۱] "سچے اور کامیاب لوگ"

کا راقیؔ (ترقّی یافتہ) درجہ ہے، ابتدائی درجہ جس سے سوسائٹی بنتی ہے وہ اپنے ہاتھ سے کمانا اور دُوسروں پر اعتماد نہ کرنا اور حلال طیّب کھانا جس سے تفکّر بھی اچھی پیدا ہوتی ہے اور اس سے اجتماع انسانی بنتا ہے۔ اس میں نوعِ انسانی مُشترک ہے۔ اس درجہ میں اختلاف پیدا کرنے سے لوگوں میں افتراق تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔ کیونکہ یہ اجتماع کی ضِد ہے، اختلاف کے وقت ایک قوّتِ فیصلہ محفوظ ہونی چاہیئے، جب اختلاف ہو تو اس کے آگے سرِ تسلیم خم ہونا چاہیئے، وہ کتابِ الٰہی ہے، کُتبِ الٰہیہ اس لئے نازل ہوتی ہیں کہ اختلاف کے وقت ہر ایک کو ان کی بات ماننی چاہیئے، اب اگر اصل کی تاویلیں کر کے اس کے دو معنی لے لئے جائیں، پھر اجتماع قائم نہیں رہ سکتا، اس لئے ایسے لوگوں کی یہاں سخت مُذمّت آئی، اور یہ ابتدائی درجہ اجتماع کا ہے کہ اپنے ہاتھ سے کمانا اور اس کو قاعدہ کے اندر خرچ کرنا یہ درجہ شہری اور بدوی زندگی میں مشترک ہے۔ اس مشترکہ زندگی انسانیّت میں جو اختلاف ڈالے اور جو قوّتِ فیصلہ ہے وہ بھی محفوظ نہ رہے یعنی کتاب سماوی میں اختلاف کر بیٹھیں، تو ایسی جماعت کبھی ترقّی نہیں کر سکتی اور یہ درجہ ابتدائی تدبیر منزل کا تھا۔ اب لَیْسَ الْبِرَّ سے درجہ راقی (ترقّی یافتہ) شروع ہوتا ہے۔ اس میں شہری زندگی کے مراتب خلافت تک بیان کئے۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: اور دے مال اس کی محبّت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مُسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار ﴿۱۷۷﴾

کام کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ابتدائی درجہ پر رہ کر لوگوں کو تعلیم دے، دُوسرے یہ کہ چونکہ لوگوں کو سلطنت پسندی کا خیال ہے ذرا اپنے آپ کو اُونچا رکھیں، اور طبع میں فقیروں سے محبّت وغیرہ ہو تو اس دُوسرے درجہ والے آدمی کے پاس ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے لوگ جمع ہو جائیں گے، مگر اس کے مرنے

۳۶۲ انقلابی طریقِ کار اور کمال و ختمِ کار میسحیح اصول

ا‌ہ جس کا بیان اس آیت ۱۶۳ میں ہوا ۱۲ ۔ ۲ہ جس کا ذکر اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ اور یٰاَیُّھَا النَّاسُ کے گزشتہ دو رکوعوں میں ہوا ۱۲

۳ہ جس کیطرف آیت ۱۷۶ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ ان بنیادی احکام و قوانین میں غلط تاویلیں کر کے معاشرے کو افتراق و انتشار کا شکار کیا اور آج مسلم علماء اور نام نہاد مفکرین اسی ڈگر پر چل کر معاشرے میں انارکی اور افتراق پیدا کر رہے ہیں حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں "قرآن حق ہے لیکن جسطرح مسلمان اس کو عام طور پر مانتے ہیں اور جو وہ تفسیر کرتے ہیں وہ حق نہیں۔ اگر تورات و انجیل کو غلط ماننے والے کافر قرار دیئے جاسکتے ہیں تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے سچے مومن کہے جاسکتے ہیں شعور و آگہی

مقالہ وحدت انسانیت ص۲۸ ۱۲ (ع۔ق)

۴ہ کیونکہ قرآن حکیم گو ارتفاق اول سے لیکر بین الاقوامی منزل تک تمام اجتماعی اداروں سے اور معاشرتی اصول و قوانین سے بحث کرتا ہے لیکن اس کا انداز تخاطب ایسا ہے تمام قومیں اسے بغیر کسی عذر کے قبول کریں اور ان کے اندر اس کی وجہ سے قوت فیصلہ اور وحدت پیدا ہو اور کم از کم اس ابتدائی درجہ میں اختلاف سے بچا جا سکے۔

امام سندھیؒ فرماتے ہیں "اللہ رب العزت کی یہ مرضی تھی قرآن حکیم تمام اقوام عالم کے لیے سرچشمہ ہدایت ثابت ہوا اور اس کے دین و دنیا کی کامیابی کا باعث بنا اسے یہ علم تھا کہ تمام درجہ ہائے ارتفاق میں درجہ اول کا ارتفاق ہی دراصل ایسا ہے کہ خطۂ ارض پر بسنے والی تمام قومیں اسے بغیر کسی عذر کے قبول کرسکیں گی۔ چنانچہ ان کے لئے اس ارتفاق کی بقاء لازمی ہے۔

ذرا سی لفظی تبدیلی سے مقصود کا اظہار یوں بھی ہو سکتا ہے کہ یہی ارتفاق ایسا ہے کہ جس کی پابندی کرنا انسانوں کی تمام اقوام اور ملتوں کے لئے لازمی ہے، اس کو چھوڑ کر اجتماعی زندگی کے خواب کا شرمندہ تعبیر ہونا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے ملاحظہ ہو (شعور و آگہی ص۵) یعنی اسی ابتدائی درجہ کے اصول گذشتہ تین رکوعوں کے اندر بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان علوم کو چھپانا اور ان میں اختلاف پیدا کرنا جرم عظیم قرار دیا گیا ۱۲ (ع۔ق)

کے بعد پھر وہی ظلم کی سلطنت پیدا ہو جائے گی ۔ اور تیسرا درجہ ہے کیف ما اتفق (جیسے اتّفاق بنے) زندگی گزارنی اور کوئی نصب العین اس کے آگے نہیں ، تو یہ خارج از بحث ہے ، مگر پہلے درجہ والا آدمی ایک بڑا انقلابِ ذہنی پیدا کر دے گا اور اس کے بعد ترقّی شروع ہو جائے گی اور ذہنی افکار ہمیشہ کمانے سے اور قاعدہ کے اندر خرچ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں ، تو لابدی (ضروری) امر ہے کہ صحیح طریقے کمانے اور خرچ کرنے کے سکھلائے جائیں اور محرمات مقرر کر دی جائیں تاکہ زائد ، کم نہ ہوں ، تو یہ اجتماع کا اہم جزو ہے ، اور جب ارتقائی تمدّن کا دَور آئے گا ، تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ اتنا کمائے ، جس سے ذوی القربیٰ المساکین وغیرہ پر خرچ کر سکے ، مسلمانوں[۲۶۳] نے اپنے دورِ ترقّی میں بہت کچھ کر کے دکھایا[۱]۔

۲۶۳ "مسلمانوں کا دورِ ترقی"

منشی ذکاء اللہ شمس العلماء تاریخِ ہند میں لکھتے ہیں[۲۶۴] کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۵ء) اپنے انعام سے کُل خواص و عوام کو مُستفید کرنا چاہتا تھا ، جب کوئی فتح نامہ آتا یا بیٹا پیدا ہوتا یا شہزادوں کی تقریبات شادی ہوتیں ، تو وہ شہر کے صدور (عُہدہ دار) اکابر ، عُلماء ، فقیہوں ، مُدرّسوں ، مُعلّموں کو اپنے دولت سرا (خانہ) میں طلب کرتا اور ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیتا اور گوشہ نشینوں اور مشائخ کو جو حاضر نہ ہو سکتے تھے ، ان کے پاس یہ فتوح بھجوا دیتا ، غرض بادشاہ کو جو خوشی ہوتی ، اس کا حصّہ سب کو پہنچا دیتا ، اگرچہ تھوڑا دیتا تھا مگر بہت آدمیوں کو دیتا تھا اور بار بار دیتا تھا ، اس سبب سے ہر شخص کو بہت کچھ مل جاتا تھا ، کہ اہلِ مملکت آسودہ اور مستغنی ہوں اور رعایا اور لشکر فراغت سے رہیں اور لوگ گدائی کا پیشہ چھوڑ دیں اور کسبِ معاش میں مشغول ہوں اور سلطان فیروز شاہ کا حکم تھا کہ شہر میں کسی کاروبار کا آدمی بیکار ہو تو اس کا حال دریافت کر کے کوتوالِ شہر بادشاہ کے رُوبرو لائے ، کوتوالِ شہر محلّہ داروں سے ایسے بیکار آدمیوں کا حال تحقیق کرتا ، بعض ایسے بھلے مانس بھی بیکار ہو جاتے کہ شرم کے مارے اپنے احتیاج کو زبان پر نہ لاتے ، ان کو اور اُن آدمیوں کو جو اپنی بیکاری کا اظہار کرتے ، تحقیقات کے بعد کوتوال بادشاہ کے رُوبرو لاتا ، بادشاہ ہر بیکار کو حسبِ حیثیّت برسرِ کار کر دیتا ، اگر اہلِ قلم ہوتے تو کارخانوں میں بھیج دیتا ، اگر کارکن عاقل ہوتے تو ان کو خان جہان (وزیرِ اعظم) کے حوالہ کرتا ۔ وہ ان کو کام دیتا ، بادشاہ کو معلوم ہوتا تھا کہ آدمی بے کار رہنے سے کیا کیا خونِ جگر پیتا ہے ، اس لئے ان پر یہ نوازش کر کے ان کو غم سے نجات دلواتا ، اور اس کے دواخانے مُفت تھے ، اور بڑے بڑے اوقاف تھے جن سے خیرات کی مَد میں روپیہ جاتا تھا ۔

۲۶۴ "چند مسلم سلاطینِ ہند کا رعایا کی خوشحالی کیلئے انفاق اور بیروزگاری کے خاتمہ کا طریقہ"

اور سُلطان سکندر لودھی نے مختلف شہروں میں خُدا ترس مُہتمم مقرر فرمائے کہ وہ خزانہ شاہی سے محتاجوں کے احتیاج کو دُور کریں ۔

اور سُلطان شیر شاہ نے تمام ممالک میں لنگر خانے جاری کرائے ، جب نقارہ شاہی بجتا اور بادشاہ روٹی کھانے کی تیاری کرتا تو شاہی نقارہ کی آواز سُن کر دُور کے نقارہ والا نقارہ بجاتا اور اس طرح تمام مُلک میں اسی وقت نقارے بج جاتے تھے اور لنگر کُھل جاتے تھے ۔ ہر شخص وہ روٹی کھاتا ، اور ہندوؤں

---

[۱] مطبوعہ نسخہ میں ترتیب کے اندر تبدیلی ہے ہم نے قلمی نسخہ کے مطابق ترتیب قائم رکھی گو دونوں نسخوں میں عبارات کی ترتیب اور بیان میں بے ربطگی اور تعقید پائی جاتی ہے ، ہم نے اس لئے جگہ جگہ نوٹ لکھ کر توضیح کی کوشش کی ہے " (ع ۔ ق)

کے جُدا اور مُسلمانوں کے کھانے کے جُدا انتظامات تھے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۗ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۗ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوئی تمہارے ربّ کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے عذاب ہے درد ناک۔ (۱۷۸)

اب تدبیر منزل کے آگے سیاست مدینہ ہے، جب^۲۶۵ حکومت آگئی تو مُساوات کی تعلیم دی جارہی ہے تاکہ مُلک میں عدل وانصاف قائم کرسکیں، جو اس تعلیم کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ حُرٌّ آزاد قوم کا ایک فرد عبد جو لڑائی میں گرفتار ہوکر آئے اور اسے غلام بنا لیا جائے۔ اُنثیٰ عورت یعنی اگر تمہارے قبیلہ سے کوئی مارا جائے تو اَلحُرُّ بالحُرِّ الخ، تو مرد کے بدلے مرد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت قتل کی جانی چاہئے غرض اسلام نے سزا دینے میں مُساوات کا پہلو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پُرانے زمانہ کے اسی قسم کے قوانین کا ذکر کردیا جائے۔^۲۶۶

(۱) مُلک چین کے قدیم قانون میں اتفاقیہ خطاؤں اور معصومانہ بداعمالیوں کی سزائیں قصدی جرائم کی سزاؤں کی طرح سختی کے ساتھ دی جاتی تھیں۔

(۲) جنوبی ایشیا کی رہنے والی اکثر قوموں میں اگر کسی شخص کو شیر مار ڈالتا تو جب تک اس شیر کو یا اس کی جگہ دوسرے شیر کو بطریقِ انتقام مار کر کھا نہ لیتے، تو تمام خاندان ہلاکت کی ذلّت محسوس کرتا رہتا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کسی درخت سے گر کر مر جاتا تو اس کے رشتہ دار اس درخت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے، اور ٹکڑوں کو منتشر کرکے اس کی وفات کا بدلہ لیتے۔

(۳) قدیم زمانہ میں یُونانی محکمہ کے ہاں بھی غلام جو کسی کو مار ڈالے تو اسے متوفّی کے رشتہ داروں کے سپرد کردیتے، اور اگر اس نے کسی کو زخمی کردیا، تو وہ مجروح کے حوالہ کردیا جاتا لیکن کسی حالت میں اس پر

۲۶۵ "نظام حکومت کی درستگی کی بنیادی قانون میں مساوات اور عدل احسان ہیں۔"

۲۶۶ "اسلام کے قانون کا دیگر قوانین سے تقابلہ"

لحاظ نہ کیا جاتا کہ کس وجہ سے متوفیٰ کی جان گئی ہے یا مجروح کیوں کر زخمی ہوا ہے، اور نہ اس اَمر کی تحقیقات کی جاتی، کہ آیا اس فعل میں غُلام کا کچھ قصور بھی تھا یا نہیں، اس قسم کی لاپرواہی غلاموں ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ کسی جانور یا غیر مُتحرّک شئ سے بھی اگر کوئی موت وقوع میں آجاتی تو اس کو سرحد سے باہر نکال کر پھینک دیا جاتا اور کفّارہ بھی ادا کیا جاتا۔

(۴) رومیوں کے نزدیک بھی ہر صُورت میں متوفی کے رِشتہ داروں کو انتقام لینے کا مُسلّمہ حق حاصل تھا اور اگر اِشتعال میں قاتل کو قتل بھی کر ڈالیں تو سزا واجب نہ ہوتی۔ رومیوں کے مشہور دوازدہ (بارہ[۱۲]) اصولوں میں مندرج ہے کہ اگر کسی بچّے، غلام، جانور یا غیر ذی رُوح شئ سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جائے جس کو نقصان پہنچا ہے، اور نقصان کا مُعاوضہ بھی ادا کر دیا جائے۔

(۵) یہودی قانون میں بھی انتقام اور خُون بہا کا اصول مُسلّمہ طور پر پایا جاتا ہے۔ مؤاخذہ لینا ان کا عام دستور تھا، اگر کوئی بَیل کسی مرد یا عورت کو اپنے سینگوں سے اس قدر زخمی کرے کہ وہ مر جائے تو یقیناً اس بَیل کو سنگسار کر دیتے، اور اس کا گوشت کھایا نہ جاتا۔ اگر شئ مُرتکب جُرم (جُرم کرنے والی چیز) سے مالک کی غفلت سے نقصان پہنچا تو مالک کو قطعی آزاد نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ اس کو تمام نقصانات جو کسی خطرناک جانور سے وقوع میں آئے بشرطیکہ وہ اس جانور کی بدمزاجی سے واقف رہا ہو، ذاتی طور پر ذمّہ دار قرار دیا جاتا تھا، مثلاً کسی بَیل نے کسی شخص کو اس قدر زخمی کر دیا کہ وہ مر گیا تو اگر بَیل کی عادت پہلے سے تھی اور مالک کو اس کا عِلم تھا تو مالک کو اس قتل کا ذمّہ دار قرار دیا جاتا اور یا تو وہ قتل کیا جاتا یا اس کو خُون بہا ادا کرنا پڑتا، لیکن اگر بَیل کو مارنے کی عادت صرف چند روز پہلے سے ہو گئی تھی، اور مالک کو اس کی اطلاع نہ تھی، اور بَیل کو بند کرنے کا مالک کو موقع نہ ملا تھا تو ایسی حالت میں مالک کو ذمّہ دار قرار نہ دیتے، صرف بَیل کو سنگسار کر دیتے۔

یہودیوں میں انتقام کا طریقہ بھی سخت تھا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں کا مطالبہ کیا جاتا تھا، لیکن اِتّفاقیہ حوادث کا بدلہ اس طور پر نہیں لیا جاتا تھا، اتّفاقی نقصان میں مُعافی کی گنجائش بھی تھی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو تاکہ تم بچتے رہو۔ ﴿۱۷۹﴾

عقلمند[۱] جانتے ہیں کہ اس مُساوات ہی میں زندگی ہے، یعنی اگر تم قوانینِ الٰہی پر عمل کرو گے تو تمہاری قوم میں زندگی کے آثار پیدا ہوں گے اور اگر پھر جاہلیّت کے قانون کو اختیار کر لیں تو تمہاری حالت انہی کی طرح دوبارہ ابتر ہو جائے گی۔

سن ۲۹۴ ،،قانون قصاص پر عمل سے قومیں زندہ رہتی ہیں،،

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

۲۲ ع ۶

ترجمہ: فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیّت کرنا ماں، باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ، یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر (۱۸۰) پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیّت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر ہے جنہوں نے اس کو بدلا، بیشک اللہ سُننے والا جاننے والا ہے (۱۸۱) پھر جو کوئی خوف کرے وصیّت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صُلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۱۸۲)

قیل ھٰذہ الایۃ منسوخۃ بایۃ المیراث وھو غلط بعض کہتے ہیں کہ جب میراث کی آیت اُتری تو یہ آیت منسوخ ہو گئی، حالانکہ یہ غلط ہے۔ مثلاً ایک [۲۶۸] نومُسلم امیر صاحبِ جائیداد کی ماں بدستور اپنے قدیم مذہب پر قائم ہے، اور وہ مُسلمان نہیں تو وہ اِسے بطورِ وصیّت اپنی جائیداد کا حصّہ دے سکتا ہے۔

۲۶۸ آیت میراث کے بعد اس آیت کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ﴿۱۸۳﴾ چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو ﴿۱۸۴﴾

۲۶۹ / ۳۶۹ "روزہ کے ڈسپلن کی حکمت اور ماہِ تربیت"

اس میں بتلایا کہ گیارہ ماہ خوب کام کر کے کماؤ اور کچھ نہ کچھ پس انداز (جمع) کرتے رہو، اس میں سے اس ماہ میں خرچ کرو، اور روزے رکھو، اور تلاوتِ قرآن کرو، اس آیت میں ایک تو پاک نفسی اور دوسرے پس انداز کرنا بتلایا۔

۳۷۰ "اسلام کا طرہ امتیاز"

روزے کے احکام کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب میں ملتے ہیں، مگر احکامِ اسلام کو اگر دیگر مذاہب کے اوامر و نواہی پر کوئی فوقیت حاصل ہے تو وہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام کسی نہ کسی حکمت اور منفعت کو مدِ نظر رکھ کر فرض کئے گئے ہیں، اور ان سے کوئی نہ کوئی فائدہ دینی یا دنیاوی، مادی یا روحانی مقصود و متصور ہے، اس دعویٰ کے ثبوت میں حکماء اسلام کی انبار در انبار تصانیف موجود ہیں، جو ہر زمانہ میں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں، جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے، ادیانِ باطلہ زمانہ کا ساتھ دینے سے قاصر رہتے جاتے ہیں اور یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ کسی مقام پر بھی تھک کر بیٹھ جانے کی ندامت نہیں اٹھانی پڑی، اور نہ پڑے گی، دنیا آج آہستہ آہستہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسلام کے قریب آتی جا رہی ہے۔

۳۷۱ "قرآن کی بار بار دعوتِ فکر"

قرآن حکیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکم دینے کے بعد کہیں اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے ارشاد سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ فعل حکیم ہے، جو خالی از حکمت نہیں، کہیں وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے کہ ہمیں اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے، یعنی روزے انسان کی آزمائش کے لئے نہیں ہیں اور کہیں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرما کر یہ بتا دیا کہ اس سے مقصد تمہارے اوپر ظلم کرنا نہیں ہے، بلکہ رحم کرنا ہے، خود روزے کے احکام شروع کرتے وقت پہلی ہی آیت "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" پر ختم کیا، اور جہاں یہ مضمون ختم ہوا وہاں پھر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی مہر ثبت فرما کر بتلا دیا کہ روزے کے احکام اس لئے دیئے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے یہی نہیں۔ انہیں آیات میں جہاں فدیہ کی جگہ روزہ رکھنے کو مُرجّح (راجح) قرار دیا وہاں ارشاد ہے کہ اگر روزہ رکھو تو وہ "خَيْرٌ لَّكُمْ" ہے، یعنی اس میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ

وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کی گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو ﴿۱۸۵﴾

دُنیا بھر[۲۷] کے ہر مذہب و ملّت نے سال کے مختلف دنوں کو قومی و مذہبی خوشی و مُسرّت کے اظہار کے لئے چُن لیا ہے، چونکہ ہر مذہب و ملّت کا نقطۂ نظر یکساں نہیں، اس لئے ان دنوں کے انتخاب اور تعیّن میں بھی یکسانی نہیں ہے، ان عیدوں اور تہواروں کا مقصد اوّل یہ ہے کہ انفرادی اور خاندانی لحاظ سے نہیں بلکہ جماعتی اتّحاد کے لئے ضروری ہے کہ سال کے کچھ دن ایسے مقرر کئے جائیں جن میں تمام افراد علیحدہ علیحدہ شخصیتوں کے احوال کا لحاظ لئے بغیر خوشی اور مُسرّت کا عام اظہار کر سکیں اور اس طرح قومی اور ملّی وحدت کا سماں مجسّم ہو کر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ دُوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب کسی دن میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ کسی قوم یا ملّت میں پیش آئے، جس کو یاد رکھنا اپنی قومی و ملّی زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے تو اس دن کو یومِ عید، چھٹّی اور جشن اور تہوار کا دن مان لیا جاتا ہے۔ تاکہ سال بسال اس کی یاد تازہ رہے، مگر اس کے لئے سوال ہوتا ہے کہ اس کے لئے کون سے دن منتخب کئے جائیں، تو ہندوستان کے تہواروں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس کے لئے عجائباتِ قدرت اور زمین و آسمان کے فطری انقلابات کو زیادہ تر اپنی خوشی کے اظہار کے لئے اختیار کیا ہے، موسموں کے تغیرات اور آسمان کے سُورج چاند کی حرکات کو اپنی خوشی کے اوقات بنائے ہیں، جاڑا شروع ہوا تو ایک تہوار، گرمیوں کا آغاز ہوا تو ایک تہوار، برسات کے دن شروع ہوئے تو ایک تہوار سات ہی سُورج گرہن اور چاند گرہن اور دُوسرے ارضی و سماوی انقلابات اس کے تہوار کے دن ہیں۔ مجوسیوں کے ہاں دوسرے تمام ارضی و سماوی انقلابات و تغیّرات کو چھوڑ کر صرف نیّرِ اعظم (سُورج) کی عظمت اور یاد ہے۔ ان کے ایّامِ جشن صرف خورشیدِ انور (سُورج) کی نذر ہیں، نوروز (نئے دن) کے جشن، نئے سال کا آغاز، اور بہار کے دن ہیں۔ یونانیوں اور رومیوں، مصریوں اور دوسری بُت پرست قوموں کے تہوار کے دن ان کے علم الاصنام اور مائی تھیالوجی کے قصّوں کی مُناسبت سے تھے اور انہیں کی محرف (تبدیل شُدہ) نقل رومی عیسائیوں نے اُتاری اور ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یادگاری دِنوں سے نسبت دے کر کرسمس، نیو ایئرس ڈے اور ایسٹر بنا لئے۔ حالانکہ ان دنوں کو تاریخی حیثیت

سے حضرت عیسیٰؑ سے دُور کی نسبت بھی نہیں ہے، یہ وہی رومی بُت پرستوں کے تہوار کے دن ہیں جن کو اپنے خُدا کے لئے بھی انہوں نے اختیار کر لیا۔ یہودیوں کی اکثر عیدیں خوشی کی بجائے غم کے دن ہیں، اور ان کی حیثیّت کفّارہ کی ہے۔ جس طرح مہینہ کا ہر ساتواں دن ان کا سبت تھا، اسی طرح سال کا ساتواں مہینہ ان کی یادگار اور کفّارہ کا سال تھا، اس کی مختلف تاریخوں میں وہ روزے رکھتے تھے، اپنے کو غم زدہ بناتے، اور قربانی جلاتے تھے، اور پھر سات دن تک خوشی مناتے تھے، یہ روزے اور یہ غم اور خوشی کے مظہر سب کے سب سرزمینِ مصر میں سے نجات کی یادگاریں تھیں۔ جیسا کہ تورات کے سفر احبار کے (ب ۲۳ آیت ۴۳، ۴۴) میں اس عید کے تمام مراسم اور احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں درج ہے "تاکہ تمہاری نسل در نسل جانیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمینِ مصر سے نکال لایا تو ئیں خیموں میں آیا اور کہا میں خُداوند تمہارا خُدا ہوں، سو موسیٰ نے بنی اسرائیل سے خُداوند کی مقررہ عیدوں کا ذکر کیا" مگر اسلام نے نہ کسی تغیّرِ فلکی اور موسمی یا فتح یا ہجرت کا دن مقرر نہیں کیا، بلکہ ان سے اپنی مِلّت کی خوشی و مُسرّت کے لئے وہ دن مقرر کیا جو اس کی خیر و برکت اور نزولِ وحی کے مہینہ رمضان کے ختم کے بعد آیا۔ شَهۡرُ رَمَضَانَ الی آخرہ۔ الخ۔

ن ۲۲۳ "قرآن کی تعظیم کی صورت"

یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوگوں کے لئے ہجرت اور حق و باطل میں تفریق کی دلیل بن کر اُتارا گیا۔

ن ۲۲۴ "قرآن کی تین خصوصیات"

اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے۔ سلاطین کی تعظیم، فرامینِ شاہی کی ہی تعظیم ہوتی ہے۔ اور انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں۔ لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا، ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا۔ ان کے علوم کو ہمیشہ کے لئے قبول اور حاصل کرنا بغیر الٰہی کتاب ۲۲۳ کے بادی الرای میں محال بھی تھا۔ جس کو وہ پڑھیں یا اس کی بات کریں۔ اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت کا نزول ہو، یعنی قانونِ الٰہی انہیں عطا کیا جائے۔ جو ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہو اور اس کی تعظیم واجب ہو۔ تعظیم کی صورت یہ ہو کہ لوگ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں۔ اس جگہ قرآن ۲۲۴ شریف کے متعلق تین خاص باتیں بیان کی گئیں۔

ن ۲۲۵ "لفظ قرآن کی تحقیق"

(۱) یہ کہ تمام لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ہے۔ اس لئے ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس میں تعلیم ہے۔

(۲) ہدایت کے لئے یہ وضاحت کیساتھ دلائل پیش کرتا ہے۔ اس طرح اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

(۳) دلائل کے علاوہ یہ کتاب فرقان حق و باطل میں کراتی ہے۔

"قرآن" ۲۲۵ دراصل "قرأ" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "اس نے چیزوں کو اکٹھا کیا" (لسان العرب مصنّفہ ابوفضل جمال الدین محمد اور تاج العروس)

اس کے دوسرے معنی ہیں پڑھنا یا بیان کرنا۔ کسی کتاب کو اسی واسطے پڑھنے اور بیان کرنے پر محمول کرتے ہیں۔ کیوں کہ پڑھنے میں حروف اور لفظوں کو ایک ترتیب سے اکٹھا کیا جاتا ہے۔ (مفردات القرآن ملا امام راغب اصفہانی)

ا‍ے ترجمہ کے لفظی اختلاف کے ساتھ حوالہ ہذا کے لیئے دیکھئے کتاب مقدس ص۱۱ پرانا عہدنامہ) طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۵ء ۱۲ (ع۔ق)

ا‍ے مطبوعہ نسخہ میں قرآن پاک کے حوالہ سے پیراگراف نہیں ہے جبکہ قلمی نسخہ میں بھی تفسیرِ سورت ختم کے بعد تھا ہم نے اس مقام کے مناسب ہونے کی وجہ سے یہاں وضع کیا ۱۲ (ع۔ق)

اور ملاحظہ ہو مفردات۔ بحوالہ لغات القرآن ص۸۷، ۸۸ ج۵

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں، قبول کرتا ہوں دُعا مانگنے والے کی دُعا کو، جب مجھ سے دُعا مانگے تو چاہیئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

ص ٣٤٦ ، تعلق باللہ اور دعا کی شرائط اور حکمت ،

بندہ فرائض کے ادا کرنے کے بعد نوافل یعنی خُدائی یاد سے اس کی قُربت حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ خُدا کا محبوب بن جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی اس کا احاطہ کر لیتی ہے، اس وقت میں اعضاء کو نورِ الٰہی سے مدد پہنچتی ہے، اور اس کی ذات و اہل و عیال و مال میں برکت دی جاتی ہے اور اس کی دُعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی اعانت کی جاتی ہے، حدیث[2] میں ہے کہ دُعا میں ان شئت (اگر تو چاہے تو دُعا قبول فرما!) کی قید نہ لگائیے، بلکہ جو کچھ خُدا سے مانگے، یقین سے مانگے، کیونکہ اللہ پر کسی کا دباؤ نہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے[1]۔ دُعا کی حقیقت اور اس کی رُوح، نفس کا کسی چیز کیطرف رغبت کرنا ہے، جس کے ساتھ تَشَبُّہ بِالْمَلٰئِکَۃ (ملائکہ سے مشابہت) اور جبروت (قدرتِ خُداوندی) پر اطلاع یابی (اعتماد) کی صفت بھی پائی بھی پائی جاتی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنے میں ارادہ کے اندر پراگندگی اور ہمّت میں سُستی پائی جاتی ہے، اور مصلحتِ کلیہ (اللہ تعالیٰ کی عمومی تدبیر) کے ساتھ موافقت موجود ہوتی ہے، کیونکہ کوئی سبب مصلحتِ کلیہ کی رعایت کرنے سے خُدا تعالیٰ کو نہیں روکتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے، وہ جو چاہے کرتا ہے، اس پر کسی کا دباؤ نہیں، دُوسری حدیث میں ہے کہ بجز دُعا کے قضاء الٰہی کو کوئی نہیں روکتی ہے[2]

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

---

[1] بخاری شریف کتاب الدعوات باب لیعزم المسئلہ فانہ لا مکرہ لہ ص ٩٣٨ ج ١ ، ١٢ ر ع ق

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ٥ ص ٢٧٧ ـ ٢٨٠ ٢٨٢٠ (م ام)

وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورت سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو معاف کیا تم کو اور درگزر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جُدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ:

میاں بیوی کو آپس میں تشبیہ دی گئی ہے کہ میاں لباس بیوی کا اور بیوی لباس میاں کا، لباس سے انسانی جسم ڈھانکا جاتا ہے اور لباس عزت افزائی کی نشانی ہے، غرض میاں کی عزت بیوی سے اور بیوی کی عزت میاں سے ہوتی ہے۔ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اور آپس میں جو امن و سکون وہ دونوں پاتے ہیں اور ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہیں قرآن حکیم سے زیادہ کسی دوسری مذہبی کتاب نے ایسی اعلیٰ اور عمدہ انداز میں بیان نہیں کی۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا الی آخرہ۔ الخ: ایسے ممالک میں جہاں دن بہت لمبا ہو اور ایک عام آدمی کی طاقت سے باہر ہو کہ وہ اتنا لمبا عرصہ تک روزہ رکھ سکے، اس کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کرے، ایک حدیث میں جو دجّال کے متعلق ہے اس میں ہے کہ وہ چالیس دن دُنیا میں ٹھہرے گا، ایک دن ایک سال کا تو صحابہؓ نے پوچھا کہ نماز کس طرح پڑھیں گے، تو آپؐ نے فرمایا کہ عام دنوں کے اندازہ سے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روزہ بھی مہینہ کے عام دنوں کی طرح اندازہ لگا کر رکھ لینا چاہیئے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ

لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔ ﴿۱۸۸﴾

ؐ حدیث کے الفاظ یہ ہیں قلنا یارسول اللہ ارأیت الیوم الذی کالسنۃ اتکفینا فیہ صلاۃ یوم قال لا ولکن اقدروا لہ۔ ملاحظہ ہو سنن ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی فتنۃ الدجال ج ۲ ص ۴۷ طبع مجتبٰی ۱۲

ؑ قال ابن عابدین فی الشامیۃ قال فی امداد الفتاح: قلت وکذلک یقدر لجمیع الآجال کالصوم والزکاۃ والحج واجال البیع والسلم والاجارۃ وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من الفصول الاربعۃ بحسب مایکون کل یوم من الزیادۃ والنقص کذا فی کتب الشافعیۃ ونحن نقول بمثلہ اذ اصل التقدیر مقول بہ اجماعًا فی الصلوات اھ رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)

ایک دُوسرے کا مال غصب سے نہ کھاؤ! بلکہ تجارت کے ذریعہ لین دین کرو! آگے چل کر انصاف پسندی کی تشریح کی کہ نہ تو غصب سے کھاؤ، نہ قاضی کو رشوت دو، کہ اس صُورت میں انصاف نہیں ہو سکے گا۔ روزہ رکھنے سے مُراد یہ تھی کہ انسان کو پاک نفس بنایا جائے۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح قانونِ الٰہی کی پابندی کرو۔ روزہ درحقیقت انسان کو اپنی خواہشات پر غالب آنے کا سبق دیتا ہے اور ایک دفعہ جبکہ خواہشات پر انسان غالب آگیا تو دُوسروں کی اشیاء کو غصب کرنے کی ناجائز خواہش بتدریج مُردہ ہو جاتی ہے۔

"۲۷۹ اقتصادی دیانتداری اور دریوزہ کی حقیقت"

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پُشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے، اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مُراد کو پہنچو۔ ﴿۱۸۹﴾

"۲۸۰ اسلامی کیلنڈر میں مسلمانوں کے وقار کا نشان"

قمری مہینوں کے متعلق اے رسول! تم سے سوال کرتے ہیں، کہو کہ اسی سے تمہارا قومی سال شروع ہوتا ہے۔ تمہارے حج کے ایّام بھی اس سے مقرر ہوتے ہیں، تم اُلٹے راستہ پر چل کر دُوسروں کے قومی سال کی پیروی نہ کرو! بلکہ سیدھے راستہ پر چلو اور اپنی عزت و وقار کو قائم رکھو!

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو۔ ﴿۱۹۰﴾

"۲۸۱ اسلامی قوانینِ جنگ عدل و اعتدال"

یعنی جو لوگ تم سے لڑنے کے لئے تیار ہیں تم بھی ان سے لڑنے کے لئے تیار رہو اور زیادتی مت کرو۔ اس میں اجازت دی گئی ہے کہ تم صرف ان سے لڑو جو لڑائی کی استعداد رکھتے ہیں اور تم سے لڑتے

ہیں (یعنی معذور آدمی، عورتیں، بچے، راہب اور شہری طبقہ جو لڑنے میں شامل نہیں وہ معاف ہیں) شروع اسلام میں مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم ہوئے مگر انہیں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ کہا گیا کہ تم احکام خداوندی کا انتظار کرو، آخر مدافعانہ (دفاعی جنگ) اور بعد میں جارحانہ (اقدامی جنگ) دونوں قسم کی اجازت دی گئی۔ پہلے انبیاء کے زمانہ میں (مثلاً نوح وغیرہ) لڑائی کی اجازت نہیں تھی، ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں دین میں اس کی بھی بتدریج اجازت دے دی گئی اور موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں تو اسے قانونی وضع میں ڈھالا گیا، قرآن میں حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو مثیل موسیٰ کہا گیا ہے (سورہ مزمل میں) موسوی احکام میں جارحانہ اقدام کی اجازت ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل کو لے کر کنعان پر حملہ آور ہوئے اور اس ملک کو فتح کر کے وہاں بنی اسرائیل کو آباد کیا، مگر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی، تو ساتھ ہی تنبیہہ کی گئی کہ تم صرف ان سے لڑو جو تم سے لڑنے کے لئے تیار ہوں، آگے مت بڑھو (اس کی مثال ایسی ہے جب مسلمانوں نے بیت المقدس کو لیا تو کسی سے کچھ نہ کہا اور جب عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں سے دوبارہ لیا تو موسوی احکام کے ماتحت مسلمانوں کی عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور امام مسجدوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ مسلمانوں کو مکہ میں لڑائی اجازت مل گئی تھی، مگر حکم تھا کہ حد کے اندر رہ کر جنگ کرو! مثلاً وزیر جنگ نے ملک کی حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد اعلانِ جنگ کر دیا۔ اب کس طرح اور کس طریقہ سے لڑائی جاری کرنی چاہیئے۔ یہ سپہ سالار کا کام ہے کہ وہ مدافعانہ طریقہ اختیار کرے یا جارحانہ، لڑائی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ فوج کا نقصان کم ہو اور مدعا (مقصد) حاصل ہو جائے، اگر سپہ سالار سمجھے کہ مدافعانہ طریقہ میں یہ مطلب جلدی اور باحسن ہو سکتا ہے تو اس طریقہ سے، ورنہ جارحانہ طریقہ پر کر سکتا ہے۔ غرض یہ حالات کے مطابق فیصلہ ہوگا، آج بھی یورپین قومیں جو تہذیب کی دعویٰ دار ہیں ان کی لڑائیاں آج بھی قانونِ موسوی کے تحت ہوتی ہیں مثلاً سندھ کا واقعہ[1]

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں

---

[1] اسلام میں جنگ صرف مدافعانہ ہے یا اقدامی بھی نیز اسلام میں قوانین جنگ پر مفصل کلام کے لئے ——— قرآنی جنگ انقلاب، تفسیر سورہ محمد اور قرآنی عنوان انقلاب تفسیر سورۃ الفتح اور قرآنی اقدام انقلاب تفسیر سورۃ الحشر از تالیفات امام سندھی رح کا مطالعہ مفید ہے۔ ۱۲ (ع ق)

تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی۔ (۱۹۱)

جو لوگ تم سے لڑنے کو تیار رہیں اور تم سے لڑتے ہیں ان کو مارو، جہاں کہیں ان کو پاؤ!
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یعنی بے قانونی زندگی جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، اس کو روکنے کے لئے ایک بڑا قتل جائز ہے، تاکہ ان کو قانونی زندگی سمجھائی جائے اور وہ قانونِ الٰہی کے پابند ہو جائیں۔

۳۸۲ "جنگ کی حکمت فتنہ کا انسداد کرنا ہے"

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۹۲)

ترجمہ: پھر اگر باز آئیں تو بیشک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اسلام کی تعلیم کی خوبی دیکھئے! جہاں دشمن نے لڑائی بند کی تو مسلمانوں کو تلواروں کو نیام میں کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں (نام نہاد) مہذب حکومت (انگریز حکومت) کے ۱۸۵۷ء کے واقعات کا مطالعہ کیجئے۔[1]

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۱۹۳)

ترجمہ: اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔ (۱۹۳)

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ بے قانونی زندگی ترک نہ کریں اور قانونِ الٰہی پر کاربند نہ ہو جائیں۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۱۹۴)

ترجمہ: حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔ (۱۹۴)

---

[1] اس موضوع پر "علماء ہند کا شاندار ماضی" مصنفہ مولانا محمد میاںؒ "نقش حیات" حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور "۱۸۵۷ء کے واقعات" مصنفہ غلام رسول مہرؒ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ (ع۔ق)

مد ۲۸۴ ماہ حرام اور حرم مکہ میں جنگ کی بندش کا مشروط قانون

یعنی چند[۲۵] ماہ اور چند چیزیں متبرک قرار دیں[۲۸۴] اور کہا کہ ان میں لڑائی مت کرو، مگر ساتھ ہی تاکید کی اگر تمہاری حرمت والی چیز کی قدر نہ کریں تو صاف اجازت ہے۔

سلطان محمد غوری نے جب پہلی دفعہ ہندوستان پر حملہ کیا تو شکست کھائی، دوسرے سال پھر تیاری کر کے پرتھوی راج (رائے پتھورا) کے مقابلہ پر آیا مگر پرتھوی راج کی طاقت زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جب حملہ کیا تو اپنی فوج کے آگے گائے کا ریوڑ رکھ لیا اور اس طرح وہ دشمن تک پہنچ گئے اور راجہ گائے کی عزت کے خیال میں لگا رہا، اسی لئے قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ ماہ واقعی قابلِ احترام ہیں۔ اگر دشمن ان مہینوں میں حملہ کرے تو پھر تم بھی اس کا اچھی طرح اور خوب دلجمعی سے مقابلہ کرو! اسے یقین دلا دو کہ ہم ان مہینوں کا اگرچہ احترام کرتے ہیں، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس وجہ سے دشمن ہم سے ناجائز فائدہ اٹھا لے جیسے سلطان محمد غوری نے جنگی حکمت عملی میں کیا۔[۲۵]

مع نور التفسیرین ۱۲

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔ (تفسیر ماذکرہ ابواب انصاری)

مد ۲۸۵ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت

اور اللہ کی راہ میں[۲۸۵] خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار اور مہاجرین مدینہ آپس میں مل گئے تو ہم نے ایک دن مجلس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہماری کھیتیاں برباد ہو گئیں، اور ان کے سرسبز کرنے کی فکر کریں تو یہ آیت وَاَنْفِقُوْا الایۃ نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ اس فکر میں اپنی ہمت کو صرف مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال وغیرہ خرچ کرو اور تم نے اگر زراعت میں دل لگا کر جہاد کا خیال چھوڑ دیا تو تم اپنی ہلاکت اپنے ہاتھوں کرو گے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ

[۱] اس سے مراد اشہر حُرم یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے ہیں، ۱۲

[۲] بیت اللہ اور حرم مکہ کیونکہ مشرکین بھی دین ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار تھے ان کے ہاں بھی ان مہینوں اور مقامات پر جنگ حرام تھی جیسا کہ آیت ۱۴۷ میں ذکر آرہا ہے ۱۲ (ع ح ق)

[۳] نسخہ راج ترنگی کے مطابق راجہ بدھشٹر سے پرتھوی راج تک ایک سو بیس ہندو راجاؤں نے چار ہزار چار سو ساٹھ سال فرمانروائی کی ملاحظہ فرمائیے خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بٹالوی فارسی سے اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناظر حسین زیدی صفحہ ۲۴۶ لاہور سنہ ۱۹۶۶ء ۱۲ (م ا م)

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ میسّر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسّر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے رکھے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ص ۲۸۶ "حج کے مناسک سے دسیع میدان میں فوجی تربیت بھی ملتی ہے"

پہلے جنگ و قتال کے واقعات بتلائے۔ اب [۲۸۶] فوج کو تربیّت یعنی ٹریننگ دینے کے لئے ایک وسیع میدان میں دعوت دی جا رہی ہے۔ حج کے احکام کی آخری آیت میں ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ سورۂ بقرہ آیت ۲۰۲ پ۲ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کرو اور یقین رکھو کہ اس کے حکم سے تم اس کی طرف لشکر کشی کے لئے بلائے جاؤ گے، سورہ نمل آیت ۱۷ میں حشر کے معنی ہیں " لشکر کشی" اب اصل آیت کے معنی شروع ہوئے۔ یعنی عمرہ بمعنی فرداً فرداً اور حج بمعنی جماعت کا مجموعہ یعنی حج اور عمرہ دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے مکمل صورت میں کرو۔ اگر کسی وجہ سے رُک گئے تو فدیہ دے دو۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک آدمی جانے کے لئے کافی طاقت رکھتا ہے تو اسے خود جانا چاہیئے ورنہ اسے فدیہ دے دینا چاہیئے، یعنی دوسرے آدمی جنگ میں جانے والے کو سامانِ جنگ کے لئے مالی امداد دینی چاہیئے۔[۱]

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ۔ میدان جنگ میں جا کر اگر کوئی شخص کسی مرض سے معذور ہو تو اسے میدانِ جنگ کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی، اس واسطے کہا گیا کہ مریض فدیہ، قربانی یا روزے کی تکلیف برداشت کریں۔ اب آگے جماعت بندی اور تربیّت کے طریقے بتلائے جاتے ہیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

---

[۱] تفصیل کے لیئے قرآنی جنگ و عنوان انقلاب کا مطالعہ کیجئے ملاحظہ ہو قرآنی شعور انقلاب صد ۵۶۲ تا صد ۵۶۴ طبع کمی دار الکتب ۱۲ (ح ق)

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں معلوم، پھر جس نے لازم کرلیا اس میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں، اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے، اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے، اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو ﴿۱۹۷﴾ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے ربّ کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے، اور اس کو یاد کرو جسطرح تم کو سکھلایا، اور بے شک تم تھے اس سے پہلے ناواقف ﴿۱۹۸﴾

تشریح: حج کے تین مہینے ہیں۔ (۱) شوال (۲) ذی قعد (۳) ذی الحجہ، اور جو حج کا ارادہ کرکے جنگی تربیّت گاہ کی طرف چلے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ (۱) وہ فَلَا رَفَثَ، عورتوں کے متعلّق کوئی بُری بات زبان پر نہ لائے یعنی بدکاری سے بچے (۲) وَلَا فُسُوْقَ کوئی بے قانونی بات نہ کہے وَلَاجِدَالَ ای فی ذلک المیدان، اس میدان میں کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ کیونکہ اسی میدانِ جنگ میں اسے اُخوّت و اِتفاق کا سبق دیا جا رہا ہے۔

عرض جو شخص ان تین مہینوں میں ایسی فوجی تربیّت حاصل کرے اور بُری باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے تو ایسا آدمی جہاد کے لئے بہترین کارآمد ہوگا، اسے اخلاقی سبق دے دیئے گئے ہیں اور اس کی ہمّت اور طاقت کو عُمدہ کاموں میں صرف کیا گیا ہے۔ (۴) وَتَزَوَّدُوْا اپنا مالی بوجھ دُوسروں پر مت رکھو۔ دُوسروں کو تنگ نہ کرو، بلکہ اپنا بوجھ خود اٹھاؤ! کیونکہ اس سے تمہیں عالی ہمّتی، وسعت نظری، اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا سبق ملے گا (۵) وَاتَّقُوْنِ قانونِ الٰہی کی پابندی کرو، کیونکہ تمہاری زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ مرکز[1] تو درحقیقت فوجی تربیّت گاہ ہے، مگر اسے بین الاقوامی تجارتی مرکز بھی مقرر کیا گیا۔

(حاشیہ: حج کے احکام میں پانچ اخلاقی اصول پر تربیت اور جہاد کی تیاری)

عرب کی جُغرافیائی و تجارتی حالت ماخوذ از ارض القرآن ——— عرب کے ساحلی صُوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں۔ عمان، بحرین، ایران و عراق سے متعلّق ہیں۔ یمن اور حضرموت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلّق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا مُلک اس کے بازو پر واقع ہے، اس جُغرافی تحدید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبعی سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صُوبہ

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں یہ سطر نہیں اور عرب کی جغرافیائی و تجارتی حالت پر یہ اقتباس قلمی نسخہ میں تفسیر سورت ہذا کے بعد آخر میں "عرب کے جغرافیائی حالات ماخوذ از ارض القرآن" کے عنوان سے ملحق تھا بندہ نے اس مقام کی مناسبت سے یہاں ذکر کردیا یہ اقتباس حضرت سندھی ؒ کی تقریر نہیں ۱۲ (ع۔ق)

کو دُنیا کے کس زرخیز خطّہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے، چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صُوبوں کو اپنے انہی ہمسایہ مُلکوں سے زیادہ تر تعلق تھا، گو کبھی کبھی کسی ضرورت کی بنا پر ان کو آگے پیچھے بھی ہٹ جانا پڑتا تھا، بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقالِ مکان کر کے بحرِ روم (بحرِ ابیض و بحرِ متوسّط) کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہاں کی ان قوموں کو بنی اسرائیل، رومی اور کنعانی، اور اہلِ یونان ان کو فینیقین (فنیشن) کہتے تھے۔ ان فینیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی مُلکوں تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھے تھے۔ یونان میں تہذیب و تمدّن کا آغاز انہی (عرب) بیوپاریوں کے ذریعہ سے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاریاں دُور دور تک اپنی روشنی کی شعاعیں ڈالتی چلی گئیں۔ یمن اور حضرموت کے عرب ایک طرف تو بحرِ افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش میں اپنی نو آبادی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صُوبوں سے تجارت کرتے۔ وہ جو کچھ ان ممالک میں پاتے وہ کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازیوں کے سپرد کرتے اور یہ اس کو شام و مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔ عربوں کے یہ تجارتی حالات کسی قدر تورات کے صفحوں سے اور زیادہ تر یونانی تاریخوں سے واضح ہوتے ہیں، ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کے تاجر دو ہزار برس قبل مسیح کے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں، اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی لڑی ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان سے سامانِ تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اُترتا، اور یہاں سے خشکی کے راستے سے بحرِ احمر کے کنارے کنارے حجاز اور مدین، وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا، اور وہاں سے بحرِ روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے چل کر اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہو جاتا۔ ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے یہ تجارتی شاہراہ جو حجاز[۲۸۸] ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی، قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین (ظاہر راستہ) کہا ہے، اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ اصحاب الایکہ اور حضرت لوط علیہ السلام کا گاؤں "مؤتفکہ"، جو بحرِ میت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یعنی یہ دونوں گاؤں کھلے راستہ پر ہیں) سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے۔
وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا (ای قری الشام) قری ظاهرة الخ ہم نے اُن کے (ملک) اور بابرکت آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں، اور ان میں سفر کی منزلیں مُقرر کر دی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف و خطر چلو۔ یہ انہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے۔[۱]

سب سے اہم اور اقدم سوال یہ ہے عرب ملک ایک بنجر اور بے آب و گیاہ زمین ہے[۲۸۹] وہاں تجارت کا کیا سامان ہاتھ آتا ہو گا۔ وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی تھی اور کیا کیا چیزیں عرب سوداگر کا سرمایہ تھیں؛ اس کے متعلق خود عربوں کے پاس تو معلومات کا کچھ مسالہ نہیں، مگر جن قوموں کے ہاتھ وہ ان چیزوں کو فروخت کرتے تھے، انہوں

۲۸۸ عرب کی شاہراہ تجارت یا امام مبین۔

۲۸۹ سامانِ تجارت۔

[۱] ملاحظہ ہو ارض القرآن علامہ علامہ سید سلیمان ندوی جلد دوم ص۱۱۰ تا ۱۱۲ طبع انڈیا ۱۹۵۶ء ۱۲ (ع۔ق)

نے ان کے تحفوں کی ایک ایک چیز یاد رکھی ہے، اس تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں۔

(۱) ایک کھانے کا مصالحہ اور خوشبودار چیزیں۔ (۲) سونا، جواہرات اور لوہا۔ (۳) چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ بکری۔ (ARE)

یونانی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر خوشبودار چیزوں کی خود یمن میں کاشت ہوتی تھی یا ان کے وہاں باغ موجود تھے۔ (اس سے متعلق کا بیان سورۂ سبا۔ آیت ۱۵ میں مفصّل طور پر دیا گیا ہے) مؤرّخین کے بیان کے مطابق ان میں سے بعض چیزیں تو یمن میں پیدا ہوتی تھیں اور بعض مصالحے مقابل کے حبشی سواحل سے لائے جاتے تھے چنانچہ ہمدانی نے نہایت تفصیل سے ان نباتات اور درختوں کا حال لکھا ہے لوبان اور زعفران کی نسبت لکھا ہے کہ "یہیں سے تمام دنیا میں جاتا ہے قسم قسم کے پھول اور نباتات یمن اور نجد میں پیدا ہوتے ہیں لیکن مصالحہ یعنی لونگ، سیاہ مرچ، الائچی، دارچینی ناریل اور املی وغیرہ ہمارے نزدیک جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتی تھیں

علاوہ گزشتہ تاریخی بیانات کے خود آج تک یہ چیزیں یہیں سے تمام دُنیا میں جاتی ہیں اور ایک بڑا ثبوت اس دعویٰ کا یہ ہے کہ مصالحہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں۔ مثلاً مُشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل، قرنفل۔ بعض چیزوں کے نام میں "ہندی" کا لفظ نام کا جز ہوگیا ہے۔ مثلاً عود ہندی، تمر ہندی، قسط ہندی، لوہے کی تلواریں ہندوستان سے بن کر جاتی تھیں۔ اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے خوشبو اور مسالوں میں الائچی سیاہ مرچ اور چینی، ہلدی سب جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں

موتی تو خاص سواحلِ عرب کی چیز ہے۔ بحرین اور عمان کے دریاؤں میں موتی کے خزانے ہیں، اور اب تک بمبئی وغیرہ میں موتی کے بڑے بڑے تاجر خاص عرب ہیں۔

سورۂ رحمٰن آیات نمبر ۱۱، ۲۲ میں اسکا ذکر ہے۔ ہمدانی نے صفحہ جزیرہ میں ایک ایک کان کا نام لکھا ہے صرف یمامہ اور نجد میں سونے کی چھ کانوں کا پتہ دیا ہے، سونے کے علاوہ چاندی، تانبا اور عقیق کی کانیں بھی بتائی ہیں۔ دُرِ عدن اور عقیقِ یمن کی شہرت غالباً یہیں سے ہوئی ہے، یمن کی کھال پہلے بہت مشہور تھی طائف بھی اس کے لئے مشہور تھا ...... مُسلمانوں نے مکّہ سے بھاگ کر جب حبشہ میں پناہ لی تھی اور قریش نے ایک شخص کو کچھ نذر تحفہ دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ مُسلمانوں کو وہ اپنے مُلک سے نکال دے، اس وقت بھی قریش کا شاہانہ تحفہ یہی کھال تھی، .....

ص ۲۹۰

درآمد

بہر حال ان چیزوں کو عرب سوداگر اپنے ملک سے باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے، اور ان مُلکوں سے حسب ذیل چیزیں لاتے تھے۔ کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار، آئینہ وغیرہ۔ آرائش کی چیزیں ...... مارب جو سبا کا پایۂ تخت تھا، روئی اور کپڑے کا کاروبار وہاں زمانۂ اسلام تک تھا، چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ کی بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا۔ یمن کا کاروبار زیادہ تر ہندوستان کے ساتھ تھا، اس لئے بہ تحقیق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کپڑے سب یمن ہی میں بنتے تھے۔ یا ہندوستان سے آتے تھے۔ عرب میں بعض کپڑوں کے نام ہندی الاصل ہیں۔ مثلاً شاس (ململ) فوطہ (چار خانہ دار تہبند) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کچھ کپڑے ہندوستان سے آتے ہوں ...... اہلِ عرب کے تجارت کے شوق کی یہ حالت تھی

ص ۲۹۱

کپڑے بازار

ص ۲۹۱

لے ملاحظہ ہو ارض القرآن صہ ۱۱۵، ۱۱۶ طبع مذکور ۱۲

کہ عرب کے بڑے بڑے بازار جہاں سال میں ایک دفعہ میلہ لگا کرتا تھا، اور دُور دُور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے، اور فروخت کرتے، یہ میلہ شام کے پاس دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کی حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا بحرِ ہند کے مقابل حضرموت اور یمن سے گزرتا ہوا حج کا زمانہ مکّہ میں گزار کر حجاز سے ہو کر پھر شام میں آکر ختم ہو جاتا تھا۔ (ان کا نقشہ آج کل شمالی برما میں بخوبی مل سکتا ہے۔)[۲۹۲] ..... یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے۔ لیکن چونکہ اسلام سے سو سوا سو برس پہلے سے یمن اور شام میں سیاسی انقلابات پے دَر پے ہو رہے تھے۔ اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہشام پیدا ہوئے تو انہوں نے کاروانِ تجارت کو منظّم کیا۔ اہلِ حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے، شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا، ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان مُلکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے۔ سال کی دو فصلیں مقرر کیں۔ جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام، بلکہ ایشیائے کوچک تک قریش سوداگر جاتے تھے .... قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور ناچار عورتوں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں، اور دُوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس طریقہ سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قریش کی ایک بیوہ خاتون تھیں اسی طریقہ سے تجارت کرتی تھیں۔ ان کا سامانِ تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا۔ ابوطالب، حضرت علیؓ کے والد بھی تاجر تھے۔ اور بڑے بڑے امراء قریش مثل ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی نبوّت سے پہلے تجارت کرتے تھے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال لے کر کئی دفعہ بصریٰ تشریف لے گئے، جو شام کی سرحد پر واقع ہے۔ محدّثین نے تصریح کی ہے کہ آپ یمن کے بازار جرش میں دو بار تشریف لے گئے۔ بحرین میں بھی آپؐ کا جانا ثابت ہے .... اسلام کے بعد بھی قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ تیز ہو گئی۔ آیت وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ۶۲ سُورۃ الجمعۃ آیت ۱۰ کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ مدینہ میں بھی بمقام سنح ان کا کپڑے کا کارخانہ تھا۔ کبھی خود بہ نفسِ نفیس اسلام کے بعد بصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے۔ شاید ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پنیر بیچتے تھے۔ حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اور شام سے ان کا بیوپار تھا۔ دیگر مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے۔

انصار زراعت پیشہ تھے۔ اس لئے مدینہ کا تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ سے شام تک انہیں کی بہت سی گڑھیاں تھیں۔ جن کو گودام سمجھنا چاہیئے، لیکن آخر کار مُسلمانوں نے ان کی جگہ لینی شروع کر دی، اور آخر ۵ھ ہجری میں مُلک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا، عرب میں جو بڑے بڑے

---

[۱] صفحہ ۱۲۳ [۲] صفحہ ۱۲۰

(حاشیہ: ۲۹۲ "قریش کی تجارت")

تجارتی میلے لگتے تھے۔ قریش ان سے زیادہ عکاظ اور ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے۔ عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے میلے کے دن آتے تھے۔ یہ میلہ عین مکہ میں آکر لگتا تھا اور حج تک قائم رہتا تھا۔ اسلام آیا تو لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایام حج میں خرید و فروخت کو بُرا جانا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (یعنی) تمہارے لئے کوئی حرج نہیں اگر (حج کے زمانہ میں) اپنے پروردگار کی مہربانی (تلاش کرو) اس کے بعد ان میلوں میں پھر وہی رونق اور تجارتی دُھوم دھام شروع ہوگئی، اور تقریباً سوا سو برس تک یہ زمانہ اسلام میں قائم رہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: پھر طواف کے لئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۹۹﴾ ۲۹۳

شانِ نزول مشہور ہے، یعنی حج کے ایام میں قریش مزدلفہ میں ٹھہرتے اور باقی حجاج میدانِ عرفات میں جاتے، قریش کا خیال تھا کہ ہم چونکہ حدِ حرم کے رہنے والے ہیں اس لئے ہمیں حدِ حرم کے اندر ہی رہنا چاہیئے، اور باقی حجاج چونکہ حدِ حرم سے باہر سے آئے ہوئے ہیں اس لئے ان کو حدِ حرم سے باہر یعنی عرفات کے میدان میں جانا چاہیئے، غرض [۲۹۴] اسلام نے امتیاز کو مٹا دیا اور کہا کہ فوج کے ساتھ سردارانِ فوج (یعنی قریش) بھی میدانِ جنگ (میدانِ عرفات) میں جائیں، یہ نہیں کہ آپ تو امن کی جگہ بیٹھے رہیں اور فوج کی بوچھاڑ میں رہے، اگر فوجی افسر بھی میدانِ جنگ میں ہوں گے، تو ان کو جنگ کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا اندازہ ہوگا، تو وہ حتی الوسع جنگ کو طول نہیں دیں گے، اس کے [۲۹۵] برعکس آج کل فوجی افسر تو پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور فوج آگے کٹ رہی ہے، پہلے زمانہ میں بادشاہ ہمیشہ فوج کے آگے ہوتے تھے، اور کئی دفعہ انہیں خود جنگ کرنی پڑتی تھی، اس لئے جنگ بہت مختصر ہوتی تھی، اور نقصانِ جان بہت کم ہوتا تھا۔ آج کل لڑائیوں میں افسر پیچھے ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جنگ بہت طول پکڑ جاتی ہے اور کروڑہا جانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ جیسے کہ موجودہ جنگ عمومی ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا۔[۱]

رجم کی سزا سنگساری ہے، مگر اس کے ساتھ ہی حکم ہے کہ سب سے پہلا پتھر گواہوں کے بعد وہ قاضی مارے جو اسے سزا کا حکم دے رہا ہے، اس میں بھی یہی راز تھا کہ پتھر کے لگنے سے قاضی جو تکلیف اور درد محسوس کرے گا، تو وہ ناحق کسی کے لئے یہ سزا تجویز نہیں کرے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا ملزم کو بچت کا موقع دے گا۔[۲]

(حاشیہ: ۲۹۳ حج کے تمثیل میں مساوات اور ساخت کی تربیت۔ ۲۹۴ "فوج کمانڈروں کو فوج کے ساتھ مل کر لڑنا چاہیئے"۔ ۲۹۵ "آجکل جنگوں کی طوالت کا سبب")

۱۔ ملاحظہ ہو ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۱۱۰، ۱۲۸ طبع مذکور ۱۲

۲۔ قال فإن خرجوا الی ارض الفضاء ربتدی الشہود برجم ثم الامام ثم الناس کذا روی عن علی رضی اللہ عنہ ولان الشاھد قد یتجاسر علی الاداء ثم یستعظم المباشرۃ فیرجع فکان فی بداءۃ احتیال للدرء ۱۲ ملاحظہ ہو الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی، تالیف علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ ہجریہ باب الحدود فصل فی کیفیۃ الحد واقامتہ صفحہ ۹۶ طبع مصر (ع۔ق)

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

ترجمہ: پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔ پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ ﴿۲۰۰﴾ اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دُنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ ﴿۲۰۱﴾ ان ہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ ﴿۲۰۲﴾

(۲۰۰) فَاِذَا قَضَيْتُمْ الخ:-

یعنی اس دُنیا کے بین الاقوامی قانون کی پابندی کرو۔[۲۹۶] فَمِنَ النَّاسِ الآیۃ اب یہ بتلایا کہ بعض آدمی ایسے ہیں جو صرف دنیا ہی مانگتے ہیں۔ (۲۰۱) وَمِنْهُمْ الآیۃ۔ چند ایسے ہیں جو دُنیا و آخرت دونوں مانگتے ہیں۔ عجیب بات ہے ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا گیا جو صرف آخرت کو مانگتے ہیں، اور دُنیا کو نہیں مانگتے۔ اس سے[۲۹۷] یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کے لئے ایک مقصدِ زندگی مُعیّن کیا گیا ہے، ایسے قانونِ الٰہی کے تابع رہ کر اس کی تعمیل میں سعی کرنی چاہیئے۔

۲۹۶ "صرف دینوی زندگی کا مقصد سامنے رکھنا خسارہ کا باعث ہے"

۲۹۷ "جامع نظریہ حیات"

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں، پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں، اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بے شک تم سب اسی کے پاس جمع ہو گے۔ (۲۰۳) ۲۹۸

"قربانی اور کنکریاں مارنے وغیرہ میں جنگی تربیت" ۲۹۸

حج کے دنوں میں قربانی والے تین دن ہیں۔ ان دنوں میں شیطان پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسی طرح نشانہ بازی کی تکمیل اور مشق کرنی چاہیئے، یہ مشق خواہ تیر کے چلانے میں ہو، خواہ نیزے کے لگانے میں، خواہ توپ چلانے میں، یا بندوق سے نشانہ لگانے میں، یا ہوائی جہاز سے دشمن کو نقصان پہنچانے میں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔ اللہ کے احکام کی تعمیل کر کے عدالت قائم کرو۔

"حج میں سپاہیانہ سپرٹ کا سبق" ۲۹۹

وَاعْلَمُوْا ۔۔ مر معنی الحشر یعنی اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف لشکر کشی کے لئے لائے جاؤ گے، حج کے شروع سے اخیر تک تمام احکام کی سپرٹ سپاہیانہ ہے اور یہی سبق ہے جو حج میں مسلمانوں کو سکھلایا جا رہا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

ترجمہ: اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دُنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے (۲۰۴) اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے مُلک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔ (۲۰۵)

(۲۰۴) وَمِنَ النَّاسِ الاٰیۃ ۔۔ دُنیا داری کے انتظام میں وہ بہت عجیب تقریریں کرتا ہے، اور ساتھ ہی اللہ کو شاہد رکھتا ہے، کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے دردِ دل کا اظہار ہے، حالانکہ وہ خُدا اور تمام مخلوق کو دھوکہ دے رہا ہے اور صرف زبانی جمع خرچ کر رہا ہے، (۲۰۵) وَاِذَا تَوَلّٰى ۔۔

"بین الاقوامی پروگرام اور اس کے مرکز میں بعض ایسے دنیا پرست منافقین" ۳۰۰

اس کی حالت یہ ہے کہ ______ وہ جب حاکم بن جاتا ہے تو اس کا یہی کام ہے کہ وہ دُنیا میں فساد پھیلا دے، تاکہ قانونی حکومت دُنیا میں قائم نہ ہو سکے،

يُهْلِكَ الْحَرْثَ ۔۔ کھیتی کو تباہ کرتا ہے، یعنی بد اخلاقی (عورت کے متعلق) وَالنَّسْلَ اور نسل کو تباہ کرتا ہے، یعنی لواطت، اور دُوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ غرض اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ قانون اعلیٰ دنیا میں رائج نہ ہو سکے، لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۔۔ اللہ تعالیٰ قانون شکن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

آج کل یورپ اس دور سے گزر رہا ہے، کہ وہاں زنا عام اور لواطت عام ہے، ان کا انتظام خانہ داری تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

ترجمہ: اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ، اور وہ بے شک بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۲۰۶﴾

جب عدالت قائم کرنے کے لئے کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ خُدا سے ڈر! اور انصاف پر چل! تو وہ غرور سے انکار کرتا ہے۔

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ۔ بدل الحکومۃ یعنی اس کے لئے بجائے[۳۰۱] حکومت کے جہنّم ہے اور یہی اس کے لئے کافی ہے، یعنی ایسے لوگوں کو محکوم رکھا جائے، نہ کہ حاکم، یہ سزا جہنّم اس کے لئے دنیا اور آخرت میں ہے، دنیا میں اس طرح کہ اسے ہر وقت یہی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں پکڑا نہ جائے یا اس پر اعتراض نہ کئے جائیں۔[۱]

حدیث[۳۰۲] میں آتا ہے ایک صحابیؓ نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے۔ الحدیث[۲] حضرت ابوبکرؓ نے اسکی تعبیر بیان کی مگر اس جگہ ایک جُملہ ہے یعنی جب آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سُنا کہ رسّی پھر اس کے لئے وصل کی گئی تو اس سے آپ کے چہرہ پر ملال آیا۔ ہمارے ہاں اس کی تعبیر یہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بنی امیہ کے لئے سلطنت کا خیال رکھتے تھے، بلوہ کے باعث وہ خیال پورا نظر نہیں آتا تھا، مگر واقع میں ایسا ہوا کہ بنی امیہ کی سلطنت قائم ہوگئی، اور اس واقعہ کے بعد آپ بنی ہاشم کے لئے خُدا سے دُعا مانگتے رہے، جس کا نتیجہ نکلا کہ بغداد میں عباسی خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور مصر میں بنی فاطمہ کی حکومت قائم ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰۱] "شر پسندوں کی سزا دنیا اور آخرت میں جہنم ہے"

[۳۰۲] حکومت اللہ کی رسّی اور رحمت ہے محکومی جہنم۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں، اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔ ﴿۲۰۷﴾

مگر اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ قانونِ الٰہی کے تابع رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام

۱؎ اگلا پیراگراف مطبوعہ نسخہ میں حذف کر دیا گیا غالبًا اس لیے حذف کیا گیا کہ وہ سیاق و سباق سے مناسبت نہیں رکھتا تھا ہم نے افادہ کی خاطر اسکو باقی رکھا کہ بعض اوقات قلیل مناسبت سے حضرت سندھیؒ ایسے فوائد بیان کر دیتے تھے چنانچہ اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خاندان کے لیئے رحمت اور مغفرت کی دعا کے ذریعے سلطنت کا طلب کرنا معلوم ہوتا ہے گو یا حکومی میں رہنا دنیا کی جہنم ہے اسکو مناسبت ہے واللہ اعلم، (ع-ق)

۲؎ حدیث مذکور بخاری و مسلم شریف وغیرہ کتب میں ہے مکمل حدیث کا ترجمہ یہ ہے، عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں نے رات کو خواب دیکھا ایک بادل کے ٹکڑے سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، لوگ اسکو اپنے لبوں سے لیتے ہیں کوئی زیادہ لیتا ہے کوئی کم اور میں نے دیکھا آسمان سے زمین تک ایک رسی لٹکی آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر آپ کے بعد ایک شخص نے اس کو تھاما وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر ایک شخص نے تھاما تو وہ بھی چڑھ گیا۔ پھر ایک شخص نے تھاما تو وہ ٹوٹ گئی پھر اس کے لیے جڑ گئی اور وہ بھی اوپر چلا گیا، یہ سنکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان ہو مجھے اسکی تعبیر کہنے دیجئے آپؐ نے فرمایا اچھا کہہ، حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ ابر کا ٹکڑا تو اسلام ہے اور گھی اور شہد سے قرآن کی حلاوت اور نرمی مراد ہے جو لوگ جو زیادہ اور کم لیتے ہیں۔ وہ بھی بعض قرآن سے کثرت سے فیض اٹھانیوالے ہیں اور بعض کم رسی جو آسمان سے زمین تک لٹکتی ہے وہ حق ہے جس پر آپ ہیں پھر خدا آپ کو اسی حق پر اپنے پاس بلائے گا آپ کے بعد ایک اور شخص اسکو تھامے گا وہ اسی طرح چڑھا جاوے گا پھر اور ایک شخص تھامے گا اور اس کا بھی یہی حال ہوگا پھر ایک شخص تھامے گا تو کچھ خلل پڑے گا لیکن وہ خلل آخر مٹ جاوے گا اور وہ بھی چڑھ جاوے گا سو مجھ سے بیان کیجئے یا رسول اللہ میں نے ٹھیک تعبیر کہی یا غلط، آپؐ نے فرمایا کچھ تو نے ٹھیک کہا، کچھ غلط کہا الحدیث صحیح بخاری کتاب الرؤیا باب من لم یر الرؤیا لاول عابر اذا لم یصب $\frac{۱۰۴۳}{۲}$ طبع نور محمد دہلی ۱۳۵۷ھ و مسلم شریف $\frac{۲۴۳}{۲}$ ۲ طبع نور محمد دہلی ۱۳۴۹ھ حدیث کی تعبیر اور حضرت ابوبکرؓ کی غلطی تعبیر میں شارحین حدیث نے طویل کلام کیا ہے ملاحظہ ہو فتح الباری $\frac{۵۳۷}{۱۲}$ تا ۵۴۱ طبع قدیمی کراچی[۴]

۳؎ امام سندھیؒ کی تعبیر تاریخی و معروضی حقائق کے مطابق ہے کیونکہ اسی کا انقطاع (بلوہ) اور وصل حضرت عثمانؓ کے لیے سوائے اس تعبیر کے نا قابل فہم ہے ۱۲ (ع-ق)

کی پابندی کرتے ہیں۔ شادی کرنے کے بعد سب کے حقوق کو پورا کرتے ہیں۔ ان بندوں سے اللہ راضی ہے۔ غرض بتلایا کہ مراسم حج ادا کرنے یعنی فوجی طاقت پیدا کرنے کے بعد دو قسم کی حکومتیں قائم ہوتی ہیں، ایک مستبد ظالم جو اپنے استبداد (ظلم و جبر) پر چلتی ہے۔ دُوسری خُدائی حکومت جو انسانیت کی بہی خواہی (بھلائی) کے لیے انتظام کرتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پُورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دُشمن ہے۔

اب حکم ہوتا ہے کہ اے مُسلمانو! تم ان انٹرنیشنل قوانین پر پوری مضبوطی سے قائم رہو۔ وَلَا تَتَّبِعُوا الخ۔ قومی قوانین بنانے والے شیطان لوگوں کی طرف خیال مت کرو! کیونکہ شخصی اغراض کے لئے قوانین بناتے ہیں تاکہ دوسری قوموں کو محکوم بنائیں، اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ، کیونکہ شیطان تو چاہتا ہے کہ اجتماع پیدا نہ ہو، اور تمہارے قوانین سوسائٹی پیدا کرنے والے بین الاقوامی ہیں۔

فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

ترجمہ: پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا۔

اگر تم اس بین الاقوامی قانون کو چھوڑ کر اپنی قومی رُوح یہودیوں کے طرز کی (تنگ نظر، مُتعصّبانہ) پیدا کرنی چاہو گے، تو اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکمت والا ہے، وہ دُوسری قوم کو اس انٹرنیشنل قوانین کے قائم کرنے کے لئے تیار کر دے گا اور تم ہمیشہ محکوم رہو گے، یعنی اگر تم نے اس بین الاقوامی قانون کو چھوڑ دیا تم یقیناً ایک خطرناک غلطی کے مُرتکب ہو گے۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

ترجمہ: کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ،

اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام ۔ ○

انجیل میں ہے[۲۰۵] کہ اللہ بادلوں کے سائے میں آئے گا، اور اس کے ساتھ ملائکہ کی فوجیں ہوں گی، اور میں آپ کے داہنے ہاتھ پر بیٹھوں گا[۱] تو اس سے عیسائی مراد لیتے تھے کہ نزولِ مسیح دوبارہ دُنیا میں ہوگا، اور جس طرح ممکن ہو ان سے اسی طرح ہوگا، حالانکہ یہ اجتماع انجیل کا حشر و قیامت کی تصویر کھینچ رہا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تجلّی الٰہی چادرِ نور سے نظر آ رہی ہوگی، اور انبیاء اس کے داہنے طرف ہوں گے، تو یہ قیامت کا سماں ہے نہ نزولِ مسیح کا، اور دوسری جگہ نزولِ مسیح کے بارے میں آتا ہے کہ فارقلیط آئے گا اور دُنیا میں آسمانی بادشاہت قائم کرے گا[۲]، تو اس سے مُراد ہے بشارتِ آمد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو اب کہا جاتا ہے کہ کیا اس بڑی پیشین گوئی کا انتظار کر رہے ہو وہ تو قیامت کا دن ہے اور وہ فیصلہ کا دن ہے نہ کام کرنے کا، غرض بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ دوبارہ تشریف لائیں گے اور جہان کو راستہ بتلائیں گے اور ان کی حکومت دوبارہ دُنیا میں قائم ہوگی اب کہا جاتا ہے کہ تورات اور انجیل میں ایسی آیات سے یہ مُراد ہے کہ خُدا اور فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السّلام کے دوبارہ آنے سے مُراد قیامت کا دن ہے، جو دنیا میں مسیح اور منجّی آنے والا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ——— وہ آ گئے ہیں[۲۰۷]، وہ شریروں کی حکومت کو تباہ کر کے آسمانی بادشاہت حق پرست لوگوں کی قائم کر دیں گے۔ جس میں بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کے قوانین ہوں گے۔ اب جو قوم اس میں داخل نہ ہوگی وہ تباہ ہو جائے گی۔ غرض اب مسلمانوں کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ اگر تم نے بھی اس بین الاقوامی قانون کو چھوڑ دیا تو قیامت تک تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو سکے گی اور تم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

(حاشیہ: ۲۰۵ "واقعہ نزولِ باری تعالیٰ و ملائکہ قیامت میں ہوگا" — ۲۰۶ "عیسائیوں کی الٹی تاویل کا رد" — ۲۰۷ "انجیل میں مسیح کی دوبارہ آمد کی بشارت کا مصداق حضور ہیں" — ۲۰۸ "بین الاقوامی پروگرام کو چھوڑنے والوں کیلئے اسرائیلی تاریخ سے سبق")

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

ترجمہ: پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئیں اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔

بنی اسرائیل سے پوچھو[۲۰۸]! ان کو بھی بین الاقوامی قانون دیا گیا جس پر عمل کرنے سے وہ پہلے پھلے پھُولے

---

۱ انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۷، ۲۸ میں ہے ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا" (مطبوعہ نیا عہد نامہ ص۲۷ طبع برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۲ انجیل کے اس مجمل اور ایسے دوسرے مفصل کلام اور اس معنی میں ایک حدیث کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو قرآنی دستور انقلاب از قرآنی شعور ص۳۲۲ تا ص۳۲۵ (ع۔ق)

۲ ملاحظہ ہو کتاب یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳، ۱۴ طبع مذکور ۱۲ (ع۔ق)

اور جب انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا اور اس قانون کو اپنی قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا تو ان پر سخت عذاب آ گئے، اور ان سے حکومتیں چھینی گئیں اور غیر قوموں کے ماتحت رہ کر فنا ہو گئے، اسی طرح تم بھی اگر اس بین الاقوامی قانون پر دیانت دارانہ طور پر چلتے رہو گے، تو ہمیشہ تمہاری کامیابی ہو گی، ورنہ تم بھی فنا ہو جاؤ گے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: فریفتہ کیا ہے کافروں کو دُنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔

۳۹ "منصفانہ قومی حکومت کا استحصال کردار" ص ۳۱۰ "بین الاقوامی کامیاب جماعت کی اقتصادی حالت سدھاری جاتی ہے"

قومی قانون سے ۳۰۹ دولت بہت جمع ہو جاتی ہے اور قوم عیش و فرحت میں رہتی ہے اور محکوم قومیں ان کی خادم بن کر ان کی خدمت کرتی رہتی ہیں، تو اس لئے ان کو بین الاقوامی قوانین پسند نہیں آتے کیونکہ کام تو ایک قوم کرے اور اس میں تمام قومیں مساوی درجہ رکھیں، تو اس لئے ایسے قوانین کو قومی جماعتیں نہیں مانتیں، اور بین الاقوامی قوانین کا مذاق اُڑاتی ہیں، اور ادنیٰ عقل والے لوگوں کو ان کی بات بہت پسند آتی ہے، تو اب ۳۱۰ کہا جاتا ہے کہ جو قوم اس بین الاقوامی قانون پر ایمان رکھ کر کام کرے گی، وہ دنیا و آخرت میں تمام اقوام کے اوپر رہیں گی۔ یہودی اور مشرک اپنے قومی قوانین کے موافق سُودی دولت جمع کر کے عیش اُڑاتے تھے اور مہاجرین و انصار اس بین الاقوامی قانون کے پابند ہو کر ظُلم و تعدی لوگوں سے دور کر کے ان کی اقتصادی حالت کو سُدھار رہے تھے۔ تو مہاجرین اور انصار برسرِ اقتدار آ گئے، عراق، مصر، شام جیسے زرخیز خطّے ان کے ہاتھ میں آ گئے اور دولت جمع کرنے والے محکوم رہ گئے، یہی معنی ہیں وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے، اللہ کے قوانین پر چلنے والے کو رزق بے حساب ملتا ہے، یعنی ان کو حکومت کے ذریعہ رزق ملتا ہے وہ بے حساب ہوتا ہے، کاش! آج بھی مسلمان کام کریں تو کامیابی ان کی ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ: تھے سب لوگ ایک دین پر، پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں، اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے، پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ

كَانَ النَّاسُ الخ۔

نوعِ[۳۱۱] انسانی ایک طرح کی پیدا کی گئی ہے، یعنی بدویانہ اور شہری زندگی کے احوال و اساسی اصول ایک درجہ کے ہیں، اس لئے اس کی ترقی کے لئے بین الاقوامی انبیاء آتے رہے ہیں اور ان کے لئے ایک بین الاقوامی قانون بھی دیا جا رہا ہے تاکہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ کی طرف رجوع کریں، اور فیصلہ محفوظ رہنا چاہیئے تھا، اور اس میں بین الاقوامی معاملات میں نہایت ضروری ضروری اساسی قواعد تھے اور ان انبیاء نے انہیں پوری طرح سمجھا دیا تھا مگر انہوں نے وَمَا اخْتَلَفَ الخ۔ اپنے شخصی اور قومی منافع کے لئے آپس میں لڑائی کی، اگر نادان لوگ لڑتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا، مگر ظلم یہ ہوا کہ جو عالم اور فقیہہ اس کتاب کو جانتے تھے، خود اس کتاب کی تشریح کرنے میں اختلاف کر بیٹھے[۳۱۲]، اس اختلاف کی بناء شخصی مفاد پر مبنی تھی، نہ قانون چلانے کے بارہ میں اختلاف کیا، کہ ایک جماعت نے کہا کہ یہ بین الاقوامی قانون یوں کامیاب ہوں گے اور دوسری جماعت نے کہا کہ یوں کامیاب ہوں گے، اگر اس طرح کا اختلاف ہوتا تو کامیاب بنانے میں دونوں کا نظریہ ایک متحدہ راستہ پر لگ جاتا، مگر وہ محض شخصی مفاد کے لئے لڑے اور ہر ایک نے کتاب کی ایسی تشریح کی جس سے اس کو ذاتی نفع حاصل ہوتا تھا، اسی طرح جماعتیں جماعتیں بن کر ایک دوسرے سے لڑ کر بین الاقوامی قانون میں ایسا اختلاف ڈال دیا کہ اب سیدھا راستہ نظر نہیں آتا اور سوسائٹی اب حیران بھٹک رہی ہے، غرض اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے۔ آپ نے تمام دُنیا کو بین الاقوامی قانون دیا، ان کا بیان ہے کہ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ الخ تو اب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس بین الاقوامی قوانین کی ہدایت کی[۳۱۳]، یعنی ایسی کتاب اتاری جس میں وہ قوانین جن کی جہان کو ضرورت تھی موجود ہے، تو انہوں نے اس پر عمل کرنا شروع کیا اور یہی سیدھا راستہ ہے اور قومی راستہ، اور خاص جماعتی راستہ بالکل غلط ہے، اس سے قوم آخر میں برباد ہو جاتی ہے کیونکہ ایک قوم جب اپنے نفع کی خاطر دوسری قوموں کو محکوم بناتی ہے

۳۱۱ نوعِ انسانی کے اساسی اصول ہر جگہ ایک جیسں اسی لئے ہر نبی کی اساسی تعلیم بین الاقوامی ہے۔

۳۱۲ اختلاف کی بناء شخصی مفادات۔

۳۱۳ "متعصبانہ استحصالی قومی نظامِ حکومت خلافِ فطرت"

۳۱۴ "مسلمانوں کے لئے عبرت"

تو دوسری قوم آزاد رہنے کے لئے ایسی کوشش کرتی ہے کہ ان کی قومی حکومت کو برباد کر دیتی ہے۔
غرض[۳۱۴] اس جگہ اس بنی ۲ اور اس کتاب کی ضرورت بتادی اور مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ جب تم بھی اپنی کتاب میں اختلاف کر بیٹھو گے، تو تم بھی برباد کر دیئے جاؤ گے، اور ایسا ہی ہوا کہ شیعہ و سُنّی اور اس کے بعد ہر ایک جماعت کے اپنے اپنے فرقہ نے اپنی ذاتی اغراض کی بناء پر خود کتاب الٰہی کی غلط تفسیر کر کے کتاب الٰہی کو ایسا بنا دیا کہ اب (سوائے سمجھ دار کے جو بغیر مدد تفسیروں کے قرآن کا مطالعہ کرے اس کو تو پوری سمجھ آ جاتی ہے ورنہ ان کی تفاسیر) ایک رزم گاہ (لڑائی کی جگہ) ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہنے لگا رسولؐ اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سُن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔ ﴿۲۱۴﴾

۳۱۵ "بین الاقوامی پروگرام کے عملی نفاذ کی راہ میں تکالیف اور قربانیوں کی ناگزیریت"

یہ بین[۳۱۵] الاقوامی قانون کیا عملی طور پر ایسا سہل کامیاب ہو سکتا ہے کہ فقط وعظ کر دیا، اور لوگوں نے مان لیا، قوموں میں شخصی اغراض اور قومی اغراض و منافع ایسے ہیں کہ اس قانون انٹرنیشنل سے ٹکراتے ہیں، وہ مخالفت پر اُتر آئیں گے، تو تمہیں ہر طرح سے تیار رہنا چاہیئے، کیونکہ اس بین الاقوامی قوانین کو کامیاب بنانے کے لئے پہلی اُمتوں پر اس قدر تکلیفیں آئیں اور مشکلات کے بادل برس پڑے کہ ان کے پائے استقلال لڑکھڑا گئے، اور نبی اور ان کی اُمتیں حد سے زیادہ مایوس ہو گئیں، جب ان کی یہ حالت ہو گئی، تو اللہ کی رحمت نے ان کو گھیرا، تو اسی طرح تم بھی کام کرو! غرض ان آیات میں نصب العین بتلایا گیا آج کل کے مسلمان اس آیت سے عبرت حاصل کریں۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، کہہ دو کہ جو کچھ خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے، اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے۔ ﴿۲۱۵﴾

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ:

اب[۳۱۶] جہاد کی تیاری ہے، اور فوج کو مال کی ضرورت ہوتی ہے، تو مسلمانوں کو بتلایا جاتا ہے کہ اشتراکیت مال کی اسپرٹ اپنے اندر پیدا کرو جس کو روپیہ پیسہ کی ضرورت ہو، اس کو اپنے مال میں شریک سمجھو! قرآن میں دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔[۱]

"وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والا اور ہارے ہوئے کا۔

غرض[۳۱۷] حکم ہوتا ہے کہ اپنا روپیہ پیسہ اپنے والدین، عزیز و اقارب، یتامیٰ اور مسافروں پر خرچ کرو! اسی سے تم ان تمام کے دِل میں گھر کر لو گے، اور اسی طرح تم اپنے خاندان کے بڑے بن جاؤ گے، اس سے جماعت اور جماعت سے سوسائٹی بن جائے گی اور ایک فوج تیار ہو جائے گی۔

۳۱۶ "جہاد کا اہم اصول" (۱) مالکی قربانی
۳۱۷ "انفاق کا دوامی فائدہ"

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶

ترجمہ: فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بُری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور بُری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الخ:

اب[۳۱۸] میدانِ جنگ کی تیاری کا حکم ہوتا ہے۔ تمہارے لئے لڑنا فرض کیا گیا ہے، آیت ۲۱۵ میں بتلایا گیا کہ مُسلمانوں کو ایک دوسرے پر روپیہ خرچ کر کے کس طرح جماعت بندی کرنی چاہیئے، جب جماعت تیار ہو جائے، تو پھر انہیں میدانِ جنگ میں جانا فرض ہے۔ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ: "جنگ سے فرار کی مذمت" یعنی میدانِ جنگ میں جانا تم کو ناپسند ہے، جس طرح کہ اپنے مال میں دُوسروں کو شریک بنانا ناپسند ہے، اگر تم چاہو کہ گھر میں مزے سے بیٹھے رہو، اور اپنا مال خود کھاتے رہو، تو اس سے بہت سے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ یہ انٹرنیشنل تحریک خطرے میں پڑ جائے گی، جس کے لئے تم نے لوگوں سے دُشمنی خرید کی ہے۔

وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا۔ الخ: تم کہتے ہو کہ گھر میں بال بچوں کے درمیان سایہ دار درختوں کی چھاؤں میں آرام سے بیٹھے رہیں، مگر یاد رکھو کہ غنیم (دُشمن) جو اس بین الاقوامی تحریک کا دُشمن ہے سر پر آ رہا ہے، اگر تم نے ڈٹ

۳۱۸ "وقتِ قتال میں لڑائی کی غنیمت"

---

[۱] سورۃ ذاریات آیت ۱۹ پ ۲۶ قرآن مع ترجمہ شیخ الہند طبع رشیدیہ صفحہ ۶۸۲ (ع۔ ق)

کر اس کا مقابلہ نہ کیا اور پیش قدمی کر کے اس پر حملہ آور نہ ہوئے، تو تم کو اور تمہاری تحریک کو برباد کر دے گا اس لئے تمہیں لڑنے سے گھبرانا نہ چاہیئے، کیونکہ تمہاری زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا۔ الخ: گھر میں بیکار بیٹھنے سے تمہاری اور تمہاری تحریک بین الاقوامی کی موت ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِؕ وَ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى یَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْاؕ وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِۚ وَ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے، اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک، اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے، اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں، اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جائے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں، اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۱۷﴾

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ:

قابلِ احترام چار مہینے ہیں ان میں لڑائی اور فساد کی ممانعت ہے، اگر دشمن کوشش کرے کہ تمہیں حج سے روکے، یا کفر کی دعوت دے، یا بیت اللہ کی طرف آنے نہ دے، بیت اللہ والے شہر سے لوگوں کو باہر نکال دے، تو یہ باتیں حرمت والے مہینوں کے احترام سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ۔ الخ: قانون شکنی قتل سے زیادہ خطرناک ہے۔ وَلَا یَزَالُوْنَ۔ الخ: دشمن کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دے، غرض ان مصلحتوں کے ماتحت مسلمانوں کو لڑنے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجازت ہے، اس لئے کہ دشمن اس بات سے فائدہ نہ اٹھالیں کہ مسلمان ان متبرک مہینوں میں نہیں لڑیں گے۔ اس لئے اگر ان پر ان متبرک

مہینوں میں حملہ کیا جائے تو وہ لڑنے سے معذور رہیں تو دشمن فتح کرلے گا، غرض ان مواقع سے کہیں دشمن ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، اس لئے اس کی روک تھام کے لئے یہ قوانین بتلائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ اُمیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ○

۳۲۰ اللہ کی رحمت کے امیدوار کون؟

۳۲۰ اللہ کی رحمت و کامیابی کے امیدوار وہ ہیں جنہوں نے اس بین الاقوامی قانون پر یقین کرکے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وطن چھوڑا اور اس کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی تمام غلطیاں معاف اور ان کے اعمال ہمیشہ ثمرہ لانے والے ہیں۔

۳۲۱ شراب اور جوا نوع انسانی کی ترقی میں رکاوٹ اور بعض حدیں مضر

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدہ سے، اور تجھ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو۔ ﴿٢١٩﴾

۳۲۲ اقتصادی اصول ضرورت سے زائد مال قوم کی ضرورت

۳۲۱ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ ۔۔ جن چیزوں میں مُضرت (نُقصان) زیادہ ہو، وہ نوع انسانی کی ترقی میں حارج (رُکاوٹ) ہیں، اور یہ امور جنگ کے مخالف ہیں اور جنگی آدمیوں کو ان کا استعمال ناجائز ہے، اور نہ ان سے روپیہ پیسہ کمانا چاہیئے۔ خمر اور میسر (شراب اور جُوا) کے طریقہ سے قومی دولت برباد ہوتی ہے، اور ایسے نالائق لوگوں کے ہاتھوں میں جا پڑتی ہے، جو اپنی ذاتی اغراض کے سوا کسی اور ترقی کو نہیں جانتے، اور بین الاقوامی تحریک کے لئے سخت مُضرت رساں (نقصان دہ) ہے۔

بیچ خرچ کرنا معاشرتی اصول کا جیسکے نتائج زیادہ ہوں اسکو اختیار کرنا

۳۲۲ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا الخ یعنی جو ضرورت اور کفایت سے بڑھ کر ہو، وہ تمام کا تمام جنگ پر خرچ کردو! یعنی خمر اور میسر پر خرچ نہ کرو! غرض قانون کی رُوح بتلادی کہ جس چیز کے فائدے زیادہ ہوں اسے اختیار

کر لو! اور جس کے نقصان زیادہ ہوں اسے ترک کر دو! اب اس کے آگے تفصیلی احکام خود منضبط (وضع) کرنے چاہیئں۔

۳۲۳

کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ۔ ان احکام کے متعلق ہم نے ان آیات میں بہت واضح طور پر بیان کر دیا ہے، تاکہ تم اس پر غور کرو! اس جگہ بتلایا گیا کہ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لو! مال (جس کا اندازہ مسلمانوں کی ایک کمیٹی مقرر کریگی) باقی مال اپنی حکومت کے حوالے کر دو۔ (اسی سے ——— پارٹی کا قانون مقرر ہوا) اور اسی طرح تمہاری اشتراکیت (والی) یعنی قومی جماعت پیدا ہو گی، جو حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے گی۔

حکومت کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کا طریقہ ہمارے پیش نظر ہے کہ امام وہ ہو گا جس میں انتظامی قوت زیادہ ہو۔ چونکہ اسلامی حکومت ——— انقلابی تھی، تو پارٹی کی حکومت ہو گی اور اساسی اصول منضبط (مقرر) ہیں۔ اس لئے رئیسِ مجلس چیئرمین انکو اس طرح نافذ کرے گا۔ جس طرح کوئی تجربہ کار، ماہر، مُدبّر پارٹی کے پروگرام کو نافذ کرتا ہے۔ ۳۔

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۲۰)

ترجمہ: دنیا اور آخرت کی باتوں میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم۔ کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے کو اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا ہے تو تم پر مشقت ڈالتا، بیشک اللہ زبردست تدبیر والا ہے۔ (۲۲۰)

مجاہدین کو یقین دلایا جاتا ہے، کہ اگر وہ جنگ میں شہید ہو گئے، تو پس ماندگان (اولاد وغیرہ) کے لئے کچھ خطرہ نہیں ہے، کیونکہ مجاہدین کو یقین ہے کہ حکومت میرے وارثوں کی نگران ہو گی، اور حکومت قانونِ الٰہی کی پابند ہے۔ اس کے تمام افراد کی یہ حالت ہے کہ ضرورت سے زائد روپیہ اپنی حکومت کے سپرد کر دیتے ہیں، تاکہ یتامیٰ اور دیگر مستحقین لوگوں کی نگہداشت اور پرورش کی جا سکے۔

غرض ان حالات کے ماتحت مجاہدین کو کسی قسم کا خطرہ نہیں کہ اس کے بعد ان کے بچوں وغیرہ کی تربیت و پرورش کس طرح ہو گی۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ قوم کا مال ہے اور قوم ان کی تمام ضروریات بہم پہنچائے گی۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

ؔ۱ مطبوعہ نسخہ میں بین القوسین والی عبارت جو اصل نسخہ میں اسی طرح ہے جیسے ہم نے ذکر کی اس میں یوں تبدیلی کی گئی (اسی سے (ایک قسم کا اسلامی روح والا) اجتماعی پارٹی کا قانون مقرر ہوا ہے) اگر یہ وضاحت حضرت سندھیؒ کی طرف سے ہے تو اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے آج کی سوشلسٹ پارٹی نے اپنی قانون سازی میں قرآن کے اس لازوال اصول سے استفادہ کیا مسئلہ کی تفصیل "اسلام کے اقتصادی اصول کا تقابلی جائزہ" مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی" پمفلٹ مطبوعہ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کا مطالعہ کیجئے دوسری صورت یہ ہے کہ جب ڈاکٹر بشیر احمد مغل صاحب مدظلہ نے لغوی حوالہ سے جیسا کہ آگے خود "اشتراکیت سے مراد" قومی جماعت" کا مفہوم لیا گیا اس میں جنتلی کی وہی مراد ہو بہر حال دونوں صورتیں درست ہیں ۱۲ (ع۔ق)

ؔ۲ یعنی جیسا کہ انقلابی حکومت کا اصول ہوتا ہے اور اس کے اساسی اصول یعنی جماعت کا منشور اور پارٹی کو اس پر عملدرآمد بنانے کے لئے دستور العمل منضبط ہوتا ہے۔ انقلابی جماعت اور اس کے اصول کی تشریح کے لیے قرآنی اصول تفسیر سورہ عصر اور قرآنی دستور انقلاب تفسیر سورہ المزمل والمدثر از حضرت امام سندھی کا مطالعہ بالخصوص مفید ہے جو دونوں قرآنی شعور انقلاب کے مجموعہ میں کمی دار الکتب لاہور سے طبع شدہ ہیں ۱۲ (ع۔ق)

ؔ۳ تفصیل کے لیئے دیکھئے: تفسیر ہذا زیر آیت نمبر ۲۷ پیرا نمبر ۱ نمبر ۱ کتاب محمودیہ مصنفہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ طبع لاہور ۱۲ (م ا م)

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمہ: اور نکاح مت کرو مُشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں، اور البتہ لونڈی مُسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کرو مُشرکین سے، جب تک وہ ایمان نہ آئیں، اور البتہ غلام مُسلمان بہتر ہے مُشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے، وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، اور اللہ بلاتا ہے جنّت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ ﴿۲۲۱﴾

۳۲۵ پہلے فوج کی تیاری کے متعلق بتلایا، اس کے بعد حج کی شکل میں ان کو فوجی تربیت دی گئی۔ تربیت دینے کے بعد فوج میدانِ جنگ میں لائی گئی۔ فتح پانے کے بعد لازماً حکومت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے متعلق پہلے خانگی زندگی کے حالات بتلائے جاتے ہیں۔ انسان شادی کرتا ہے، میاں بیوی ہے، ان سے پھر اولاد ہے۔ نوکر چاکر ہیں، ماہوار آمدنی ہے، اور پھر بجٹ کی صورت میں آدمی کی مد میں خرچ نکالا جاتا ہے۔ کچھ پس انداز (بچت) کیا جاتا ہے۔ ہمسایوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے کچھ تو شرفاء ہیں، کچھ متوسط اور مُقتصد (درمیانہ) درجہ کے لوگ بھی ہیں۔ ان سب انسانوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق سلوک روا رکھا جاتا ہے اپنے محلّے کے بعد شہر والوں سے تعلقات قائم رکھے جاتے ہیں۔ ۳۲۶ غرض جس طرح حکومت میں بجٹ تیار ہوتا ہے اور دُوسرے مُلکوں سے تعلقات رکھنے پڑتے ہیں، بعینہٖ خانگی زندگی کی کیفیت ہے، ۳۲۷ اسلام دُنیا میں اس لئے نہیں آیا، کہ لوگوں کو جوگی یا راہب بنا کر دُنیا و مافیہا سے الگ کر کے کسی جنگل یا پہاڑ کے گوشہ میں ہمیں زندگی بسر کرنا سکھلائے، بلکہ وہ تو دُنیا و دین دونوں کے اصول ہمیں بتلاتا ہے۔ خود قرونِ اولیٰ (پہلا زمانہ) کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ۳۲۸

اب معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم کی آیات بے ربط نہیں ہیں، بلکہ ایک کے ساتھ دوسری کا گہرا تعلق ہے، اس آیت میں حکم دیا جاتا ہے کہ ایک گھر میں بہت سے مذاہب جمع نہ کئے جائیں، کیونکہ اس طریقہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ۔ الخ تمہارے گھر اگر بہت ۳۲۹ سے مذاہب جمع ہو گئے تو اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں

۳۲۵ "فوجی تربیت جنگ کی تیاری جہاد اور حکومت کے قیام کا ذکر کرنے کے بعد نظام خانہ داری کے احکامات"
۳۲۶ "ملکی سیاست مدنیہ کے چند نکات"
۳۲۷ "حکمت تدبیر منزل"
۳۲۸ "اسلام کے نظام تعلیم میں ترکِ دنیا اور رہبانیت نہیں"
۳۲۹

گے، جن کا نتیجہ تمہارے لئے بُرا ہوگا، وہ تمہیں جہنّم کی طرف لے جانے والے ہوں گے۔

ویبین ایتہ۔الخ یعنی اس میں صاف احکام ہیں فکر کرنے والوں کے لئے اہلِ دانش جو تدبر و خوض کے عادی ہیں وہ اس آیت سے اندازہ لگا سکیں گے کہ اس میں جو گھریلو زندگی کے واقعات بتلائے جا رہے ہیں، اس سے ہم کس طرف جا رہے ہیں۔

۳۳۱ مسلمان شوہر بیوی کے اجتماعی تعلقات

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ مُسلمان عورت کے لئے مُسلمان مرد حاکم ہونا چاہئے، اور مرد مُسلمان کا وزیر (بیوی) بھی مُسلمان ہونا چاہیئے۔ ترکی نے پچھلے اور موجودہ صدی کے شروع تک جو آرمینیا، آسٹریا اور فرانس وغیرہ کی عورتوں سے شادیاں کیں، اس کے نتائج ترک اچھی طرح بُھگت رہے ہیں۔ غرض مُسلمان مرد ہو یا عورت کسی غیر مُسلم حاکم کے ماتحت نہیں رہ سکتا۔ (عورت کا حاکم اس کا مُسلمان مرد ہے اور مرد کا حاکم اس کی قومی حکومت ہے)

۳۳۲ شرک اور توحید آپس میں متحد نہیں ہو سکتے

اس آیت میں مُسلمان اور مُشرک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں طاقتیں ہیں جیسے نیکی اور بدی اور ان دونوں کا اتّحاد و مُفاد مُشترک نہیں ہو سکتا، آجکل کی سوسائٹی کی مثال لیجئے! ایک اہ..... دوسرے و.....ہ سے بھی شادی نہیں کرے گا، غرض مُسلمان جہاں بھی ہو، کسی حالت میں بھی ہو، کسی غیر مُسلم کے ماتحت نہیں رہ سکتا" اس کا ایمان ہے کہ وہ آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد اسلامی حکومت کے تحت جو قوانینِ الٰہی پر مُشتمل ہو اس کے ماتحت وہ رہ سکتا ہے۔ (انگریزوں کے عہد میں) مُسلمان فیڈریٹیڈ اسکیم اسی لئے تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں انہی کی حکومت ہوگی۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت، اور نزدیک نہ ہو ان کے جبتک پاک نہ ہو دیں۔ پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے، بیشک اللہ کو پسند آتے ہیں، توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے ﴿۲۲۲﴾

۳۳۳ پاکیزگی بنیادی اصول

۳۳۴ قرآن بنیادی اصول بتاتا ہے اور تفصیلی قوانین انسان کی عقل پر چھوڑ دیتا ہے

بُنیادی اصول بتلا دیئے گئے ہیں کہ حیض کی حالت میں عورت کے نزدیک مت جاؤ۔ جب تک کہ پاک و صاف نہ ہو جائے۔ بُنیادی اصول کے بعد تفصیلی کیفیات یعنی بائی لاز کے متعلق مُعاملات کو لوگوں کی عقل پر چھوڑ دیا گیا۔ قرآن حکیم اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ قانون کی آخری حد انسان کے آگے پیش کر دی جائے، بلکہ وہ بنیادی اصول بتلا کر تفصیل کے متعلق ہر ایک آدمی کو اس کی طبیعت اور حوصلہ پر چھوڑ دیا ہے، مثلاً اس نے

۱: اصل مسودے سے مٹ چکا ہے ۱۲ (م م)

یہ نہیں بتلایا کہ حیض سے پاک صاف ہونے کے بعد کب تک یا کتنی دفعہ عورت کے پاس جائے، یہ ہر انسان کی اپنی طبیعت اور خواہش پر منحصر ہے۔

قوموں کے زوال کے زمانہ میں انسان کی عقل گم ہو جاتی ہے اور خلافِ قاعدہ ہر ایک بات کے متعلق ہر آدمی قانون کی انتہا دریافت کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بار بار دریافت کرنے سے منع فرمایا ہے، حکم ہوتا ہے کہ جس قدر تمہیں ضرورت ہوگی اسی قدر بتلا دیا جائے گا۔ اس کے آگے تفصیلی کیفیات تم خود سوچ لیا کرو، ورنہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم تھا، مگر انہوں نے جرح و قدح کرکے قانون کی انتہا لینی چاہی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آسان سی بات کے لئے ان کو کس قدر پریشان ہونا پڑا۔ ہاں یہ ضروری امر ہے کہ بنیادی اصول ضرور دیئے جائیں گے، ورنہ انارکزم (لاقانونیّت) کے پھیلنے کا خطرہ ہے۔ کسی بنیاد پر مکان تعمیر کرنا نہایت آسان ہے، اس لئے کہ بنیادیں کھودی ہوئی ہیں اور نقشہ تیار شدہ موجود ہے۔ بنیادی اصول کا ہونا نہایت ضروری ہے، اور اس کے بعد بائی لاز (ضمنی قواعد) وقت کے بموجب انسان خود بنا سکتا ہے، مثلاً ایک حکیم نے کسی کو گنے کا رس چوسنے کے لئے تجویز کیا، حکیم نے تو اصولی بات بتلا دی، اب مریض کی اپنی غور و خوض اور سمجھ کا کام ہے کہ خواہ گنے کا رس گنڈیریوں کے ذریعہ یا کسی اور ترکیب سے چوسے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ الخ: خداوند تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا، تو حکمتِ الٰہی کا مقتضا یہی ہے کہ نوعِ انسانی باقی رہے، بلکہ بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں، اس لئے اس نے توالد و تناسل کے قویٰ آدمی میں پیدا کئے، اور نسل کی رغبتیں اس میں پیدا کر دیں، اور خواہشِ نفسانی کو اس پر غالب کر دیا، تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہو جائے، جس کو اس کی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے، جب خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس راز سے مطلع کیا اور اصلی حالت آپ پر منکشف (ظاہر) ہو گئی، اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کریں جس سے قطع نسل / نسل کشی ہوتی ہے۔ یا ان سے وہ قوتیں معطل (بیکار) ہو جاتی ہیں جو نسل کا باعث ہوتی ہیں، یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے۔ لواطت اور چپٹی سے یعنی عورت کا عورت سے صحبت کرنا وغیرہ ان تمام باتوں سے سختی سے منع کر دیا اور عزل (یعنی انزال کے وقت مرد کا عورت سے الگ ہو جانا تاکہ حمل قرار نہ پائے) کو مکروہ قرار دیا۔

۳۲۵ ۔ زوال پذیر اقوام میں خلاف قاعدہ فضول سوالات کی عادت۔

۳۲۶ ۔ بنیادی اصول کے بغیر لاقانونیت آ جاتی ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

ش ۳۳۷ "جنسی تعلقات کا مہذب انداز ذکر"

اب[۳۳۷] بتلایا کہ عورتیں جب پاک ہو جائیں تو ان کے نزدیک جاؤ، اس لئے کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ قرآن حکیم نے انسان کی دنیاوی اور روحانی زندگی کے لئے اس قسم کے مہذب الفاظ میں ہدایت جاری کی ہے کہ تمام دنیا کے مذاہب اس خوبی سے قاصر ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ اگرچہ یہ ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا جن کے شعراء میاں بیوی کے تعلقات کو نہایت گندے اور فحش اور غیر مہذب الفاظ میں بیان کرنا فخر سمجھتے تھے، مگر قرآن حکیم کی ہدایت کی پاکیزگی کا دنیا کی کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی، اس کے متعلق دنیا کی دیگر کتب مثلاً انجیل، زبور، تورات، شاستر اور ستیا رتھ پرکاش کی زبان سے مقابلہ کرنے سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ عورت[۳۳۸] کو کھیتی اس لئے کہا جا رہا ہے کہ عورت کی ذات ہے جو بچہ کی پرورش کرتی ہے اور اسی کے ذریعہ انسان کا چال چلن ڈھالا جاتا ہے، اور اسی سے بتلایا جاتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ پودے کا بڑھنا زمین کی خوبی پر منحصر ہے۔ اسی طرح ماں جو زمین کی مانند ہے اس پر انسان کی پرورش اور اس کے چال چلن کے ڈھلنے کا دارو مدار ہے۔

ش ۳۳۸ "ماں کا بچے کی تہذیب پر اثر"

ش ۳۳۹ "اولاد کی پیدائش، تربیت اور اس کی اہم غرض بین الاقوامی تحریک کا اصل بنانا"

وَقَدِّمُوا لِاَنۡفُسِکُمۡ الخ[۳۳۹] اولاد پیدا کر کے اپنے لئے آگے بھیجو، یعنی جس تحریک کو تم آگے چلانا چاہتے ہو، اس کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی اولاد کو تیار کرو، اور ان میں آگے بڑھنے کی استعداد پیدا کرو۔ وہ قانون کے اندر رہ کر ترقی کریں گے، اس طرح اپنی اولاد کی تربیت کرو، غرض یہ سلسلۂ تربیت، ابتداءً تمہاری عورتوں کے پاس ہوگا اور پھر تمہارے ہاتھ آئے گا، اوّل اس کی ذمہ داری عورتوں پر، پھر مردوں پر ہوگی۔ تو اس لفظ اور جملہ میں بتایا گیا کہ تمہاری ترقی اور تمہاری بین الاقوامی تحریک کی ترقی تمہاری اولاد کرے گی، بشرطیکہ ان کو ایسی تربیت دو کہ وہ مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کا کام دے سکے، اگر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا تو مسلمان دنیا میں بڑی ترقی کر جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے پاس جانے کا مدعا شہوت رانی نہیں ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ[۳۴۰] اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں میں عدالت و انصاف قائم کرو۔

ش ۳۴۰ "عدل قائم کرنے والوں اور قانون کے پابند لوگوں کو بشارت"

واعلموا اور یقین رکھو کہ تم اپنے اللہ سے ضرور ملو گے۔ اب جو شخص قانون کی پابندی کرتا ہے وہ اللہ سے مل کر خوش ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے بین الاقوامی قانون کا پابند رہا۔

وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ، اور مومنوں کو جو اس بین الاقوامی قانون کو آگے بڑھا رہے ہیں ان کو بشارت دو اور ان کی ہمت بڑھاؤ! اور ان لوگوں نے جتنا کام کیا ہے اس کے جتنے اچھے نتیجے نکلتے آئے ہیں ان کو سمجھا دو یہ معنی ہیں بشارت کے، یعنی ان کو بشارت دو کہ عنقریب ان کو حکومت ملے گی۔

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا

بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ، اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ الآیۃ:۔

[۳۴۱] یعنی بھلائی کے کاموں سے قسمیں کھا کر نہ ہٹ جاؤ! اور اللہ کے نام کو نیکی سے روکنے کیلئے استعمال نہ کرو! مثلاً ایک شخص ذکرِ الٰہی میں بیٹھ کر تمام اچھے کاموں سے خود رُک جاتا ہے اور لوگوں کو بھی سمجھاتا ہے کہ اللہ کا نام یاد کرو اور دوسرے کام چھوڑ دو، یعنی انسانی سوسائٹی میں اصلاح کرنا اگر چھوڑ دیا جائے تو پھر تمام اجتماع خراب ہو جائے گا، اصل میں خدا کا یاد کرنا یہ ہے کہ سوسائٹی میں نیکی کی رُوح پیدا کرنی چاہیئے، اور عدالت و تقویٰ کی رُوح انسانوں میں پیدا ہو، اور ان کے روزمرہ کے جھگڑوں سے ان کو خلاص (چھٹکارا) کیا جائے تاکہ اجتماع اچھے معنوں میں پیدا ہو جائے، مگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نام کو اس کے روکنے پر استعمال کرتا ہے، اور اصولِ سوسائٹی یہ ہیں [۳۴۲]:

(۱) نیکی کی رُوح جماعت میں پیدا کرنا یہ ہیں "بِر" کے معنی۔

(۲) لوگوں میں تقویٰ کی رُوح پیدا کرنا یعنی عدالت و انصاف اللہ تعالیٰ کے نام سے قائم کرنا۔

(۳) اِنسانوں میں صُلح وصفائی کا مادہ پیدا کرنا۔

بنیادی اصول سوسائٹی بنانے کے بتلا دیئے ہیں اور تفصیلات کہ کن مواقع اور کس جگہ پہ ان اُصولوں پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ اسے انسانوں کی فہم و فراست پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے کہ مصلحتِ وقت کے اقتضاء (تقاضے) سے جو صورت مناسب ہوگی، اسی طرح انسان اس پر کاربند ہوگا۔

[حاشیہ: ۳۴۱ — عملی کام کو چھوڑ کر محض رسمی ذکر اور اصلاحی کام اجتماعی خرابی کا باعث ہیں۔ ۳۴۲ — بہتر سوسائٹی کے اصول ۳]

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: نہیں پکڑتا تم کو اللہ بے ہودہ قسموں پر تمہاری لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دِلوں نے اور بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ○ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ الآیۃ:۔

قسم [۳۴۳] بمعنی شخصی قانون یعنی وہ قانون جو ایک آدمی اپنے مُتعلق تجویز کرے وہ قانون جماعت کے لئے نہیں، بلکہ شخصی قانون ہوتا ہے، یا ایک مُلک کے لوگ اپنے لئے کوئی قانون بناتے ہیں، تو یہ بھی قسم کے درجہ کا ہے، جب تک دُوسرے مُلکوں کو اس پر مجبور نہ کرے، اگر اس پر مجبور کیا تو چونکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کا نہ تھا اس لئے اس پہ دوسروں کو مجبور کرنا گناہ میں داخل ہوگا، خُدائی قانون [۳۴۴] وہ ہوتا ہے جو اقوامِ عالم

[حاشیہ: ۳۴۳ — "قسم" "شخصی قانون" ہے۔ ۳۴۴ — "الٰہی قوانین اور قومی یا ذاتی قوانین میں امتیاز"]

کے لئے بنایا جاتا ہے، اب یہ قانون "قسم" کے درجہ پر دو قسم کے ہیں۔ ایک لغو۔ دوسرا اپنی عزیمت سے تیار کر کے چلنا۔ اس آیت میں دونوں قسم کے قانون کا حکم بتا دیا گیا ہے۔

غرض انسان ایک قانون بنانا چاہتا ہے وہ اس کے متعلق سوچتا ہے مگر بعد میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے، اس کے بعد وہ ایک اور طریقہ سوچتا ہے، مگر وہ بھی اسے نامناسب دکھائی دیتا ہے، غرضیکہ آخرکار ایک اور طریقہ سوچتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کرتا ہے۔ اب جو انسان اس قدر سوچ سمجھ کر ایک راستہ اختیار کرتا ہے اگر اس پر چلنے میں غلطی کرتا ہے اور یہ اس بنائے ہوئے طریقہ کو بلا وجہ چھوڑتا ہے تو خطاکار ہے۔ اس کے متعلق اسے گرفت ہوگی، اس لئے کہ انسان کو قانون بنانے کے لئے بنیادی اصول بتا دیئے گئے ہیں تو اس بنیادی الٰہی اصول کے ماتحت (یعنی اس کے مخالف نہ ہو) اس نے اپنے لئے ایک راستہ نکالا تھا جیسے ایک انجینئر ہے اسے مکان کا نقشہ وغیرہ تیار کر کے حکم دیا گیا کہ اس نقشہ کے مطابق ایک عمارت تیار کرے، اب اگر وہ اس نقشہ کے مطابق عمارت تیار نہ کرے، تو وہ مجرم ہے۔ ہاں جو چیز غلطی سے ہوگئی یا کوئی بات بلا ارادہ زبان سے نکل جائے، تو اس کے متعلق انسان پر گرفت نہیں ہے، جو بات وہ سوچ سمجھ کر کرے اور اسے غلط طریقہ پر سرانجام دے، اس کے متعلق اس سے مؤاخذہ ہوگا۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾

ترجمہ: جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ الآیۃ

(ایلا) یعنی شخصی قانون، میاں بیوی دونوں ایک جگہ رہتے ہیں۔ میاں میں روزی کمانے کی طاقت اور قابلیت ہے اور بیوی میں بچوں کی تربیت کا سلیقہ ہے، غرض ان دونوں کے اتفاق سے گھر کی حکومت چلتی ہے۔ خاوند چونکہ مشقت کا کام کر سکتا ہے، اس لئے اسے بیوی پر کچھ تفوق حاصل ہے، ورنہ رتبہ میں دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں، اس لئے وہ دونوں محبت و الفت اور صلح و آشتی سے رہتے ہیں۔

غرض اس مثال سے حکومت کے متعلق سمجھایا جا رہا ہے کہ تمام آدمی ایک ہی مرتبہ کے ہیں، مگر نظامِ عالم کے چلانے کے لئے ایک سمجھدار آدمی اپنا سردار یا امام تسلیم کر لیا جاتا ہے، جسطرح خانگی زندگی میں میاں بیوی اور بچے وغیرہ سب مساویانہ حیثیت اور پیار و محبت سے رہتے ہیں، اسی طرح حکومت کے متعلق بھی ان کو حکم ہے کہ کوئی کام کریں تو آپس کے صلاح مشورہ سے کریں۔ غرض اسی لئے اسلام کے آغاز میں مجلسِ شوریٰ منعقد کی گئی تھی۔ یہ نہیں کہ حاکم نے جس طرح چاہا کسی کے مشورہ کے بغیر اسے سرانجام دیا،

بلکہ اس کے لئے مجلسِ شوریٰ سے صلاح و مشورہ لینا ضروری ہے۔

۳۵۰ اَب اگر میاں بیوی میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے، یا اختلاف ہو جائے، اور میاں اپنے لئے ایک شخصی قانون بنا لے، یعنی قسم کھالے کہ میں بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا، خواہ وہ کتنا ہی عرصۂ دراز کے لئے کھائے، مگر اسے ایک حد کے اندر رہنے کا حکم دیا گیا ہے، (موجودہ صورت میں چار ماہ کی قید کہی گئی ہے) اس کے بعد بھی اگر اختلاف رکھتا ہے، تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ یا تو رجوع کرے، یا بیوی کو الگ کرے۔ غرض اسی طرح حکومت کے بارہ میں اگر حاکم کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہے، تو اسے یا تو قوم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، یا استعفاء دے کر الگ ہو جائے، حاکم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غاصبانہ احکام یا اس قسم کے اور قوانین جاری کرے، اسے کچھ مدّت دی جائے گی، تاکہ اس عرصہ میں یا تو وہ اصلاح کرے ورنہ استعفٰی دے دے۔

۳۵۰ مخفیفِ حقوقِ نسواں کا ایک قانون (ایلاء)

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

ترجمہ: اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۳۵۱ یعنی اگر اصلاح نہ کرے تو اسے الگ ہو جانا چاہیئے یعنی استعفٰی دے دینا چاہیئے (طلاق کے مزید احکام سُورۃ النساء میں ہیں۔)

۳۵۲ وہ حاکم ہے کہ اس نے دُور اندیشی کی بات سوچی ہے۔ مگر مصلحت وقت نہیں کہ اسے رعایا کے سامنے آشکارا کیا جائے، اسکے لئے حکم ہے کہ وہ اسکے لیے رعایا کو کچھ وقفہ دے یعنی جیسے ایلا کیصورت میں طلاق کے لئے کچھ وقفہ دیا گیا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی قدر ہو کیونکہ یہ خانہ داری کا معاملہ (ہے) اس کو مثلاً سو (۱۰۰) میں ضرب دو، یہی طریقہ آج کل اسمبلی یا پارلیمنٹ یا کسی دوسری مجلسِ شوریٰ میں رائج ہے۔ مثلاً گورنمنٹ کوئی خاص راز کی بات کرتی ہے، مگر چند اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ عوام پر اظہار نہیں کیئے جاتے، اگر کوئی ممبر اس کے متعلق اپنی پارلیمنٹ میں اس مسئلہ کے متعلق سوال کر کے دریافت کرتا ہے تو گورنمنٹ ہمیشہ یہی جواب دیتی ہے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ عرصہ کے بعد بحث کرنے کی اجازت دی جائے گی، اگر اس وقفہ کے بعد گورنمنٹ رعایا کو مطمئن کر سکے، تو فبہا، ورنہ اسے حکومت سے دستبردار ہونا پڑے گا، اور اس کی بجائے دوسری پارٹی آئے گی۔

۳۵۱ دور اندیشی کے پیشِ نظر حکومتی اقدامات میں بھی رعایا کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔

۳۵۲ ایلا کی مدت چار ماہ کی نظام حکومت کے مسئلہ مدت مقرر کرنے کے لئے

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ

بُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدّت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا، اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق، اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، اور اللہ زبردست تدبیر والا ہے۔ (۲۲۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے آخر کا ترجمہ شروع کیا جائے تاکہ مطلب واضح ہو جائے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور ان کو منصفانہ طریقہ پر ایک دوسرے کے خلاف مساوی حقوق ہیں یعنی مرد اور عورت کے لئے خانہ داری کے متعلق [۳۵۳]، یعنی داخلی امور میں دونوں کے لئے مساویانہ حقوق ہیں۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ، اور مردوں کا درجہ تھوڑا سا بلند ہے، یعنی خارجی امور میں مرد کو تھوڑا سا تفوّق ہے۔ اس آیت کی اب حکومت کے متعلق تفسیر کیجئے! لوگوں نے آپس کے صلاح و مشورہ سے ایک بہترین آدمی کا انتخاب کیا داخلی معاملات میں ان تمام کے حقوق مساوی ہیں، مگر حاکم کو حاکمانہ طریقہ پر تھوڑا سا تفوّق ہوگا کہ وہ خارجی پالیسی میں ان سے ذرا بلند درجہ رکھے گا۔ حاکم صلاح [۳۵۴] مشورہ کے لئے ہر ایک آدمی کا دست نگر ہوگا، اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اور حاکم الگ ہو جائے تو حاکم کو ایک وقفہ تک نظرثانی کی اجازت ہے، اس لئے کہ اگر یہ اسی طرح الگ ہو گئے تو ان کا گھر یعنی قومی حکومت بہت جلدی تباہ ہو جائے گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، اگر دونوں فریق ملنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے کہ وہ آپس میں صلح و آشتی سے دوبارہ متحد ہو جائیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ میاں بیوی کا تعلّق قابلِ انقطاع ہے، یعنی دونوں تباہی سے بچنے کی خاطر ایک دوسرے سے الگ ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں یا دوسرے مذاہب کی مانند غیر قابل انقطاع نہیں، بعینہٖ حکومت کا یہی حال ہے کہ اگر حاکم ناقابل ہو تو اسے منصب سے علیحدہ کر دینا [۳۵۵] ضروری ہے، اور اس کا حق موروثی نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے بھی اسی طرح قابلِ انقطاع تصوّر کیا جائے۔ اسلام میں امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے اس کی قانون شکنی کی کہ اپنے بیٹے یزید کے لئے اپنی زندگی میں بیعت لی۔ مسلمانوں نے اس وقت اس پر اعتراض کیا، تو امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی سُنّت پر عمل کر رہا ہوں، صحابہ نے جواب دیا "نہیں" قیصر و کسریٰ کے طریقہ پر یعنی ابوبکرؓ نے اپنے لڑکے کو وارث قرار نہیں دیا، بلکہ وفات کے قریب لوگوں کو

[۳۵۳] "داخلی امور میں عورت مرد کے حقوق مساوی ہیں، مرد کی کچھ برتری خارجی امور میں ہے۔"

[۳۵۴] عوام اور حکمران حقوق کی مماثلت۔

[۳۵۵] "اسلام میں حکمران کا انتخاب جمہوری انداز سے ہے۔"

حضرت عمرؓ کے متعلق مشورہ دیا، اسی طرح[۲۵۶] حضرت عمرؓ نے شہادت کے وقت چھ اصحاب کے نام تجویز کئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک منتخب کر لینا، آپ نے لوگوں کو ایک مخلصانہ مشورہ دیا تھا، حکم کے طور پر نہیں کہا تھا، یہ لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا کہ اسے مانیں یا انکار کریں، حضرت عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ خلافت کے متعلق ان کے بعد بہترین انتخاب ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک جوان لڑکی ہے۔ اس کا باپ اس کے لئے بہت محنت اور تلاش کے بعد ایک خاوند کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی لڑکی کو اس سے شادی کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اب لڑکی کی مرضی پر ہے خواہ اس سے شادی کرے یا انکار کر دے اس کے باپ نے تو مخلصانہ مشورہ دے دیا۔

۲۵۶ انتخاب امیر کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا انتخاب کو معین کرنا مشورۃً تھا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ‌ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـــًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ‌ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ‌ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمہ: طلاق رجعی ہے دو بار تک، اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جبکہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا پھر

اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم، تو کچھ گناہ نہیں دونوں پہ اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے، یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو اس سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم (۲۹) پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر طلاق دے دے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم (۳۰) اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے۔ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الآ یتین۔

ان آیات[۳۵۷] میں اسلام نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں ملاپ نہ ہو سکے تو مرد چند حالتوں کے اندر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، عورت کو چونکہ مرد سے مساویانہ حقوق اسلام نے دیئے ہیں اسے بھی مرد کی مانند اختیار دیا گیا ہے کہ جو کچھ اس نے مرد سے حاصل کیا ہے اسے واپس دے کر طلاق حاصل کر لے۔

آج[۳۵۸] کل سوشلسٹ پارٹی نے بہت چھان بین کے بعد تحقیق کیا ہے کہ اقتصادی ضرورت کے تحت جو رشتہ ہوگا وہ دیرپا ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ جو رشتے ہوں گے وہ بہت کم مدت تک قائم رہیں گے، اسلام نے اسی طرح اقتصادی اصول کے ماتحت میاں بیوی کا ملاپ کیا ہے، یعنی مرد کو عورت کی خوراک وغیرہ[۳۵۹] کا متکفل (ضامن) بنایا اور عورت کو مرد کے بچوں کی تربیت اور انتظامِ خانہ داری کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اسلام نے اسی لئے وراثت میں مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ تجویز کیا، اس لئے کہ عورت ایک حصہ تو اپنے باپ کی طرف سے وصول کرے گی اور اس کی ضروریات کا متکفل اس کا خاوند ہوگا۔ یورپ[۳۶۰] میں آج کل شادی کے متعلق ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ عورتیں اقتصادی حالت میں مردوں کی محتاج نہیں، بلکہ دونوں اپنی روزی الگ پیدا کرتے ہیں، اس لئے دونوں ایک دوسرے کی سخت بات کو سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے، بات بات پر جھگڑا ہے، غرض ان دونوں کا ملاپ کسی دائمی طریقہ پر نہیں ہے بلکہ عارضی طریقہ پر ہے جیسے ریل یا کسی سفر میں ملاقات ہوگئی۔

مرد[۳۶۱] پر چونکہ اقتصادی بوجھ ہے اس لئے اسے لازمی طور پر کچھ فوقیت دی گئی ہے، اس سے نتیجہ نکلا کہ ٹیکس دہندگان مجلس میں اپنی رائے دینے کا حق رکھتے ہیں۔

غرض[۳۶۲] ان آیات میں بتلایا گیا کہ میاں بیوی کے اوپر ایک تیسری طاقت بھی ہونی چاہیئے، جو ان دونوں کے خاندان سے ہو، اگر میاں بیوی میں کسی بات میں شکر رنجی بھی ہو جائے، تو یہ تیسری طاقت ان دونوں کے درمیان صلح و صفائی کرنے کی کوشش کرے، اگر تیسری طاقت دیکھے کہ میاں بیوی کی طبیعتیں مختلف الخیال ہیں تو ان کے درمیان آکر ان میں یا تو صلح و صفائی کرا دے، ورنہ ان کو امن کے ساتھ ایک دوسرے سے علیحدہ کرا دے، حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک عورت سے باغ واپس کرا کر اس کو طلاق دلوا دی تھی[۱]۔

[Margin notes:]
۳۵۷ "طلاق اور خلع کا قانون"
۳۵۸ "اقتصادی ضروریات کے تحت رشتہ دیرپا اور دائمی ثابت ہوتا ہے"
۳۵۹ "وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے دو چند کیوں"
۳۶۰ "یورپ کے خاندانی نظام کی تباہی کا سبب"
۳۶۱ "ٹیکس دہندگان کا حق رائے"
۳۶۲ "میاں بیوی میں نزاع کے حل کا عملی طریقہ"

لے ملاحظہ ہو البخاری عن ابن عباسؓ باب الخلع وکیف الطلاق فیہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی
اللہ کے رسول! ثابت بن قیس کے اخلاق یا دین میں، میں کوئی قدغن نہیں لگاتی لیکن (میں اس سے اپنی) ناموافقت کی وجہ سے اسلام میں کُفر کو پسند نہیں کرتی، تو
نے فرمایا کیا تو اُسے اسکا باغ واپس لوٹا سکتی ہے، عرض کی جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو فرمایا باغ قبول کر لے اور اسکو ایک طلاق دیدے۔ (بخاری
مطبع نور محمد دہلی، ۱۲ دع۔ق)

اسی طرح امیر المؤمنین علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائی میں مُسلمانوں کی ایک طاقت بالکل غیر جانب دار رہی، اور ان دونوں کے درمیان صُلح کرانے کی کوشش کی، یہی دستور آج کل بھی رائج ہے کہ جب دو طاقتیں آپس میں بھڑ جاتی ہیں تو ان کی تیسری طاقت (یعنی ان کی پارلیمنٹ بحث و مباحثہ کے بعد) صُلح کرا دیتی ہے، غرض میاں بیوی کے تعلّقات (حکومت کی پہلی منزل) میں بتلایا جا رہا ہے کہ اگر دو طاقتیں آپس میں جھگڑ بیٹھیں تو ان کی تیسری طاقت بیچ میں آکر ان کو سمجھا کر راضی کرے، اس تیسری طاقت کی عدم موجودگی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ دونوں طاقتیں تباہ و برباد ہو جائیں گی، مثلاً اگر آج ایک نے فتح حاصل کی تو کل دُوسرا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں آہستہ آہستہ بالکل تباہ ہو جائیں گے، اور کوئی غیر طاقت ان پر حکمران ہو جائے گی۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوٓا ءَايَٰتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِۦ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْءَاخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ: اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے، اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لیے تاکہ ان پر زیادتی کرو، اور جو ایسا کرے گا وہ بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا، اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی، اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے (۲۳۱) اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے ان ہی خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے، یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۳۲)

۳۶۴
"عورت اور مرد طلاق کے بعد دوبارہ شادی کرنے میں آزاد ہیں"

عورت[۳۶۴] و مرد طلاق کے بعد بھی دوبارہ شادی کر سکتے ہیں، لیعنی امیر یا حاکم ایسا قانون بناتے ہیں کہ مطلقہ عورت کو دوبارہ شادی کرنے سے منع کرتے ہیں یا کوئی عورت مطلقہ اگر اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ شادی کرنا چاہے اور رشتہ دار اس میں رکاوٹیں ڈالیں، اس کے متعلق منع کیا گیا ہے۔ غرض اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ عورت[۳۶۵] کو جو اختیارات و حقوق دیئے گئے ہیں، ان کو مت کچلو! یا دوسرے لفظوں میں حکومت کے معاملات میں حاکم کو اختیارات دیئے گئے ہیں، مگر ایک حد کے اندر، لیعنی حاکم کو اندھا دھند اختیارات نہیں دیئے گئے۔

۳۶۵
"حکومت کے معاملات میں حاکم کے اختیارات غیر محدود نہیں"

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲۳۳)

لے اس مقام میں الہام الرحمٰن میں آیت وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰیٰتِ (اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو۔ اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو اور اس کا یہ احسان بھی یاد کرو اس نے تم پر کتاب اور عقل و حکمت کی باتیں اُتاریں) کے تحت جو تفسیر کی ہے ہم اسکا ترجمہ و مفہوم پیش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اور جو مثالیں (حدود اللہ) ہم نے پیش کی ہیں یہ سب قانون کی مثالیں تھیں اور یہ اس لیے کیا تاکہ مسلمان اب اجتماعی حوالہ سے ان بنیادی قوانین جن کی بنا ر اور تعبیر قرآن پہ ہے کی رعایت رکھتے ہوئے اس بات پر استعداد پیدا کریں کہ خاندانی اجتماعیت کے ان قوانین اور مثالوں سے وہ اگلی منزلوں کے مسائل کا استنباط کریں جو تمام اُمتوں کی طبیعتوں کے مناسب ہو اور اس آیت ۲۳۱ (اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو) میں بھی یہی مُراد ہے۔

کہ ہم نے صرف یہاں مثالیں پیش کی ہیں کیونکہ وہ قوم جن پر قرآن اُترا ہے وہ اُمّی (ان پڑھ) تھی اور ان کی قدرت میں نہ تھا کہ وہ قواعد کلیہ کو محفوظ کر سکیں۔ سو یہ مثالیں مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ ایک تذکرہ تھا جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں اشارہ فرمایا گیا وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ آیت ۲۲۱ (اور اللہ لوگوں کے سامنے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔

پس اس سے تذکُّر (مزید سمجھ) حاصل کرنا اور مثالوں کو مقصود بالذات بنا لینا ہماری نگاہ میں آیاتِ خداوندی کو " ھُزُوًا " (مذاق) گردانتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جب ایک استاد کسی ایک شاگرد کو مثال کے ضمن میں قاعدہ (قانون) کی تلقین کرتا ہے جو اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو استاد یہی سمجھتا ہے کہ اس نے اس قاعدہ کو بالکل ضائع کر دیا ہے۔ نیز بعد کی عبارت ہماری فہم اور استدلال کی تائید کرتی ہے چنانچہ فرمان باری ہے۔ اور اللہ نے جو کچھ تم پر احسان کئے ان کو یاد کرو اور اس کا یہ احسان بھی یاد کرو کہ تم پر کتاب اور عقل کی باتیں اُتاریں کہ تم کو ان کے ذریعے نصیحت کرے۔

" کتاب " سے مراد " قاعدہ " ہے اور حکمت سے وہ مصالح (عمومی قواعد) ہیں جو کتاب اللہ میں موجود ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مُعلّم ان دونوں چیزوں کی تعلیم دینے کے لیے موجود ہیں۔ تو اب تم کتاب اللہ کا علم اور کتاب اللہ کی حکمت سمجھو، اسی بیان پر ہم کہتے ہیں کہ وہ آیتیں جن کے احکام ذکر ہوئے اگرچہ گھریلو امور کے متعلق ہیں لیکن " حکمت " خلافت کبریٰ میں (بین الاقوامی نظام) ان کی رعایت کرنے کو ضروری قرار دیتی ہے۔ (ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی ج ۱ ص ۲۶۹ ۱۲ ا ع ۔ ق)

اور بچے والی عورتیں دودھ پلادیں اپنے بچوں کو دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت، اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے، تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق، نہ نقصان دیا جائے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے، یعنی باپ کا اس کے بچہ کی وجہ سے، اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے، پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ وہ دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلاؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔ (۲۳۳)

اگر مرد عورت کو طلاق دے دے اور عورت اس کے بچے کو دودھ پلائے تو مرد کو واجب ہے کہ عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق نان ونفقہ دے۔ وَالْوَالِدٰتُ

۳۶۴ "بیوہ کو عدت کے بعد شادی کے معاملہ میں مکمل آزادی و اختیار ہو"

الطلاق معنی الآیات ظاھرٌ (قانون طلاق کے بعد کی آیات کی تفسیر ظاہر ہے[۳۶۵]) یعنی حکومت میں جو قوانین مرتب کئے جائیں وہ اس قدر سخت نہ ہوں کہ لوگ اس پر عمل ہی نہ کر سکیں، بلکہ لوگوں کی طاقت کے مطابق قوانین مرتب کرنے چاہئیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ

ترجمہ: اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہیئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن، پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے (۲۳۴) اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں، اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق۔

۳۶۶ "قانون ایسے ہونے چاہئیں جن پر قوم عمل کر سکے"

(۲۳۴) وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ الخ

عورت کو خاوند کے مرنے کے بعد مکمل آزادی دی گئی ہے، کہ وہ جہاں چاہے شادی کرے[۳۶۶]۔ اگر

اسے روکا گیا تو ممکن ہے کہ اس کا چال چلن بگڑ جائے، یعنی قانون بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ خلافِ فطرت قانون نہ بنائے جائیں۔

خلافِ فطرت قانون بنانے کی ممانعت۔

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے۔ (۲۳۵) کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر۔ (۲۳۶) اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے

اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔ ○

اس میں قانون کا احترام کرنا سکھایا جا رہا ہے، جب کوئی چیز کسی قانونی شکل میں آجائے تو اس کی عزت آگے سے (کم از کم) دُگنی ہو جائے گی۔ مثلاً کسی آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلق سے جو بچہ پیدا ہوگا اسے ہر ایک حرامی کہے گا، اور اگر مرد و عورت کی باقاعدہ شادی سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ نہ صرف تمام خاندان میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، بلکہ باپ کے بعد اس کا جائز وارث اور جانشین قرار دیا جائے گا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

ترجمہ: خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے، اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔ ○

نمازوں پر محافظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے آگے ادب سے کھڑے ہو جاؤ! غرض ادب سے کھڑا ہونا سکھایا جا رہا ہے، اگلی آیت میں چل کر بتلایا جاتا ہے کہ طلاق کے مسائل میں نماز کی آیتیں کیوں آگئیں۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

ترجمہ: پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار، پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔ ○

خوف کی حالت میں ادب سے کھڑے ہونے سے معاف کر دیا گیا ہے، اس کے آگے پھر طلاق کی آیات ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ جسطرح تم پر نماز کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح ان آیات کے احکام کی پابندی ضروری ہے، یعنی فرض ہے، یہ مت سمجھو کہ نماز وغیرہ تو دین ہے اور حکومت وغیرہ دُنیاوی کام ہے جس طرح تم پر دین مقدم ہے اسی طرح دنیا یعنی حکومت بھی از بس ضروری ہے۔

غرض نماز کی مانند اس قانون (حکومت) پر عمل کرنا فرض ہے، نماز امن کی حالت میں پوری پڑھی جاتی ہے، اور خوف کی حالت میں چند رعایتیں جائز قرار دی گئیں۔ اسی طرح امن کی حالت میں قانون کی پابندی فرض ہے، ہاں حالتِ خوف میں رعایت ادنیٰ درجہ پر ہے، مگر جب امن کی حالت عود کر آئے تو پھر امن کی حالت کے قوانین پر عمل کرنا فرض ہے، امن کی حالت میں مُلک میں سول قانون ہوتا ہے، مگر خطرہ کی حالت میں مارشل لاء یعنی فوجی قانون نافذ کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جب امن کی حالت نہ رہے یعنی کفار غلبہ کر لیں تو قانون پر مکمل صورت میں عمل کرنا معاف ہے۔ مگر قانونی رُوح پر عمل کرنا چاہیئے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیّت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدے کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

۳۴۳ یہ احکام احسان کے درجہ کے ہیں، یعنی مردوں کی طرف سے عورتوں پر زائد احسان کرنا۔ جس قدر بیوہ عورت کو وفات یا طلاق کے بعد اپنی آئندہ زندگی کی مشکلات پیش نظر آرہی ہیں آج کل تمدّنی حالت میں کہ بڑا خطرناک زمانہ ہے تو مردوں کو چاہیئے کہ اپنی عورت کے لئے کچھ وصیّت کر جائیں، تاکہ اس کا دِل کچھ تسکین کرے، اور اسی طرح مطلقات پر احسان کریں۔

۳۴۴ اب اس سے حکومت کا مسئلہ اس طرح استنباط ہو سکتا ہے کہ حاکم کو کمزور پارٹی پر ان کے حقوق سے زائد احسان کرنا چاہیئے، تاکہ وہ شکستہ خاطر پریشان حال نہ ہوں۔

حاشیہ: ۳۴۳ "تحفظِ حقوق نسواں کی ایک اور مثال بیوگان کی آئندہ زندگی کی مشکلات کا انتظام"

حاشیہ: ۳۴۴ "کمزور پارٹی کے ساتھ فراخدلی کا معاملہ"

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

۳۱ ع ۷ / ۱۵

ترجمہ: ۳۴۵ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو۔

ایک چھوٹی سی عملی زندگی یعنی گھریلو زندگی کے قوانین بنا کر بتلایا گیا کہ قانون کی رُوح تمہیں سمجھا دی گئی ہے، اب تم اپنے واسطے کوئی قانون بناؤ تو اس میں یہ رُوح قائم رہے۔

اس فصل میں ملک داری کی تیاری ختم ہوئی۔

حاشیہ: ۳۴۵ "اجتماعی زندگی کی بنیادی رسم کے مطابق باقی قانون بنانے کی دعوت"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تونے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ پھر ان کو زندہ کردیا، بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ○

اَلَمْ تَرَ الاٰیۃ :-

دشمن کا غلبہ ہے[٣٤٦] اور موت کا یقین ہے تو اس کا نام "جہاد" اور "بیعت علی الموت" ہے اور اگر برابر کا معاملہ ہے تو "قتال" ہے۔ اس جماعت پر دشمن کا غلبہ ہوگیا۔ اگر جنگ کرتے ہیں تو مرتے ہیں اس لئے بھاگ نکلے مگر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنگ میں مرجاؤ، ذلیل زندگی سے عزت کی موت اچھی ہے، تو موت کی جنگ انہوں نے کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور یہ جماعت[٣٤٧] زندہ قوم ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے احکام میں بڑی حکمت ہے۔

"وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ" الیٰ آخرہ :- شکر کے معنی[٣٤٨] ہیں دی ہوئی چیز کی قدر کرنی۔ دی ہوئی طاقت کو کام میں لاتا اور اگر حکم ملے تو کام کرنا یہ شکر ہے مگر اکثر لوگ بات کی تہہ کو نہیں پہنچتے اور مرنے پر دل نہیں رکھتے ورنہ موت میں حیات ہے۔

٣٤٦ "جہاد اور قتال میں فرق"
٣٤٧ "قوموں کی حیات و ممات"
٣٤٨ "شکر کا مفہوم"

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بے شک خوب سنتا جانتا ہے۔ ○

نوٹ[٣٤٩]: اگر تم کو حیات کی طلب ہے تو جنگ کرو اس سے تم زندہ قوموں میں شمار ہوگے۔ غرض ان دونوں آیات کا مطلب یہ ہے

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ :-

کہ جب تم جنگ کے لئے روانہ ہو تو موت کے خیال کو دل سے نکال دو، مقابلہ کیلئے پوری جان نثاری دکھلاؤ اور جان فروشی کی مثال دو اگر بالفرض تم جنگ میں شہید بھی ہوجاؤ تو شہادت کو موت مت سمجھو بلکہ اسے حیات سمجھو، مرنے سے موجودہ زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا بلکہ نئی زندگی کا دور شروع ہوتا ہے، جب تک تم موت کا ڈر اپنے دل سے نہ نکال لو، تب تک "قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" میں جو حکم ہے تمہیں اس پر یقین نہیں آسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں دوبار موت پر بیعت ہوئی اور قتال موت کی طلب پر ہوا یعنی صحابہؓ اپنی حیات سے ہاتھ دھو کر لڑے[٣٨٠]، دونوں بار فتح ہوئی، پہلا[٣٨١] واقعہ بدر کا ہے، دوسرا احزاب کا ہے، حدیبیہ میں بھی بیعت علی الموت ہوئی، جس سے قریش نے ڈر کر صلح کرلی تھی۔ غرض حکومت میں لڑنے والی جماعت یعنی فوج کا ایک شعبہ ہونا چاہیئے یہ مقصود ہے "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کا۔

٣٤٩ "انقلابی قومیں موت کو زندگی سمجھ کر باطل کا مقابلہ کرتی ہیں"
٣٨٠ "صحابہ کی مدد"
٣٨١ "احزاب اور حدیبیہ میں موت پر بیعت"

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ: کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲۴۵﴾

جنگ میں[۳۸۲] روپیہ پیسہ کی بہت ضرورت ہے تو اس کا حکم شروع ہوتا ہے، جنگ سے اوّل مخالف حکومت کی رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں کر لینے چاہئیں، اور ان کی غریب و امیر رعایا کو اپنے احسان سے قید کر لینا چاہیئے یہ ہے قرض حسنہ اور جنگ جب جاری ہو جائے یا اس کی تیاری میں خرچہ کرنا، یہ ہے انفاق فی سبیل اللہ اور اپنی قومی اندرونی نظام میں خرچہ کرنا یہ ہے زکوٰۃ یعنی کسی گروہ کے پاس اگر ضرورت سے زائد روپیہ ہے تو اسے چاہیئے کہ اس روپیہ کو قومی و ملّی حکومت کو بطور قرض حسنہ دے تاکہ قومی حکومت اسے مُلکی مفاد میں خرچ کرے مُہذّب حکومتوں میں یہی دستور رائج الوقت ہے۔

۳۸۲ "قرض حسنہ" انفاق فی سبیل اللہ کا اور زکوٰۃ میں ایک مفہوم"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد جب انہوں نے کہا اپنے نبیؑ سے مقرر کر دو ہمارے لیے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں، پیغمبر نے کہا، کیا تم سے یہ بھی توقع ہے اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے کہ ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے، پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو ﴿۲۴۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی

یعنی لڑائی کی آرزو کرتے ہو[۳۸۳] مگر خیال رکھو کہ جنگ کرنا ایک عظیم الشّان کام ہے۔ جب اس کا حکم دیا جائے

۳۸۳ جنگ کے لئے توکّل علی اللہ ہمت و استقامت کی شرط

گا تو بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ اب علمی طور پر ہر ایک واقعہ (بعد موسیٰ علیہ السّلام کا) بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح ایک قوم کو جنگ کی اجازت دی گئی، مگر ان میں سے بہتوں نے ہمت ہار دی، آخر اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھنے والے کامیاب ہوئے۔

۳۸۴ "قصہ جالوت و طالوت"

موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بنی اسرائیل کا ایک مدّت تک کام بنا رہا، مگر جب وہ فسق و فجور میں مُبتلا ہو گئے تو ان پر غنیم لشکر مُسلّط کیا گیا، ان کے پاس ایک صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے تبرکات تھے اور اسی میں تورات بھی جسے بنی اسرائیل سرداران فوج کے آگے آگے لے کر چلتے تھے اور جب دشمن پر حملہ کرتے تو اسے آگے رکھ لیتے، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو فتح نصیب کرتا۔ [۳۸۴] جب جالوت کافر بادشاہ نے ان (بنی اسرائیل) کے شہر چھین لئے تو ان کا صندوق بھی چھن گیا۔ بنی اسرائیل وہاں سے بھاگ کر بیت المقدس میں آئے اور شمویل پیغمبر سے درخواست کی کہ کوئی با اقبال بادشاہ مقرر کیا جائے کیونکہ وہ بغیر با اقبال بادشاہ کے نہیں لڑ سکتے تھے۔ ان کے نبی نے کہا کہ جنگ کا حکم دینے پر تم نافرمانی نہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دشمن کے خلاف جنگ نہ کریں، جب اس نے ہمارے بچّوں کو قتل کر دیا ہے اور ہمیں ہماری زمینوں سے بے دخل کر دیا ہے، مگر جب ان کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بہت کم استقلال پر رہے، باقی تمام منحرف ہو گئے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

ترجمہ: اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیوں کر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا۔

۳۸۵ "سلطنت کسی خاندان یا مال دار کی میراث نہیں بلکہ اس کے لئے علمی استعداد اور انتظامی قوت شرط ہے"

بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت بادشاہ مقرر ہوا، مگر بنی اسرائیل نے اسے اس بناء پر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اس قوم میں پہلے سے سلطنت [۳۸۵] نہ تھی اور وہ کسب و محنت کر کے

ؔ مولانا عبدالحی فاروقیؒ درس قرآن میں رقمطراز ہیں۔ طالوت بن کش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے بہت بڑے سب سے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں، ان کا زمانہ ۱۰۲۸ ق م سے ۱۰۱۲ قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ آپ قبیلۂ ابن یامین سے تھے۔ آپ کا خاندان معمولی درجہ کا تھا۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا تھا وہ کوئی خاص مالدار اور دولت مند بھی نہ تھے۔

غلط اندیش یہودیوں نے آپ کے سپہ سالار مقرر ہونے پر یہی اعتراض کیا کہ وہ کوئی مالدار نہیں ایک غریب آدمی ہیں بھلا ہم دولت مندوں پر ایک غریب کو کیسے سرداری مل سکتی ہے۔ حکومت اور سرداری تو امیروں کا پیدائشی حق ہے۔ اللہ نے اپنی آخری کتاب میں یہودیوں (یا مادہ پرست قوموں کے) اس غلط تصور کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ آئندہ کوئی قوم دولت و ثروت سرداری کا معیار نہ سمجھے۔ انتہی ملخصاً ملاحظہ ہو درس قرآن طبع ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور ج ۱ ص ۳۱۴ ۱۲

"قیادت کی خصوصیات" پر مولانا محمد تقی امینی کا پمفلٹ شائع کردہ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ۱۹۹۴ء مسلسلہ ۳۴ پوسٹ بکس نمبر ۳۶۳ ملتان بہت مفید ہے ۱۲۔ (ع ت)

اپنی روٹی کماتا تھا، اس لئے ان کی نظروں میں نہ جچتا، بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا اسے ہم پر بادشاہ کیوں بنایا جا رہا ہے، جبکہ اس کے پاس کافی دولت موجود نہیں۔ نبی نے جواب دیا کہ سلطنت کسی خاص آدمی کا حق نہیں ہے، اللہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس کا علم وسیع اور طاقت تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ع ۳۲

ترجمہ: اور کہا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلّی خاطر ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰؑ اور ہارونؑ کی اولاد اٹھا لاویں گے اس صندوق کو فرشتے، بے شک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ ﴿۲۴۸﴾

۳۸۶ «تعلق باللہ اور دیجی پیمبر کی ظاہر نشانیاں»

نبی نے کہا طالوت[۳۸۶] کے بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے کہ تمہارا چھینا ہوا صندوق تمہاری تسلّی کے لئے اللہ تعالیٰ تمہارے پاس بھیج دے گا، غرض طالوت بادشاہ ہوا تو غنیم دشمن کے شہروں میں وبا پڑی جس سے کئی شہر برباد ہو گئے۔ کافر بادشاہ نے لاچار اس صندوق کو ایک گاڑی پر لاد کر ہانک دیا، اور بیل اس گاڑی کو کھینچ کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَاقُوا اللَّهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹

ترجمہ: پھر جب نکلا طالوت فوجیں لے کر، کہا بے شک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے، سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں، جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے، پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے، پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے، تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے، بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ۝۲۴۹

ف ۳۸۷ مجاہدین کی آزمائش

طالوت [۳۸۷] بادشاہ نے صرف جوان آدمی بھرتی کرنے کے لئے تاکید کی تھی، مگر پھر بھی ایک لشکرِ عظیم جمع ہو گیا، اس نے ان کو آزمانا چاہا اور فوج کو ایک منزل تک پانی دستیاب نہ ہوا، اس کے بعد پانی کی ایک نہر ملی، اس نے حکم دیا اس نہر سے ایک چلو پانی سے زیادہ کوئی نہ پیئے اور جو کوئی اس کے خلاف عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے، غرض اس لشکرِ جرار سے بہت کم آدمی اس امتحان میں کامیاب اُترے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بھائی بھی شامل تھے، جب فوج بالمقابل ہوئی، انہوں نے غنیم کی فوج کو جو مور و ملخ سے زیادہ تھی دیکھا تو اپنے بادشاہ سے لَا طَاقَةَ لَنَا [۳۸۸] الخ کہا (کہ ہم میں جالوت کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے) مگر جن کو اللہ پر ایمان تھا، وہ کہنے لگے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایک چھوٹی سی جماعت ایک کثیر جماعت پر غالب رہی ہے، یعنی اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ ایک چھوٹی منظم جماعت ساری دنیا پر غالب آسکتی ہے۔ یہ نہیں کہ لڑاکے جوانوں کی کثرتِ تعداد سے ہی زبردست حکومت ہو سکتی ہے، بلکہ تھوڑی جماعت بھی ہو مگر منظم جیسا کہ آیت ۲۱۶ میں ذکر ہے۔ آج کل چھوٹی چھوٹی طاقتیں تمام دنیا پر محیط ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی اصول پر عمل کر رہے ہیں، اور اسی لئے ان میں منظم طاقت ہے، خود انگریزوں کو دیکھو کہ ہندوستان میں ایک ضلع میں چند انگریزوں نے تمام ضلع کو قابو میں رکھا ہوا ہے اور اسی طرح ہندوستان میں انگریزوں کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں، مگر اس کے باوجود وہ چالیس کروڑ انسانوں پر صرف ہندوستان ہی میں حکومت کر رہے ہیں۔

ف ۳۸۸ "چھوٹی منظم جماعت زبردست حکومت قائم کر سکتی ہے"

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰

ترجمہ: اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے

دِلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر۔ ○

دُعاء۔ قاعدہ[۳۸۹] ہے کہ انسان جس چیز کی خواہش کرتا ہے اس کے حصول کے لئے ہر ممکن سعی کرتا ہے اور ہر ممکن ذرائع استعمال میں لاتا ہے اور جب اس کام کا مُصمّم ارادہ کرتا ہے تو اللہ سے اس کی تکمیل کی دُعاء کرتا ہے۔ اس دعا میں تو ضرور تاثیر ہوگی۔ اس کے[۳۹۰] برعکس ایک آدمی ہے جو اپنی قوم و مُلک کے خلاف قوم فروشی و وطن فروشی میں دن رات مصروف ہے، مگر ساتھ ہی دعاء بھی کرتا ہے کہ اے اللہ میری قوم و ملک کو عزت دیجئو تو اس دعا میں خاک تاثیر ہو گی، اس کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ سب دعاء مقبول ہے، مگر قطیعہ رحم وغیرہ کی دعاء قبول نہیں الحدیث بمعناہ مختصراً یعنی جب اپنی قوم کی بھی خواہی (بھلائی) کے برعکس قدم اٹھاتا ہے تو اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی۔

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

ترجمہ: پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے، اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا، اور اگر نہ ہوتا دفع کر دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ہے ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔ ﴿۲۵۱﴾

تورات[۳۹۱] میں ہے غرض مقابلہ میں جالوت خود میدان میں آیا۔ اس کا بدن لوہے میں غرق تھا، صرف ماتھا کُھلا ہوا تھا اور کہا کہ میں تم سب کی کفایت کرتا ہوں میرے مقابلہ پر آؤ، شمویل پیغمبر نے حضرت داؤد کے والد کو بُلایا اور ان کے لڑکوں میں سے حضرت داؤد کو مقابلہ کے لئے پسند کیا، حضرت داؤدؑ نے فلاخن میں ایک پتھر رکھ کر جالوت کو مارا جو اس کے ماتھے پر لگا اور اس کا بھیجا نکل گیا۔ اس کے بعد طالوت نے اپنی بیٹی کی شادی داؤد سے کر دی جو اس کے بعد ایک جلیل القدر بادشاہ ہوا۔ یہ مضمون تورات کا[۵] ہے اور قرآن حکیم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد حضرت داؤد کو بادشاہ کیا گیا۔ اصل بات[۳۹۲] یہ ہے کہ جنگی افسر سے انتظامی ملک داری نہیں ہو سکتی۔[۳۹۳] اس کے لئے حلم اور حوصلہ اور معاملہ شناسی ہونی چاہیئے۔ اس لئے جب فتح ہوئی تو یہ اوصاف داؤد علیہ السلام میں پائے گئے۔ وہ ایک نہایت رحمدل انسان اور معاملہ کی تہ کو پہنچنے والا اور حلم والا تھا اور یہ جوہر اس کے اس لڑائی میں ظاہر ہوئے۔ اس لئے قوم نے اس کو حکومت کی باگ دی اور امیرِ لشکر ویسے طالوت رہا۔ یہ ہے مضمون قرآن حکیم کا اور تاریخ میں ایسی ہزاروں

[۳۸۹] "مخلص اور باعمل افراد کی دعائیں تاثیر ہوتی ہے"

[۳۹۰] "قوم دشمن وطن فروش ذہنیت والے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی"

[۳۹۱] "جنگ میں کامیابی کا مدار صرف جسمانی و مادی قوت پر نہیں"

[۳۹۲] "فتح کے بعد فوجی لاٹ حکومت چلا نا نہیں"

[۳۹۳] "انتظام مملکت چلانے کے لئے حوصلہ اور معاملہ شناسی کی ضرورت"

[۵] ملاحظہ تورات کتاب سموئیل باب ۱۷ آیات ۴۸ تا ۵۰ و باب ۱۸ آیات ۶۵ تا ۲۸ طبع برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۵ء عتیق)

مثالیں موجود ہیں۔

غرض اس واقعہ سے بتلایا کہ جنگ حق کے لئے ہونی چاہیئے اور جنگ چھڑ جانے پر پوری قوت سے دشمن کا مقابلہ ہونا چاہیئے اور دشمن کی کثرت تعداد سے کبھی نہ گھبرانا چاہیئے، بلکہ اس کے برعکس اپنے آپ کو منظم کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ پہ ایمان رکھ کر مقابلہ کرنا چاہیئے کہ فتح و شکست اسی کے اختیار میں ہے اور ملک فتح ہونے پر پریزیڈنٹ اس کو بنانا چاہیئے جس میں انتظامی قوت اور ملک داری کے معاملہ شناسی میں دخل ہو اور داؤدؑ نے چھوٹی سلطنتوں اور حکومتوں کو ایک بین الاقوامی سلطنت قائم کر دی اور اس میں انتظامی قوت اور فیصلہ کی عالی قوت تھی۔ جیسے کہ قرآن میں ہے۔

اٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (یعنی اس کو بہت بڑی سمجھ عطا کی گئی تھی)۔

کشاف الہدیٰ مرتبہ یعقوب حسن مدراس ص ۳۷ اور ص ۵۴ میں لکھتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت کے ساتھ حکمت بھی عطا کی گئی لہٰذا قوتِ فیصلہ اس میں بہت شاندار رکھی گئی تھی۔

۲۹۴ "ملک گیری کے اوصاف"

اس کے علاوہ اُس کو شاعرانہ طبیعت بھی دی۔ علم و ادب کی تاریخ میں نظم کو نثر پر تقدم اور فضیلت حاصل ہے، ہر قوم اور ہر علمی زبان کا جو پہلا ادیب ہوا وہ شاعر ہوا ہے، اس زمانہ میں بھی جب کہ لکھنے پڑھنے کا نام تک نہیں تھا، شعراء کا کلام برابر کئی کئی صدیوں تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہتا تھا، سب سے زیادہ قدیم شاعر جس کا کلام ہم تک پہنچا ہے وہ یونان کا مشہور ہومر ہے جو ۱۰۰۰ ابراہیمی میں تھا، یعنی حضرت مسیح سے ایک ہزار برس قبل اور داؤدؑ ہومر سے بھی ایک صدی پہلے تھے اور آپ کے بعد یونان میں نامی گرامی حکیم سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، جالینوس، فیثاغورث اور ایسے ہی بیسیوں حکیم پیدا ہوئے جن کی تعلیم و تدریس سے یونان علم و فضل و حکومت کا گہوارہ بن گیا تھا۔

۲۹۵ "سب سے پہلا شاعر داؤدؑ"

ابراہیم علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے پورے دو ہزار برس قبل پیدا ہوئے تھے۔ عیسوی سنہ دو ہزار برس کا اضافہ کر دینے سے ابراہیمی سنہ بن جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے ساتھ اسلام کی بنیاد قائم کر دی تھی۔ ابراہیمی سنہ کو اسلام سے بہت بڑا تعلق ہے۔ اس لئے اس کو عیسوی سنہ پر ترجیح دی جانی چاہیئے۔

۲۹۶ "ابراہیمی سنہ کی اہمیت"

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ: یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک، اور تو بے شک ہمارے رسولوں میں ہے۔ ﴿۲۵۲﴾

تجھے اپنے احکام سنا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ طالوت کے واقعہ میں تمہارا لائحہ عمل بتلا دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو یقیناً دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرو گے۔ جنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہ عمل کیا۔

۲۹۷ "گذشتہ قوموں کی تاریخ میں مسلمانوں کے لئے دستور عمل کا خاکہ"

الجزء ۳
وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۳۳

ترجمہ: یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبریل سے اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر چاہتا اللہ تو باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ ﴿۲۵۳﴾ ۳۹۸

س ۳۹۸ "رسولوں میں درجات فضیلت اور حضور کی جامعیت"

اس میں یہ اصول بتلایا کہ کچھ نبی مراتب میں دوسرے انبیاء سے افضل ہیں۔ اس میں درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فضیلت کا تذکرہ ہے، گزشتہ آیت میں بتلایا کہ داؤد علیہ السلام کو جلیل القدر بادشاہ بنایا، اس آیت میں بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل کی روحانی تکمیل کے لئے روانہ کئے گئے، اور دونوں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں اور ان کی فضیلت کا بار بار ذکر کرتے ہیں، اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اس شہادت کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اس کا مکرر ذکر آتا ہے اور انبیاء کو جو فرداً فرداً فضیلت دی گئی تھی، ان تمام کا مجموعہ ہم نے آپؐ میں جمع کر دیا ہے، اس واسطے آپؐ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپؐ دنیا کی تمام قوموں کے لئے رحمت بن کر آئے اور ایک بین الاقوامی قانون تمام دنیا کے روبرو پیش کر کے اس کو کامیاب بنا دیا اور ایسا انقلاب دنیا میں دکھلایا کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی اور اپنے پروگرام پر دنیا کو چلا کر ایک متحدہ ذہنیت بنا دی اور قیصر و کسریٰ جیسی ظالم سلطنتوں کو جو بڑی شان و شوکت سے حکومتیں کر رہی تھیں ان کو تہہ و بالا کر کے نئی (عادلانہ اجتماعی) حکومت قائم کر دی۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسٰى الی آخرہ۔ ع اس کے لئے دیکھو آیت ۸۷۔

ﮯ دیکھو سورۃ الانبیاء آیت ؎ ۱۲

ﮯ آیت کا ترجمہ یہ ہے" اور دی ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اسکو روح پاک سے، پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا"

ترجمہ شیخ الہند ص۱۲ رشیدیہ لاہور) ۱۲ (ر م ت ق)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم۔

۳۹۹
بین الاقوامی حکومت کیلئے مالی قربانی کا حکم

حکومت بین الاقوامی کے لئے روپیہ جمع کرو! اتنا بڑا اعظیم الشان انقلاب سوائے اخراجات کے مکمل نہیں ہو سکتا، اپنی دولت کو اس کام کے لئے وقف کر دو! اور آگے آیت الکرسی میں بیان ہوتا ہے کہ سلطنت اللہ تعالیٰ کی ہے جو اس کے بندوں پر ظلم کریگا برباد کر دیا جائیگا۔

ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

ترجمہ: اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے، نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے، جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو، اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔ ﴿٢٥٥﴾ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

س ۴۰۰
"باری تعالیٰ کی حقیقی کا جامع تصور"

باری تعالیٰ کی تعریف اسلام نے جو ان آیات میں کی ہے دنیا کے تمام مذاہب ایسی جامع اور پُر معنی تعریف سے قاصر ہیں۔ اسلام نے سب سے پہلے یہ سکھلایا کہ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے اور کوئی ہستی اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس سفارش نہیں کر سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے ہاں

ن ۴۰۱ "شفاعت کے لیے اذنِ الٰہی شرط ہے"

سفارش ہوسکتی ہے مگر اس کی اجازت سے، یہ درست ہے کہ اسلام اس اصول کو نہیں مانتا کہ خدا کے ہاں سفارش کے لئے سفارشی چاہیئے۔ اس لئے عیسائی اصولِ نجات سے اسلام متّفق نہیں، مسلمانوں کا رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، ان کے لئے خُلقِ عظیم ہے جو انسانی کمالات کا جامع ہے اور آپ نے دُوسروں کو مکمّل انسان بنانے کے لئے ایک شاہراہ بتلادی ہے، جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں، وہ صحیح معنوں میں مکمل انسان ہو سکتے اور اسی کو اسلام میں نجات کہتے ہیں مگر چونکہ ہر ایک انسان مکمّل نہیں ہو سکتا اس لئے رحمت باری تعالیٰ غالب آئے گی اور اس کے اذن سے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انسانوں کی غلطیاں معاف کرانے کے لئے سفارش کریں گے۔ ۴۰۲

ن ۴۰۲ "شفاعت بھی دراصل اعمال کا نتیجہ ہے"

مسئلہ شفاعت: قرآن شریف میں ہے کہ انسان کو اس کی ذرّہ بھر نیکی اور بُرائی کا بدلہ ملے گا، نیکیوں کا بدلہ جنّت، بُرائیوں کا دوزخ ہے، انسان کے تمام اعمال لکھے جاتے ہیں، ان کی جزاء وسزا اسے اس دُنیا میں ملتی رہتی ہے، مثلاً ایک شخص بغیر زادِ راہ کے دُور کا سفر کرتا ہے، ضروری ہے کہ اسے راستہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑیں، غرض ان اعمال کو قیامت کے دن بھی اس کے روبرو کیا جائے گا، انسان کے سب عمل لکھے جاتے ہیں، مگر جو خیالات وہ صرف دل میں لاتا ہے، وہ کسی طرح ظاہر نہیں ہوتے نہ لکھے جاتے ہیں مثلاً ایک شخص حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بہت محبّت کرتا ہے، گو اسے اس کے اظہار کا موقع نہیں ملتا، حساب کے دن اس کی یہ محبّت پیش نہیں ہوگی، کیونکہ فرشتوں نے اسے نہیں لکھا، اس کا علم اللہ کو ہے۔ اللہ اس دن اپنے رسولؐ کو حکم دے گا کہ آپ اس کے لئے سفارش کریں، غرض شفاعت بھی دراصل اعمال کا نتیجہ ہے۔ [ص۱]

ن ۴۰۳ "ظالم کی حکومت کا انجام اس کی بربادی ہوتا ہے"

۴۰۳

اس آیت کا قبل سے ربط ہے کہ ظالم حکومت کو اللہ تعالیٰ برباد کرتا ہے اور ظالم حکومت جتنی جابر ہو اور اس کی طاقت اور لشکر جتنا بھی ہو اس کو فنا کر دیتا ہے اور اس پر رحم کی نگاہ نہیں کرتا کیونکہ وہ دانا اور بینا ہے، اپنی مخلوق کو خود سنبھالتا ہے، اُسے ظالموں کے ہاتھ میں نہیں دیتا۔

ن ۴۰۴ "حقیقی بین الاقوامی حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے"

غرض آیت الکرسی کا مطلب یہ ہے کہ بین الاقوامی حاکم اللہ کے سوائے کوئی نہیں ہے، اللہ کی حکومت یہ ہے کہ اس کے قانون رائج ہوں، جو نوعِ انسان کی تکمیل کے لئے نازل کئے گئے ہیں اور کوئی طاقت اس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کر سکے، غرض قانونِ الٰہی جب دنیا کو دے دیا گیا، تو صرف اللہ کی حکومت ہوگی آپؐ کے مبعوث ہونے اور کتابِ الٰہی کے نازل ہونے پر دنیا میں قانون کی حکومت ہوگی، جس میں اللہ کا قانون نافذ ہوگا اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔

ص۱ اس مسئلہ پر حضرت امام سندھیؒ نے امام الائمہ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کی روشنی میں مقامِ محمود تفسیر سورۂ ابراہیم پ۱۳ کے آخر میں نہایت عمدہ کلام کیا ہے، ملاحظہ ہو مقامِ محمود جلد سوم ص۲۱۰ تا ۲۱۳ مطبوعہ بیت الحکمۃ کبیر والا ملتان ۱۲ (ع۔ ق م)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں، بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے، اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

ش ۴۰۵ "طاغوت کا مفہوم"

طاغوت ش۴۰۵ = وہ انسانی طاقت ہے جو انسان روشنی سے اندھیرے کی طرف لے جائے، اس آیت میں خدا اور طاغوتی حکومت کا فرق بتلایا کہ جو انبیاء ہو کر انسانوں کی طرح رہے، انسانوں سے مشورہ لے کر قانونِ الٰہی نافذ کرے، یہ انسان حاکم ہے، اور جو خود خدا بن کر حکومت کرے اور جو جی میں آئے اسے ہی بطور قانون پیش کرے، اپنی رسومات زبردستی سے منوائے۔ یہ طاغوتی حکومت ہے، کیونکہ انسان اصل فطرت میں آزاد پیدا کیا گیا ہے، اس کو لاچار کر کے اس پر حکومت کرنا یہ اکراہ ہے، مگر ظلم دور کرنا اور ظلم کے طریقوں کو جہان سے زبردستی مٹانا یہ اکراہ نہیں بلکہ انسانیت کے فائدہ کے لئے ایک شخص کو ذاتی نقصان برداشت کرنا ہوگا اس لئے دین میں زبردستی سے بیاج، سود خوری کو منع کر دیا گیا ہے اور اس طرح زنا وغیرہ بداخلاقی کو۔

ش ۴۰۶ "طاغوتی حکومت غیر فطری قوانین کو جبر سے لاگو کرتی رہی"

ش ۴۰۷ "اکراہ فی الدین کی تفسیر"

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ع

ع ۳۴

ترجمہ: اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا، نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف، اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان، نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف، یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۵۷﴾

ش ۴۰۸ "قانونِ الٰہی کی پابند قوم کو مدد اور نور معاملے ہونے پر ملتا ہے"

اس میں بتلایا گیا کہ جو قانونِ الٰہی کے پابند رہتے ہیں، اللہ ان کا نگہبان ہوتا ہے، اس کی مدد سے وہ اندھیرے سے نکل کر صاف راستہ پر آتے ہیں اس کی آگے تین مثالیں دی گئی ہیں۔

(۱) ایک تو ظالم بادشاہ سے حضرت ابراہیمؑ کا مباحثہ۔

(۲) اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ الآیۃ۔

(۳) وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ الآیۃ۔

پہلی مثال میں ہے کہ طاغوت سے مقابلہ تقریری و تحریری ہوا، اور دوسری مثال میں ہے کہ اگر قوم کی گزران اس کے ہاتھ میں محفوظ ہو تو سو سال کے بعد بھی زندہ ہو سکتی ہے، اور تیسری مثال میں ہے کہ (رہبرِ قوم) کو چاہیے کہ ان کی سوشل اصلاح کرے اور ان کی اقتصادی و تعلیمی حالت کی اصلاح کرے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَۚ(۲۵۸)

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے ربّ کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو۔ (۲۵۸)

پہلی مثال جو ایسا بادشاہ جو لوگوں کی موت و حیات اپنے ہاتھ میں رکھ کر جبروت (طاقت و سرکشی) سے حکومت کرے وہ طاغوت ہے۔ ایسے سے لڑنا جھگڑنا ضروری بات ہے، یہ لوگوں کو اندھیرے میں ڈال رہا ہے، اور ان کی انسانیّت تباہ کر رہا ہے، اور انسانیّت کی آزاد خیالی اور آزاد فکری کو روک رہا ہے، تو ایسے طاغوت سے جس قدر مقابلہ ہو سکے، کرنا انسانیّت کا فرض ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مدد دے گا جو ایسے طاغوت کے مقابلہ میں نکلے گا، اور اس مردِ حقانی کا رُعب ان پر ڈالے گا، ایسے جابر، قاہر بادشاہ سے ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ کرنا اور اس کو مبہوت (حیران) بنا دینا، جب اس کو ایسی حالت طاری ہو گئی کہ ایک شخص سے ڈر گیا تو اس کی سطوت (تسلّط و قوّت) کی حقیقت ہر ایک شخص جان کر اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرے گا، یعنی پہلے ایسے جابر سے لڑائی تقریری و تحریری کرنی چاہیے۔

نمبر ۲۰۹ "طاغوتی حکومت سے پہلے تقریر و تحریر لڑائی پھر اگر کے قوم کی فکری و شعوری تربیت"

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَاۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ

هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۟ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گزرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مرگئے پیچھے پھر مُردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر یہاں رہا، بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا وہ دیکھ اپنے گدھے کو، اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲) مثال ثانی: یہ ایک[۲۱۰] طاغوت سرکش کی مثال ہے کہ اس نے ایک زندہ قوم پر تسلّط کرکے اس کو تباہ کردیا قریۃ کے معنی ہیں اجتماع اور اس کا ترجمہ ہے سوسائٹی یعنی اجتماع و سوسائٹی کو برباد کردیا تھا، تو اگر کوئی اجتماع یعنی صالح سوسائٹی کو تباہ کردے اور اس کی ہستی فنا کردے تو پھر ویسی سوسائٹی (کی مانند) اگر کوشش لگاتار کی جائے تو سو برس میں پھر[۲۱۱] انقلاب ہوسکتا ہے اور قوم میں پھر حیات پیدا ہوسکتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سوسائٹی تباہ ہوجاتی ہے اور ان کی زندگی اور معیشت کے اسباب برباد کئے جاتے ہیں، اور سوشیل ترقی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا تو ایک سمجھدار آدمی اس پر گزر کر حیران ہوجاتا ہے کہ یہ سوسائٹی کے تنزّل کے بعد کس طرح آباد ہوگی۔

فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ[۲۱۲] قوموں پر قدرتی طور پر ترقی کے بعد تنزّل آجاتا ہے، اور کام کرتے کرتے گویا تھک جاتے ہیں، تو ان پر نیند طاری ہوجاتی ہے، اور گہری نیند میں سو جاتے ہیں، صدیوں تک بیداری نہیں

۲۱۰ قریۃ اجتماع اور سوسائٹی ہے۔

۲۱۱ برباد شدہ قوم عقلمند افراد کی کوشش سے دوبارہ زندہ ہوسکتی ہے۔

۲۱۲ قوموں کے عروج و زوال کا ایک فطری تجربہ۔

لے یہاں حضرت امام سندھیؒ صوفیہ کے تصوف کے حوالے سے تفسیر کی طرح بطور علم الاعتبار والتادیل اصل واقعہ پر قیاس کر رہے ہیں ورنہ وہ ظاہر مفہوم کے منکر نہیں ہیں چنانچہ یہاں الہام الرحمان میں خود فرماتے ہیں" پھر اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۵۹) میں اس کی دوسری مثال پیش فرمائی کہ ولایت خدا کس طرح ملتی ہے، ایک آدمی کے دل میں کچھ شک پیدا ہوا کہ خدا کس طرح مُردے زندہ کرتا ہے تو اس کو خدا نے ایک سو برس مُردہ رکھا اس کے بعد زندہ فرمایا، پھر جب حق اس پر ظاہر ہو گیا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ فی الواقع ہر چیز پر قادر ہے اور وہ لوگوں کے لیے نشانی قرار پایا اور یہی اس قول خداوندی آیت (۲۵۹) میں ہے"

اس کے بعد ایک "تنبیہ" میں بالتفصیل مُردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے کا مسئلہ کو تاریخی واقعات اور طبعی مثالوں کی روشنی میں مدلل کیا ہے ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی ج ۱ ص ۲۰۹ تا ۳۱۱ طبع حیدر آباد ۱۲

ہوتی اور عیش کی نیند میں سو جاتے ہیں، اور ان کے قوائے عمل مخدر (کند) ہو جاتے ہیں، گویا ان میں حس و حرکت نہیں ہے۔ ثُمَّ بَعَثَهُ، پھر، نیند سے جاگتے ہیں اور ان کے قوائے عمل کام کرنے لگ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اس طاغوت سے برسرِ پیکار میدان میں نکل آتے ہیں اور ان کو اپنی نیند کی مدت بھی معلوم نہیں ہوتی گویا ہم سوتے بھی نہ تھے۔ ایسا سمجھتے ہیں اور ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم جاگتے تھے، اور ہمارے قوائے عمل کام کر رہے تھے۔

۳۱۳
"اقتصادی حالت تباہ نہ ہو تو قوم سو سال کے اندر دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے"

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ الی آخرہٖ۔ اگر سوسائٹی برباد ہو گئی، مگر ان کی آبادی کے ذرائع ویسے ہی محفوظ ہیں، تو پھر اطمینان سے ترقی کر سکتی ہے، بیت المقدس کی مسجد کو طاغوت نے تباہ کیا، مگر اس کے چشمے اور نہریں اور زمین و باغات ویسے کے ویسے رہ گئے تھے، ان میں کچھ تغیر نہیں آیا تھا، تو قوم آہستہ آہستہ جمع ہوتی ہوتی ایک اجتماع صالح یعنی سوسائٹی بن گئی۔ اس سوسائٹی نے سوشیل ترقی کر کے اپنا نظام صالح پیدا کر لیا، اور غیر قوم کی سلطنت خود بخود فنا ہو گئی، تو یہ مثال طبعی ترقی کی ہے، یعنی اگر ایک سو سال میں مُردہ قوم زندہ نہ ہوئی تو سمجھو اس کی موت ابدی ہے، ہندوستان میں ایک سو سال کے اندر انقلابی پارٹی پیدا ہو گئی

۳۱۴
"قوم مردہ کے تنزل و ترقی کے دور کی مثال"

وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ: کو اب تلاش کر کے اس پر سوار ہو جاؤ، یعنی جب سوشیل ترقی ہو جائے گی، تو ہر بار برداری کے اسباب خود بخود پیدا ہو جائیں گے۔

وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ، پھر ایک عقلی فلسفہ سے بتایا جاتا ہے، قصہ کا جز نہیں، یعنی جب قوم تنزل کرتی ہے، تو فقط ہڈیاں رہ جاتی ہیں جس میں نہ کوئی حس ہوتی ہے نہ کوئی حرکت، حس و حرکت گوشت و پوست سے پیدا ہوتا ہے، تو پھر ان بوسیدہ ہڈیوں پر حرکت طاری ہو جاتی ہے اور ان پر گوشت چڑھنا شروع ہو جاتا ہے، اور پھر وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے، یعنی جیسے ہڈیوں پر گوشت چڑھ آتا ہے اور ہڈیوں کی پوشاک گوشت ہے۔ اسی طرح قوم میں حس و حرکت آ جاتی ہے، اور پرانے لوگوں کی جگہ نئے لے لیتے ہیں، اور ان میں حس و حرکت آ جاتی ہے، اسی طرح زندگیِ اقوام کی مثال ہے۔

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً الی آخرہٖ[1] اب تم کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتا ہوں، یعنی اب تم جا کر ان کو تعلیم و تربیت دو! اب ان پر گوشت و پوست چڑھ آیا ہے، اور تمہارے جانے کے بعد ان میں حس و حرکت آ جائے گی اور تیرے باعث قوم بنی اسرائیل زندہ ہو جائے گی، یعنی اگر ایک شخص قوم کی تربیت و تعلیم کرے، تو قوم زندہ ہو جاتی ہے، مگر قوموں کی نیند سو سال ہے، اس کے بعد کوئی جگانے والا جگائے تو جاگ اٹھیں گے، اب آگے مثال دی جاتی ہے کہ قوم کو کس طرح زندہ کیا جائے، اور کون سے اسباب سے قوم جلدی ترقی کر سکتی ہے، اور موت کے بعد ان میں حیات آ جائے، اب سب سے بڑا سبب

---

[1] اس مسئلہ پر مزید تحقیق کے لیے قرآنی فکر انقلاب کا مقدمہ اور تفسیر سورۂ نصر، لہب اور اخلاق تفسیر مقام پارہ عم کا مطالعہ کیجئے ۱۲ (ع ق)

بتایا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵

ترجمہ: اور یاد کر جب کہا ابراہیمؑ نے اے پروردگار میرے دکھادے مجھ کو کیوں کر زندہ کرے گا تو مُردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دِل کو فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اُڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آدیں گے تیرے پاس دوڑتے ۲۱۵ اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے ﴿۲۶۹﴾

(۳) مثال ثالث: وہ سبب جس سے قوم زندہ ہوتی ہے۔ وہ تربیت ہے جب ایک رہبر (لیڈر) قوم کو تربیت دے گا اور اس کی سوشیل اصلاح کرے گا اور ان کی اقتصادی حالت درست کرے گا، تو قوم چاروں طرف سے نکل کر اس کے گرد جمع ہو جائے گی۔ میدانوں، پہاڑوں، مُلکوں میں دربدر شدہ افراد اور چیزوں میں چھپی ہوئی جماعت اس کے گرداگرد جمع ہو جائے گی، تو دارو مدار ترقی کا اقتصادی حالت کے سدھارنے پر ہے، اب آیت کی تفسیر شروع ہوتی ہے، اس مثال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح قومیں جو بامِ ترقی (عروج) پر ہوتی ہیں اپنی بداعمالیوں سے تباہ ہو جاتی ہیں اور صفحۂ ہستی سے معدوم شدہ (مٹی ہوئی) قوموں کو اللہ تعالیٰ کس طرح ترقی دیتا ہے، بشرطیکہ وہ زندہ رہنے کی کوشش کریں،

۲۱۵ "قومیں تربیت سے زندہ ہوتی ہیں، تربیت میں سوشل نظام کی اہمیت"

ابراہیم علیہ السلام کو تو اللہ کے وعدہ پر پورا ایمان تھا اور اسی ایمان کے بھروسہ پر اس نے اپنے ۲۱۶ دشمن پر فتح پائی تھی، مگر تسکینِ قلب کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی انہیں دکھلایا جائے کہ کیف تحی الموتی (کس قدر مُردہ زندہ کئے جاتے ہیں) اس میں اچنبھے کی بالکل کوئی بات نہیں، جب اللہ نے ابراہیمؑ کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا کر دی جو اپنے طاقتور حاکموں پر غالب آگئی۔

۲۱۶ "مردہ قوموں کو زندہ کرنے کیلئے ان میں زندگی کی روح پھونکنے کی مثال"

ابراہیمؑ کو چاروں پرندوں کے سدھانے کی ہدایت کی جاتی ہے جو اس کے بلانے پر دُور کے پہاڑوں سے بھاگے ہوئے آتے ہیں، عربی زبان میں طیر جمع ہے اور طائر واحد ہے، تو صحیح معنیٰ یہ ہوں گے کہ پرندے کی چار قسمیں لے لو! ہر ایک قسم بہت سے افراد پر مشتمل ہو، اگر پرندے حضرت ابراہیمؑ کے بلانے پر فوراً

اس کے پاس آموجود ہوتے ہیں، حالانکہ وہ ان کا نہ خالق اور نہ حقیقی مالک تھے، تو کیا قومیں اپنے خالقِ حقیقی کی صدا پر لبیک نہ کہیں گی، اور ایک مرکز پر جمع نہ ہو جائیں گی جو اُن کا خالق اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اگر ایک انسان صرف ایک وقفہ کے لئے پرندوں کو سدھاتا ہے اور وہ ان پر حقیقی اختیار بالکل نہیں رکھتا اور اس معمولی سدھانے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرندے اس کی صدا پر اس کے پاس آتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ ان اسباب پر قادر نہیں جو قوموں کی زندگی اور موت کا موجب ہوا کرتے ہیں، جب کبھی کسی قوم کی تباہی کے دن نزدیک آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی تباہی کے سامان پیدا کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم کو بامِ عروج پر لانا چاہتا ہے تو ان کے ترقی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔

غرض دوسری مثال میں اقتصادی حالت کا قیام تھا اور تیسری میں سوشیل نظام قائم کرنا اور اس کی سوشیل تربیّت دینے میں قوم زندہ ہو سکتی ہے۔ علم الکلام مصنّفہ مولانا شبلی میں [۱] ہے کہ اکثر مفسّرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، ان کو ذبح کر دیا تھا، لیکن تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ ابومسلم اصفہانی [۲] نے اس تفسیر پر متعدد اعتراض کئے ہیں۔

"فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ" کے مفہوم پر ایک بحث" ۲۱۴

(۱) فصرهن الیك کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے نہیں ہیں۔ لفظ "صُر" اگر کبھی اس معنی میں آتا ہے تو اس کا صلہ (الی) نہیں آتا۔

(۲) "اُدْعُهُنَّ" میں جو ضمیر ہے وہ ذی الروح (جاندار) کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پرندوں کو بلاؤ۔ اب ایک اور اعتراض ہے کہ اگر یہ مقصود تھا تو چار پرندوں کی کیا حاجت تھی۔ ایک پرندہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور پھر اس کو جلا دینا کافی تھا۔ شک رفع کرنے کا جو تعلق ہے وہ زندہ کرنے سے ہے ایک دو چار کو اس میں کیا دخل ہے۔

ابومسلم اصفہانی نے تمام مفسّرین کی رائے سے اختلاف کیا ہے، اور آیت کے معنی یہ قرار دیئے کہ خُدا نے تمثیل کے طور پر ابراہیمؑ سے کہا کہ مثلاً اگر تم چار جانوروں کو پالو اور ان کو خوب پرچا لو کہ وہ تم سے خوب ہل جائیں پھر ان کو الگ الگ پہاڑ پر چھوڑ دو اور بلاؤ تو وہ چلے آئیں گے [۳]

پرندوں کو ہلانا اور انسانوں پر مال خرچ کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا اور ان کو تعلیم و تربیت دینی یہ انسانوں کو ہلانا ہے، اس سے صالح سوسائٹی پیدا ہوگی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ملاحظہ ہو علم الکلام علامہ شبلی نعمانی ص ۱۵۶ ص ۱۵۰ زیرعنوان ملاحدہ کا اسد مطبع لاہور ۱۲ (رحاشیہ)

ملاحظہ تفسیر کبیر علامہ فخرالدین رازی ج ۴، ص ۵۴ مطبع دارالکتب العلمیہ طہران ۱۲ (رحاشیہ)

ترجمہ: مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔ (۲۶۱)

نمبر ۲۱۸ "انفاق میں صحیح نیت"

اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، مگر اس کے ساتھ[۲۱۸] اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں کی طرح سمجھے اور اپنا درجہ ان سے بلند نہ کرے۔ مثلاً ایک آدمی عالم ہے، اپنے فن میں کامل و یکتا، اگر اس کے ہنر کی بنا پر اسے بزرگی دی جائے تو جائز ہے، مگر ایک آدمی کو اگر صرف اس وجہ سے بزرگ و افضل تسلیم کیا جائے کہ وہ مالدار ہے، تو یہ انتہا درجہ کی بے انصافی ہے، اسلام اسے روا نہیں رکھتا۔ اسی کو دوسرے الفاظ[۲۱۹] میں سرمایہ داری سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس جگہ سے لے کر آیت ۲۷۷ تک اسی بات کی مذمت کی جارہی ہے کہ لوگوں کو روپیہ پیسہ دے کر بزرگ مت بناؤ۔

نمبر ۲۱۹ "سرمایہ داری اور اس کی مذمت"

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲۶۲)

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے۔ (۲۶۲)

نمبر ۲۲۰ "عطیہ بھی مادی اغراض کے حصول کی نیت اور احسان جتانے کی غرض فاسد"

عطیہ[۲۲۰] جو قومی یا انفرادی بہتری کے لئے دیا جائے اس میں اپنی ذاتی مصلحتیں نہیں ہونی چاہئیں۔ اسی لئے عطیہ دینے والے کو کہا گیا ہے کہ وہ اس کے متعلق کسی سے ذکر تک بھی نہ کرے، تاکہ کسی کے دل میں یہ اثر نہ پیدا کرے کہ اس نے اس عطیہ سے اس آدمی کو اپنا مرہونِ منّت کر لیا ہے یا اسے اس سے کسی قسم کا صدمہ پہنچایا ہے یا اس کی عزت میں کسی قسم کا حرف لایا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (۲۶۳)

ترجمہ: جواب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا، اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمّل والا۔ (۲۶۳)

نمبر ۲۲۱ "تکلیف کے موجب عطیہ سے کلمہ خیر بہتر ہے"

اس لئے[۲۲۱] بتایا کہ کسی کی عزت میں حرف لانے سے تو صدقہ یا عطیہ یا مدد سرے سے دی ہی نہ جائے تو بہتر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲۶۴)

ترجمہ: اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھلانے کو اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف، کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا، اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو۔

جب کسی کو مدد دینے کی جزاء اللہ دے گا تو خیرات وغیرہ صرف فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) ہونی چاہیئے نہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے۔ صرف فی سبیل اللہ اسی صورت میں دے گا جب اللہ پر ایمان ہوگا یہ تشریح ہے القوم الکافرین تک، آیات کے آخری لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن ان کفّار کا ذکر کرتا ہے کہ جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے بے سود اپنا روپیہ برباد کیا، وہ اپنا روپیہ اندھا دھند خرچ کر رہے تھے کہ کسی طرح اسلام ترقی نہ کر سکے، ان کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۶۵)

ترجمہ: اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند، اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

اس میں بتلایا کہ جو صدق دل سے فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) مدد دے رہے ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں اجر ہے،

یعنی تم نے اسلامی سلطنت کی بُنیاد رکھی ہے وہ سرسبز ہوگی، تمہیں ہرطرح کے فوائد حاصل ہوں گے اور تمہارے پیچھے آنے والے بالکل ضعیف ہیں، انہوں نے اگر اس طرح نہ کیا تو وہ باغِ اسلامی کو برباد کر دیں گے سلطنت کی بقا کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرو ورنہ انقلابِ زمانہ سے تباہ ہو جاؤ گے، تمہاری سلطنت ضعیف ہو جائے گی، تو پھر تمہیں افسوس ہوگا۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾ ع

ترجمہ: کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ ہووے کہ اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں، اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح میوہ حاصل ہو اور آگیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف، تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولہ جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا، یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو۔

۲۶۶ اس میں آیت ۲۶۲ کی مانند اس عطیہ یا خیرات کے بُرے نتائج سے آگاہ کیا جا رہا ہے، جو کسی کی عزت پر دھبہ یا کسی اور قسم کا صدمہ پہنچانے کے لئے دی جائے، جو (لوگ) صدقات صرف اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں یا ان کی مشہوری ہو، تو ان کی مثال ایسی ہے کہ سخت پتھر پر مینہ پڑا اور جو کچھ اس میں اُگا، وہ ثمردار (پھلدار) نہ ہوا، لیکن ہاں کئی ایسے عطیے تھے کہ ثمردار ہونے کے قریب قریب تھے، مگر نیت کی خرابی یعنی نام و نمود یا کسی کو اس سے دُکھ دیا، ایسا کرنے کی (وجہ سے) بادِ سموم (آگ کے بگولے) نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔

(حاشیہ: ۲۶۶ ذاتی شہرت یا دلآزاری پر انفاق کی مثال۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۲۶۷﴾

"اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے

واسطے زمین سے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا ۔" (۲۶۷)

۳۲۵ "ماکسبتم" سے مراد تجارت ہے اور "ما اخرجنا" سے مراد کاشتکاری ہے۔

۳۲۵ "اموال تجارت اور زرعی پیداوار سے بھی انفاق کا حکم"

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (۲۶۸) يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ‌ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (۲۶۹) وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ (۲۷۰)

ترجمہ: شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا، اور اللہ بہت کشائش والا ہے۔ سب کچھ جانتا ہے (۲۶۸)، عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے، اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے کوئی منت تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۲۶۹)

۳۲۶ "شیطان کا انفاق سے روکنا" "مسلمانوں کے دورِ عروج کی ترقی میں انفاق کا کردار"

۳۲۶ شیطان ورغلاتا ہے کہ اگر قومی کاموں میں خرچ کرو گے، تو تم بذاتِ خود مُفلس ہو جاؤ گے، مگر اللہ تعالیٰ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم تحریک بین الاقوامی (اسلام) کو کامیاب بنانے میں خرچ کرو گے تو اس کی طرف سے تم پر فضل و رحمت اور بخشش ہوگی، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ جب انہوں نے اس انٹرنیشنل تحریک (اسلام) کے کاموں میں حصّہ لیا، تو تمام دنیا میں اُن کا طوطی بولنے لگا، شام کی زرخیز زمین، عراق و مصر وغیرہ زرخیز ممالک اللہ تعالیٰ نے ان کے قبضہ میں دے دیئے۔

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

۳۷ / ۴ / ۵

ترجمہ۔ اگر ظاہر کرکے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔ (۲۷۱)

تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پہ لانا اور لیکن اللہ راہ پر لادے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضاجوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا۔ خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے۔ ملک میں سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے۔

(۲۷۱) اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ الآیۃ:۔

اعلانیہ خیرات یا مدد کرنے، اور نام و نمود کے لئے خیرات کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ جس کا ذکر آیت ۲۶۴ میں آچکا ہے۔ اس لئے اس (آیت ۲۷۱ میں) اعلانیہ خیرات وغیرہ کرنے سے مراد ہے کہ قومی بہتری یا نوع انسانی کی بہتری کے لئے کام کرنا، اس لئے اس اعلانیہ خیرات کو مقدم رکھا۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا۔ الخ اعلانیہ خیرات کے بعد در پردہ خیرات کا کچھ حکم دیا۔

(آیت ۲۷۲) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ۔ الخ یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزوں کا نام، گو وہ ہزاروں لاکھوں ہیں، لیکن اگر ان کو اقسام میں محدود کیا جائے تو کُل تین قسم ہیں۔

(۱) مال و دولت۔ (۲) آل و اولاد۔ (۳) شہرت و بقائے نام۔

سـ ۴۲۴ — اعلانیہ خیرات اور نام و نمود کی خیرات میں فرق
سـ ۴۲۵ — دنیاوی لذائذ کی تین اقسام (۱) مال (۲) اولاد (۳) شہرت

اس جگہ صرف پہلی قسم سے بحث ہے۔ باقی دونوں قسمیں اپنے اپنے موقع میں ذکر ہوں گی، ایک بہت بڑا قرینہ جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے، اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن حکیم میں خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے دیا ہے۔ قرآن میں ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے، اور ۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا اور ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے، اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے۔ چنانچہ علامہ احمد بن الرازیؒ نے تمام ان مقامات کی تمام آیات کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند آیات کو ہم بھی نقل کرتے ہیں، جن میں مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

"۳۲۹ اسلام میں مال و دولت کا مقام"

(۱) وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ (پ۳، آیت ۲۷۳ سورۃ البقرۃ) (۲) قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ (پ۲، آیت ۲۱۵ سورۃ البقرۃ)

(۳) وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ (پ۳، آیت ۲۷۲ سورۃ البقرۃ) (۴) وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ (پ۱، آیت ۱۱۰ سورۃ البقرۃ)

(۵) مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ (پ۲۹، آیت ۱۲ سورۃ ن والقلم) (۶) أَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ (پ۲۸، آیت ۱۶ سورۃ التغابن)

"۳۳۰ بے موقع اور بے جا صرف کیا جانیوالا مال برا ہے"

اس میں ۳۳۰ شک نہیں کہ قرآن نے مختلف موقعوں پر مال و دولت کی برائی بھی کی ہے، لیکن جب دونوں قسم کے موقعوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ دولت کی برائی جہاں بیان کی ہے، وہ، وہ ہے جسے بے موقع اور بیجا صرف کی جائے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۴﴾

وقف منزل

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۷۴)

الَّذِينَ يُنفِقُونَ الآية :-

"۳۳۱ بین الاقوامی تحریک کی کامیابی کا راز مالی قربانی میں مضمر ہے"

فی تحریک ۳۳۱ = انٹرنیشنل، فی کل حالۃ = اعلانیۃً و اخفاءً دائماً فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ = مِن وَّجہٍ یعنی جو لوگ ہر حالت اور ہمیشہ مسلمانوں کی اور اپنی انٹرنیشنل تحریک (اسلام) کی روپیہ پیسہ سے ظاہر اور در پردہ امداد کرتے رہتے ہیں انہیں کسی قسم کا ڈر نہیں ہے۔ یعنی جس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے خرچ کر رہے ہیں وہ ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

ف علامہ احمد بن الرازی" کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس سے کون مراد ہیں ہم نے احمد بن علی الجصاص الرازی کی "احکام القرآن" اور علامہ فخر الدین محمد الرازی کی تفسیر کبیر دیکھی ہے مگر یہ تفصیل کہیں نہیں مل سکی، گو علامہ فخر الدین نے لفظ "خیر" کی تفسیر مال سے کی اور مثل میں دو روایات کے حوالے بھی دیئے۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "خیر" سے مراد مال ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ "وانہ لحب الخیر لشدید" اور "ان ترک خیرا الوصیۃ" ہے ملاحظہ ہو تفسیر رازی ج ۲ ص ۲۵ طبع دار الکتب العلمیہ طہران ۱۲ (ع ت)

یورپین طاقتوں نے یہ راز مسلمانوں سے سیکھا، اس کی بنا پر وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ترجمہ: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جسطرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر، یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا، حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو، پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا، اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے، اور جو کوئی پھر سود لے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۷۵﴾

ف ۴۳۲ "سودخوروں کی بری حالت اور ذہنیت"

عربوں کا خیال تھا کہ مرگی دراصل کوئی بیماری نہیں بلکہ شیطان جس کو مس (چھولے) کر دے اس کا نتیجہ مرگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ غرض مرگی کو اسی نام سے تعبیر کرتے تھے، تو رباخور[۴۳۲] (سودخور) کو کبھی ہوش نہیں آتا کہ قوم کی بھلائی کی طرف نگاہ کرے اور دولت جمع کرنے کی دھن میں ساری قوم کو غرق کر دیتا ہے اور ایک طرف دولت کماتا ہے، دوسری طرف زوال کی طرف ان کا رخ ہے۔ ان میں توازن طبعی اور ارتقاء طبعی نہیں رہتا۔ انسان جب مرگی سے ہوش میں آتا ہے تو اس وقت اسے کوئی بات نہیں سوجھتی۔ جب تک کہ اسے مکمل طور پر ہوش نہ آئے۔ مطلب[۴۳۳] یہ ہوا کہ اس کی غور و فکر کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔

ف ۴۳۳ "سودخور کی غور و فکر کی طاقت سلب ہو جاتی ہے"

غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے مال خرچ نہیں کیا اور بڑے بن گئے، وہ اپنی ہستی کو بچانے کے لئے مال و دولت کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں، اگر ان کا تمام مال آہستہ آہستہ خرچ ہو گیا تو ان کو اپنی بناوٹ عزت برباد ہونے کا خطرہ دامن گیر ہے، اس لئے ان سے کوئی مدد مانگے، تو سوائے اپنے ذاتی فائدہ کے اسے کبھی کسی قسم کی مدد روپیہ پیسہ وغیرہ سے نہیں دیتے، جب تک کہ ان کے ساتھ سود کے منافع کی شرط نہ لگا دیں۔ جس طرح شیطان کے چھونے سے آدمی کی حالت مرگی زدہ سی ہو جاتی ہے، وہ کچھ نہیں سوچ سکتا،

۴۳۴ "ربا اور تجارت میں فرق"

اسی طرح ان لوگوں کے دلوں میں بھی معارض قوتیں اس قدر جمع ہو جاتی ہیں کہ ان کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور وہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اسی حالت میں وہ کہتے ہیں" اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" سود خور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ انہیں علم ہے کہ تجارت اور چیز ہے اور سود اور چیز ہے، تجارت میں انسان نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے مگر سود میں صرف منافع میں شریک ہے، اور ربا خور (سود خور) کا قیام لوگوں میں شیطانی مس شدہ کی مانند ہے کہ انفرادیت کی طرف لوگوں کو کھینچ رہا ہے۔

۴۳۵ "سود خور کا انجام"

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الی آخرہ۔ حرمت مانتے ہوئے حلال و حرام کی تمیز نہیں رکھتا اس[۴۳۵] لئے کہ اس کا دماغ دو کوڑی کا نہیں رہتا، اور اجتماع صالح یعنی سوسائٹی کا دشمن اور مفلوج عضو ہے اس مفلوجہ عضو سے سمجھ سوجھ کی بات دماغ میں سما بھی نہیں سکتی، تو اگر رباخور لوگوں میں قائم ہو گیا یعنی اس کو قوت و طاقت آگئی، تو ساری قوم کو بیکار کر دے گا، ان کا مال چھین لے گا، اور کسی ضرورت قومی میں نہیں لگائے گا۔ جب قوم تباہ ہو جائے گی تو خود بھی تباہ ہو جائے گا، یعنی یہ سوشل اصلاح کی ضد ہے تو یہ قوم کا دشمن ہے۔

فَانْتَهٰى فَلَهٗ۔ الخ یعنی یہ قانون کہ سود نہ لو، اب رائج ہو رہا ہے، اس لئے اب کسی کو سود لینے کی اجازت نہیں ہے، اگر تم نے کسی پر ظلم نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے گا، مثلاً اگر کسی غریب کو مدد دی اور اسے تنگ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخشنہار ہے، اور اگر سود جبراً وصول کیا تو اللہ تعالیٰ سزا دے گا۔ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ سود کا لینا قانوناً بند کر دیا گیا ہے۔ اگر اب بھی سود لینے سے باز نہیں آؤ گے تو نذرِ آتش کر دیئے جاؤ گے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (۲۷۶)

۴۳۶ "سود خور کی ایک اور خصوصیت"

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے۔ (۲۷۶)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا الآیہ ہذا الحکم فی من یؤمن بالقرآن یعنی یہ حکم صرف ان[۴۳۶] کے لئے ہے جو قرآن حکیم کو مانتے ہیں، اگر وہ بدستور ربوا لیتے رہیں گے، تو اس میں کسی قسم کی برکت نہیں رہے گی بلکہ اس سے برکت اٹھا لی جائے گی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔ اس شخص کی حالت یہ ہے کہ ایمان کو چھوڑ دینا گوارہ کرے گا، مگر سود لینے سے درگزر نہیں کر سکتا، اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے، اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا، بلکہ اسے سزا دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿٢٧٧﴾

زکوٰۃ سے یہ مراد ہے کہ مثلاً ایک آدمی دوسرے کو مدد کے طور پر روپیہ دیتا ہے، مگر اس سے کسی قسم کے منافع کی توقع نہیں رکھتا، اس کے برعکس سُود خور آدمی جب کسی کو روپیہ دیتا ہے، تو وہ اپنے ذاتی مفاد کے سوا اسے کبھی روپیہ نہیں دے گا، یعنی وہ صرف اس لئے روپیہ دے رہا ہے کہ اس کے ساتھ سُود بھی آ رہا ہے۔ غرض زکوٰۃ اور سُود دونوں متضاد چیزیں ہیں، اس جگہ پہلے نماز کا پھر زکوٰۃ کا، مطلب یہ ہوا کہ جس طرح نماز کے لئے طہارت کی شرط ہے، اسی طرح زکوٰۃ دینے والے پر سُود خوری سے توبہ کرنا ایک ضروری امر ہے۔ غرض آیت ۲۷۶ میں سُود چھوڑنے کا ذکر ہے اور ۲۷۷ میں نماز و زکوٰۃ کا ذکر کر کے ۲۷۸ میں دوبارہ سُود کا ذکر شروع کر دیا۔

۳۴۳ "زکوٰۃ اور سود دو متضاد چیزیں ہیں"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا۔ ﴿٢٧٨﴾

حکم دیا کہ آج کے بعد سُود کا لین دین بالکل بند کر دو! اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، اگر اللہ کے قانون کی پابندی کرنا چاہتے ہو، تو سُود کا لین دین ضروری بند کر دو!

۳۴۴ "حرمت ربوا کے بعد کوئی سودی لین دین جائز نہیں"

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

ترجمہ: پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔ ﴿٢٧٩﴾

وَذَرُوا مَا بَقِيَ الآية :-

ایک انقلابی سیاسی جماعت ہے۔ وہ ہر ایک آدمی کو اپنا ممبر بنانے کے لئے مجبور نہیں کرتی، مگر وہ اپنے طور پر پروپیگنڈا ضرور کرتی رہتی ہے، اور اسی سے متاثر ہو کر ایک آدمی اس سوسائٹی کا ممبر بن جاتا ہے، اسے بعد میں تعلیم دی جاتی ہے، اس کے بعد اسے کام پر لگایا جاتا ہے، اب اگر وہ سوسائٹی سے

۳۴۵ "سود خواروں کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں؟"

بغاوت کرنے کی کوشش کرے، تو اس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

بعینہٖ اسلام ایک انقلابی جماعت کا نام ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ انقلاب پیدا کر کے قانونِ الٰہی کو نافذ کرے۔ یہی مثال ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ہیں، یعنی دین میں جبر نہیں۔ اس کے اندر کسی آدمی کو داخل کرنے میں کسی قسم کا جبر نہیں، مگر اسلام اپنا پروپیگنڈا برابر کرتا رہتا ہے، اور جو آدمی اس کے اصول کو تسلیم کر کے اس جماعت میں داخل ہوتا ہے، اور پھر اس کا ایک فرد قرار پاتا ہے اسے پھر بغاوت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اگر وہ بغاوت کرے، یعنی اسلام کے کسی اصول کو ماننے سے انکار کر دے، مثلاً سُود کے لینے سے باز نہ آئے، تو اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جنگ ہے۔

"لا اکراہ فی الدین کی تفسیر"

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے حاشیہ پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اگرچہ یعنی حجتِ اسلام ظاہر شد، پس گویا جبر کردن نیست اگرچہ فی الجملہ بہ جبر باشد۔ (ملاحظہ ہو فتح الرحمان) وہ اس آیت سے سُود خوری کو زبردستی سے بند کرنے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، (یعنی فرما رہے ہیں کہ اسلام کی حجت واضح ہو جانے کے بعد گویا (قانون کا نفاذ) اب اکراہ اور جبر شمار نہیں ہوگا اگر یہ قدرے زبردستی کے ساتھ (بھی) ہو۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اگر ہے تنگدست تو مُہلت دینی چاہیئے کشائش ہونے تک، اور بخش دو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو۔ ﴿۲۸۰﴾

"قرضہ میں مہلت دینے کی ہدایت"

اسلام کی وُسعتِ نظری دیکھیئے جو وہ لوگوں کے درمیان پیدا کرنی چاہتا ہے۔ غریب آدمی کو کسی قسم کی تکلیف دینے کی اجازت نہیں دیتا، نہ ہی اسے جیل میں ڈالنے کی اجازت دیتا ہے، (یعنی وہ کہتا ہے) روپیہ کا مطالبہ اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہیئے، جب تک وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے، اور سب سے بڑھ کر تمام قرضہ معاف کر دینا چاہیئے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ﴿۲۸۱﴾

"مسلمانوں کو احسان کرنے کی تعلیم" ۲۸۲

۲۸۲ اللہ سے ڈر کر اس کے قانون کی پابندی کرو اور بالکل معاف کر دینا تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔ جیسا کہ آیت ۲۸۰ میں سمجھا دیا گیا ہے، اس لئے کہ اس سے مسلمانوں میں ایک عمدہ نظیر ہوگی، دوسروں کو بھی احسان کرنے کی ہمت ہوگی۔

اِس جگہ باب ختم ہوا۔ [1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـــمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ

[1] یعنی انفاق کا باب ختم ہوا جس کا ذکر آیت ۲۶۱ سے شروع ہوا تھا ۱۲ (ع-ق)

بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۗ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو اُدھار کا کسی وقتِ مقررہ تک تو اس کو لکھا کرو اور چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے، اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہیئے کہ لکھ دے اور بتلاتا جائے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ، پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے کارگزار اس کا انصاف سے، اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک، اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو، اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ، اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی چاہیئے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا، تو چاہیئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو، اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک گنہگار ہے دل اس کا، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۸۳﴾

یعنی تم اس قدر قرض لو جس قدر واپس کرنے کی گنجائش ہو، اس قدر بے تحاشہ قرض مت لو! جسے تم واپس نہ کر سکو اور پھر تباہ ہو جاؤ! (کاشتکار طبقہ کا آج کل یہی حال ہے)

اب[۲۴۳] معاملات کے لین دین کے طریقے بتلائے جا رہے ہیں، اگر لین دین دست بدستی ہے تو تحریر کی ضرورت نہیں۔ اگر خرید و فروخت کر رہے ہو تو لین دین کو بتمامہ (مکمل) تحریر میں لے آؤ! گواہوں کو ناجائز تکلیف

۴۴۳

مت دو! ورنہ آئندہ اس تحریر میں بطور گواہ پیش نہ ہوں گے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کے گھر تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں جو اپنے گھر کے حساب کتاب کو ضبطِ تحریر میں لا سکیں۔ مسلمانوں کے گھروں میں مرد، عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں تمام تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں۔ لطف یہ ہے کہ یہ تعلیم مسلمانوں کو اس وقت دی جا رہی ہے جب عرب پر جہالت ۴۴۴ چھائی ہوئی تھی، ان کا نبی اُمّی تھا، اور عرب اپنے آپ کو اُمّی کہنے پر فخر کرتے تھے۔

"مسلمان مرد عورت سب تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں"

(۲۸۲) وَاِنْ كُنْتُمْ الاٰیۃ :- یعنی تم اسقدر قرض لو جسقدر واپس کرنے کی گنجائش ہو اور اس قدر بے تحاشہ قرض مت لو جسے تم واپس نہ کر سکو اور پھر تباہ ہو جاؤ، زمیندار طبقہ کا آجکل یہی حال ہے۔

۴۴۵ "قرض بھی امانت کی طرح پورا ادا کیا جائے"

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۸۴)

۴۴۶ "بین الاقوامی حکومت کا منشور اور حلف"

اب ۴۴۶ حکومت کرنے کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے۔ حکومت صرف اللہ کی ہے، اس نے جن لوگوں کو حاکم مقرر کیا ہے ان سے ذرا ذرا حساب ظاہری و باطنی لے گا، اس لئے کہ انہیں دنیاوی سلطنت ہی نہیں بخشی گئی، بلکہ ان کو قانونِ الٰہی کی حکومت عطا کی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر کام کریں، اس واسطے حکم ہے کہ وہ ظاہری، باطنی طور پر کسی طرح بھی مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے، لادینی سیاست میں اگرچہ دھوکہ جائز ہے، مگر دینی سیاست (یعنی خدائی قانون میں) جنگ کے موقع کے سوا دھوکہ دہی قطعی حرام ہے اسے مسلمان حاکم کو مسلمانوں کی محض خیر خواہی اور محض سچائی چاہیئے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا

لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۖ وَاغْفِرْ لَنَا ۖ وَارْحَمْنَا ۖ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

ترجمہ: مان لیا رسول نے جو کچھ اُترا اس پر اس کے ربّ کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سُنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے ربّ اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸۵) اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔ اے ربّ ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے ربّ ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر، اے ربّ ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگزر کر ہم سے بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا ربّ ہے مدد کر ہماری کافروں پر۔ (۲۸۶)

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت ۲۸۴ میں ارشاد فرمایا کہ قوانینِ الٰہی پر چلنے والی حکومت کا حساب لیا جائے گا، اصحابؓ نے جب یہ آیت سُنی تو بہت گھبرائے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس عرض کی، آپؐ نے فرمایا کہ اہلِ یہود کہتے تھے کہ اے اللہ ہم نے تیری بات سُنی مگر اس پر عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں، تم ان کی مانند مت بنو غرض اب حکم ہوتا ہے، اور یہ آیت (۲۸۵) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الآیۃ نازل ہوتی ہے۔ قانونِ الٰہی کی حکومت چلانے کی ذمّہ داری لینے والے رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اور ان کے ساتھی یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جنہوں نے اللہ کے تمام قوانین پر عمل کرنے کا تہیّہ کر لیا ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور مومنین نے اِس بات کو مان لیا ہے کہ وہ اس پر اخلاص (آیت ۲۸۴ کے مطابق) سے کام کریں گے۔

(۲۸۵) کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ الخ۔ ہم انبیاء کی جماعت کو مانتے ہیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی اسی جماعت کے ایک ممبر ہیں، اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو فرضی طور پر بڑا اور بزرگ مان لیا جائے اور اپنے اس بزرگ اعلیٰ کی صفات اور اللہ کی صفات میں فرق نہ سمجھا جائے تو اس طرح انسان شرک میں مُبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اسی طرح اپنے نبی کو بلند درجہ دے کر خُدا بنا لیتا ہے، مگر جب انسان انبیاء کی جماعت کو بھی انسان

۲۸۴ ت: در بین الاقوامی پروگرام چلانے والی جماعت حکومت کے سب اعمال کے بارے میں جوابدہ ہے

۲۸۵ ت: القرآنی جماعت کو پہلے انبیاء اور جماعت ختم سے تسلسل اور الٰہی تائید ہونے کا یقین ہونا ہے

مان لے، تو وہ شرک میں مُبتلا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جب انبیاء کی انسانی جماعت تو اس کا نبی بھی اس جماعت کا ایک فرد بن جائے گا۔[۴۴۹]

(۲) لَا نُفَرِّقُ۔ الخ۔ پہلی اُمتوں کی ہدایت کے لئے جس قدر انبیاء آئے ہیں ان میں سے کسی میں ہم امتیاز نہیں کرتے، یعنی سب رسولوں کو ایک درجہ پر مانتے ہیں، اس طرح تمام قومیں اس کام میں شامل ہو جائیں گی اور اسلامی تحریک ایک بڑی شاندار بین الاقوامی (تحریک) ہو جائے گی۔[۴۵۰]

(۳) وَقَالُوا سَمِعْنَا مَا قِيلَ فِي قوله لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ الخ۔ قالوا الی آخرہ جب وہ احکامِ الٰہی سُنتے ہیں یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کا (یہ) حکم سُنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین پر عمل کرو اور یاد رکھو! کہ جو حکومت انہیں عطا کی جائے گی اس کی نسبت (ان) سے ظاہری اور باطنی حساب لیا جائے گا تو وہ کہتے ہیں "سمعنا" یعنی تیرے حکم ہم نے سمجھ لئے "وَاَطَعْنَا" جیسے افسر اپنے کسی ماتحت کو حکم دے کر اس سے رسید لے لیتا ہے کہ اسے حکم مل گیا ہے، اسی طرح یہ کہتا ہے کہ یا اللہ ہم نے تیرا حکم سُن لیا، اس کی پوری پوری اطاعت کریں گے۔

(۴) غُفْرَانَكَ۔ الخ۔ تیرے[۴۵۱] حکم پر عمل کرنے کو مستعد ہیں۔ نادانی سے اس پر عمل کرنے میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ معاف کر دے۔

(۵) وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ تجھ سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی، ہم نے تیری طرف ہی آنا ہے۔

- لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ۔ الخ۔ اللہ تعالیٰ انسان پر[۴۵۲] اس قدر بوجھ ڈالتا ہے جس قدر اس میں طاقت ہوتی ہے۔ اس کی طاقت سے زیادہ انسان کو کوئی حکم نہیں دیتا، تو اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو احکام سُورۂ بقرہ میں بتلائے گئے ہیں، وہ انسانی طاقت سے باہر نہیں ہیں، اور حضورؐ اور مومنین کا اس کو کر کے دکھلا دینا اس کی دلیل ہے یہ معنی ہیں "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کے۔ چونکہ یہ احکام سوسائٹی کی تکمیل کے لئے ہیں، اور حضورؐ کی جماعت نے اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچایا، تو آئندہ[۴۵۳] بھی جب کوئی جماعت اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچانا چاہے گی اور اس کی ابتداء تہذیب اخلاق اور سوشل اصلاح (مُعاشرتی اصلاح) سے شروع کرے گی، تو تمام مدارج ترقی طے کر لے گی اور اس پروگرام بین الاقوامی کی تکمیل ہو جائے گی، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کام کرنا ہی نہ چاہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ۔ الخ۔[۴۵۴] انسان کی تمام تر ترقیوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر، ترقی و تنزل کا مدار تمام تر اس کی سعی (کوشش) پر ہے اور دین و دُنیا کی تمام کامیابی محض اس کی کوششوں پر موقوف ہیں، دنیا میں جب کبھی کسی قوم نے تمدن میں ترقی کی ہے یا آئندہ کرے گی تو اسی اصول پر ہو گی اور کرے گی۔ غرض اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، اور تمدن کو ترقی دینے والا ہے، اور تمدن کو

ص ۴۴۹ "اسلامی تحریک عالمگیر بن کر دوسری قوموں کو شمولیت کی دعوت"

ص ۴۵۰ "بحیثیتِ مجموعی اُمت کو قوانینِ الٰہی کا ادراک اور عمل کرنے کا عہد"

ص ۴۵۱ "مغفرت کی اُمید"

ص ۴۵۲ "عمل کا ذمہ بقدرِ طاقت ہے"

ص ۴۵۳ "مسلمانوں کی ذمہ داری"

ص ۴۵۴ "ترقی و تنزل کا مدار سعی و عمل پر ہے"

اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا۔الخ۔ قاعدہ[۵۵] یہ ہے کہ انسان جب کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس کی تکمیل کے لئے ہر ممکن سعی کرتا ہے، اس کے لئے اللہ سے دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ اس حکومت کے چلانے میں جو بھول چوک ہو جائے تو معاف رکھیو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ کی حالت ذرا ذرا سے معاملہ (حکومت) میں دگرگوں ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں انسان اللہ کی طرف[۵۶] متوجہ ہو کر کہتا ہے (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا۔الخ)

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا۔الخ۔ یا اللہ ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھیو جیسا تم نے پہلی امتوں پر رکھا۔ مثلاً بنی اسرائیل کا اپنا قانونِ الٰہی تھا اور ان کی اپنی حکومت تھی، مگر ان کی بدمعاشیوں کے باعث ان سے حکومت چھین لی گئی اور اہلِ مصر (جو ان کے قدیمی دشمن تھے) کو دی گئی، اور بنی اسرائیل کو اہلِ مصر کا تابع ہو کر رہنا پڑا اور پھر وہی قدیمی غلامی ان پر سوار ہو گئی جس کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے، اور اب مسلمانوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ تم بنی اسرائیل جیسے کام مت کرنا۔ ورنہ تمہارے دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے، اور تم پر غلامی سوار ہو جائے گی، اور غلامی ایک ایسی لعنت ہے کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا، اور مصر میں مصریوں کا اپنا قانون رائج تھا اس صورت میں بنی اسرائیل کو دو قوانین کی اطاعت کرنی پڑی۔ ایک مذہبی اور دوسرا حکومت کا قانون یہی معنی ہیں إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے (یعنی ایک مذہبی قانون کی دوسرے حکومت کے قانون کی) اور یہ قریباً ناممکن تھا کیونکہ موسوی قوانین الگ تھے، اور مصری قوانین الگ، اس لئے بنی اسرائیل کو ایک بڑی مصیبت کا سامنا تھا، مثلاً سلطنت ان سے خراج ٹیکس لیتی تھی۔ چونکہ وہ کافر سلطنت تھی وہ عشر میں محسوب شمار نہ کر سکتے تھے تو مذہبی اصول کے مطابق ان کو کاشتکاری یا تجارت سے دوسرا عشر نکالنا پڑتا تھا۔ یہ بڑی مالی مصیبت تھی، اس کی برداشت کی مذہبی قوم میں طاقت نہیں ہے، تو اس آیت "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا" کے معنی یہ ہوں گے کہ یا اللہ ہم کوشش کریں گے کہ ہم پر غیر حکومت غلبہ نہ کر سکے اس لئے کہ اس کے اور ہمارے قوانین متضاد ہوں گے۔

مسلمانوں[۵۷] کے شرعی قانون اور دوسری حکومتوں کے قانون میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ دونوں حکومتوں کے قوانین کی ایک وقت اطاعت نہیں کر سکتے، جب تک کہ ان کی اپنی حکومت نہ ہو، مثلاً نکاح و طلاق میں میاں بیوی دونوں کو آزادی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا حقِ وراثت، مسلمان مرد و عورت پر علم کا سیکھنا فرض ہونا۔ غرض یہ باتیں غیر حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے لئے امر محال ہے۔ اسی طرح ٹیکس تو حکومت لے، پھر دوبارہ ان کو زکوٰۃ دینا پڑے، اور محصول اراضی زیرِ کاشت تو حکومت لے پھر

اس کو عشر شرعی دینا بھی ضروری ہو یہ تکلیف ایسی ہے جو برداشت سے باہر ہے۔

[۵۵] "مخلص بندوں کا بھول چوک پر مواخذہ سے بچنے کی التجا کرنا"

[۵۶] "عذاب کے بوجھ سے بچنے کی دعا"

[۵۷] "مسلمانوں پر غلامی کا عذاب اور بوجھ"

ل‍ه مطبوعہ اور قلمی دونوں نسخوں میں ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا غلط لکھا ہوا ہے اصل یہ ہے ہم نے درست کر دیا ابھی یہ وَلَا تُحَمِّلْ کی تفسیر چل رہی ہے ۱۲ (ع۔ق)

وَ حَمَّلۡتَهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا :- صحابہ میں طاقت تھی کہ وہ کام کرتے تھے، مگر زمانہ کی تبدیلی کے باعث ہم میں وہ طاقت نہیں رہی کہ ہم ان کو اسی طرح ادا کر سکیں لہٰذا ہماری کمی معاف کر دو۔ مثلاً عرب کو قرآن عربی ہونے کے باعث جلدی سمجھ میں آجاتا تھا، مگر عجمی کے سمجھنے کے لئے دِقت (مشکل) ہے لہٰذا ان کی کمی معاف کر! اس طرح دُعا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ جواب یہی ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری دُعا سُن لی! اور غلطیاں معاف کر دیں!

وَاعۡفُ عَنَّا: انسان بعض اوقات دانستہ طور پر غلطی کرتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے مالک سے دوسری طرف نہیں جانا چاہتا۔ اسے اپنے اللہ تعالیٰ، مالک سے جو تعلق ہے اس کو اسی جرم کے سرزد ہونے کے سبب اسے توڑنا نہیں چاہتا جو گو جرم بہت بڑا کیا ہے۔ انسان کا ایک خاص درجہ ہے کہ وہ اپنے مالک سے کسی حالت میں بھی علیحدہ ہونا نہیں چاہتا۔ اب اس دعویٰ کو مدِ نظر رکھ کر کہ ہم تجھ سے کسی حالت میں علیحدہ ہونا نہیں چاہتے۔ آخری دُعا مانگتا ہے کہ ہماری غلطی معاف کر! وَاغۡفِرۡ لَنَا جو غلطیاں لوگوں سے چھپا کر ہم نے کی ہیں۔ اور چھپا کر معاف کی جا سکتی ہیں) وہ ہمیں معاف کر دے! ! وَارۡحَمۡنَا: ہم پر رحم کر! اَنۡتَ مَوۡلٰنَا: اب ان تینوں دُعاؤں کے مانگنے کا سبب بتایا جاتا ہے کہ تو ہمارا مالک ہے تجھ کو چھوڑ کر ہم کہاں جائیں! جب اللہ تعالیٰ سے اسی طرح دُعا کی جاتی ہے کہ ہم تیری اطاعت گے اور اس میں جو لغزشیں ہو جائیں وہ ہمیں معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری دُعا سُن لی اور غلطیاں معاف کر دیں۔

فَانۡصُرۡنَا۔ الخ: جو لوگ ری ایکشنری ہیں یعنی بین الاقوامی قانون کے خلاف چلنا چاہتے ہیں ان پر ہمیں فتح دے کر کامیاب بنا۔

اس سُورت کا آخری حصّہ بتلایا کہ قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے والے بالآخر کامیاب رہیں گے اور اسی بات کو سُورت کے آغاز میں بتلایا کہ قانونِ قرآن کی پیروی کرنے والے ترقی کی اوج پر پہنچیں گے۔ [1]

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ

یوم الاربعاء ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۳ ھجری

فروری ۱۹۳۵ء مکہ المکرمہ

حبیب اللہ بن نہال (الغازی)

تفسیر سورۃ آل عمران مدنیۃ

آیات : ۲۰۰ ، رکوعات : ۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۃ کا نام آلِ عمران ہے جو موسیٰ و ہارون علیہما السّلام کے والد تھے ۔ چونکہ اس سورۃ[1] میں بنی اسرائیل سے نبوت کے انتقال کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام آلِ عمران ہی پڑا ہے[2]۔

ل جیسا کہ اس سورت کی آیت ۳۳ میں آرہا ہے یعنی بے شک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے، تفسیر ابن عباس میں عمران سے موسیٰ و ہارون کے والد مراد لئے گئے، گو عام مفسرین اس سے حضرت مریم کے والد مراد لیتے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر ابن عباس ۴۶ طبع مصر و تفسیر عثمانی ۶۹ ع ۔ ق

ے امام سندھی علیہ الرحمتہ نے الہام الرحمان میں سورت کی تفسیر کے ذیل میں اس کے موضوع ابواب اور فصلوں پر روشنی ڈالی ہے، دونوں سورتوں بقرہ و آل عمران کے بارے میں آپ کے کلام کی تفصیل یہ ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں درحقیقت تورات و انجیل کے بنیادی مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل پر حجت تام کرنے اور ان میں پائی جانیوالی گمراہیوں کے ازالہ اور اصلاح کے لیئے نازل ہوئیں پہلی سورت میں تورات کے تمام اہم ابواب کا مختصر مگر جامع انداز سے احاطہ کر لیا گیا ہے نیز اس میں یہود کی رسمی مذہبیت میں پائی جانیوالی تمام فکری، سماجی، سیاسی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور واضح کیا کہ یہود اصل ملت ابراہیمی سے کسقدر دور جا چکے ہیں جبکہ بین الاقوامی پروگرام اور انسانیت کی عالمگیر سطح پر رہنمائی کی صلاحیت تو ملت حنیفی کے ہمہ گیر جامع اصول ہی رکھتے ہیں۔ جن کو اپنانے کی استعداد' یہودی کھو چکے ہیں، ان کی جگہ ایک نئی جماعت (مسلمانوں) کو بین الاقوامی تحریک کے لیئے اٹھایا جارہا ہے۔ جنکو سورۃ بقرہ میں انہی حنیفی اصول کی بنیاد پر جامع انداز میں تعلیم دی گئی اور ان کی تربیت کی حکمت عملی بتلائی گئی ہے، جب کہ یہ سورت پہلی سورت کا تتمہ ہے مگر اسمیں اصل مخاطب نصاریٰ ہیں یہود کا ذکر اس میں طبعاً ہے جیسا کہ پہلی سورت میں اصل تذکرہ یہود کا تھا نصاریٰ کا ذکر تبعاً تھا۔ چنانچہ اس سورت میں نصاریٰ کے اندر پائی جانیوالی تمام فکری عملی گمراہیوں کی نشاندہی کی گئی اور یہ بتلایا کہ رومی امپیریلزم نصرانی مذہب کے جھوٹے نام پر جو استحصالی اور سرمایہ دارانہ حکومت قائم کیئے ہوئے ہے، اب زیادہ دیر تک اس کا وجود قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ فطرت انسانی کی ترجمان حنیفی ملت کے اصول کی شارح اور پاسبان کتاب (قرآن مجید) اور اس پر عامل یہ مسلم انقلابی جماعت کے وجود کے آجانے کے بعد طاغوتی سسٹم (نظام) نیست و نابود ہو کر رہیں گے۔

لہذا یہود و نصاریٰ کو دعوت دی جارہی ہے کہ قیصر کے آمرانہ طاغوتی نظام کی حمایت چھوڑ کر اس کے باطل افکار و نظریات سے کنارہ کش ہو جائیں اور اس عظیم انقلابی جماعت کے ساتھ مل کر حنیفی ملت پر مبنی انٹرنیشنل عالمی تحریک میں شامل ہوں۔ یوں بین الاقوامی انقلاب میں اپنا کردار ادا کریں ورنہ یہود کی طرح ذلت اور غلامی ان پر بھی آکر رہے گی اور مسلمانوں کو بھی ان غلطیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی جو نصاریٰ کی تباہی کا سبب بنیں۔

نیز جنگ اُحد کے واقعہ کے ضمن میں بعض اسی قسم کی اجتماعی غلطیوں کی وجہ سے جو نقصان کا باعث بنیں، آئندہ اجتناب کی تاکید کی گئی

اور اسی ضمن میں مسلمانوں کو سیاسی رہنمائی کے طور پر استقامت، تقویٰ، جماعتی ڈسپلن، خود اعتمادی اور مشاورت وغیرہ کا علمی اصول بتلائے گئے آخر میں اہل کتاب کی سرمایہ پرستی کی تباہ کن مذموم خصلت سے بچنے کے لیئے تربیت کا اعلیٰ لائحہ عمل دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم ذیل میں الہام الرحمان کے مطابق تمام فصلوں کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

فصل / موضوع	آیت نمبر
فصل اوّل:۔ کتب الٰہیّہ کے نزول کا مقصد توحید کی بنیاد پر عادلانہ نظام کا قیام،	۱ تا ۳۲
فصل دوم:۔ نصاریٰ کے غلط عقائد اور ان کی اصلاح؛	۳۳ تا ۶۳
فصل سوم:۔ اہل کتاب کو ملت حنیفہ کی پیروی کی دعوت؛	۶۴ تا ۹۴
فصل چہارم:۔ قرآن کے ذریعے انسانیت کو ملت حنیفی پر جمع کرنے کی مسلمانوں کی ذمہ داری؛	۹۵ تا ۱۱۷
فصل پنجم:۔ اہل کتاب کے باطل اعمال میں اشتراک سے ممانعت اور ان سے دوستانہ ختم کرنے کا حکم:۔	۱۱۸ تا ۱۲۰
فصل ششم:۔ ان غلطیوں کے بیان میں جو جنگ اُحد میں بظاہر شکست کا باعث بنیں؛	۱۲۱ تا ۱۷۹
اس فصل کے تحت سات ذیلی مباحث ہیں	
اوّل:۔ ظاہری شکست لیڈر کی غلط حکمت عملی کی بنیاد پر نہیں ہوتی کیونکہ وہ نبی ہیں غلطی سے معصوم ہیں۔	۱۲۱ تا ۱۲۹
دوم:۔ جنگ میں بھی انتقامی جذبہ کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنے اندر زبردست اخلاقی قوت پیدا کی جائے۔	۱۳۰ تا ۱۳۸
سوم:۔ کامیابی کے لیے مسلسل جہاد اور صبر آزما قتال کی ضرورت:	۱۳۹ تا ۱۴۸
چہارم: جہاد پر ثابت قدم رہنے اور رکاوٹوں کو دور کرنے اور مصائب جھیلنے سے نقصان کی تلافی ممکن اور کامیابی متوقع ہے۔	۱۴۹ تا ۱۵۸
پنجم:۔ حضورؐ (اور نائبین) کے اخلاق اور عظمت اور ان کی محبت کی اہمیت:	۱۵۹ تا ۱۶۴
ششم:۔ غلطیوں کے اسباب اور آپؐ کی طرف ان کی نسبت کرنے کی ممانعت:	۱۶۵ تا ۱۶۸
ہفتم:۔ مسلمان فتح و شکست کسی حال میں بھی خسارہ میں نہیں ہیں۔	۱۶۹ تا ۱۷۹
فصل ہفتم:۔ یہودی معاشرے میں بادشاہت کے زوال کے بعد سرمایہ داریت کے اثرات اور مسلمانوں کو تنبیہ:	۱۸۰ تا ۱۸۸
فصل ہشتم:۔ سرمایہ داریت کے اثرات سے بچانے والے امور کا بیان:	۱۸۹ تا ۲۰۰

ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی تفسیر سورہ آل عمران ص۱ تا ۱۲۷ طبع حیدرآباد سندھ (ع۔ق)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ﴿۲﴾

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ:-

ترجمہ:

لہ "اللہ کی معرفت کے دو درجے" "الحیّ" "القیوم" کا معنیٰ

پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور وہی اس کا خالق ہے، اور آخری درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا محبوب قرار دے۔ الحیّ وہ ذات جس سے ہر چیز کی حیات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ رُوحانیت وغیرہ کے سب سلسلے اسی سے شروع ہوتے ہیں۔ القیّوم سہارا دینے والا۔ یعنی مادیت کو سہارا دینے والا۔

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۭ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۵﴾ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶﴾

ترجمہ: اُتاری تجھ پر کتاب سچی تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اتارے فیصلے، بے شک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے ان کے واسطے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ﴿۴﴾ اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں ﴿۵﴾ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا زبردست ہے حکمت والا۔

(۳) مُصَدِّقًا

تہ "پہلی کتابیں بھی دنیا کی ہدایت کے لیے آئیں۔"

دنیا میں جس قدر ہدایت ہے اس کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ۔ اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل نازل کیں، مگر ان کی تعلیم لوگوں کو اس قدر مطمئن نہ کر سکی۔ جس قدر قرآن کی تعلیم مطمئن کیا۔ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ پہلی کتابیں بھی دنیا کی ہدایت کے لئے آئیں، موسیٰ علیہ السلام بھی تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آئے، مگر ان کی قوم آپس میں بٹ گئی، اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے، اور

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس عظیم الشّان مقصد میں کامیاب نکلے۔ ایک حدیث[1] میں آتا ہے کہ پہلے نبی (اپنی) اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے، اور میں تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی انبیاء بھی اس مشن کو لے کر آئے۔ مگر ان کی کامیابی ان کی قوم تک محدود تھی، اور آپؐ کی کامیابی مکمّل کامیابی تھی۔ وھذا مثل قولہ ھُدًی[2] للمتقین (یعنی یہ آیت فرمانِ الٰہی ھدی للمتقین (سورۂ بقرہ آیت ۲) کی مثل ہے

"فرقان" کی تشریح۔

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ۔ "فرقان[3]"

اس سمجھ کا نام ہے جس سے

(۱) قانون کا مشتبہ حصّہ معین کر سکے۔

(۲) قانون سے جو باہر چیز ہو اس میں صحیح حل نکال سکیں۔

(۳) قوم کو اس صحیح حل پر راضی کر سکیں، مگر دھوکہ سے نہیں، جیسے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات پر صحابہ میں اختلاف رائے ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا کہ جو کہے آپؐ وفات پا گئے ہیں اس کی گردن اُڑا دوں گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے خُطبہ میں سمجھا دیا۔ غرض پہلی اُمّتوں میں جس اُمت کو کتاب دی گئی، اسے فرقان یعنی یہ سمجھ بھی دی گئی کہ کتاب کو طوطے کی طرح نہ پڑھیں، بلکہ فرقان سے اس پر غور و خوض بھی کر سکیں، مسلمانوں نے آج کل قرآن پر غور و خوض کرنا چھوڑ دیا ہے صرف طوطے کی طرح پڑھنا رہ گیا ہے۔

کفر کی حقیقت

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا :۔ المراد بھم الذین اتبعوا القانون فی الظاھر و ترکوا الذی ھو المقصد الاصلی فھم معدودٌ فی الکفار ومن الناس من یسعی فی ان لا تحدث فی الناس قوۃ یفقھون بھا روح القانون فھو ایضاً من اعداء اللہ عن الکفار۔ (اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔) (۱) اس[4] سے مراد وہ لوگ ہیں جو قانون کی ظاہری اور رسمی طور پر اتباع کرتے ہیں۔ مگر (جو قانون کے مقصدِ اصلی ہے) کو چھوڑ دیتے ہیں، سو ایسے لوگ کفّار میں شمار کئے جائیں گے۔ (۲) دوسرے کچھ ایسے لوگ جن کی یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں میں ایسی

---

[1] ملاحظہ ہو بخاری شریف باب التیمم صفحہ ۴۸ جلد ۱ طبع دہلی ۱۲ ع۔ تق

[2] اس تشبیہ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے آنحضرتؐ کی رسالت کی حقانیت اور قرآن کی صداقت کا معجاز پر خود اسکی ہمہ گیر تعلیم کی تاثیر ہے کہ اس سے صحابہؓ جیسی متقی اور بین الاقوامی عدل قائم کرنے والی اعلیٰ جماعت تیار ہو گئی۔ پہلی کتب سے ایسی خدا پرست انسانیت دوست جماعت تیار نہ ہو سکی گو وہ بھی انسانیت کی ہدایت کے لیئے نازل ہوئی تھیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو الہام الرحمان عربی از صفحہ ۵۹ تا ۶۴ جلد ۱ ۱۲ (ع۔ تق)

(شعوری) قوت نہ پیدا ہو جائے، جس سے وہ قانون کی رُوح (مقصد) کو سمجھ جائیں۔ سو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ہیں، کافر ہیں۔ (مثلاً توحید کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کی رُوح خدائی قانون (نظامِ عدل) کی بالادستی کو ضروری نہیں مانتے، یا اس کی شعوری و تنظیمی قوت نہیں پیدا ہونے دیتے)

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۞ ۷

وقف لازم ۔ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وقف منزل

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا مُعیّن نہیں) سو جن کے دِلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے، اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے اُترے ہیں، اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ ⑦

(کتبِ الٰہیہ[۵] قانون کی دو نوعوں پر مُشتمل ہوتی ہیں) ① محکمات یعنی قانونِ الٰہی، جس میں شک، شُبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ② متشابہات:۔ قانونِ الٰہی جو بخوبی سمجھ نہ آسکے، یعنی دو مطلب نکلیں یا یہ، یا وہ۔ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ (یعنی جن کے دِلوں میں کجی ہے ایسا) (طبقہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے پاس متشابہات کی اس طرح تاویل کی جائے کہ لوگوں میں قانون کی اسپرٹ ہی پیدا نہ ہوسکے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا[۹] اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (عقلمند لوگ ہی قانون کو سمجھ کر فائدہ اٹھاتے ہیں) ان کی کیفیت اِسی سُورت کی آیات نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۴ و ۱۹۹ میں بخوبی دی گئی ہے[۶]۔ یعنی جن لوگوں کے دِل میں فرقان (جس کی تشریح شروع سُورت میں گزر چکی) کی قابلیت پیدا ہوگئی ہے وہ یہی لوگ ہیں ان میں سوچ و سمجھ پیدا ہوگئی ہے۔

[۵] قانون کی دو قسمیں ۔ [۶] آیتوں میں تاویلات کی فاسد غرض۔ [۹] اُولوا الالباب کی تفسیر۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً

ـلـه آیات مولر کا ترجمہ ملاحظہ ہو: وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں: اے رب ہمارے! تو نے یہ عبث (بیکار) نہیں بنایا، تو پاک ہے سب عیبوں سے، اے رب ہمارے! سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ (۱۹۱) اے رب ہمارے جسکو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اُس کو رسوا کر دیا اور نہیں ہے کوئی گنہگار کا مددگار (۱۹۲) اے رب ہمارے ہم نے سُنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے، اے رب ہمارے! اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہمکو نیک لوگوں کے ساتھ (۱۹۳) اے رب ہمارے! اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رُسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن، بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (۱۹۴) آیت ۱۹۹ اور کتاب والوں میں بعض وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو اُترا تمہاری طرف اور جو اُترا ان کی طرف، عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے، نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا۔ یہی ہے جن کے لئے مزدوری ان کے رب کے ہاں، بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب۔ (ترجمہ شیخ الہند) ع۔ق

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

ترجمہ: اے ربّ نہ پھیر ہمارے دِلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت، تو ہی ہے سب کچھ دینے والا ﴿۸﴾

دعائی حقیقت

دُعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان قطعی فیصلہ کرے کہ میں اس بات کو بخوبی انجام دوں گا، اور اس کے سرانجام دینے کے لئے سر توڑ کوشش کرے، اور نتیجہ اللہ کے ہاتھ چھوڑ دے، اور ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ بھی رہے، تاکہ حظیرۃ القدس (بارگاہِ الٰہی) سے اس کی عزیمت (قطعی فیصلہ) کے موافق رحمت نازل ہو سکے اور کامیاب ہونے میں سہولت آجائے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع

ترجمہ: اے ربّ تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں، بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ ﴿۹﴾

"اللہ متمدن لوگوں کو ضرور قرآنی انٹرنیشنل تحریک میں جمع کریگا۔"

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ:-

ضرور ایک دن اللہ متمدن لوگوں کو اس انٹرنیشنل (قرآنی انقلابی تحریک) میں جمع کرے گا، تو یا اللہ! ہم کو سیدھے راستہ پر چلا! مبادا کہ ہم غلط (راستہ) کو لے کر چلیں اور کامیاب نہ ہو سکیں، غرض انسان کو قانونِ الٰہی (قرآن) دیا گیا، وہ اس پر عمل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ تمام دُنیا میں بڑھ جاتا ہے، اب وہ دُعا کرتا ہے کہ یا اللہ جس طرح قانونِ الٰہی کی پابندی میں ہم سرخرو ہوئے، اس طرح جس دن تمام دنیا کی قومیں جمع ہوں (یعنی قیامت کے دن) ہمیں سُرخرو کیجیے!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آدیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ اور وہی

ہیں ایندھن دوزخ کے ⑩ جیسے دستور فرعون والوں کا، اور جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر، اور اللہ کا عذاب سخت ہے ⑪ کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف، اور کیا برا ٹھکانہ ہے ⑫

(۱۱) کَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ الخ۔

ف "قانون قرآنی سے روگردانی پر سابقہ امتوں کی طرح ہلاکت کی وعید"

یعنی اعطیت الامم السابقة القانون الالٰهی وصارت نتیجة انها اهلکت لعدم العمل به کذالك یعطی الناس الان القانون الاعلی من ذالك القانون ففی صورة عدم الاتباع الهلاك لازم۔
(سابقہ امتوں کو قانونِ الٰہی دیا گیا، مگر جب انہوں نے اس کی پیروی چھوڑ دی تو وہ ہلاک کر دی گئیں، اسی طرح اب اللہ تعالیٰ ان لوگوں (مسلمانوں) کو اُس قانون سے اعلیٰ درجہ کا قانون (قرآن) دے رہے ہیں، اگر یہ بھی پیروی نہیں کریں گے، تو ان کی تباہی لازم ہو جائے گی)

ف "تاثیر قرآن"

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قانون کی پیروی سے کس قدر عظیم الشان انقلاب طبیعتوں کے اندر پیدا کر دیا کہ ایک یورپین مؤرخ جنگ عمومی کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس قانون کی پیروی نے جس طرح ابوبکر صدیقؓ سا آدمی پیدا کر دیا، اگر اس قسم کے دس بیس نوجوان اس کے ساتھ ہوتے، تو تمام دنیا میں توحید کا ڈنکا بج جاتا۔ غرض آیت میں کہا جا رہا ہے کہ تمہیں ایک ایسا عمدہ اور اعلیٰ قانون دیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اس کی پیروی نہ کی تو پھر سمجھ لو کہ تمہارا ٹھکانہ بھی جہنم ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ⑬

ترجمہ: ابھی گزر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ ہوا، ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے۔ دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے، اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے، اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو ⑬

(۱۳) قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ الخ۔

ف "قرآن کی حقانیت پر دلیل"

تمام دنیا کی مشترکہ حقانیت قرآن میں ہے، اس کی تعلیم کی پیروی سے جو طبیعتوں میں انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے سے دگنی جماعت پر کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ درحقیقت جنگ بدر کا واقعہ ہے، مسلمانوں کی تعداد (تین سو سے کچھ اوپر تھی جن کے پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں

تھے) جنگِ بدر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی ایک نشانی تھی، اور حضرت یسعیاہ کی پیشین گوئی کی صداقت کا (وقت) پورا ہوتا تھا جو عرب کی زمین کے متعلق کہتے تھے۔" عرب کی زمین کے لوگ پیاسے کے پاس پانی پینے کے لئے لائے، انہوں نے اپنی روٹی سے اسے روکا جو ہجرت کرنے لگا تھا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و حضرت ابوبکرؓ) تلواروں سے بھاگے، تلواریں جو کھینچی ہوئی تھیں، اور کمانوں سے جو کھینچی ہوئی تھیں، اور جنگ کی سختیوں اور تکلیفوں سے، اس طرح خداوند نے کہا ہے کہ اس ہجرت سے ایک سال کے اندر قیدار (قریش) کی شان و شوکت برباد ہو جائے گی اور تیر اندازوں کی بقیہ جماعت اور قیدار (قریش) کے نامور آدمیوں کی اولاد تباہ ہو جائے گی۔" ؎ (کتاب مقدس)

اور آٹھ تلواریں تھیں۔ جبکہ مقابلہ میں تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ، ایک سو گھوڑے

پیشگوئی کی صداقت پر انجیل کی پیشین گوئیاں

تاریخ کے اوراق پر صرف ایک ہی ہستی ہے جس کی فراری (بھاگ نکلنا) ایک بہت نامور واقعہ ہو گیا ہے، جسے ہجرت اور سال کو ہجرت کا سال کہتے ہیں، یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے جو اپنے ایک وفادار رفیق (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے ہمراہ میں (دشمن) محافظوں کی کھینچی ہوئی تلواروں سے بھاگے، جب کہ انہوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس ہجرت کے ایک سال بعد جنگِ بدر میں قیدار (قریش) کی شان و شوکت برباد ہوئی، جنگِ بدر ہجرت کے دوسرے سال ہوئی، خاص طور پر یہود و نصاریٰ کی توجہ اس واقعہ کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے، اور اس واقعہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ قرآن اور تورات کی پیشین گوئیاں برابر ان کی صداقت سے پوری ہو رہی تھیں۔ ہجرت کا دوسرا سال جس سے مسلمانوں کا سن شروع ہوتا ہے ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قیدار کی شان و شوکت تباہ ہو گئی۔

؎۱۲ "واقعہ بدر میں یہود و نصاریٰ کیلئے عبرت"

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ۔ غزوۃ بدر۔ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ لاٰیۃ للیھود و النصاریٰ لانہ اخبر فی ھذہ الواقعۃ ان عاقبتھم تکون مثل عاقبۃ المشرکین ان کانوا مثلھم۔

(یعنی یقیناً ؎ اس (واقعۂ بدر) میں آنکھوں والوں کے لئے نشانی ہے، یعنی یہود و نصاریٰ کے لئے، کیونکہ اس واقعہ میں پیشگوئی ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ مشرکین کی طرح باز نہ آئے تو پھر ان کا انجام مشرکین جیسا ہو گا۔)

جیسا کہ انجیل میں بھی آیا ہے "کیونکہ جو اس پتھر سے ٹکرائے گا وہ چکنا چور ہو جائے گا اور جس پر وہ پتھر گرے گا اس کو پیس ڈالے گا۔" ؎ (انجیل)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ

ؔ۱ ہمارے پاس موجود نسخے میں عبارت یہ ہے ،، وہ پیاسے کے پانی لائے، تیمار (حجاز) کی سرزمین کے باشندے (مہاجرین) روٹی لیکر بھاگنے والے (حضورؐ و ابو بکرؓ) سے ملنے کو نکلنے، کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلواروں سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں، کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار (قریش) کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے۔ (ملاحظہ ہو کتاب مقدس صحیفہ ٔ یسعیاہ باب [۲۱] آیت ۱۳ تا ۱۷ مطبوعہ ۱۹۰۶ء)

ؔ۲ مکمل عبارت یہ ہے ،، میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لاتے دے دی جائیگی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ ملاحظہ ہو انجیل متی باب [۲۱] آیت ۴۴ طبع انار کلی لاہور [۱۲] عاشق

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر، پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضا مندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ﴿۱۵﴾ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ﴿۱۶﴾

(۱۴) ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا:-

کیونکہ جس کے پاس یہ چیزیں ہوتی ہیں لوگ اسی کو اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ اگرچہ خوش کن مذکورہ سامانِ دنیا اپنی طرف کھینچتے ہیں تاکہ اس کا دل کسی طرح لگا رہے، اسی طرف جھکا رہے ؎۱۳ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنا ہی مقصدِ زندگی ہے۔ جو مومن اپنے لئے جزوِ ایمان سمجھتا ہے، اور اللہ کے ساتھ رہنا یہ ہے کہ اس کے قانون کی پابندی کی جائے۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكَ۔ فی معاوضۃ اتباع القانون وھو الملك الذی بینہ بقولہ جنت تجری الی آخرہ۔ ومعہ رضاء اللہ تعالیٰ ایضا۔ اعلم ان متبع القانون یستحق اجرین احدھما فی الدنیا۔ الثانی فی الاخرۃ فحصل المسلمون فی اتباع القانون ملك العراق والحجاز ومصر والشام والایران ولھم فی الاخرۃ اجر خیر منہ۔

؎۱۳ "مقصدِ زندگی اللہ کے ساتھ رہنا ہے اور اس کا طریقہ۔"

؎۱۴ ہر قانون کی پیروی پر دو اجر سلطنت اور رضا مندی۔

("یعنی اے پیغمبر! آپ میری طرف سے بتلا دیجئے! کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر بدلہ کی خبر نہ دوں اگر تم اس قانون کی پیروی کرو کہ (۱) وہ سلطنت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جَنّٰتٌ تَجْرِیْ سے بیان کیا۔ (۲) اور اس کے ساتھ رضاء الٰہی بھی ہے۔

معلوم رہے کہ قانون کے پیروکار دو اجروں کے مستحق ہوتے ہیں۔ (۱) پہلا دنیا میں (۲) دوسرا آخرت میں چنانچہ مسلمانوں نے قانون کی پیروی کے نتیجے میں عراق، حجاز، مصر اور شام (جیسے زرخیز) خطے حاصل کئے اور آخرت میں (رضاء الٰہی اور جنت کی صورت میں) اس سے بہتر اجر پائیں گے۔")

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور حکم بجا لانے والے اور خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں ﴿۱۷﴾

ف۱۵ "متقین کی صفات"

الصّٰدِقِیْنَ، ف۱۵ وہ آدمی جو کسی سچے آدمی کو نہ ہی مجنون کہے اور نہ ہی اسے کسی قسم کا دھوکہ دے وَالْقٰنِتِیْنَ، قانون کی رُوح وصورت کا تابعدار وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ، سلامتی ایمان کی یہ دلیل ہے کہ انسان علی الصبح اپنے اعمال پر نظر ثانی کرے اور عہد کرے کہ کل کی غلطی آج نہیں دہرائے گا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

النصف

ترجمہ: اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی وہی حاکم ہے انصاف کا کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ:۔

ف۱۶ "فرشتوں اور علماء کی شہادت منصف مزاجی ہے"

اللہ ف۱۶ نے فرشتوں اور علماء کی جماعت کو شہادت میں اپنے ساتھ لیا ہے۔ فرشتے آسمان میں اور علماء زمین میں اس کی وحدانیت کی شہادت ہے، یعنی علماء کا کام منصف مزاجی ہے۔

عیسائی اُور دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! آسمانی بادشاہت کی مانند زمین پر بھی بادشاہت ہو، جس کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح فرشتے منصف مزاج ہیں اسی طرح زمین پر بھی فرشتوں کی سی منصف مزاجی ہو۔ والملائکۃ ملکی صفات انسان جن پر ملاء اعلیٰ یا اسفل سے کوئی الہام ہوتا ہے وہ بھی خُدا کی بادشاہی کی شہادت دیتے ہیں۔ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ۔ حال ہے اولو العلم سے اگرچہ لفظاً مفرد ہے معنیً جمع ہے تو منصف مزاج اہلِ علم ہر فرقہ سے مانتے ہیں، کہ بادشاہی صرف اللہ کی ہے، جبراً جو لوگ حاکم ہوئے ہیں وہ ظُلم کرتے ہیں۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ۔

عند اللہ مذهب واحد فقط اسمه اسلام وذكو فى القرآن مرادًا ان مذهب الانبياء كلهم كان اسلاما وفى موضع ان انبياء بنى اسرائيل بعد ابراهيم كلهم كانوا مسلمين اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ایک ہی مذہب ہے، جس کا نام اسلام ہے اور یہ قرآن میں بھی مذکور ہے

جس کی مراد یہی ہے کہ تمام انبیاء کا مذہب اسلام ہی تھا، اور ایک دوسری جگہ میں ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل (ابراہیم کے بعد) سب مسلمان تھے۔ یعنی اطاعت گزار، ان میں نافرمانی کا مادہ نہ تھا (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۱۳۲)

اعلم ان الاسلام لم يكن مجرد مذهب الانبياء بل هو حسب ما قال القرآن مذهب فطرة الانسان فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا سورة روم ۳۰ وفى الحديث ما من مولود يولد على الفطرة الحديث۔ ليس معنى الاسلام مجرد الطاعة بل قد ياتى بمعنى الدخول فى الامن وهو فى الحقيقة يعطى تعليم الامن كما فى سورة الرعد من آيت ۲۲ الى آيت ۲۴ ان مقصد الذى ينقب الاسلام اليه هو موضع سلامة وما اختلف الذين الى آخره - الكتاب يعنى هذا القانون الالهى معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ہی کا مذہب نہیں بلکہ اسلام نے تو اسی بات کو پسند کیا ہے، جو قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق فطرتِ انسانیہ کا مذہب ہے جیسا ارشاد ہے فطرۃ اللہ کا وہ دین ہے جس پر اس نے لوگوں کا خمیر اٹھایا۔ (سورۂ روم ۳۰) اور حدیث پاک میں ہے کہ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں (متفق علیہ)

پھر اسلام کے معنی محض اطاعت ہی کے نہیں، بلکہ کبھی امن میں داخل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسلام درحقیقت امن کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ رعد آیت ۲۲ تا ۲۴ میں وضاحت ہے۔ خلاصہ یہ ہے، جس بات کی طرف اسلام نشاندہی کرتا ہے وہ سلامتی ہی کی جگہ ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ الخ الکتاب یعنی یہ قانونِ الٰہی یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے جھوٹ کو سچ میں ملا دیا اور اس طرح قانون شکنی کی وَمَنْ یَّکْفُرْ الی آخرہ ہر مہذب گورنمنٹ کا دستور ہے کہ وہ مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت پر سزا دیتی ہے، اسی طرح اللہ بھی قانون شکنی کی سزا جرم کی نوعیت پر دے گا، کیونکہ اللہ حساب لینے والا ہے، وہ ہر ایک کو اس جرم کی سزا دے گا، بنی اسرائیل کو جب سزا دی قانون شکنی کی، تو حکومت جو نعمتِ الٰہیہ ہے ان سے لے کر قانونِ الٰہی پر عمل کرنے والی مسلمان جماعت کو دے دی گئی۔

حاشیہ: تمام انبیاء کا مذہب اسلام ہے۔ | اسلام انسانی فطرت کا مذہب ہے۔ | قانون شکنی کی سزا حکومت چھین لینا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ

۱؎ ملاحظہ ہو سورہ شوریٰ آیت ۱۳، پ ۲۵ ۱۲

۲؎ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۴۳، پ ۱۳

۳؎ سورہ الروم آیت پ ۲۱ ۱۲ ۴؎ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص ۲۱ ۱۲ (ع ق)

أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۚ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا مُنہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی اور اگر مُنہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

بنو اسرائیل والمشرکون یؤولون تاویلات مختلفة فی امور کثیرة - فَقُلْ اَسْلَمْتُ الی آخرہ ای نومن انا وصحابتی بالکتب المنزلة من الله تعالیٰ علی اهل الدنیا فکل کتاب تتبعونه منزلا من الله لا نتاخر من الایمان به - قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ای اهل العرب ای إسئل اهل العرب والیهود والنصاری ءاسلمتم بالصداقة مثلنا یعنی تومنون بالکتب المنزلة کلها مثلنا۔

فَاِنْ حَاجُّوْكَ ۔

بنو اسرائیل اور مشرکین کی یہ عادت تھی کہ اکثر (دین ابراہیمی کی) باتوں میں من گھڑت تاویلات کرتے تھے، فَقُلْ اَسْلَمْتُ الخ یعنی آپؐ فرما دیں! میں اور میرے اصحاب تو دنیا میں جس کسی قوم پر کوئی آسمانی کتاب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہم اس پر ایمان لانے میں پس وپیش نہ کریں گے، قُلْ لِّلَّذِیْنَ الخ اُمِّیّٖن سے مراد عرب ہیں یعنی آپؐ اہلِ عرب، یہود اور نصاریٰ سے پوچھیں کیا تم بھی ہماری طرح سچائی پر ایمان لاؤ گے؟ یعنی ہماری طرح تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لاؤ گے؟ یعنی تم اس قانونِ اسلام کی پابندی کرو! کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے وسیع اور بلند اصول پر مبنی ہے، کیونکہ تم سب عرب یہود و نصاریٰ ابراہیم علیہ السلام کو نبی مانتے ہو اس لئے اس جگہ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہی الفاظ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ تمام قومیں ابراہیم علیہ السلام کی صداقت کی قائل تھیں، اس لئے اس کے مذہب کے اصول اِن چاروں قوموں (چوتھی قوم مُسلمان) کو آپس میں ملا سکتے تھے، فَاِنْ اَسْلَمُوْا سلموا هذا فَقَدِ اهْتَدَوْا فوقعوا علی الطریق المستقیم سو اگر اس (بین الاقوامی قانون) کو تسلیم کر لیں تو وہ سیدھی راہ چل پڑیں گے، یعنی جبکہ قانونِ الٰہی کی تابعداری پر کمربستہ رہیں۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا ای الفرق الثلثة عن اتباع القانون فاترکوهم علی ضدهم وعنادهم۔ وَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ای النصیحة باتباع القانون فان لم یرضوا عنه اللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ای من یحب قانونه ومن یکسر یجزیهم باعمالهم - الحاصل علم فی هذه الآیة ان اهل المذاهب الاخری ان اثبتت ملتهم من عند الله امن المسلمون به علی الفور وکذالك علی المسلمین ان یعرضوا عند اهل المذاهب مالم یکن لهم فی تسلیمه تردد یعنی لا یعرضوا عندهم

"ابراہیمی مذہب کے اصول پوری دنیا کو جمع کر سکتے ہیں"

ف ۲۱ "اسلام کی تبلیغ اور دعوت کی حکمت عملی"

امراضعیفا یقدرون علی ردہ (وَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر تینوں فرقے (عرب، یہود اور نصاریٰ) اس قانون کی پیروی سے اعراض کریں تو ان کو ان کی ضد اور عناد پر چھوڑ دیں۔ وانما علیك البلاغ یعنی آپ کی ذمہ داری قانون کی پیروی کی نصیحت اور قانون سمجھا دینا ہے، سو اگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتے تو اللہ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی اللہ اپنے بندوں کے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہیں، کہ کون اس کے قانون کو پسند کرتا ہے اور کون اس کو توڑتا ہے۔ وہ ہر ایک کو ان کے عملوں کی جزا وسزا دے گا۔

الحاصل اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے مذاہب والے اگر اپنی ملّت کا اللہ کے پاس سے ہونا (دلائل سے) ثابت کر دیں تو مسلمان فوراً اس پر ایمان لے آئیں گے، اسی طرح مُسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ دوسرے مذاہب والوں کے سامنے (اسلامی تعلیمات مُدلّل انداز) سے پیش کریں۔ جن کے تسلیم کرنے میں ان کو کوئی تردُّد نہ ہو، یعنی ان کے سامنے ایسی کوئی ضعیف بات پیش نہ کریں جس کو وہ رد کر سکیں) یعنی بین الاقوامی بات پیش کریں، جو سب مذاہب میں مشترک ہے، غرض اس میں بتلایا گیا کہ مسلمان ہر ایک قوم سے تحقیق شدہ مسائل میں صلح کرنے کو تیار رہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق، اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے، سو خوشخبری سُنا دے ان کو عذاب دردناک کی۔

ف ۲۲ "قانون کی مخالف (رجعت پسند پارٹی)"

اخبرفی ھذہ الاٰیۃ ان الجماعۃ المخالفۃ لجماعۃ تحب القانون موجودۃ فی مقابلتھم (اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قانون پسند[۲۲] جماعت کی مخالف پارٹی مقابلہ میں موجود رہتی ہے) اور وہی ری ایکشنری رجعت پسند پارٹی ہے۔ سعیھا اقامۃ القتل والفساد فی الدنیا حتی لا یجری القانون البین الاقوامی فی الدنیا بعد الصلح بین الجماعات کلھا (جن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں قتل اور فساد برپا کر دیا جائے (مذہبی)، جماعتوں میں صلح ہو جانے کے بعد دُنیا میں بین الاقوامی قانون جاری نہ ہو جائے) اور نظامِ عالم کو درہم برہم کر دیا جائے۔ فَبَشِّرْهُمْ ای مثل ھولاء الکاسرین للقانون بعذاب الیم علی کسرھم القانون واقامۃ الفساد فی الدنیا لان اقامۃ الفتنۃ والفساد اشد من القتل فلھذا یجری علیھم آخر حد القانون ای یقتلون وتعطی حکومتھم لجماعۃ تحب القانون رأی

المنافقون والمشرکون هذا العذاب فی الدنیا۔

فَبَشِّرْهُمْ یعنی آپ ان کو اور اس طرح کے تمام قانون شکنی کرنے والوں کو قانون شکنی کرنے اور دنیا میں فساد برپا کرنے پر دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دیجئے؟ کیونکہ فتنہ و فساد برپا کرنا تو قتل سے سخت جُرم ہے تو اسی لئے ان پر قانون کی آخری حد جاری ہوگی، یعنی انہیں قتل کر دیا جائے گا اور ان کی حکومت و ریاست ایسی جماعت کو دے دی جائے گی جو قانون سے محبّت رکھے، چنانچہ منافقین اور مشرکین (رجعت پسندوں) نے یہ عذاب دنیا میں دیکھ لیا)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: یہی ہیں جن کی محنت ضائع ہوئی دُنیا میں اور آخرت میں کوئی نہیں ان کا مددگار ﴿٢٢﴾

۲۳ «قانون کی مخالفت کرنے سے پچھلے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں»

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ[۲۳] السابقة حین ارادوا سد القانون من النفوذ مثل رجل یسعی بتمامه فی خدمة رجل لکن رضیه النقصان فی الاخر بوجه فتحبط اعماله السابقة فی خدمة مولاه او مثل عسکری (سپاہی) صرف نفسه مدة العمر فی خدمة الفوج لکنه التحق فی آخر عمره بالاعداء وصار باغیا فضاعت خدماته السابقة کلها۔

(حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ یعنی ان کے تمام گزشتہ (نیک) اعمال برباد ہو گئے، جبکہ انہوں نے قانونِ الٰہی کے نافذ ہونے میں رکاوٹ بننے کا ارادہ کر لیا، جیسے ایک شخص (غلام) دوسرے (آقا) کی خدمت پوری کوشش سے کرتا رہتا ہے، لیکن آخر میں اس کو نقصان دینے پر راضی ہو جاتا ہے تو اس نے اپنے آقا کی خدمت میں جس قدر پہلے اعمال کئے تھے وہ سب بیکار ہو جائیں گے۔ یا جیسے ایک سپاہی اپنی پوری عمر فوج کی خدمت میں لگا دے لیکن آخر عمر میں دشمن سے جا ملے اور باغی بن جائے تو اس کی تمام سابقہ خدمات ضائع ہو جاتی ہیں)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصّہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے تغافل کر کے ﴿٢٣﴾

الم تر الی الذین اوتوا۔

ای الیھود وقال نَصِیبًا لانه قد ضاع الی ھذا الوقت کثیر من الکتاب فبقی عندھم حصة واحدة فقط من قانون الٰھی والباقی اما ضاع او صرفوہ علی وجه ما یطابق مقصدھم الحاصل اذا کانت (مخالفة لھم)

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا شیا من فھم الکتاب انھم یعرضون عن التوراة وقت العمل بھا عن جعلھا حکما وقت الاختلاف فلا تسئل عن حال الجھال - فھم کل الکتاب ھو حظ الراسخین فی العلم لِیَحْکُمَ بہ ای العمل ضروری به فھم یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ (الذین اوتوا اس[۲۴] سے مراد یہود ہیں نصیباً من الکتاب یعنی (یہودی عالم) کتاب کا کچھ حصّہ دیئے گئے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اس وقت تک کتاب (توراۃ) کا بہت سا حصّہ ضائع ہو چکا تھا۔ سو ان کے پاس قانونِ الٰہی کا ایک ہی حصّہ رہ گیا ہے، باقی یا ضائع ہو گیا یا اس کو ایسے مطالب پر محمول کر لیا جو ان کے مقصد کے مطابق ہو جبکہ اصل مطالب ان کی خواہشات کے خلاف ہوں الذین اوتوا نصیباً کا دوسرا مطلب یہ ہے۔ جو علماء کہ تورات سے فہم و شعور کا کچھ حصّہ دیئے گئے کیونکہ وہ تورات پر عمل کے وقت اس سے روگردانی کرتے ہیں اور (معاملات میں) اختلاف کے وقت اس کو فیصل نہیں ٹھہراتے تو جُہّال کا حال مت پوچھئے! باقی کتابِ الٰہی کی مکمل سمجھ تو منجانب اللہ علم کے اندر رسوخ رکھنے والوں کا ہی حصّہ ہے لِیَحْکُمَ۔ یعنی اس پر عمل ضروری ہے سو انکو فیصلوں کیلئے ایک قانونِ الٰہی کیطرف بلایا جا رہا ہے، یعنی مجلس میں بیٹھ کر قانون الٰہی کے مطابق درمیانی فیصلے کریں، اس سے نتیجہ[۲۵] یہ نکلا کہ حکومت میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو معاملہ کی تہہ تک پہنچے، اس کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور اپنی جماعت میں عوام کی نمائندگی کرے اور نمائندگی اس طرح کریں کہ عوام بھی سمجھ لیں کہ سب کام ہمارے ہی فائدے کے لئے کر رہے ہیں، اگر یہ جماعت ایک طرف جھک جائے گی، تو عوام سے بہت دُور ہو جائے گی، یعنی اس جماعت کو انفرادی فوائد کے بجائے جماعتی اور اشتراکی فوائد کی طرف زیادہ توجّہ دینی چاہیئے۔ مجلسِ شوریٰ میں تمام مسائل کو اپنے نقطۂ نظر سے حل نہ کرے بلکہ جماعتی فائدہ کو مدِّ نظر رکھے۔

۲۴ "کیا یہود کو تورات کا کچھ حصہ ملا"

۲۵ "حکومت کیلئے مجتہدانہ صلاحیت والی اجتماعیت پسند جماعت کا ہونا ضروری ہے۔"

مثلاً عیسیٰ علیہ السّلام اللہ کے نبی تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صنعت (کاریگری) کے ظہور کیلئے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ انہوں نے دُنیا میں نیک کام کئے اور اللہ کے دین پھیلانے میں حتی المقدور کوشش کی، حتیٰ کہ یہود ان سے بگڑ گئے، اب[۲۶] نصاریٰ ان کا رُتبہ اس قدر بڑھا رہے ہیں کہ ان کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کے رتبہ تک لے گئے۔ اس کو ہر شخص تو نہیں مان سکتا۔ وان کانت الفضیلة تقف علی التولد من غیر اب فماذا یکون شان آدم الذی تولد من غیر اب وام (یعنی اگر فضیلت بغیر باپ کے پیدا ہونے پر موقوف ہے، تو پھر اس آدم علیہ السّلام کی کیا شان ہو گی جو بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے) غرض بتلایا گیا کہ مجلس کے مشورہ سے فیصلہ کرو، خود ہی کسی بات کو مت بڑھاؤ۔

۲۶ عیسیٰ کو ابن اللہ قرار دینا انفرادیت پر مبنی فیصلہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ﴿۲۴﴾

ش۱ دین اسلام سے روگردانی کا سبب۔

ش۱ الاعراض بانھم ای بسبب انھم قالوا الی آخرہ وھو غلط کما ذکر فی سورۃ البقرۃ فی آیت ۱۱۱ (یعنی دین اسلام اور قانون الہٰی کی پیروی سے روگردانی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے کہا ہم یہودی تو صرف چند روز کیلئے جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت ۱۱۱ میں یہ بات ذکر کر دی گئی ہے۔) اسی خیال میں مبتلا ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو نہ صرف دھوکہ ہی دیا، بلکہ اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: پھر کیا ہوگا حال جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن کہ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاویگا ہر کوئی اپنا کیا ﴿۲۵﴾

ش۲ نجات کا دارومدار عمل پر ہے۔ اسی طرح حکومت قانون کی پیروی سے ملتی ہے۔

وہاں ش۲ یہ نہیں ہوگا کہ یہ نصرانی یا یہودی ہے بلکہ عمل صالح پر دارومدار کما فی سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۲ ان النجاۃ عن عمل صالح کذلک اعطیت الحکومۃ فی اتباع القانون الالٰھی (یعنی نجات عمل صالح پر موقوف ہے۔ اسی طرح حکومت قانون کی پیروی ہی میں دی جائے گی یعنی حکومت کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے

ــــہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۱۱ پ۱ کا ترجمہ یہ ہے "اور کہتے ہیں ہرگز جنت میں نہ جائیں گے مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہوں گے یہ ان کی آرزوئیں ہیں کہہ دے اگر تم سچے ہو تو اپنی سند لے آؤ" مولانا عبدالحی فاروقی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "دنیا کی تمام سابقہ قوموں اور قدیم مذہب والوں کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے جدا جدا گروہ بنا کر دین کی سچائی ضائع کر دی جو حقیقت میں ایک ہی تھی اور سب کو یکساں طور پر دی گئی تھی، اب ہر گروہ دوسرے کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے آپ کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے۔ یہودی بھی اس گمراہی میں مبتلا تھے اور انہیں یہ خیال تھا کہ سچائی صرف ان کے پاس ہے وہی جنت میں جائیں گے قرآن مجید نے بتلایا کہ یہ ان کی من گھڑت باتیں اور جھوٹی آرزوئیں ہیں اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو وہ پیش کریں" ملاحظہ ہو درس قرآن ص ۱۲۸ جلد اول ۲ لیکن میرے خیال میں آیت بالا کی تفسیر کے لئے زیادہ موزوں سورہ بقرہ پ۱ کی آیت ۷۹ تا ۸۲ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جن کی تفسیر میں مولانا عبدالحی فاروقی لکھتے ہیں "بنی اسرائیل نے بہت سے جھوٹے عقیدے گھڑ لئے تھے اور یہ عقیدے نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے مثلاً یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی اور اگر ملی بھی تو صرف چند روز کے لیے۔ بزرگ ان کے بزرگ انہیں بخشوا لیں گے، ان عقیدوں کی آڑ میں یہ لوگ ہر نا جائز اور حرام عمل دکردار سے ہرگز نہ چوکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس غلط گمان کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے کہ نجات کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے، پہلی یہ کہ آدمی اللہ پر ایمان رکھتا ہو دوسری یہ کہ وہ نیک عمل کرتا ہو یعنی اللہ کے احکام کو صدق دل سے ماننے اور ان کی تعمیل کرنے پر جزا و سزا کا دارومدار ہے (درس قرآن ج۱ ص۱۱۱) ع۔ق

اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خوبی بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ ۔

شہ۲۹ دو الہی نعمتیں عزت اور حکومت اور دو الہی عذاب ذلت اور غلامی

یعنی خذ الحکومۃ من الذین یعصون قانونک و اعطناھا لانا نتبع قانونک لان العزۃ والحکومۃ عطیۃ منک۔ (یعنی اے اللہ تو ان لوگوں سے حکومت چھین لے، جو تیرے قانون کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ ہمیں عطا فرما کیونکہ ہم تیری قانون کی پیروی کرتے ہیں، عزت اور حکومت کا دیا جانا تیری طرف سے عطیہ اور نعمت ہے۔)

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو رات میں اور تو نکالے زندہ مُردہ سے اور نکالے مُردہ زندہ سے اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار۔ تُولِجُ اللَّيْلَ ۔

یعنی قانونِ قدرت اس بات کا مقتضی ہے کہ رات کے اندھیرے کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہو، اسی طرح اللہ کی نعمت حکومت و عزت اسی قوم کو دی جائے گی، جس کی شب کے بعد اقبال مندی کی صبح کا ظہور ہوگا۔

شہ۳۰ گردشِ لیل و نہار کا خدائی قانون

وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ۔ یعنی دن کے بعد پھر تاریکی آتی ہے، یعنی قانونِ الہی پر عمل کرنے میں عزت کو ذلت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، یعنی حکومت و دولت چھین لی جاتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ خداوند کی حکومت تم سے چھین لی جائے گی، اور اس قوم کو دی جائے گی جو اس کے پھل سے فائدہ اٹھائیں گے، یعنی اگر تم قانون کے پابند نہ ہوگے، تو تم سے حکومت چھین کر پابند قوم کو دی جائے گی۔

شہ۳۱ مُردہ اور زندہ اقوام

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ الی آخرہ۔ عربوں کی ایک مُردہ قوم کو زندگی دی گئی، جس نے قانون کی پیروی سے زندگی حاصل کی، وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ جس قوم نے حکومت ملنے پر قانون کی پابندی چھوڑ دی، اس کو مُردہ تصور کرنا چاہیئے، اس لئے کہ آج نہیں تو کل ضرور ہی حکومت چھین لی جائے گی، اس لئے کہ وہ قوم مُردہ ہے۔ یہود کی زندہ قوم کو اب مُردہ سے تشبیہ دی جا رہی ہے، کیونکہ قانون کی پابندی نہ کرنے والی جماعت سے حکومت چھین لی جاتی ہے، پھر وہ مُردہ ہو جاتی ہے۔ سورہ النساء آیت ۵۴ میں یہود کے متعلق کہا گیا ہے۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الی آخرہ (یعنی بلاشبہ ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت (سمجھ) دی اور ہم نے ان کو بڑی حکومت عطا کی۔) مگر قانونِ الہی کی پیروی چھوڑنے پر ان سے حکومت چھین لی۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (یعنی جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے عنایت فرماتا ہے) یعنی قانون کی پابندی کرنے والوں کو حکومت کی نعمت عطا کرتا ہے۔

شہ۳۲ بے حساب رزق کا مفہوم

ذکر اللہ تعالیٰ لایفاء وعدہ (المذکور فی قولہ اللھم الی آخرہ) ثلثۃ شرائط حفظ العدۃ فی الاعداء وحصول نصرۃ اللہ واجتماع القوۃ اعنی الاتفاق فھذہ ثلثۃ شرائط لحصول السلطنۃ ولبقائھا ذکر طریق الاول بقولہ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الی آخرہ واذا خالف حاطب بن ابی بلتعۃ فنزل یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الی آخرہ (سورۃ الممتحنہ) وذکر طریق الثانی بقولہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ الی آخرہ فرض اللہ الموالاۃ للمسلمین لحصول معیۃ اللہ ونصرتہ فبعدہ لاحاجۃ لھم الی تحصیل الاسباب المادیۃ لان للہ جنود السموات والارض من البعوضۃ الی الملئکۃ من ذی روح وغیر ذی روح فتکون الکل للمسلمین؛ اھلک اللہ تعالیٰ نمرود بالبعوضۃ بل اسباب الاعداء وافواجھم تکون للمسلمین فی عین وقت المقابلۃ کذا وقع فی بعض الاحیان۔

۳۳ وعدہ سلطنت کا وعدہ خداوندی تین شرطوں پر موقوف ہے

(قُلِ اللّٰھُمَّ الی آخرھا۔ بقول امام ولی اللہ اس آیت میں مسلمانوں کو ملک وسلطنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے دعا میں مذکور آیت کے ضمن میں اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے تین شرطیں لگائی ہیں۔

(۱) دشمن کے مقابلہ میں تیاری کی نگہداشت (۲) اللہ کی مدد کا حصول۔
(۳) قوت یعنی (اتحاد و) اتفاق کا جمع ہوجانا۔

سو یہ تینوں شرطیں سلطنت کے حصول اور سلطنت کی بقاء دونوں کے لئے لازمی ہیں۔

پہلی شرط کا ذکر اپنے فرمان لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ سے کیا، اور جب حاطب بن ابی بلتعہ (بدری صحابی) رضی اللہ عنہ، نے اس شرط کی مخالفت کی تو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الآیۃ (سورہ ممتحنہ آیت ۱) نازل فرمائی۔

دوسری شرط کو ——— قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ الخ (آیت ۳۱، ۳۲) میں بیان کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں آپس میں دوستی وتعاون کو اللہ کی معیت اور مدد کے حصول کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد پھر انہیں مادی اسباب کی فراہمی کیطرف (زیادہ) حاجت نہیں رہتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آسمانوں وزمین میں مچھر سے لے کر فرشتوں تک، اور جاندار سے غیر جاندار تک (بے شمار) لشکر ہیں، پس وہ تمام مسلمانوں کی مدد میں ہوجائیں گے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے نمرود کو مچھر کے ذریعہ ہلاک کیا، بلکہ دشمنوں کے اسباب اور فوجیں بھی عین مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی معاون ہوجائیں گی، چنانچہ بعض اوقات ایسا وقوع پذیر بھی ہوا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ، اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ ۳۴

۳۴ ف "دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے کی وجہ"

مسلمانوں کو حکومت ملنے پر ضروری ہے کہ ان کے پاس حکومت کے راز بھی رہیں گے، تو دشمنوں سے دوستی رکھنے سے لازماً وہ حکومت کے راز سے واقف ہو جائیں گے، اس کے بعد مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جائیں گے، اس لیے کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اخلاقی معاملات میں جو دشمن نہیں وہ دوست ہیں۔ اور جو دوست ہیں وہ دشمن نہیں، مگر حکومت کے معاملات میں جو دوست نہیں وہ دشمن ہیں حتیٰ کہ جو غیر جانبدار ہے وہ بھی دشمن ہے۔ حکومت میں صرف ان لوگوں کو شریک کیا جائے گا جن پر پورا اعتماد ہو گا۔ وہ کام کرنے میں اشتراکی (اجتماعی مفادات کے لئے کام کرنے والے) ہوں گے۔ ہر ایک اپنے کام کے لئے ذمہ دار ہو گا۔ اگر کوئی قصور کرے گا تو اسے پوری سزا دی جائے گی۔

۳۵ ف "اسلامی حکومت میں پوری ایمانداری ضروری ہے"

یہ حکومت اللہ کے نام سے جاری ہے اس لئے ہر ایک کو پوری ایمانداری سے کام کرنا ہو گا۔ ہر ایک بات کو نہایت دیانتداری سے سرانجام دینا ہو گا، ایک عجمی بادشاہ ایک دفعہ جنگل میں راستہ بھٹک گیا، آخر بہت تلاش کے بعد آبادی کی طرف آنکلا، پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا، ایک زمیندار کے مکان پر آیا، اس میں صرف لڑکی موجود تھی، اس نے جلدی سے گنے کا رس نچوڑ کر حاضر کیا، بادشاہ نے پوچھا کہ کس قدر گنوں سے رس نچوڑا، اور اس کے ساتھ ہی پھر تم اتنی جلدی رس لے آئی اس نے کہا صرف ایک گنے سے، بادشاہ نے خیال کیا کہ گنوں میں اس قدر رس ہے اس پر محصول زیادہ کرنا چاہیئے۔ ایک اور رس کا گلاس مانگا، مگر اس دفعہ لڑکی بمشکل دو تین گنوں سے پہلے مقدار کا رس نکال سکی، گلاس لائی اور کہا بادشاہ کی نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے، اس واسطے اس کی مقدار بہت کم ہو گئی، بادشاہ دل میں نادم ہو کر اپنے ارادہ سے باز رہا، اس واسطے قرآن میں حکم ہوتا ہے، کہ اللہ تمہارے دل کے راز تک جانتا ہے۔ (آیت ۲۸) اور دلوں کے راز تک کا وہ حساب لے گا۔ یہ اس لئے کہ اصل بادشاہی صرف اللہ کی ہے، انسان اللہ کے نام پر اس کا سلسلہ چلا رہا ہے، اس لئے دلی خیالات بہت جلدی اثر لاتے ہیں، اسلام نے لوگوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا ہے۔ ۳۶

۳۶ ف لوگوں کی تین جماعتیں ہیں

۳۷ ف "اسلام کی داخلی جماعتی تشکیل"

(۱) اسلام ایک ایسی جماعت تشکیل دیتا ہے جس میں مسلمانوں کے سوائے کوئی فرد داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اسلام نام ہے ایک جماعت کا جو سوشیل مذہبی اور اقتصادی مکمل انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اس جماعت کے ممبروں کیلئے لازم ہے کہ وہ اسلامی اصول پر مکمل طور پر عامل ہوں ان میں سے جو اسلامی قوانین کی مخالفت

کرے گا، تو یہ جماعت اسے برداشت نہیں کر سکتی، اسے پوری سزا دے گی، یہی گروہ پارٹی برسرِ اقتدار ہوگی، اسی پارٹی سے مرکزی حکومت پیدا ہوگی۔ اسی[۳۸] مرکزی حکومت میں کوئی غیر مسلم عنصر داخل نہیں ہو سکتا، اس کے متعلق یہاں تک سختی روا رکھی گئی ہے کہ حجاز جس میں مسلمانوں کی مرکزی طاقت تھی۔ یہاں سے تمام غیر مسلموں کو پورے طور پر اخراج کر دیا گیا تھا، اس لیے کہ مرکزی طاقت میں کوئی غیر مسلم نہیں رہ سکتا، حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بہت پہلے غیر مسلموں کو حجاز سے نکال دیا گیا تھا، فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں وراثت کے حساب کو طے کرنے کے لیے شام سے ایک عیسائی کو جو علمِ ہندسہ میں ماہر تھا، بلایا گیا تھا، تاکہ اس کے علم سے فائدہ اٹھایا جا سکے، مگر حکومت میں وہ کسی قسم کا دخل نہیں دے سکتے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر، شام، عجم وغیرہ فتح ہو چکے تھے اگر اسلام مغربی جمہوریت کی تعلیم دیتا تو ان ولایت میں جہاں کے غیر مسلم یعنی یہود و نصاریٰ کا عنصر زیادہ تھا وہاں غیر مسلموں کا عنصر زیادہ رہتا اور انہیں کی حکومت میں کثرت رہتی، مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مرکزی طاقت یعنی مدینہ منورہ میں صرف مسلمان تھے اور مجلسِ شوریٰ میں صرف مسلمان ہی تھے، جنہیں یہاں[۳۹] تک آزادی تھی کہ خلیفہ پر خطبہ کے وقت ایک عام عورت بھی اعتراض کرنے کا حق رکھتی تھی، ان کے سوا کسی اور قوم کو مرکزی طاقت کے عمال پر اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا، غرض یہ مذہبی جماعت مرکزی طاقت میں کام کرتی ہے اور اس میں صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں، اس کے باہر یعنی صوبوں میں جہاں غیر مسلم نہیں رہتے ہیں، وہاں کے عامل یعنی گورنر ملکی اور فوجی نظام کے چلانے والے مسلمان ہی ہوں گے گو غیر مسلم طبقہ کو بھی حکومت کی مشینری میں لے لیا جائے گا، مگر اس حساب سے کہ اس میں مسلمانوں کی کثرت رہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حجاز، مصر، شام، عجم وغیرہ صوبوں کے عامل یعنی ملکی و فوجی نظامِ حکومت چلانے والے صرف مسلمانوں کا ہی تقرر ہوتا تھا، گو مددگار کے طور پر غیر مسلموں کو لے لیا جاتا تھا، مگر حکومت کی کل مشینری چلانے میں ان کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ[۴۰] برسرِ اقتدار آ گئے، ان کے عہد میں اس قدر فرق پڑ گیا کہ پہلے حکومت کے کام میں یعنی مسلمانوں کی مرکزی طاقت میں تمام مسلمان ڈکٹیٹر کے طور پر ہوتے تھے، مگر بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں صرف شاہی خاندان کے افراد بادشاہی خاندان کا قبیلہ برسرِ اقتدار ہوتا تھا، اور وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو اپنے اوپر مانتے تھے، مگر خلیفہ کو ان کی بات ماننی ضروری تھی، عباسیہ کے زمانہ میں جب برامکہ نے اپنے آپ کو خودمختار بنانا چاہا، تو عباسی خاندان اس کو برداشت نہیں کر سکا اور مہدی نے ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ مامون کے زمانے میں بھی جب عجمیوں نے مرکزی حکومت میں کام شروع کیا وہ بھی برداشت نہیں کر سکا، بنی عباس کے پہلے خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ ابو مسلم خراسانی کی مدد سے سریرآرائے سلطنت ہوا مگر جب خلیفہ نے دیکھا کہ ابو مسلم خراسانی مرکزی حکومت میں دخل دے رہا ہے تو اس کو قتل کر دیا، مگر جب خاندان کی بجائے ڈکٹیٹر شپ شخصی ہو گئی تو حکومت[۴۱] تباہ ہو گئی۔ اس لیے کہ دوسری قسم یعنی خاندان میں ڈکٹیٹر شپ ہونے میں پھر بھی مخلصانہ پند و نصائح کرنے والے کسی نہ کسی

[۳۸] "اسلام کے فکر پر قائم حکومت کی مرکزی باڈی میں کوئی غیر مسلم عنصر داخل نہیں ہو سکتا"

[۳۹] "اسلام کی شورائی حکومت اور آزادی رائے کا حق"

[۴۰] بنو امیہ اور بنو عباس کا طرزِ حکومت

[۴۱] شخصی ڈکٹیٹر شپ حکومت کو تباہ کر دیتی ہے

رنگ میں ہوتے ہیں، مگر جب یہ حالت شخصی قوت میں منتقل ہو گئی تو سلطنت تباہ ہو گئی۔

اسلام میں حقیقی جمہوریت ہے

یہ خیال کہ اسلام (مغربی) جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے غلط ہے، اسلئے کہ اس جمہوریت میں کوئی قانون ہی نہیں ہے گو ظاہری طور پر مجلس کو اختیار ہے کہ جس طرح قوانین چاہے بنالے، یعنی مجلس کے ممبر مشورہ کے بعد اپنے لئے ایک قانون بنا سکتے ہیں اس کے خلاف اسلام پہلے انسانی فطرت کیمطابق قانونِ الٰہی پیش کرتا ہے اس کے بعد قانون کے تحت انہیں کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، یعنی اس لائحہ عمل سے انفرادی اور گروہی مفادات حاصل کرنے کیلئے کسی کو آگے پیچھے جانے کا اختیار نہیں لائحہ عمل چلانے والی مرکزی طاقت ہے اس پر اعتراض کرنے کا ہر ایک مسلمان کو حق ہے۔

۲۳ ذمی لوگوں کا حکم،

(۲) دوسری قسم جسے اسلام نے روا رکھا ہے وہ ذمی ہے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کے خلاف نہ ہوں اور اسی کے ماتحت امن کی زندگی بسر کریں، اور جزیہ دیں، سورۂ توبہ آیت ۲۹ میں اسی جماعت کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔

۲۴ اسلامی انقلاب کے مخالفین۔

(۳) تیسری قسم وہ ہے جو اسلامی انقلاب کے مخالف ہو، اسلام اس جماعت کے ساتھ لڑنے کا حکم دیتا ہے، جب تک کہ یہ جماعت مغلوب ہو کر دوسری قسم کی زندگی بسر کرنے کی شرائط تسلیم نہ کریں۔ سورہ توبہ آیت ۱۲ میں اسی جماعت کے متعلق ذکر ہے، مشرکین جو کوئی دین بھی نہیں رکھتے، اور انقلابی تحریک (اسلامی) کو بھی پسند نہیں کرتے، ان کا ذکر آیت ۳۶ سورۂ توبہ میں ہے۔

۲۵ مخالفین سے لڑنے کا حکم اور شرائط۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً الی آخرہ۔ یعنی جماعت مذہبی نقطۂ نگاہ سے اور اسلام کی انقلابی تحریک سے بچنے کے لئے لڑتے ہیں۔ اس واسطے مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ وہ کفار سے اسی طرح لڑیں اور اس کے بعد آیت ۱۲۳ میں حکم ہے۔

۲۶ قتال کے لئے مرکزی حکومت کا قیام ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ الی آخرہ۔ اگر تمام مسلمانوں کی ایک مرکزی حکومت ہو تو وہ کفار سے لڑنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اور جس محاذ پر کفار سے لڑنا ہوگا، یہ مرکزی حکومت اس محاذ پر روانہ کرے گی، مگر جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو (مرکزی حکومت) اس وقت تک یہی حکم ہے کہ ہر مسلمان حکومت اپنے متصل کفار سے لڑیں، اور اس طرح اسلامی طاقت جلدی بڑھ سکے گی، اور مرکزی طاقت کے پیدا ہونے کا امکان ہوگا۔

۲۷ ارض حجاز کا حکم۔

سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳[1] میں اگرچہ ظاہری طور پر الفاظ عام ہیں، مگر اس سے مطلب وہ زمین ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدس دی گئی، اس میں فقط یہ دین ہی قائم ہونا چاہیئے، اور باقی تمام طاقتیں مغلوب کر دی جائیں، غیر ابراہیمی دین والے ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔

ابراہیمی دین والے جو اسلامی انقلاب کو قبول کرلیں، ان کو مرکز میں آنے کی اجازت ہے اور کوشش یہ ہوگی کہ ان کو اس زمین میں مسلمان اپنے اندر ہضم کرلیں اور دینِ ابراہیمی کے سوائے اور کوئی دین نہ رہے، اس لئے اہل کتاب کے ساتھ نکاح اور کھانے پینے کی اجازت ہے، تاکہ سوشیل رہے اور اسلام ان کو اسی

---

[1] اس آیت ۱۹۳ کا ترجمہ یہ ہے "اور ان (کافروں) سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ ہی کا دین ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں" (ع ۔ ق)

طرح اپنے اندر ہضم کرے، کسی ملک میں انقلابی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں تمام غیر انقلابی تحریکوں کا خاتمہ کر دیا جائے، اور یہ تمام دنیا کے لئے انٹرنیشنل پروگرام کا مقام ہے، اور یہ دنیا بھر کے لئے نمونہ کا کام دے گا، حجاز پرانی دنیا کے عین وسط میں ہے، ایک طرف ایشیا، تو دوسری طرف یورپ ہے، اور تیسری طرف افریقہ، اور تینوں برّاعظموں کی نمائندگی کرنے والی قومیں اس خطہ میں آباد ہیں۔

اولیاء ۴۸ جمع ولی جس کے معنی ہیں = اس نے حکومت یعنی سرداری رکھی، یا کسی چیز پر قبضہ رکھا، یا کسی چیز پر نگرانی رکھی، اس لئے اس کے معنی ہوئے کسی چیز کا منیجر، یا مالک، یا کسی دوسرے کے معاملات کا مالک، اور کسی یتیم کا نگران، یا اس کی پرورش کرنے والا، اور کسی عورت کا محافظ، جسے اس کی شادی کرانے کا مجاز ہے، اس لئے اس لفظ میں تمام نزدیکی تعلقات یا رشتہ داری شامل ہے۔ ایک انسان کو ولی اللہ کہتے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ آدمی اللہ کے نزدیک ہے، یا اللہ کا دوست ہے، غرض اس لفظ میں یہ خصوصیت بتلائی گئی ہے کہ کسی آدمی کا اس قدر گہرا اور عزیز دوست ہونا کہ (وہ) اس کے مقاصد اور اغراض اپنے ہاتھ میں لے لے۔

۴۸ ولی کا حقیقی مفہوم۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ (یعنی اپنے ۴۹ مقاصد غیر مسلموں کے ہاتھ مت دو) فَلَيْسَ الی آخرہ۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت یعنی حکومت لے لے گا۔

۴۹ اپنے مقاصد غیر مسلموں کے ہاتھوں میں دینے کی سزاء

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا الخ یعنی جان بچانے کے لئے ظاہری دوستی (منافقانہ طور پر) دشمن سے کر لو! مگر اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ اپنی مرکزی طاقت کے تحت کام کرتے رہو، ہر ایک خود مختاری نہیں کرے گا، بلکہ اسے ۵۰ تمام احکام میں مرکزی طاقت کے ماتحت رہنا ہوگا، مثلاً ایک آدمی کو دشمن کے کیمپ میں روانہ کیا، وہ وہاں جا کر دشمن سے جا ملا، اس سے جب باز پرس کی گئی، تو کہنے لگا میں نے جان بچانے کی غرض سے ایسا کیا تھا، غرض ایسی چالاکی مرکزی طاقت کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا، شیعہ نے بھی اس سے مسئلہ تقیہ نکالا ہے گو مسلک ٹھیک ہے، مگر انہوں نے یہ بربادی کی، امام کے حکم کے ماتحت رہنے کی قید اڑا دی، خود مختارانہ کام شروع کر دیا۔

۵۰ مرکزی طاقت سے ہٹ کر خود مختارانہ کام کرنا غلط ہے

غرض جو بات بھی ہو مرکزی طاقت کے مشورہ سے ہونی چاہیئے۔ ڈپلومیٹک پالیسی میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دشمن کو جنگ کے موقع پر ہر ممکن طریقہ سے دھوکہ دیا جائے، اس لئے کہ خون ریزی کم ہو اور فائدہ زیادہ، مگر اپنی قوم کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں ہے، بادشاہ یا خلیفہ اپنے خاندان، قوم یا شہر کے لئے کوئی خصوصیت پیدا نہیں کر سکتا، اسے ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا پڑے گا، اگر وہ دشمن کی طرح اپنے آدمیوں کو بھی دھوکہ دے تو اس صورت میں وہ دینی حکومت نہیں رہے گی، بلکہ اس درجہ سے گر کر ملک داری کی حکومت ہو جائے گی جس کی مذہب اجازت نہیں دیتا۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ اور اس کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵۱ حضرت عمرؓ پر حکومت کی ذمہ داری کا اثر۔

اس لئے کہ یہ دینی حکومت ہے، جو اللہ کے نام سے چلائی جا رہی ہے، وہی اس کا محافظ ہے، وہ ذرا ذرا سی بات کا حساب لے گا، اسی کا اثر تھا کہ فاروقِ اعظمؓ جیسی بزرگ ہستی قحط کے ایام میں سخت گرمی کے موسم میں ایک غریب بڑھیا کے لئے آٹے کی بوری اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں، اور کبھی یہ حالت کہ شام کے سفر میں باری باری غلام کے ساتھ سفر کرتے ہیں، اور (کبھی) یہ حالت تھی کہ عورت شیرخوار بچے کا دودھ چھوڑا رہی تھی کہ اس کا ماہانہ مقرر ہو جائے اور آپ اس سے بے قرار ہو جاتے ہیں۔

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ع ۱۱

ترجمہ: جس دن موجود پاوے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔

۵۲ دینی حکومت کو ملک داری کی حکومت میں بدلنے کی سزا۔

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ الخ۔ تو تم نے دینی حکومت چھوڑ کر ملک داری کی حکومت اختیار کی، تو اللہ حساب لے گا، کیونکہ انسان کو دنیا پر اس لئے روانہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے نام سے اس کی زمین پر حکومت کرے، مگر دینی حکومت کو ملک داری کی حکومت میں بدلنے والے اس دن سخت پریشان ہوں گے، اور کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ اس کا حساب نہ لیتا، وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ، اس لئے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے خبردار کرتا ہے کہ ملک داری کا خیال چھوڑ کر دینی حکومت کی طرف رجوع کرو۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ، اس لئے قبل از وقت اپنے بندوں کا چوکنا کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۳۱﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ۔۔۔

۵۳ "حضور اکرم کے اسوہ کی اتباع سے حکومت چلانے میں غلطی سے بچ سکتے ہو"

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کر تم دینی حکومت قائم کرو گے تو اللہ تمہارا نگہبان ہوگا، اور دینی حکومت کے چلانے میں جو غلطی ہوگی اسے صاف کردے گا، کیونکہ نیک نیتی سے کام کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نادانی کی غلطیاں معاف کردیتا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے۔

اطاعة الله هو الاخذ بالقران واطاعة الرسول اخذ طريق العمل الذى بينه النبى عليه السلام لا تخترع صورة عملية للعمل بالقران فى مقابلة صورة اختارها النبى عليه السلام دنها مردودة عند الله كما علم فى شان نزول قل ان كنتم تحبون الله الى آخره[1]۔ كما هو داب اهل القران فى هذا الزمان فائدة كل عمل هو خلاف سنة النبى عليه السلام وسنة الخلفاء فهو مردود عند الله وان زعم عامله انه يرضى الله عنه مثل ما يفعله اهل الزمان من اهل البدعة فلوتدبروا فى هذه الاية والتى قبلها اعنى قل ان كنتم تحبون الله الى آخره لاتضح الامر عندهم لكنهم لا يريدون الحق بل معاندون۔

۵۴ "اللہ اور رسول کی اطاعت کا معنی"

(اللہ کی اطاعت قرآن پر عمل کا نام ہے، اور رسول کی اطاعت عمل کے اس راستہ کی پیروی ہے جس کو نبی علیہ السلام نے بیان فرمادیا، قرآن پر عمل کے لئے کوئی ایسی عملی صورت نہ گھڑی جائے جو اُس صورت سے ٹکرائے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند کیا ہو کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوگی۔ جیسا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ آیت کے شانِ نزول میں وضاحت ہے[1]۔ (وہ بروایت ابنِ عباس یہ ہے)

اور آج "اہلِ قرآن" کے نام سے منکرینِ حدیث کا یہی طریقہ ہے۔ (وجہ یہ ہے کہ) ہر ایسے عمل کا نتیجہ جو سُنّت نبوی اور سُنّتِ خلفائے راشدین کے برخلاف ہو وہ اللہ کے نزدیک مردود ہے (ناقابلِ اعتبار ہے) اگرچہ اس پر عمل کرنے

---

[1] چنانچہ فتوحات الٰہیہ میں تفسیر خازن سے نقل کیا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے جب کہا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (ہم تو اللہ کے پیارے اور محبوب ہیں) تو یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے ان پر اس آیت کو پیش کیا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نقل کیا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے انہوں نے خانہ کعبہ میں سجا سجا کر بُت نصب کر رکھے تھے اور ان کو سجدہ کر رہے تھے، حضورؐ نے فرمایا اے گروہِ قریش، بخدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کے خلاف ہو گئے ہو۔ قریش نے کہا ہم ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں" ملاحظہ ہو فتوحات الٰہیہ ج۱ ص۲۶۳ طبع مصر (رشی)

والا یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیں گے جیسے وہ کام جن کو اس زمانہ کے اہلِ بدعت کرتے ہیں، ہو اگر یہ لوگ اس آیت اور اس سے پہلی آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ الخ میں غور و فکر کرتے تو ان پر معاملہ واضح ہو جاتا بلکہ وہ تو حق چاہتے ہی نہیں، بلکہ معاند اور ضدی ہیں۔ یعنی اگر دینی حکومت کو اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو کر اگر چلاؤ گے جو تمہیں بذریعہ رسولؐ ملا ہے تو اللہ تمہارا نگہبان ہے یعنی حکومت تمہارے پاس رہے گی، لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ، بمعنی الذین لا یتبعون القانون یعنی یسلب منھم نعمتہ۔ (یعنی کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قانون کی پیروی نہیں کرتے یعنی ان سے اپنی نعمت (سرداری) چھین لیتا ہے۔)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۚ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے ﴿۳۳﴾ جو اولاد تھے ایک دوسرے کی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ ۵۵

(۳۳) وَاٰلَ ابراھیمَ:-

ف۵۵ "آل" کا معنی،

آل بمعنی الاولاد ممکن لا مطلقا بل القابل (آل کا اولاد کے معنی میں ہونا ممکن ہے لیکن اس میں قابلیت کی شرط ہے۔) اور اپنے باپ کے پروگرام پر عمل کرنے کا عہد کرے اگرچہ غیر نسبی ہو۔ اس لئے کہ رشتے ایک دو پشت تک عموماً جا ملتے ہیں۔ غرض جو شخص اپنے بزرگ کے پروگرام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم رکھتا ہو وہ آل کے معنی میں شامل ہے اور حدیث "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ" شاہد عدل ہے۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی عالمگیر یعنی بین الاقوامی اس میں صرف غور و فکر کرنے والے جماعت شامل ہے اور غیر سوچنے والی مثلاً جمادات و حیوانات اس میں شامل نہیں۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام اقوام میں برگزیدہ کیا۔

ف۵۶ "ہندوؤں کے چار فرقے اور ان میں تقسیم کار"

ہندوؤں ف۵۶ میں چار فرقے قرار دیئے گئے۔ برہمن، کھتری، ویش، شودر، "برہمن" کا کام یہ تھا کہ وہ تعلیم میں یکتا ہو، اور باقی فرقوں کو تعلیم دے سکے، اسی طرح کھتری سے مراد یہ تھا کہ وہ دلیر ہو اور سپاہیانہ سپرٹ اور جوش اس کے اندر ہو، اور "ویش" کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے فن میں ماہر ہو اور "شودر" وہ تھے جو مفتوح قوم تھے، ان سے خدمت کا کام لیتے تھے، مگر بعد میں ہندوؤں میں غلطی یہ ہوگئی کہ اگر "برہمن" کا لڑکا قابل نہیں ہوا تو اسے پھر بھی بدستور برہمن رہنے دیا گیا، اسی طرح اگر کسی "کھتری" میں سپاہیانہ اوصاف نہ پائے جاتے ہوں تو بھی اسے "چھتری" قرار دیا گیا، اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام نظام درہم برہم ہوگیا، درحقیقت مُدّعا یہ تھا کہ ہر ایک اپنے فن میں یکتا پیدا ہو جیسے ہمارے ہاں مشائخ کی اولاد میں باوجود یہ کہ اپنی فنا و بقاء کی حقیقت سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہوتی اور وہ پھر گدی نشین ہوتے ہیں، اس طرح اب ف۵۷ حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے جو قابل اور فخرِ روزگار ہوں گے ان کا انتخاب کیا جائے گا اور صرف انہیں کو برسرِ اقتدار

ف۵۷ "آدم، نوح، ابراہیم علیہم السلام اور ان کی آل اور آلِ عمران کے انتخاب کا مطلب"

؎ صاحبِ مشکوٰۃ علامہ تبریزی " اکمال فی اسماء الرجال" صـ۶۰ میں فرماتے ہیں سلمان فارسی الاصل ہیں، طلبِ دین کی خاطر گھر سے نکلے، اولاً نصرانی مذہب اختیار کیا اور اس پر بہت تکلیفیں برداشت کیں، تاآنکہ عرب کی ایک قوم نے آپؓ کو پکڑ کر یہودیوں کے پاس بیچ ڈالا، پھر مکاتب بنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت میں تعاون فرمایا، بعض کے قول کے مطابق دس سے زائد مالکوں کے ہاتھوں بکتے ہوئے آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ . (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں) اور آپؓ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنت جن کی مشتاق ہے۔ آپؓ معمرین صحابہ میں سے ہیں اصح قول کے مطابق ۲۵۰ سال آپ کی عمر ہے، مدائن میں ۳۵ھ میں فوت ہوئے ۱۲ (ع۔ق)

کیا جائے گا، نالائق کو جگہ نہیں دی جائے گی، جیسے نوح علیہ السّلام کے لڑکے کا واقعہ ہے، بیٹا اگر نالائق ہے تو اس کی بجائے دوسرا قابل آدمی رکھا جائے گا، اگر لڑکا قابل ہے مگر ایک اور شخص اس سے بھی زیادہ قابل ہے تو زیادہ قابل کو ترجیح دی جائے گی، ابراہیم علیہ السّلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر کی، تو کہا فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ[1] یعنی جو ہمارے پروگرام پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور نالائق کو اپنے میں سے خارج کیا یعنی برسرِ اقتدار صرف قابل لوگ ہی ہوں گے۔[58] حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے بھی اس پر عمل کر کے دکھلایا۔ آپ کی اولاد سے اگر کوئی قابل ہے تو وہ سردار ہے، اگر اس کی بجائے غیر نسبی قابل ہے، تو وہی سردار ہوگا۔ نسلی امتیاز اسلام نے روا نہیں رکھا، التحیات میں جو درود (اللھم صلی علی محمد الی آخرہ۔) پڑھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔

[58] "اسلام نے نسلی امتیاز روا نہیں رکھا"

مغلیہ خاندان ہندوستان میں شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں عین اَوج (ترقی) پر تھا، مگر مشکل یہ ہوئی کہ اورنگ زیب کے بعد نالائق تخت پر بیٹھے جو حکومت کو چلا نہ سکے۔[59]

[59] "مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب"

اس آیت میں چار مراتب بتلائے (۱) آدمؑ (۲) نوحؑ (۳) ابراہیمؑ (۴) آلِ عمران۔ آلِ عمران[60] سے بعض لوگ عیسیٰ علیہ السّلام مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ آگے چل کر ان کا ذکر شروع ہو جائے گا اور بعض موسیٰ علیہ السّلام مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ ان کے باپ کا نام عمران تھا اور موسیٰ[61] علیہ السّلام بین الاقوامی پروگرام کی تعمیر میں ایک زبردست کڑی تھی۔

[60] "آلِ عمران کا مصداق"

[61] "موسیٰؑ بین الاقوامی پروگرام میں زبردست کڑی تھے"

آدمؑ اور نوحؑ کے ساتھ آل کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ ان کے زمانہ میں تعلیم خاندانی تھی اور ابراہیمؑ اور عمرانؑ کے ساتھ لفظ آل آیا ہے اس لئے کہ ان کی امّت میں سے اتباع کرنے والے بھی برگزیدہ بنائے جائیں گے۔ ذُرِّيَّةً بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ[34] ایک[62] خاندان کی ترقی دوسرے میں منتقل ہوتی چلی آئی ہے، یعنی ایک کی ترقی ضائع نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے میں منتقل ہو کر چلی جاتی ہے۔ غرض اس آیت میں بتلایا گیا کہ اسی عالمگیر پروگرام میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ وغیرہ کو ایک دم اس کمال پر نہیں پہنچایا، بلکہ وہ قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے سے بتدریج اس کمال تک پہنچے۔

[62] "انسانیت میں ترقی کا عمل مسلسل اور بتدریج جاری ہے۔"

اختار هذه الواقعة من الواقعات للتفصيل بخصوصة المقام اعنى الرد على النصارى واليهود لان المقصود بالذات فى هذه السورة اصلاح النصارى وذكر اليهود تبعا فرد فى ابتداء السورة التثليث وبنوة عيسى عليه السلام واراد الان ان يبين احوال عيسى وامه الصحيحة ازالة (عن الطاعن التى اوردت عليهما) لان اليهود قالوا انه ولد زنية وقال النصارى انه ابن الله زعما منهم ان الولد لا يمكن فى غير اب ففى هذه الواقعات سبق للنبى عليه السلام وصحابته اعنى قضاء حاجات المخلصين واستجابة دعائهم وسبق للنصارى واليهود۔

(اس واقعہ کو دیگر واقعات سے یہود و نصاریٰ پر رد کرنے کی مخصوص غرض سے تفصیل کیلئے منتخب کیا،

---

[1] ملاحظہ ہو سورۃ ابراہیم آیت ۳۶ پ ۱۳ (ع۔ق)

۶۳ ''سورۃ کا مقصودِ اصلی''

۶۳ کیونکہ اس سُورت کا اصلی مقصود نصاریٰ کی اصلاح ہے اور یہود کا ذکر تبعًا ہے۔ اس لئے شروع سُورت میں ہی تثلیث کے عقیدہ اور عیسیٰ علیہ السّلام کے اللہ کا بیٹے ہونے کو رد کیا اور اب یہاں یہ ارادہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کے صحیح واقعات کو بیان کیا جائے تاکہ ان پر لگائے جانے والے ان تمام الزامات کی تردید کی جائے، کیونکہ یہود نے یہ الزام لگایا کہ (معاذ اللہ) آپ زانیہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں، اس زعم میں کہ بچّہ کا ہونا بغیر باپ کے ممکن نہیں۔

۶۴ ''مہم حضرت عیسیٰؑ کے واقعات میں حضور اور صحابہ کیلئے سبق''

۶۴ ان واقعات میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابہؓ کے لئے سبق ہے کہ اللہ مخلص بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں اور ان کی دُعا قبول فرماتے ہیں، اور یہود و نصاریٰ کے لئے سبق ہے۔)

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ‌ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے ربّ میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ سے قبول کر بے شک تو ہی اصل سُننے والا جاننے والا ﴿۳۵﴾

۶۵ قومی خدمت کے لئے نذر مانی گئی

حضرت مریمؑ کے باپ کا نام انجیل میں عمران نہیں ہے، اس کا جواب یوں ہے کہ اِمۡرَاَتُ عِمۡرَانَ سے مراد اِمۡرَاَۃٌ مِنۡ عِمۡرَانَ یعنی عمران کے خاندان سے ایک عورت نے نذر باندھی، یا یہ ہے کہ خود انجیل میں غلط واقع ہوا ہے، یا ایک شخص کے دو نام ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک نام جو مشہور تھا بتا دیا، آیت کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ذلّت کا زمانہ ہے اور ایک عورت دُعا کرتی ہے کہ یا اللہ! اگر مجھے بچہ دے تو میں ۶۵ اُسے تیری راہ میں لگا دوں، یعنی اس سے اپنی کسی قسم کی خدمت نہیں لوں گی، شاید اس کے باعث بنی اسرائیل ذلّت سے نکلیں، کیونکہ قوم کو بیدار کرنے اور اِس قومی ذہن کو کام پہ لگانے کے لئے ایک آدمی کافی ہوتا ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى‌ۚ وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: پھر جب اس کو جنا بولی اے ربّ میں نے تو اس کو لڑکی جنی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے

جنا اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کی شیطان مردود سے ﴿۳۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ الخ :-

ف ۶۶ "مریم بڑی استعداد والی لڑکی ہے"

تو یہ کیا کرے گی اور قوم کو کس طرح ذلّت سے نکالے گی، غرض اب اس عورت کو جو تخیلات تھے سارے کے سارے درہم برہم ہو گئے۔

اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ جملہ معترضہ یعنی اللہ نے دُعا قبول کرلی اور ف۶۶ بڑی استعداد والی لڑکی ہے، تمام خاندان کی استعداد اس میں موجود ہے جو اس کی پشت سے آرہی تھی، لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی یہ تفسیر ہے اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ کی، یعنی وہ مذکر جو تیری خواہش تھی وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہے بلکہ یہ لڑکی اس سے افضل و اعلیٰ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بنی اسرائیل کو اوج (بلندی) پر پہنچائے گا، غرض آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنی حضرت مریمؑ کی والدہ کے دل میں الہام ہوئے جس سے اس کو تسکین ہوئی کہ اس لڑکی کے باعث قوم کو ترقی ہوگی، جیسے حضرت عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے حق میں اس کے والد بزرگوار نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کے بطن سے ایک ولی اللہ پیدا ہوں گے، غرض جب مریمؑ کی والدہ کو تسلّی ہوئی تو کہتی ہے کہ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا الی آخرہ۔ یا اللہ! جس کام کے لئے اسے تیرے راستہ میں نذر کر رہی ہوں، اس سے یہ اور اس کی اولاد منحرف نہ ہو، بلکہ اس کام کو مکمل کریں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو جس وقت آتے اس کے پاس حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ کھانا، کہا اے مریمؑ کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس ﴿۳۷﴾

فَتَقَبَّلَهَا الْقَبُوْلِ :-

ف ۶۷ مریم علیہا السلام کو قبول کرنے کا مطلب

جیسے ف۶۷ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو قبول کرتا ہے، یعنی ان کو ان کی ذہنی و عملی و رُوحانی ترقی کے راستے آسان کر دیتا ہے، اسی طرح مریمؑ کے لئے زکریا علیہ السّلام کے باعث تمام مدارج علمی و عملی و رُوحانی آسان کر دیئے، ایک تو پہلے صاحبِ استعداد تھی، دوسرے زکریا علیہ السّلام کی توجّہ پھر بیت المقدس جیسی پاک جگہ تو سونے پر سہاگہ تھا، وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا خرقِ عادت دیکھنے سے بے اختیار ہو کر اللہ کی طرف متوجّہ ہوئے جیسے عظیم الشان واقعہ سے اہل اللہ کے دل پر ایک بڑا اثر پہنچتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: وہیں دعا کی زکریا نے اپنے ربّ سے (۳۸) کہا اے ربّ میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ۔ بے شک تو سننے والا ہے دُعا کا۔ پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحیٰی کی جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائیگا اور نبی ہوگا صالحین سے (۳۹)

۶۸ "بنی اسرائیل کے ہاں نبی کی اصطلاح"

بنی اسرائیل کی اصطلاح[۶۸] میں جو مستقبل میں آنے والی صحیح صحیح پیشین گوئیاں کرے اسے "نبی" کہتے ہیں۔ نوحؑ سے بہت پہلے سے پہلی اُمّتیں مستقبل کی خبروں کے معلوم کرنے کی عادی تھیں، اور اس علم کو "علمِ نجوم" کہتے تھے، وہ جس قدر اس علم میں ترقی کرتے اسی قدر اپنے خُدا سے دُور ہو جاتے، پہلے نبیوں نے اور ابراہیم علیہ السّلام نے خصوصاً اس کو حرام قرار دیا، مگر جب دوسری مدِّ مقابل قومیں مستقبل کی خبریں معلوم کرتی تھیں، تو ضروری تھا کہ بنی اسرائیل کے دل میں بھی یہ خواہش قدرتاً ہوتی، ورنہ ان کی ترقی رُک جاتی، اس لئے ان میں مستقبل کی صحیح خبریں دینے والے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے جنہیں نبی کہتے ہیں، غرض پہلے زمانہ میں اس کا نام "نبوّت" تھا، اب چونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد نبوّت ختم[۶۹] ہوگئی اور صحیح صحیح مستقبل کی پیشین گوئیاں کرنے والے بزرگوں کا سلسلہ دنیا میں قائم رہے گا ان کو "ولی اللہ" کہتے ہیں، اور اُن کی اِن باتوں کو "کرامات" کہتے ہیں تاکہ نبی کے کسی فعل کے ساتھ دُوز کی مشابہت بھی نہ پائی جائے۔ اگر ایک[۷۰] پروگرام دیا جائے اور ایک (شخص) کے سر پہ اس کی تکمیل کی ذمّہ داری ہو تو اس کا نام "رسالت" ہے۔

۶۹ "ولی اللہ اور کرامات"

۷۰ "رسالت کی تعریف"

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ

بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ (۴۱)

ترجمہ: کہا اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے کہا اے رب! مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے، اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح (۴۱)

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ۔

اب مُتنبّہ ہوکر اسباب کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں، اور اپنی طبعی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں، اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً۔ مقرر کر میرے لیے کچھ نشانی جس سے میرے دل کو تسکین ہو جائے۔

اٰیَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ الی آخرہ۔ فیہ قولان للمفسرین غرض غیر طبعی پر دو واقعات بتلائے۔

(۱) ایک مریم کی پرورش (۲) دوسرے یحییٰ کی پیدائش۔

ارض القرآن میں ہے شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہانِ بابل نے برباد کیا، بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو ۵۵۰ قبل مسیح میں پھر آزادی نصیب ہوئی، اور فارس کے زیرِ اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہود نے جن سے یہودیہ کی بُنیاد پڑتی ہے۔ ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی، لیکن ۳۳۳ قبل مسیح میں اسکندر رومی نے اس کا بھی خاتمہ کردیا، اس کے بعد مملکت یہودیہ (یروشلم یعنی بیت المقدس) بطلیموس (اسکندر کا سردار اس کی وفات پر مصر و شام پر قابض ہوگیا) اور انٹی گونس (سکندر کا دوسرا سردار جس نے ایشیا کوچک پر قبضہ کرلیا) آخر میں سلوقین (تفصیل آگے آتی ہے) کے ماتحت ہو کر فنا ہوگئی۔ دوسری صدی قبل مسیح میں جو یونانیوں پر سال قوتیں نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھاکر اس کے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں۔ یہود کی ابدی الموت زندگی نے آخر بار بدن کو جنبش دی، اور مکابین کے نام سے رومیوں کے بل پر ۱۶۸ قبل مسیح میں ایک حکومت یہودیہ قائم ہوئی۔ مکابین اوّلاً مذہبی کاہنی تھے، لیکن آخر شس بادشاہ بن بیٹھے، اس کی بنا کی کیفیت یہ ہے کہ سکندر کے بعد اس کے تیسرے سردار سلوکوس نے بابل، فارس، ترکستان پر قبضہ کرلیا، اور ۳۰۱ میں شام بھی ملا لیا۔ خاندان سیلوکوس کو اہلِ عرب سلوقین کہتے ہیں، غرض سلوقی خاندان ابھی سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ ۱۶۶ قبل مسیح میں کہ اس وقت ان کا بادشاہ غالب حارث اوّل انباط کا بادشاہ تھا۔ جس کا زمانہ ۱۶۹ قبل مسیح ہے کہ یہودا مکابی موجودہ خاندان یہود کے بانی نے بغاوت کی اور رومیوں کے بل پر آزادی حاصل کی، سلوقی خاندان کا جو تھا بادشاہ حارث رابع (چہارم) ۹ قبل مسیح تا ۴۰ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا معاصر تھا، اس کا نام پہلا انیس تھا۔ اپنے باپ عباہ ثالث (حکومت ۳۰ تا ۹ قبل مسیح) کے بعد یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارث اختیار کیا، حکومت یہودیہ کا اس وقت ہیرودؔ انیس مقرر ہوا۔ ہیرودؔ شاہ یہودیہ حارث رابع شاہ سلوقیہ کا داماد تھا۔ ہیرودؔ نہایت بدکار اور ستم دوست تھا۔ اپنے بھائی ایٹی پیٹر کے مرنے پر اس نے اپنی

"رب کے سامنے طبعی کمزوری کا اظہار"

"غیر طبعی پر دو واقعے مریم کی پرورش، یحییٰ کی پیدائش"

"حضرت یحییٰ کے دور میں بنو اسرائیل کی کمزور حکومتیں"

ل اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عام کلام نہ کرنا اضطراری طور پر تھا دوسرا قول یہ ہے کہ اختیاری طور پر تھا جس میں
ایک یہ احتمال بھی ہے کہ عدم تکلّم روزوں سے کنایہ ہو کیونکہ بنی اسرائیل میں روزہ میں کلام نہ کرنے کی نذر مانی جا سکتی تھی (ملاحظہ ہو روح المعانی جزء ۱۵ ص ۱
طبع منیریہ مصر از علامہ سید محمود آلوسی بغدادی) ع۔ق

بھاوجہ سے جو اس کی علاتی بھتیجی بھی تھی شادی کر لی۔ حضرت یحییٰؑ ان دنوں پند و موعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے، وہ جس قدر یہودیوں میں محبوب ہوتے جاتے تھے ہیروڈ اسی قدر کانٹا جاتا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے ہیروڈ کو اس شادی پر ملامت کی۔ خون آشام بادشاہ سے ضبط نہ ہو سکا، حضرت یحییٰ علیہ السّلام کا سر کاٹ کر دوسری بیوی (جو اس کی پہلی بھاوجہ تھی) کے نذر کیا، ہیروڈ کی پہلی بیوی باپ حارث رابع شاہ سلوقیہ کے پاس چلی گئی، حارث اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ فوراً ہیروڈ شاہ یہودیہ پر فوج کشی کی تیاری کر دی، اور اس زور و شور سے حملہ آور ہوا کہ ہیروڈ تاب نہ لا سکا۔ یہودی معتقد تھے کہ یہ شکست یحییٰ علیہ السّلام کے قتل کا پاداشی عمل تھا، حارث سیدھا دمشق پر قابض ہو گیا۔ رومی ہیروڈ کی مدد کے لئے، لیکن اتفاقاً اس اثنا میں ۳۷ء خود قیصر مر گیا۔ ہیروڈ کے بعد رومیوں نے اس کی ریاست کے تین ٹکڑے کر کے اگرپا اوّل کو رئیس یہود بنایا۔ اگرپا کے بعد یہ مستقل رومی صوبہ ہو گیا۔[۱]

یہود میں حضرت یحییٰ کے پیغمبرانہ موعظہ کے اثرات، شہادت کا سبب اور اس کے نتائج۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور جب فرشتے بولے اے مریمؑ اللہ نے تجھ کو پسند کر لیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر ﴿۴۲﴾ اے مریمؑ بندگی کر اپنے ربّ کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ ﴿۴۳﴾

اللہ نے مریمؑ کو بین الاقوامی کام کے لئے منتخب کیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ:۔

ہم نے تجھے بین الاقوامی کام کے لئے انتخاب کیا ہے، تو اس کے لئے ایک منبع بنے گی۔

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ:۔

اللہ کو رات دن یاد کر! اس لئے کہ تجھ سے روحانی کام لینا ہے، غرض اس طبعی کمزوری کو خارجی طاقت سے مضبوط کر کے کام لینے کا سبق دیا جا رہا ہے۔ اس لئے آگے چل کر خارجی اثرات سے کام لیا جائیگا۔

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ‌ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون

پرورش میں لے مریمؑ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ :-

واقعہ پرورش مریمؑ اسرائیلی کتب میں تفصیل سے درج نہیں ہے۔

یہ[1] واقعہ بنی اسرائیل کی کتابوں میں اس تفصیل سے درج نہیں ہے، ہم تجھے یہ واقعہ اس لئے

---

[1] ملاحظہ ہو ارض القرآن از علامہ سید سلیمان ندوی ص ۴۰ تا ۴۴ جلد دوم طبع انڈیا ع۔ق

بتلا رہے ہیں کہ اپنی نبوّت کی صداقت میں اسے پیش کریں، یہ ایسا واقعہ نہیں ہے کہ بیٹا باپ سے یا شاگرد اُستاد سے سُن لے، بلکہ اس کی اطلاع صرف وحی کے ذریعہ دی جاتی ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریمؑ اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰؑ مریمؑ کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں ﴿۴۵﴾

كَلِمَةٍ مِّنْهُ خُدا کے حکم سے مسیح نجات دہندہ، وَجِيهًا۔ بڑا آبرودار، جس کے ماتحت اور ماننے والے زبردست بادشاہ ہوں گے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور باتیں کرے گا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہو گا اور جبکہ پوری عمر کا ہو گا اور نیک بختوں میں ہے ﴿۴۶﴾ بولی اے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہوجا سو وہ ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾

(۴۶) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ الخ۔

پختہ جوان ہو کر رسالت کا کام کرے گا، یعنی وہ ایک مستقل پروگرام لائے گا۔ مریمؑ کی پرورش یحییٰؑ کی پیدائش دونوں خرقِ عادات ہیں، ایک کمزور اسباب کو خارجی اسباب سے مضبوط کر دیا گیا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش ہے۔ مفصّل شرح سورۂ مریمؑ میں ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَىٰةَ وَالْإِنجِيلَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور سکھا دے گا اس کو کتاب اور تہ کی باتیں اور توریت اور انجیل ﴿۴۸﴾

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔۔

ش۵

"الکتاب" اور "الحکمۃ" کا معنی۔

کتاب = سے مراد معنی قانون اور حکمت سے مراد فلسفہ ہے تورات بنی اسرائیل کی کتاب انجیل تورات کا فلسفہ یا آگے مستقبل کی ایک بشارت، موسیٰ علیہ السلام باقاعدہ ایک پروگرام دنیا میں لائے تھے، عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس پروگرام پر چلایا اور پھر آہستہ آہستہ ان کو بین الاقوامی پروگرام کی طرف لائے، موسیٰ علیہ السلام کے قانون میں جہاں ضروری سمجھا گیا مناسب طور پر تبدیلی کردی گئی اور اسی کا نام "انجیل" ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

الربع ۵

ترجمہ: اور کہے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف، بے شک میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانیاں لے کر تمہارے رب کی

طرف سے کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو گارے سے پرندہ کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اُڑتا جانور اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مُردے اللہ کے حکم سے اور بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ کر آؤ اپنے گھر میں اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو۔ (۴۹) اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو وہ چیزیں جو حرام تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو (۵۰) بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی راہ سیدھی ہے (۵۱) پھر جب معلوم کیا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا کفر بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کی ہم یقین لائے اللہ پر، اور تو گواہ رہ کہ ہم نے حکم قبول کیا (۵۲) اے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں (۵۳) اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (۵۴)

(۴۹) وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔

(۴۹) یعنی بنی اسرائیل کو مستقل قانون دینے والا ہوں، (۳۶) مِنْ رَّبِّکُمْ الی آخرہ. یہ قدرت کے اثر بتلائے جاتے ہیں کہ اللہ کا بندہ اللہ کے نام کی برکت سے یہ غیر (فطری) عادی باتیں دکھلا رہا ہے، وَاُنَبِّئُکُمْ تمہاری موجودہ استعداد میں اور آئندہ استعداد میں تم کو بتا دوں گا اور اب سرمایہ داری کو میں ختم کرنے آیا ہوں، جس قدر تم کھاتے اور گھروں میں خزانے بناتے ہو، اس کا حکم بھی دوں گا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو صاف بتا دیا کہ کوئی دولت آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ (۵۰) وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ موسیٰ علیہ السلام جو قانون لائے تھے اسی پر تمام انبیاء چلتے آئے تھے۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس میں مناسب ترمیمیں زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے کر دیں، (۵۲) مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ یعنی ایک جماعت پیدا کر دی۔

معجزاتِ عیسیٰ، عیسیٰ کا سرمایہ داری کو ختم کرنے کیلئے آنا، عیسیٰ نے قانونِ تورات میں مناسب ترمیمیں کیں، عیسیٰ نے جماعت پیدا کی۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (۵۵)

ترجمہ: جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا اپنی طرف اور پاک کر دوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک، پھر میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کر دوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے (۵۵)

طهره فی البهتانات کلها القران وجاعل الذین اتبعوک هم النصاری والمسلمون فوق الذین کفروا هم الیهود فهم مغلوبون الی یوم القیامة۔

(یعنی قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے جانے والے تمام اتہامات کی تطہیر کر دی اور تیرے پیروکاروں (وہ نصاریٰ اور مسلمان ہیں) کو کافروں (وہ یہود ہیں) پر غالب بنا دوں گا ——— چنانچہ وہ قیامت تک مغلوب ہو کر رہیں گے۔)

انجیل وغیرہ کے نامکمل ہونے کا کافی ثبوت یہی ہے کہ اس قسم کی روشن پیش گوئی کا انجیل وغیرہ میں کہیں ذکر تک نہیں ہے۔

۵۳ "قرآن نے عیسیٰ پر الزامات کی تطہیر کردی اور قیامت تک نصاریٰ اور مسلمانوں کے غلبہ کی پیشگوئی کی"

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں، اور کوئی نہیں ان کا مددگار۔ (۵۶)

اس تنبیہہ کی صداقت یہودیوں کی جو آج تک حالت ہے، اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

۵۴ "یہود پر عذاب کی تنبیہ"

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو ان کو پورا دے گا ان کا حق، اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف (۵۷) یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیان تحقیقی (۵۸) بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدمؑ کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا (۵۹) حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے۔ (۶۰)

(۵۷) وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظَّالِمِیْنَ:۔

ظالموں سے مراد عیسائی ہیں جنہوں نے قانونِ الٰہی کو توڑ ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام کے رتبہ کو بڑھا کر خدا کا بیٹا قرار دیا۔

(۵۹) قَالَ لَهُ كُنْ الی آخرہ:۔ جس طرح آدمؑ کی پیدائش لفظ "کُن" سے کی اسی طرح عیسیٰؑ کی بھی لفظ "کُن"

۵۵ "پیدائش عیسیٰ کی آدم کی پیدائش سے تشبیہ"

سے کی۔ "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ" اس پر بغیر کسی چون وچرا کے ایمان لے آنا چاہیئے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آچکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہہ دے آؤ بلادیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان، پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں ﴿٦١﴾

(۶۱) ثُمَّ نَبْتَهِلْ۔

یورپین مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوّت پر اس قدر ایمان تھا، کہ آپؐ اس پر ہر قسم کا مباہلہ کرنے کو تیار تھے۔[۸۶] ۱۰ ہجری میں نجران کی طرف سے نصاریٰ کا ایک وفد آیا جس میں ساٹھ آدمی تھے اور ان کا سردار عبدالمسیح تھا جو نجران کا سردار تھا، آپ نے ان کو مسجدِ نبویؐ میں ٹھہرایا۔ اس طرح آپؐ نے مذہبی آزادی کی بنیاد رکھی،[۸۷] جس کی مثال آج تک دنیا میں نہیں مل سکتی، اور آپؐ نے ان کو دلائل سے ثبوت دیا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں ہے، بلکہ اللہ کا بندہ اور اس کا نبی تھا، جب وہ دلائل سے نہیں مانے تو آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی، انہوں نے اس پر غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت مانگی، دوسرے دن عبدالمسیح اور اس کے دو ساتھی آپ کے پاس آئے، اور کہا کہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ ان کے خلاف بددعا نہ کریں گے اور ہم کو نجران ہی میں مذہبی آزادی ملے، ہم آپ کی حکومت کے ماتحت رہیں گے، آپ نے ان سے وعدہ کیا کہ بے شک وہ آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر قائم رہیں، اور یہ کہ ان کے اختیارات اور حقوق میں مداخلت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی رسم و رواج میں دخل دیا جائے گا، جب تک کہ وہ باامن اور سیدھی طرح رہیں۔

[۸۶] "دعوتِ مباہلہ"

[۸۷] "حضورؐ نے مذہبی آزادی کی بنیاد رکھی"

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے سوائے اللہ کے، اور جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا ﴿٦٢﴾

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔

یعنی یہ بیان سچ ہے اور اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ عیسیٰؑ اور آدمؑ تو صرف اس کے بندے تھے۔

ع ۶ / ۹ / ۱۴

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا:۔

ترجمہ: پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ﴿۶۳﴾

یعنی اس قسم کی صاف تعلیم دی جائے، اور پھر بھی اس پر عمل نہ کریں، اور اس کی قانون شکنی کریں، تو اس قسم کے فسادی لوگوں کو اللہ اچھی طرح جانتا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرادیں اس کا کسی کو اور نہ بنادے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں ﴿۶۴﴾

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ:۔

ف۵۸ "نصاریٰ کے دو گروہ"

(آغازِ ف۵۸) اسلام کے وقت نصاریٰ دو گروہ تھے، ایک تورات پر عمل کرتا، دوسرا گروہ فلسفی خیالات کا منطق وغیرہ سے ہر ایک کو قائل کرتا تھا، پہلا گروہ اوّل درجہ کا تھا، دوسرا درجہ دوم کا تھا، بعینہٖ ہندوستان میں علماء کی جماعت اور سر سید احمد کی جماعت، غرض اہلِ کتاب کے اوّل گروہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

ف۵۹ "انسانی خدمت کرنے والی جماعت کو غلبہ ہوتا ہے"

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ الی آخرہ:۔ حکومت ف۵۹ میں بھی دستور ہے کہ جب ایک جماعت سے دوسری جماعت بہتر پیدا ہو جائے تو کمزور جماعت اپنے سے افضل جماعت کے لئے جگہ چھوڑ دے، مسیح علیہ السلام نے حواریین کی ایک جماعت تیار کی ان کو تورات کی تعلیم دی، اب جب اس جماعت سے افضل ایک اور جماعت (مسلم) پیدا ہوگئی، تو ان کو لازم ہے کہ اپنے سے افضل جماعت کے لئے جگہ دینی چاہیئے تھی، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس لئے حکم ہوتا ہے آؤ ہم اور تم یعنی نصاریٰ کی جماعت اور مسلم جماعت ایک بات پر متفق ہو جائیں، اور متحد ہو کر مشترکہ کام کریں، اور جس بین الاقوامی کام کے لئے مسیح علیہ السلام آئے تھے، وہ سر انجام ہو جائے۔

ف۶۰ "مسلم جماعت اور اہلِ کتاب کے اتحاد کے اساسی اصول"

أَلَّا نَعْبُدَ الی آخرہ:۔ دونوں قومیں ف۶۰ یعنی مسلم و اہلِ کتاب کے اساسی اصول یہ ہیں:۔

(۱) تورات و قرآن حکیم دونوں اس پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے۔

(۲) شرک سے باز رہنا چاہیئے، اس لئے اس ایک بات پر دونوں متحد ہو سکتے ہیں یہ دونوں کی مشترک

بات ہے، اسے لے لیں، انہی الفاظ[۱] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرکیولیس کو ۶ ہجری میں ایک چٹھی تحریر فرمائی، جو صحیح بخاری میں موجود ہے اور اس چٹھی کے الفاظ (جو اب دستیاب ہوئے ہیں) بعینہٖ بخاری کی حدیث کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔

(۳) وَلَا يَتَّخِذَ الخ کما فی سورۃ البراءۃ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ[۲] الی آخرہ وتفسیرہ[۳] فی الحدیث اور مسلمانوں میں بھی جو اپنے عالموں اور پیروں کو یہی رتبہ دیتے ہیں وہ بھی اسی غلطی کے مرتکب ہیں، مگر جو بات دلیل سے تسلیم کرائی جائے یا جسے عقلِ سلیم تسلیم کرے، اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہے، فَاِنْ تَوَلَّوْا، یعنی اسی مشترک بات پر متحد نہیں ہوئے، فَقُوْلُوا تو تم کہو ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہیں، ہم ان کو بھی نبی مانتے ہیں، ان کی تعلیم پر بھی عمل کرتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اے اہلِ کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مسلمانوں[۱] نے یہود و نصاریٰ کو دعوت دی کہ ہم مشترک بات میں متحد ہو جائیں، مگر عیسائی اس بات پر رضامند نہ ہوئے، اس لئے کہ وہ تو عیسیٰ[۲] کو ابن اللہ کا درجہ دیتے تھے، اب حکم ہوتا ہے کہ اگر اس بات پر متفق نہیں ہوتے تو چلو مرکزی طاقت کو تسلیم کر لو اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو مسلمان، یہود، نصاریٰ سب مانتے ہیں، اور باقی تمام اولوالعزم انبیاء مثلاً اسحاق و یعقوب و یوسف و موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام یہ اور باقی انبیاء، حضرات انبیاء کی پیدا کی ہوئی سوسائٹی کے فرد تھے، ابراہیمؑ پر اتفاق کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان پر اور ان کی تعلیم پر مسلمان، یہود، نصاریٰ سب متحد ہو جائیں گے، مگر انہوں نے کہا کہ وہ تو یہودی (بخیال یہود) اور نصرانی (بخیال نصاریٰ) تھے، حالانکہ یہودی اور نصرانی کا لفظ تو ابراہیمؑ کے بعد کا ہے وہ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، یہی حال آج کل تمام فرقوں کا ہے، شیعہ جب تک امام حسینؓ کو تسلیم نہ کرا لیں، اور اہلِ سنت والجماعت

[۱] اہلِ کتاب کو ملتِ حنیفہ کو ماننے کی دعوت

ے صحیح بخاری میں ہے قال ابوسفیان ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرئ فاذا فیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد بن عبداللہ و رسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم واسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین وان تولیت نعلیک اثم الیریسیین ویااھل الکتاب تعالوا الی آخر ۱۲ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام صہ۱۳ طبع دہلی۔ (ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوا کر پڑھنے کا حکم دیا پیغام رسالتؐ کے الفاظ یہ تھے شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم یہ خط محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہرقل شاہِ روم کے نام سلامتی اسپر ہو جو ہدایت کا پیرو ہے بعد حمد و صلوٰۃ میں تجھکو اسلام کیطرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر کے تمام آفات سے محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام رعایا کا وبال تیری گردن پر رہے گا اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کیطرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائیں اور اگر تم کو اس سے انکار ہے تو تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بلاغ مبین فی مکاتیب سید المرسلین صہ۱۰۲ تا صہ۱۲۲ طبع لاہور ۱۲

ے ملاحظہ ہو آیت ۳۱ سورۃ براءۃ پ۱۰ جس کا ترجمہ یہ ہے ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔

ے مولانا شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، اُن کے علماء و مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خُدا کے ہاں ہمارا چھٹکارا ہو گیا کتب سماویہ سے کوئی سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار و رُھبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا، جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب تشریع خُدا کا تھا وہ علماء و مشائخ کو دے دیا گیا اس لحاظ سے انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدی بن حاتم نے جب اعتراض کیا کہ احبار و رھبان کو رب تو کوئی نہیں مانتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی تشریح فرمائی اور حضرت حذیفہ رضؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے، جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع وغیرہ سے پھر سند نہیں ۱۲ (ملاحظہ ہو تفسیر عثمانی صہ۲۴۷-۲۴۸ طبع رشیدیہ لاہور) ۱۲ ع-ق

جب تک امام ابو حنیفہؒ کو تسلیم نہ کرالیں ۔ مثلاً وہ دوسرے فرقوں کو مانتے ہی نہیں ۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ : نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا شرک ﴿۶۷﴾

"۹۲ نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق علم نہیں رکھتے تھے"

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ :۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلّق بحث وغیرہ کرتے تھے اس لئے کہ ان کو عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلّق تھوڑا علم تھا، مگر ابراہیم علیہ السّلام کے متعلّق تو انہیں بھی کچھ علم نہ تھا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ صابیؔ، موحد تھے۔ مگر ان میں رفتہ رفتہ بعض فرقے بُت پرست اور آتش پرست بن گئے تھے، ابراہیمؑ کا باپ آذر موحد صابی جماعت سے تھا اور شہر کا رہنے والا جو دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا، صابی جماعت کا ایک حصّہ ہندوستان میں اور دوسرا عراق میں اب بھی پایا جاتا ہے، غرض ابراہیمؑ تو صابی موحد جماعت سے تعلّق رکھتے تھے اور ان کا والد بھی صابی موحد تھا، حنیفؔ وہ ہے جو ہر غلط بات کو ردّ کرے۔ اپنی فطرتِ سلیمہ سے ذراسی شرک والی بات کو جھٹ پہچان لیتا ہے، اور جب اس کو یہ ثابت کردیں کہ یہ خُدا کا حکم ہے تو وہ اسے بلا تکلّف مان لیتا ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ : لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کی تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی پر اور اللہ والی ہے مُسلمانوں کا۔

"۹۳ ابراہیمؑ کے صحیح جانشین"

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ :۔

۹۳ ابراہیم علیہ السّلام کے بعد اسحاق، یعقوب، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السّلام اس کے پیرو تھے، اور بنی اسرائیل کے بعد بنی اسماعیل یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اس کے صحابہ، اب یہ تم سے زیادہ قابل اور ایماندار ہیں۔ اس لئے اے یہود و نصاریٰ تمہیں اپنے سے بہتر اور اعلیٰ جماعت کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ :۔

"۹۴ اللہ بہتر جماعت کو برسرِ اقتدار بناتا ہے"

قانونِ قدرت یہی ہے کہ ایک پھول کھلتا ہے اور پھر مرجھا جاتا ہے، تو اس کی جگہ ایک نیا پھول کھلتا ہے۔ ۹۴ اسی طرح بہتر جماعت برسرِ اقتدار آئے گی، ان کو اللہ اپنی مدد و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا

يُضِلُّونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: آرزو ہے بعضے اہل کتاب کو کہ کسی طرح گمراہ کردیں تم کو، اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ "

۹۵ "اہل کتاب کی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔"

یہود ۹۵ و نصاریٰ کو چاہیئے تھا کہ مشترک بات میں مسلمانوں سے متحد ہو کر مشترک کام کرتے، اور ابراہیمؑ نے جو توحید کا سبق سکھایا تھا اسے دنیا میں پھیلاتے، مگر انہوں نے اسے تسلیم نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر مستعد ہوئے، مگر مسلمان تو ابراہیمی طریقہ پر سیدھے جا رہے ہیں، یہ گمراہ کرنے والے خود گمراہ ہو جائیں گے۔

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہلِ کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے کلام کا اور تم قائل ہو ﴿۷۰﴾

لِمَ تَكْفُرُوْنَ "

۹۶ "اہل کتاب کے کفر پر حجت۔"

ترجمہ: ۹۶

تم اقرار کرتے ہو کہ یہ نبی اور یہ کتاب سچی ہے، اور یہ نبی عرب کے لئے مبعوث ہوا ہے جو تمہاری کتاب اور تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتا ہے، جس طرح تم رکھتے ہو، مگر جب وہ تمہاری کتاب تورات و انجیل سے ثبوت دیتا ہے کہ وہ وہی نبی ہے جس کی بشارت تورات و انجیل دیتی چلی آتی ہے تو تم جھٹ انکار کر دیتے ہو۔

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

ع ۷/۸ ۱۵

اے اہلِ کتاب کیوں ملاتے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات جان کر۔

لِمَ تَلْبِسُوْنَ "

ترجمہ:

مسلمان تو اُمّی تھے، انہیں تورات و انجیل پڑھنی نہیں آتی تھی۔ اگر مسلمان کبھی اہلِ ہنود و یہود سے اُن پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت تھی، وہ سرے سے اس کے منکر ہو جاتے، اور اسی طرح جھوٹ کو سچ میں ملا دیتے، یہ سلسلہ یہود و نصاریٰ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ بھی قرآن حکیم کی آیات کے معانی بیان کرنے میں اس جذبہ پر عمل کر رہے ہیں۔ مثلاً جہاد فرض تھا، مگر آج غیر ضروری قرار دیا جا رہا ہے اور اسی طرح غیر ضروری کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔ یعنی اس طرح ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری بنایا جا رہا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: اور کہا بعضے اہلِ کتاب نے مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخری دن میں شاید وہ پھر جاویں ﴿۷۲﴾

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ:۔

یعنی شام کو مسئلہ کے کمزور پہلو پر بحث شروع کر دی، تاکہ مُسلمان یہ سمجھیں کہ یہودی اس قدر عالم ہیں ان کو مذہبِ اسلام مطمئن نہیں کر سکتا، اس طرح ممکن ہے کہ بہت سے مُسلمانوں کے قدم بھی لڑکھڑا جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اور نہ مانیو مگر اسی کی جو چلے تمہارے دین پر، کہدے بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کہ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں آگئے تم پر تمہارے ربّ کے آگے تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے، دیتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار ﴿۷۳﴾

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے، اور اللہ کا فضل بڑا ہے ﴿۷۴﴾

(۷۳) وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ:۔

یعنی یہودیوں[۹۸] کو کسی نبی پر ایمان نہیں لانا چاہیئے جو قانونِ موسوی پر کاربند نہ ہو قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ہدایت[۹۸] تمہارے ٹھیکے میں نہیں آتی، اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ پر چلائے، اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ یہودی کہتے تھے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے، اس طرح کا اولوالعزم پیغمبر بھی وہ ہونا چاہیئے جس کے متعلق اس نے بشارت دی ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ اللہ کا وعدہ[۹۹] تھا کہ "میں تیری ہی قسم کا ایک نبی تیرے ہی بھائیوں سے اُٹھاؤں گا اور میں اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا"۔ یہ وعدہ ضرور پورا ہونا چاہیئے اور جو نبی اس طرح آئے اور وہ مثیلِ موسیٰ ہو، وہی اصل ہدایت دے سکتا ہے، لیکن اگر یہود و نصاریٰ کی دلیل مان لی جائے کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہوگی جو ابراہیم کی اولاد میں سے تھے تو اس سے پیشین گوئی

[۹۷] یہودیوں کا مذہبی تعصب،
[۹۸] ہدایت کا مالک اللہ ہے،
[۹۹] آپ کی بعثت کے متعلق تورات کی پیشین گوئی...

ادھوری رہ جاتی ہے اس لئے کہ بنی اسماعیل بھی تو ابراہیمؑ کی نسل سے ایسے تھے جیسے بنی اسرائیل اور ابراہیمؑ نے جس طرح اسحاق (بنی اسرائیل) کی نسل کے لئے دُعا کی تھی اسی طرح اسماعیل (بنی اسماعیل) کی نسل کے لئے بھی کی تھی، يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ[۱] اس کے معنی ہیں کہ وہ تم پر فتحمند ہوں، اس میں خوبی یہ ہے کہ مطلب

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب مقدس تورات کتاب استثناء باب۱۵ آیت ۱۸ طبع لاہور ۱۲ع۔ق

ثابت واضح کر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قدر طاقتور اور عطا کرنے والا ہے کہ وہ اپنی بخشش سے نہ صرف ان (بنی اسماعیل) کو اس کی مانند (نبی) دے جیسا کہ بنی اسرائیل کو دیا گیا، لیکن وہ ان (بنی اسماعیل) کو ان پہ فتح مند بھی کر سکتا ہے۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ، جس قوم میں رحمت کے چلانے کی استعداد دیکھتا ہے اس قوم پر رحمت کی بارش برساتا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور بعضے اہلِ کتاب میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کر دیں تجھ کو، اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے اس کے سر پر کھڑا، یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر اُمّی لوگوں کے حق لینے میں کچھ گناہ، اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں ﴿۷۵﴾ يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ۔

یعنی وہ امین[1] ہے، وَمِنْهُمْ مَّنْ خیانت کرنے[2] والا ہے، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ۔ یہ اس لئے کہ یہ سمجھ رکھا ہے کہ غیر کا مال مار لینا جائز ہے، اگر قوم خیانت کی طرف جھک پڑے تو نظامِ عالم قائم نہیں رہ سکتا، ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو تعلیم دی گئی تھی کہ غیر مسلم کا مال مار لینا جائز ہے اور اسے مالِ غنیمت تصوّر کرتے تھے، اس طرح کئی دفعہ فرسٹ کلاس سے سفر کرتے وقت جب باہر نکلتے تو غیر مسلموں کا جس قدر مال ہاتھ آتا اُڑا جاتے، اور گھر آکر اس میں سے پانچواں حصّہ نکالتے، یہ بات ان کے مُریدوں تک بھی پہنچی، انہوں نے بھی اسی طرح غیر مسلموں کا مال، مالِ غنیمت کے طور پہ اُڑانا شروع کیا، جب زیادہ شور ہوا تو پولیس نے نگہبانی کرنی شروع کی، تب انہیں معاملہ کی نزاکت معلوم ہوئی اور سب اس لغو حرکت سے باز ہوئے، یعنی وہ خیانت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہے جو نصاریٰ یا یہودی نہیں اس کا مال مار لینا مباح ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ اللہ صاحب مسلمانوں کو سناتا ہے کہ جن کی یہ نیت ہے کہ پرایا مال ناحق کھانے کو یہ مسئلہ بنالیا، ہم کو غیر دین والوں کا مال کھانا امانت میں خیانت کرنی روا (جائز) ہے ایسے لوگوں کی بات دین کے مقدمہ میں کیا سند ہو سکتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی کافر حربی کا مال زور سے لینا روا ہے، لیکن امانت میں خیانت روا نہیں[3]۔

حاشیہ: [منکر رحمت] استعداد والوں پر برستی ہے۔ [1] امانت میں خیانت قومی جرم ہے۔

[3] واعظ جو تفسیر موضح القرآن صفحہ ۶ مطبع دین محمد لاہور ۱۲ (ع ق)

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، دانستہ خُدا پر جھوٹ باندھتے ہیں، خُدا نے ان کو کہیں ایسا حکم نہیں دیا، موضح القرآن میں ہے، یعنی بے پڑھوں کو دغا (دھوکہ) دیتے ہیں اپنی عبارت بنا کر قرآن کی طرح پڑھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور وہ پرہیزگار رہے تو اللہ کو محبت ہے پرہیزگاروں سے ﴿۷۶﴾

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔

بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے پورا کرو! اس لئے کہ وعدہ وفا کرنے والے اور قانون کی پابندی کرنے والے کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

۱۰۲ "جو وعدہ کرو اسے پورا کرو"

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے دردناک ﴿۷۷﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ الخ۔

خدا کے نام پر لوگوں سے پیسے لیئے اور ان کو دھوکہ دیا ان کو سخت عذاب ہوگا۔

۱۰۳ "خدا کے نام پر پیسے کمانے پر عذاب"

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور ان میں ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر ﴿۷۸﴾

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ

دانستہ طور پر دین میں بھی جھوٹ بولتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہود میں اب استعداد ہی نہیں رہی

۱۰۴ "دین میں بھی دروغ گوئی کی عادت"

کہ وہ اپنے دین پر رہ سکیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے ﴿۷۹﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ۔

عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کتاب و حکمت و نبوت دے اور وہ لوگوں سے اپنی پرستش کرائے، وَلٰكِنْ كُوْنُوْا ایسے اشخاص یعنی کتابِ الٰہی کے معلّم یا حکیم یا انبیاء تو لوگوں کو کہتے ہیں کہ حق پرست ہو جاؤ۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

ع ۸ / ۱۶

ترجمہ: اور یہ نہ کہے تم کو کہ ٹھہرالو فرشتوں کو اور نبیوں کو ربّ کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ الخ۔

نہ وہ نبی اپنے آپ کو، نہ پہلے انبیاء کو، نہ ہی فرشتوں، نہ ہی فرشتہ سیرت انسانوں کو خدائی کا رتبہ دے گا۔ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ یہ کب ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کے تابعدار ہو اور وہ تمہیں کفر کی دعوت دے، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ کسی نبی نے بمعہ عیسیٰؑ کے اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم کبھی نہیں دی کہ وہ اس کی پرستش کرے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہتے کہ اگر کوئی اس قسم کی دعوت دے تو وہ من جانب اللہ نہیں ہوگا، فرشتوں کا اس لئے ذکر کیا کہ جاہل عرب فرشتوں کی پرستش کرتے تھے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس آنے والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ﴿٨١﴾

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ :

ہر نبی سے بعد والے کی متابعت کا عہد و اقرار۔

جو نبی بھی دنیا میں آتا ہے اس سے پہلے اقرار لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بعد میں آنے والے نبی کا اعلان کر جائے، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سب آخری نبی کے متعلق باری باری بشارت دیتے آئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ میرا مثیل ایک نبی تم میں سے اٹھایا جائے گا، وہ صرف میرے الفاظ ہی بولے گا، اور جو کوئی اس کی آواز نہ سنے گا میں اس سے باز پرس کروں گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جب آنے والے کے متعلق پیش گوئی کی تو کہا کہ وہ تمہیں سچائی کی طرف لے جائے گا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا لیکن جو کچھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا وہی کہے گا، (کتاب یوحنا انجیل) غرض یہ بشارت ہر نبی کے ذریعہ دی گئی اور جس طرح ہر نبی اپنی امت کو نبی آخر الزمان کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دیتا رہا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کو تعلیم دی، کہ وہ تمام انبیاء پر جو مختلف زمانوں میں مبعوث ہوئے ان سب پر ایمان لائیں۔

ہر ایک کی بشارت ہر نبی نے دی آپ نے سب نبیوں پر ایمان کا حکم دیا۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان ﴿٨٢﴾

فَمَنْ تَوَلّٰى :

ای بعد ھذہ الھدایۃ الواضحۃ اس واضح ہدایت کے بعد اس سے زیادہ بدبخت کون ہے جو ہدایت سے پھر جائے اور یہی لوگ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

[1] اصل عبارت یہ ہے "میں (خداوند) اُن کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اُس سے لوں گا ملاحظہ ہو تورات کتاب استثناء باب ۱۸ آیات ۱۸، ۱۹۔ (ع۔ق)

[2] جب وہ آئیگا تو تمکو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا اس لیئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، ملاحظہ ہو انجیل کتاب یوحنا آیت ۱۳ مطبع لاہور ۱۲ (ع۔ق)

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اب کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے اور اسی کی طرف سب پھر جاویں گے ﴿۸۳﴾

۱۰۸ "قانونی اطاعت" کا اصول کائنات عالم میں جاری ہے۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ الخ۔

تمام کائناتِ عالم اللہ کی تسبیح پڑھ رہی ہے، اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اسلام بمعنی[۱۰۸] "قانونی اطاعت" کو قدرت کے ہر ایک کام میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کی طرف رجوع کرتی ہے اسلام کے مذہب کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے، غرض اس نظامِ عالم کو جو طاقت چلا رہی ہے اس کے دین کو قبول کرنا چاہیئے، اور وہ یہی ہے کہ فطرت کا مذہب ہے، ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود[۱۰۹] میں کام چلانے کی استعداد نہیں رہی، اگلی آیات میں بتلایا جائے گا کہ یہ استعداد اب مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہے، اور قانونِ فطرت یہی ہے کہ اپنے سے برتر کے لئے (یعنی اپنے سے افضل کے لئے) جگہ چھوڑنی چاہیئے۔

۱۰۹ "یہود حکومت چلانے کی استعداد کھو بیٹھے اور مسلمانوں میں یہ استعداد پیدا ہو گئی۔"

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ ابراہیمؑ پر اور اسمٰعیلؑ پر اور اسحاقؑ پر اور یعقوبؑ پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسٰیؑ کو اور عیسٰیؑ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے، ہم جدا نہیں کرتے ان میں سے کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۸۴﴾

۱۱۰ مسلمانوں کی فراخدلی۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ۔

مسلمانوں کی فراخ[۱۱۰] دلی اور عالی حوصلگی کی استعداد بتلائی جا رہی ہے کہ وہ سابقہ انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی وسیع القلبی کی یہی نشانی ہے، وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ، ہم فقط خدا کے حکم کے تابع ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے ﴿۸۵﴾

۱۱۱ "بین الاقوامی مذہب سے انکار" ... [illegible]

وَمَنْ يَّبْتَغِ حضور[۱۱۱] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جماعت تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے، اور وہ بین الاقوامی اُمّت ہے،

یہی جماعت ہے جو اَب کامیاب نکلے گی، اس لئے کہ ایک نبی کو ماننے والی جماعت اب بازی نہیں لے جاسکتی اور اس جماعت کیساتھ جو کرئی ہوگا، وہ ضرور کامیاب ہوگا، اوپر کی آیت میں اسلام کی عالی حوصلگی کا واقعہ بتلایا گیا، اب کہا گیا جو اس بین الاقوامی مذہب سے انکار کرے گا وہ ضرور خسارہ میں رہے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: کیوں کر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لاکر گواہی دے کر بے شک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ الخ

یہود و نصاریٰ کو علم تھا کہ عرب کی حالت حد سے زیادہ خراب ہونے کے باعث ان میں ایک نبی کا آنا ضروری تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، یہود و نصاریٰ ان کو عرب کا نبی مانتے تھے، مگر جب آپ نے بین الاقوامی نبی ہونے کے ثبوت تورات و انجیل سے دیئے، تو انہوں نے سرے سے ہی آپ کا انکار کر دیا، حالانکہ پہلے آپ کو نبی تسلیم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس قوم [۱۱۲] نے جان بوجھ کر آپ کی تعلیم کا انکار کر دیا تو ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح ہدایت دے گا، جب کہ انہوں نے سرچشمہ سے سیراب ہونے سے ہی انکار کر دیا، غرض اس وقت مسلمان اپنی حالت پر غور کریں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو سچا مانتے ہوئے اس پر کاربند ہونے سے جی چراتے ہیں تو پھر ان کو ترقی کا راستہ کون دکھائے گا، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ [۱۱۳] اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ترقی کا راستہ نہیں دکھاتا، بلکہ ان پر تو لعنت برس رہی ہے، یعنی یہ قوم چاہتی ہے کہ ہم پیغمبر کو بھی مانیں اور ہمارے ظلم کے طریقے بھی جاری رہیں، تاکہ لوگوں پر ظلم کر کے اپنے لئے جائیدادیں اور عزت و سرمایہ پیدا کرتے ہیں، مگر آپ کی تعلیم سرمایہ داری کے بالکل خلاف ہے۔

[۱۱۲] وہ جان بوجھ کر تعلیم نبوی سے انکار پر ہدایت سلب ہو جاتی ہے

[۱۱۳] اللہ ظالم قوم کو ترقی کا راستہ نہیں دکھاتا

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: [۱۱۴] ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ

[۱۱۴] حضور کی تعلیم کا مقصد ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام تھا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا مقصد ضعیف لوگوں سے ظلم کا دور کرنا اور عدالت قائم کرنی ہے اور ظالموں اور بے جا لوٹنے والوں کو نیست و نابود کرنا ہے، تو جو اس تعلیم کو لوگوں سے چھپاتے ہیں، اور لوگوں کو اس کے قریب نہیں آنے دیتے، اور مخلوقِ الٰہی اس تعلیم و پروگرام کی تلاش میں سرگرداں ہے، تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، کیونکہ یہ تعلیم تو مخلوق میں عام کرنے کے لئے تھی، اور وہ عام نہیں کرتے، ان پر ملائکہ

کی بھی لعنت ہے، کیونکہ حظیرۃ القدس (بارگاہِ الٰہی کی جماعت) میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انسانوں کی نجات اسی میں ہے اور جو شخص اس تعلیم کو جان کر لوگوں میں عام نہیں کرتا تو پھر ملاء اعلیٰ کی اس پر لعنت برسے گی، اور لوگوں کی بھی اس پر لعنت ہے، کیونکہ لوگ ظلم ختم کرنے کے طریقہ کو تلاش کر رہے ہیں اور اس قوم کے پاس وہ راستہ خدا کا بتایا ہوا موجود ہے اور یہ نہیں بتاتے، تو تمام لوگوں کی اس پر لعنت ہوگی یہ انسانیت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ہمیشہ رہیں گے اس میں، نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کیے، تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے ﴿۸۹﴾

۱۱۵ "دنیا میں لعنت کی سزا کا مقصد"

لعنت[۱۱۵] کا مقصد ہے کہ اللہ ان سے عزت و آبرو و حکومت چھین لے گا، اور ان کی دشمن قوم کو دے دے گا وہ ان کو عذاب دیتی رہے گی، اور یہ عذاب و محکومیت کی بلا اور تکلیف کبھی ان سے کم نہ ہوگی۔ نہ ان کو کبھی ایک سال یا دو سال مہلت ملے گی، یعنی شب و روز یہ قوم تکالیف اور دنیا کی ذلت میں مبتلا رہے گی اور ہمیشہ رہے گی، جب تک کہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا (وہ توبہ نہ کر لیں) اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو کر جتنا کام انہوں نے بگاڑا ہے اس کی اصلاح کریں، اور اس تعلیم و تربیت سے لوگوں کو مستفید کریں، یعنی اپنی ریاست و پیری مریدی کو چھوڑ دیں، آپس کے جھگڑوں کو چھوڑ دیں، اور اصل بناء جھگڑوں کی ریاستوں پر ہے اس کو ترک کر دیں، اور مسکین بن کر مسکینوں کی اصلاح کریں۔

۱۱۶ "اسلام میں سرمایہ داری کا نام و نشان نہیں"

اسلام میں سرمایہ داری[۱۱۶] یعنی ملکیت زمین کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس کے بعد جب اسلامیہ سلطنت ہندوستان میں ضعیف (کمزور) ہوئی، تو زمین پر مالکانہ تصرف ہونے لگے اور علماء و مشائخ و امیر زمین پر قبضہ کر کے غرباء پر ظلم کرنے لگے، ہندوستان کی زمین خراجی ہے اور خراجی زمین بیت المال کی ہے، اس لئے شاہ عبد العزیز صاحب شکر بار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوی دیا ہے اَرْضُ الْهِنْدِ مَوْقُوْفَةٌ[۱] ہندوستان کی زمین قومی ملکیت ہے اور فتوی شاہ عبد العزیز دہلوی کے فتاویٰ میں ہے اور اخبار زمیندار لاہور مؤرخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۵ء میں مضمون ایک انگریز کا نکلا ہے اس میں ہے کہ "سلاطینِ[۱۱۷] مغلیہ کے دورِ حکومت میں امراء جدی اور آزاد رؤسا نہ تھے، کوئی نواب یا امیر ترکہ میں زمین حاصل نہیں کر سکتا تھا، اس لئے کہ تمام زمین بادشاہ کی ملکیت (یعنی بیت المال کی) سمجھی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی نواب یا امیر مرنے کے بعد اپنے وارث کے لئے کوئی جائیداد چھوڑ جائے، اس زمانہ میں امارت کے حصول کا انحصار زیادہ تر قابلیت پر تھا، پھر قابلیت بھی ایسی جس کے جوہر اعلیٰ

۱۱۷ "مغلیہ سلطنت میں زمینداری نظام کی حقیقت"

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ اسلام کا اقتصادی نظام مؤلفہ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی ۱۲

[۲] فتوی ہذا کیلئے ملاحظہ ہو۔ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۵۴ تا ۱۵۵ مطبع امدادیہ ملتان ۱۲ (ح۔ق)

فوجی عہدوں پر رکھ کر دکھانے پڑتے تھے، سرکاری عہدوں کی تنخواہیں غیر ممالک کے قابل ترین آدمیوں کیلئے جو ہندوستان میں اپنی قسمت آزمانے کی غرض سے ایک طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے، مقناطیسی کشش کا حکم رکھتی تھیں، یہ لوگ زیادہ تر ایران کے معزز گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح مغلیہ دَور کے سرکاری عہدہ داروں میں غیر ملکی عنصر غالب ہوگیا تھا، لیکن ترکوں، عربوں، ایرانیوں، افغانیوں اور ملکی ہندوؤں اور مسلمان سب کے بامِ رفعت (ترقی) پر پہنچنے کے لئے یکساں مواقع حاصل تھے۔ ہندوؤں میں زیادہ راجپوت شہزادے اور راجہ مہاراجہ ہوتے تھے۔ ان مختلف النسل نوابوں، سرداروں اور راجوں کے اجتماع کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ دربار[۱۱۸] مغلیہ اس وقت مشرقی تمدن کا بہترین نمونہ پیش کرتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ خود اُمراء، رؤساء کی طاقت ایک خاص سطح پر قائم رہتی تھی۔

۱۱۸ دربارِ مغلیہ مشرقی تمدن کا بہترین نمونہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الی آخرہ: جب انہوں نے نبی کی تعلیم کو سُنا اور اس پر ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر بڑھتے رہے انکار میں ہرگز قبول نہ ہوگی توبہ، اور وہی ہیں گمراہ ﴿۹۰﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا:۔

۱۱۹ ضدی لوگوں کی توبہ قبول نہیں۔

مگر جس[۱۱۹] نے ایمان لانے کے بعد کام کرنے سے انکار کر دیا، یعنی پوری طرح سمجھ لیا کہ راستہ یہ ہے اور پھر منکر ہو کر اس کے خلاف کام کرنا شروع کیا، اور آگے بڑھتا گیا، تو اس کی گزشتہ توبہ تو بیکار ہوگئی (یعنی اعمالِ حسنہ) اور آئندہ بھی اس کو توبہ کا موقع حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تو مخالفت میں کام کر رہا ہے، اس لئے اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ منظور نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹ ع ۱۱ ۱۷

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا اور اگرچہ بدلا دیوے اس قدر سونا، ان کو عذاب دردناک ہے، اور کوئی نہیں ان کا مددگار ﴿۹۱﴾

توبہ تو ندامت ہے جس سے اخلاق پر اثر پڑتا ہے، اور اخلاق اچھے پیدا ہوتے ہیں، مرنے کے بعد اخلاق درست کرنے کا موقع نہیں ہے، فَلَنْ يُّقْبَلَ (یعنی جو لوگ کفر پر جمے رہے اور اسی حالت میں مر گئے تو ان سے زمین کے بھراؤ سونا بھی فدیہ اور بدلہ میں قبول نہیں کیا جائے گا) کیونکہ اس میں ترقی کی استعداد نہیں رہی، خرچ کرنا بے فائدہ ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرِيْنَ فی میدان الحشر مثل هولاء اعداء الحق (اور میدانِ محشر میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا جیساکہ یہ لوگ حق کے دشمن ہیں) غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سیدھا راستہ بتلا رہے ہیں مگر یہ کم بخت، لوگوں کو شک میں ڈال دیتے ہیں، ان کو سیدھے راستہ کی طرف نہیں آنے دیتے، ان کے لئے سوائے لعنت کے کیا ہے اور یہ کہ اس کو اس کی سزا دی جائے، جیسے ایک قافلہ سخت گرمی میں نڈھال ہو کر کسی چشمہ کی طرف آئے اور کوئی اور لٹھ لے کر ان کو پیاس نہ بجھانے دے، وہ اسی طرح جان بلب دم توڑ دیں تو کیا ایسے[۱۲۰] ظالم کے لئے رحم کی گنجائش ہو سکتی ہے، وہ خواہ کتنی ہی دولت معاوضہ میں دے، وہ کام نہیں آئے گی۔

[۱۲۰] "ظالم کے لئے رحم کی کوئی گنجائش نہیں"

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل کر سکوگے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ، اور جو چیز خرچ کروگے سو اللہ کو معلوم ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ:۔

خُدا کے[۱۲۱] راستہ میں خرچ کرنا درحقیقت اپنے نفس کو شائستہ کرنا ہے، نفوس میں بُخل بدترین اخلاق میں سے ہے، آخرت میں ضرر رساں (نقصان دہ) صفت ہے۔ بخیل کا قلب مرنے کے بعد مال کی محبّت میں اُلجھا رہتا ہے۔ اس وجہ سے عذاب میں مُبتلا رہتا ہے، انسان جب خیرات کا عادی ہو کر بُخل کی صفت کو دل سے نکال دیتا ہے، آخرت میں اسکو بہت فائدہ پہنچتا ہے، جس طرح فرمانبرداری سے نفس میں خُدا کی کبریائی پر اطلاع پلنے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح[۱۲۲] سخاوت سے دنیاوی اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیّت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ سخاوت فی الحقیقت ملکیت کے بہیمیت پر غالب ہونے اور ملکیت کے رنگ میں رنگے جانے اور اس کا حکم قبول کر لینے کا نام ہے، اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی ضرورت کے وقت مال کو خُدا کے لئے خرچ کرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ زندگی کی حالت میں ایک درہم کا صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بعد سیر ہونے شکم کے صدقہ دے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرنا جس کی اس کو حاجت نہیں اور نہ حاجت ہونے

[۱۲۱] "انفاق فی سبیل اللہ کا حکم اور فائدہ"

[۱۲۲] "سخاوت کی حقیقت"

ؔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یتصدق المرء فی حیوتہ بدرھم خیر لہ من ان یتصدق بمائۃ عند موتہ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۱۶۵ ج ۱)

ؔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یتصدق عند موتہ او یعتق کالذی یھدی اذا شبع رواہ احمد والنسائی والدارمی والترمذی وصححہٗ (ص ۱۶۵ ج ۱)

کی توقع ہے پوری پوری سخاوت پر مبنی نہیں ہے، غرض جس آدمی نے اس جگہ موقع ہاتھ سے کھودیا، دنیا کی کوئی دولت اس کو نجات نہیں دلا سکتی، اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو وہ چیز صرف (خرچ) کرنی چاہیئے جسے وہ سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے، اس لئے حکم ہوتا ہے کہ نیکی کرنی ہو تو ابھی موقع ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ!

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا۟ بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت نازل ہونے سے پہلے، تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو

كُلُّ الطَّعَامِ:-

اس کے متعلق سورہ انعام آیت ۱۴۷ میں ہے کہ ان کی بغاوت پر ہم نے ان کو سزا دی تھی۔ یعنی یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اپنے نفس پر نذر کے طور پر حرام کیا تھا نہ اپنی اولاد و اتباع پر یہود نے اس کو حرمتِ ابدی کا حکم دے دیا۔ یہ ان کی سینہ زوری ہے۔ اچھی چیزیں اللہ حرام نہیں کرتا نہ ہی حکم دیتا ہے کہ اچھی[۱۲۳] چیزیں خیرات نہ کرو۔ تو یہ اعتراض دفع ہوگیا کہ انسانوں کو جو محبوب چیزیں وہ کیوں اوروں کو دی جائیں جب اللہ بھی عمدہ چیزوں کو حرام کر دیتا ہے اور لوگوں کو کھانے نہیں دیتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے نذر کے طور پر حرام کر دی تھی۔ اللہ نے حرام نہیں کی تھی وہ تو حکم دیتا ہے کہ اچھی چیزوں کو کھاؤ اور اللہ کی راہ میں دو۔

[۱۲۳] "اللہ تعالیٰ اچھی چیزیں حرام نہیں کرتا اور نہ ان کی سخاوت سے روکتا ہے!"

فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ الظَّـٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۗ فَاتَّبِعُوا۟ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

وقف جبریل علیہ السلام

ترجمہ: پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دینِ ابراہیمؑ کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا۔

(۹۴) فَمَنِ افْتَرَىٰ الخ:-

حقیقت میں یہ ہے کہ اپنے آپ کو پاکباز ثابت کرنے کے لئے چند اچھی چیزیں اپنے اوپر حرام کر ڈالیں تاکہ لوگ ان کے معتقد ہو جائیں، اور اس وسیلہ[۱۲۴] سے ریاست پیدا کر کے لوگوں پر ظلم کریں۔

(۹۵) قُلْ صَدَقَ اللَّهُ یعنی اللہ نے تو سچ حکم دیا ہے کہ ابراہیمی ملت[۱۲۵] اختیار کرو۔ اس میں کوئی ظلم نہیں نہ اس

[۱۲۴] "جعلی ریاست کے ذریعے ظلم"

[۱۲۵] "ابراہیمی ملت میں کوئی ظلم کی بات نہیں"

ے آیت ہٰذا کا ترجمہ یہ ہے "اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں" (سورۃ انعام آیت ۱۴۷ پ ۸) ع۔ق

ہیں ریاست بنانے کا موقع ہے جس سے پھر وہ شخص اُلوہیت (خدائی) کا درجہ حاصل ہو سکے، وہ تو شرک سے دُور بھاگتا تھا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکّہ میں ہے برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو۔ (۹۶) اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقامِ ابراہیمؑ اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی (۹۷)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ:۔ بکّہ بمعنی مکّہ بعض کے نزدیک بمعنی گردن توڑنا اور نام اس جگہ کو اس لئے دیا گیا کہ جب کسی ظالم نے اس طرف رجوع کیا اس کی ہمیشہ گردن توڑ دی گئی، اس آیت میں[۱۲۷] یہود کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بیت اللہ کی طرف مُنہ کر کے پڑھتے تھے کہ بیت المقدس ابراہیم علیہ السّلام کے بعد بہت عرصہ کے بعد تعمیر ہوا، حالانکہ بیت اللہ مکّہ میں ابراہیمؑ سے بہت پہلے موجود تھا، اس واسطے درحقیقت خُدا کی بندگی کرنے کا سب سے پہلا گھر تھا، اور ساتھ ہی مُبارکًا[۱۲۸] برکت والا گھر یعنی اسے مبارک بھی کہا گیا، مبارک اصل میں کہتے ہیں ایسی برکت جو ابدالآباد (دائمی) ہو۔ اسی طرح یہ سب سے پہلے اور سب سے آخری گھر ہے، جہاں دنیا بھر کی قومیں حقیقی ہدایت و تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، غرض[۱۲۹] چونکہ اب مسلمانوں کی جماعت یہود و نصارٰی سے افضل ہو گئی ہے، اس لئے انہیں یہود وغیرہ کو ابراہیمی تعلیم کی طرف دعوت دینی چاہیئے۔ ابراہیمی[۱۳۰] مِلّت کی سب سے پہلی مسجد کی بناء حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے رکھی، اور بیت المقدس کی بناء حضرت اسحاقؑ نے رکھی، غرض ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مکّہ میں مسجد بنائی تو بنی اسمٰعیل کا قبلہ مکّہ اور بنی اسرائیل کا بیت المقدس ہوا۔

وھُدًی للعالمین یعنی بین[۱۳۱] الاقوامی ہدایت کے لئے، بین الاقوامی مرکزیت مکّہ کی مسجد کو ہے۔

فِيهِ اٰيٰتٌ الخ:۔ اس مقدس گھر کی سب[۱۳۲] سے روشن دلیل یہ ہے کہ ابراہیمؑ اس جگہ آباد رہے، اور

[۱۲۶] "مکّہ کی وجہ تسمیہ"

[۱۲۷] "مسلمان نماز میں بیت اللہ کو کیوں قبلہ بناتے ہیں"

[۱۲۸] "برکت والا گھر"

[۱۲۹] "ابراہیمی تعلیم کی طرف دعوت کی وجہ"

[۱۳۰] "ابراہیمی ملت کی پہلی مسجد"

[۱۳۱] "بین الاقوامی مرکزیت مکہ کو"

[۱۳۲] "مقام ابراہیم کیلئے ہے"

یہاں کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے تھے ، مقامِ ابراہیم سے مراد بیت اللہ اور مطاف (طواف گاہ) ہے جہاں ابراہیمؑ کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس سے دوسرے درجہ پر وہ پتھر ہے جس پر ابراہیمؑ کے پاؤں کا نشان ہے ۔ اس گھر میں وہ پتھر ہے جسے "حجرِ اسود" کہتے ہیں ۔ عہدِ ابراہیمی میں پیمانِ عام لینے کا یہ دستور تھا کہ ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا ، جس پر لوگ آکر اپنے ہاتھ مارتے ، اس کے معنی یہ ہوتے کہ جس عہد کے لئے وہ پتھر رکھا گیا ہے اس کو انہوں نے تسلیم کر لیا ۔

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنی خاص عبادت کے لئے کعبہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کی جنوبی اور مشرقی گوشہ پر یہ کالا پتھر لا کر نصب کر دیا کہ جو کوئی اس گھر میں جس کی بنیاد کے لئے معبود کی پرستش پر داخل ہو ، پہلے اس پتھر پر ہاتھ رکھے ، پھر طواف کرے ، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے توحید کا عہد باندھ لیا ، اب وہ اس ذاتِ پاک کی توحید پر جس کی عبادت کے لئے یہ گھر بنا ہے ، اپنے آپ کو نثار کرتا ہے ، اگر جان بھی دینی پڑے گی تو اس سے منحرف نہ ہوگا ۔ حجرِ اسود کی حقیقت یہی ہے نہ اس میں کوئی طاقت ہے نہ قوت اور جنت کی چٹان ہے نہ عرشِ معلیٰ کا فرش بلکہ صرف تجدید عہدِ ابراہیمی اور پیمانِ حقیقت و محبت کے لئے ایک نشان ہے اور بس ، دینِ اسلام ہی میں یہ طریقہ ہے کہ اس پتھر کو ہاتھ لگا کر طواف کرے اگر ہجوم ہو تو اس کی طرف ہاتھ کے اشارے پر کفایت کی جائے اور ہاتھ کو بوسہ لیا جائے چونکہ یہ توحید کا مقدس پیمان ہے اس لئے ہاتھ یا پتھر کو چوم بھی لیتے ہیں ۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کو حجرِ اسود پر ہاتھ رکھنا وغیرہ صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ توحید کا پیمان ہے ، یعنی یہ تعظیم اور تقدیس اس پتھر کی نہیں ہے بلکہ اس توحید کی ہے جس کے عہد کے لئے پتھر کو نصب کیا گیا ہے ۔

الغرض حجرِ اسود کو چومنا شرک کو ذبح کرنے کے لئے ہے اور بت پرستوں کا پتھروں کو پوجنا خالص شرک ہے ، غرض اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اگر اسی ابراہیمی طریقہ کا آدمی اس گھر میں اگر اچھی دعا کرے تو اللہ اس کی دعا قبول کرتا ہے ، اس کے علاوہ کے لئے ابراہیمی تعلیم درکار ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسے اس گھر کی برکت سے اس کو اس میں بھی کامیاب کرے گا جو بات انسان اپنے تجربہ سے حاصل کرے اسے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے ایسے آیاتِ بینات کہتے ہیں ۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ زمانۂ جاہلیت سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جو شخص اس گھر کی حد کے اندر آگیا ، وہ مامون ہو گیا ، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور اس کا عذاب اس کے سر پر ہوگا ۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ جو بین الاقوامی مذہب کا بانی ہو اسے اس گھر میں ایک دفعہ آنا ضروری ہے تاکہ بین الاقوامی قانون کی تعلیم حاصل کر سکے ۔ وَمَنْ كَفَرَ ۔ اگر وہ نہ آئے تو قانونِ الٰہی پر تو عمل درآمد ہوتا رہے گا ، موضح القرآن میں ہے کہ یہ بھی یہود کا شبہ تھا کہ ابراہیم کا گھرانہ ہمیشہ شام میں رہا اور بیت المقدس

ربط ۱۳۳ حجرِ اسود کی حقیقت ۔

ربط ۱۳۴ بیت اللہ میں دعا کی قبولیت کیوں ۔

ربط ۱۳۵ ابراہیمی تعلیم کام کن ۔

ربط ۱۳۶ بین الاقوامی قانون کی تعلیم [illegible]

کو قبلہ رکھا تو مکّہ میں اور کعبہ کو قبلہ کرتے ہو تو تم کیونکر ابراہیم کے وارث ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم کے ہاتھ سے اوّل عبادت خانہ اللہ کے نام پر بھی بنا اور اس میں بزرگی کی نشانیاں اور خوارق ہمیشہ دیکھتے رہے ہیں، اصل مقامِ ابراہیم یہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہلِ کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو تم کرتے ہو ﴿۹۸﴾

لِمَ تَكْفُرُوْنَ:۔

یہود[۱۳۷] اس گھر کو متبرک مانتے ہیں مگر ہٹ دھرمی سے ادھر نہیں آتے، اگر وہ اس طرف آئیں تو انہیں ملّتِ ابراہیمی کا صحیح راستہ ملے۔

ت ۱۳۷ "یہود کی بیت اللہ کے بارے میں ہٹ دھرمی"

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہلِ کتاب کیوں رد کتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو، اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے ﴿۹۹﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ:۔

یہود[۱۳۸] و نصاریٰ اگر توریت و انجیل میں غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس گھر میں آنا ضروری ہے، مگر وہ آیات کی غلط تاویل کر کے کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہیں، اور وہ لوگوں کو اس طرف نہیں آتے دیتے، تورات کے لفظ ہیں کہ "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہوا" کوہِ سینا کو موسیٰ ؑ سے اور کوہِ ساعیر کو عیسیٰ علیہ السّلام سے اور کوہِ فاران کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے نسبت ہے۔ (کتاب حقوق نبی)

ت ۱۳۸ "تورات و انجیل میں بیت اللہ کی عظمت کا ذکر"

وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ: یہود کو یقین ہے کہ یہ گھر واقعی برکت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے اہلِ کتاب کا تو پھیر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر۔

۱۳۹ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا۔

اب ۱۳۹ یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ یہی گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے اور جس کے حدود کے اندر ہر ایک کو امن ہے، اے مسلمانو! اب تم یہود کی باتوں کو چھوڑ دو! اپنے کام میں لگے رہو۔

(حاشیہ: بحث دور کر کے کام میں لگے رہو)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے رستہ کی ﴿۱۰۱﴾ ع

۱۴۰ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔

تمہیں ۱۴۰ سیدھا راستہ دکھلا دیا گیا اس پر چلو گے تو کامیاب رہو گے۔

(حاشیہ: "مسلمانوں کی کامیابی سیدھا رستہ پکڑنے پر ہے۔")

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیئے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان ﴿۱۰۲﴾

۱۴۱ اِتَّقُوا اللّٰهَ۔

بین ۱۴۱ الاقوامی قانون تمہیں دیا گیا ہے، اس کی انتہا تک پابندی کرو، اور پابندی بھی مکمل طور پر، مرتے دم تک اس پر ڈٹے رہو۔

(حاشیہ: "بین الاقوامی قانون پر حد درجہ پابندی کی تاکید")

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک

آگ کے گڑھے کے پھر تم کو نجات دی اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ (۱۰۲)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

۱۳۲ "حبل اللہ قرآن ہے"

۱۳۳ "فرقہ بندی مت اختیار کرو"

۱۳۲ بِحَبْلِ اللّٰهِ۔ حبل اللہ قرآن ہے وَلَا تَفَرَّقُوْا فرقہ بندی مت ۱۳۳ اختیار کرو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اسلام نے آکر تم کو ملا دیا، اب اگر تم پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو سمجھو کہ ملانے والی طاقت یعنی اسلام تم میں نہیں رہا۔

۱۳۴ "قرآن نے قبائل عرب کو ملا دیا"

۱۳۵ "لغت اور قرآن میں "نار" (آگ) کا لفظ اکثر جنگ کے لئے استعمال ہوا"

۱۳۴ كُنْتُمْ مہاجرین و انصار (کے قبائل و افراد) اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے، مگر قرآن نے ان کو ملا دیا، وَ اَنْتُمْ عَلٰى شَفَا ایک دوسرے کی مخالفت کر کے تباہ ہو کر جہنم کی طرف جا رہے تھے، یعنی جنگ کی آگ میں جا کر تمہاری تمام قوم تباہ ہو جاتی، حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت سے پہلے اہل عرب ایک دوسرے سے ہمیشہ برسر پیکار تھے، اسی طرح تمام ملک جنگ کی آگ سے تباہ و برباد ہو رہا تھا، بکر اور تغلب کی لڑائی جس کا نام جاہلیت کے اشعار میں "حَرْبِ بَسُوْس" ہے، اس کی بنیاد یہ تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا، کھیت والی عورت نے اسے مارا، اونٹ والے نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی، اس بات پر ۴۹۴ء سے ۵۴۵ء تک برابر لڑائی رہی، اوّل یہ لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب میں شروع ہوئی تھی، مگر رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے تھے اور ابتداء سے انتہا تک ستر ہزار آدمی مارے گئے، اسی طرح "حَرْبِ دَاحِس" عرب میں ۵۶۰ء سے ۶۳۰ء تک جاری رہی۔ داحس ایک گھوڑا تھا جو گھوڑ دوڑ میں آگے بڑھا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اسے بدکا دیا، اتنی سی بات پر ایسی جنگ ہوئی کہ اس میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرے اور اس لڑائی کا خاتمہ بالکل اس وقت ہوا جب ان میں سے بعض قبیلے اسلام لائے، مولانا حالی کہتے ہیں (چند شعر عرب کی اس حالت میں ہیں) غرض عربی لغت ۱۳۵ اور قرآن مجید میں نار یا آگ ہمیشہ جنگ کی نشانی ہوتی ہے، عرب ہمیشہ آگ جلاتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ اعلانِ جنگ ہے تاکہ تمام قبیلے جمع ہو سکیں اس لئے لفظ نار کو ہمیشہ جنگ کے لئے استعمال کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ مائدہ آیت ۶۴ میں ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ۔ الخ (جب کبھی ان یہودیوں نے جنگ کے لئے آگ جلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بجھا ڈالا (اور ان کو مغلوب کر دیا) یہ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) فَاَنْقَذَكُمْ منها من حفرة النار (یعنی دشمنوں نے تمہیں لڑانے کی سعی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس (لڑائی کے گڑھے میں جانے سے) چھڑا لیا۔) یعنی تم کو متحد و متفق کر دیا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ، تمہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ قرآن کی تعلیم نے تمہیں اس رتبہ پر پہنچایا کہ آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچے اور قانون پر عمل کر کے تم آپس میں متحد و متفق ہو گئے، جس دن تم پھر اس گڑھے کی طرف گرنے لگو، سمجھ لو کہ تم قانونِ الٰہی پر کاربند نہیں رہے، یعنی تم مسلمان نہیں رہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو ﴿۱۰۴﴾ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾

فرقہ بندی کا علاج [۱۴۳]

آیت سمجھنے سے پہلے تین چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ مدرسہ [۱]، استاد [۲]، کتاب [۳]، اب بتلا دیا کہ بیت اللہ بین الاقوامی تعلیم کا گھر ہے، تمہیں بہترین معلم حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم عنایت کیئے۔ بحرِ علوم کا خزانہ قانونِ الٰہی قرآن کی صورت میں دیا گیا۔ ان تینوں کو مضبوطی سے تھامے رہو، اب [۱۴۶] کسی فرقہ بندی کی یہاں گنجائش نہیں، اپنے میں سے ایک بہترین جماعت کا انتخاب کر لو اور اس جماعت [۱۴۷] کے احکام جو مرکزی کہلائے گی مطیع رہو، اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرو، خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں یہی کیفیت تھی، مرکزی جماعت کے ماتحت سب معاون تھے، اور اسی ایثار اور اسی مرکزی جماعت کی فرمانبرداری سے اسلام اسی سُرعت سے بڑھا جس کی مثال تاریخِ عالم میں ناپید ہے۔ اسی مرکزی جماعت کا کام یہ ہو گا کہ امر بالمعروف میں وہ حکم دے گی، جب سے مسلمان مرکزی جماعت کو چھوڑ کر شخصی اطاعت میں لگ گئے، فرقہ بندی میں پڑ کر برباد ہو گئے۔

مرکزی جماعت کی اہمیت اور اطاعت کے ثمرات [۱۴۷]

مسلمانوں میں جہاد اور امر بالمعروف کے لیے جماعت کا قیام ضروری ہے [۱۴۸]

(۱۰۴) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ موضح القرآن [۱۴۸] میں ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور لوگوں کو دین کی بات کا تقیّد (پابند) رکھنے کو، تاکہ خلافِ دین کوئی کچھ کام نہ کرے جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں، اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے، کوئی کسی کا احوال نہ پوچھے، ہر کوئی جو چاہے سو کرے کہ موسیٰ بدینِ خود و عیسیٰ بدینِ خود (کہ موسیٰ اپنا دین عیسیٰ اپنا دین پیش کرے) یہ راہ مسلمانوں کی نہیں ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ جہاد اور امر بالمعروف کا جو حکم فرمایا یہ ظلم نہیں خلق پر (بلکہ اس میں ان کی تربیت اور بھلائی ہے)

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ: جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے مُنہ اور سیاہ ہوں گے بعضے مُنہ سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے مُنہ ان کے، ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہو گئے ایمان لاکر اب چکھو عذاب بدلہ اس کفر کرنے کا ﴿١٠٦﴾ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے مُنہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿١٠٧﴾

(١٠٦) فَاَمَّا الَّذِيْنَ الخ۔

جو پارٹی[149] بنا کر مرکزی جماعت کو توڑنے کی کوشش کریں ان کی یہ سزا ہوگی۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ الی آخرہ[1]

۱۴۹ "مرکزی جماعت کو توڑنے کے لیے پارٹی بنانے والوں کی سزا"

---

[1] ملاحظہ ہو قرآن مجید مع موضح القرآن طبع تاج کمپنی ص۱۰۱ ۱۲

[2] ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ ص۱۰۲ ۱۲ (ع ق)

جو پارٹی اس غرض سے بنائیں کہ مرکزی کمین کو تقویت ہو ان کی یہ جزا ہے کہ مقابلہ کے وقت فتح یاب اور سُرخرو ہوں گے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ: یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سُناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک، اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر ﴿١٠٨﴾

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ...

اللہ نہیں[150] چاہتا کہ بین الاقوامی پروگرام میں کسی قوم سے بے انصافی ہو، مگر اللہ یہ چاہتا ہے کہ جو قوم آگے بڑھنا چاہے، اسے تفوّق (غلبہ) دیا جائے اور دوسری اقوام پر برتر کیا جائے۔

[150] "اللہ بین الاقوامی پروگرام میں انصاف قائم کرنے والوں کا غلبہ چاہتا ہے"

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ...

اللہ کی حکومت[151] تمام دنیا پر ہے، جو اس کے قوانین پر عمل کرے گا، اللہ اسے ہی برتری دے گا، کسی خاص قوم کو برتری نہیں دی جائے گی، بلکہ قانون پر عمل کرنے والی قوم کو تفوّق (غلبہ) دیا جائے گا، جس طرح اللہ کی حکومت تمام دنیا پر ہے، اسی طرح اس نظامِ عالم کو چلانے کے لئے ایک مرکزی نظام کی ضرورت ہے جو اپنے ماتحت نظام کو سمجھائے۔

[151] "تمام دنیا پر اللہ کی حکومت ہونے کا تقاضا"

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

ترجمہ: تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر، اور اگر ایمان لاتے ہیں اہلِ کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا، کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں ﴿١١٠﴾

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ:۔

۱۵۲

"دنیا میں سب سے بہتر جماعت کی صفت"

سب سے بہتر جماعت دنیا میں وہ ہے جو خُدا کے قانون کی پابندی کرے، اور اسے بلا رُو رعایت چلائے۔ اے مسلمانو! تم ایک اُمّی بدّو (ان پڑھ دیہاتی) تھے، مگر قانونِ الٰہی کی پابندی سے تم نے اس قدر ترقی کی۔ کہ تم اب نظامِ عالم کو چلانے کے قابل بن سکے، اس لئے آج تمام دُنیا کی بہترین اُمّت ہو۔

۱۵۳

"بین الاقوامی پروگرام کی حامل جماعت کو کوئی طاقت ذلیل نہیں کر سکتی۔"

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ: وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے اور اگر تم سے لڑیں گے تو بیٹھ دیں گے، پھر ان کی مدد نہ ہوگی ﴿١١١﴾

تمہارا ۱۵۳ یہود وغیرہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس لئے کہ تمہارے پاس مکمّل قانون موجود ہے، اور اسکے مقابلے کا بین الاقوامی پروگرام دنیا کی کوئی قوم نہیں لا سکتی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: ماری گئی ان پہ ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کمایا انہوں نے غصّہ اللہ کا اور لازم کردی گئی ان کے اوپر حاجت مندی، یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق، یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے ﴿١١٢﴾

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔

۱۵۴

"یہود کی ذلت کا سبب"

۱۵۵

"مذہبی پابندی اور غیر اقوام کی غلامی کی ذلت غضب الٰہی کا نتیجہ ہے۔"

اگر یہود ۱۵۴ اس پروگرام پر عمل نہیں کریں گے، اور اس کی مخالفت کریں گے، تو ان کے لئے سوائے ذلت کے اور کچھ بھی نہیں ہے، حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبعوث ہونے میں یہود بہت ذلیل ہوگئے، اب بین الاقوامی پروگرام دینے پر وہ اس پر عمل کرنے سے حالت کو دوبارہ سدھار سکتے تھے، مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اور ان کی حکومت چھین لی گئی۔ اور ان کی بجائے ایک بہترین قانون پسند قوم کو دی گئی۔

اِلَّا بِحَبْلٍ الی آخرہ۔ موضح القرآن میں ۱۵۵ ہے کہ "سوائے دست آویز یعنی یہود دنیا میں کہیں اپنی حکومت



سے نہیں رہتے۔ بغیر دست آویز اللہ کے کہ یعنی اس میں تورات پر عمل کرتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور بغیر دست آویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیّت ہیں۔اس کی پناہ میں پڑے ہیں" یعنی ایک رسّی مذہب کی ان کے گلے میں ہے اور دوسری رسّی غیر اقوام کی حکومت کی، ایسی ذلّت نتیجہ غضبِ الٰہی کا ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۗ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: وہ سب برابر نہیں، اہلِ کتاب ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ:۔

یعنی ان میں چند آدمی ایسے بھی ہیں جو اس بین الاقوامی پروگرام پر ایمان رکھتے ہیں۔ بقیہ اس مضمون کی آیت اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ الی آخرہ جو اسی سورت میں (آگے آرہی ہے ملاحظہ ہو آیت ۱۳۴) میں ہے یعنی ایسے اخلاق والی جماعت بین الاقوامی تحریک کا مرکز بن کر کام چلا سکتی ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر، اور وہی لوگ نیک بخت ہیں ﴿۱۱۴﴾

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ:۔

یعنی وہ دوسروں کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ تم اس پروگرام کے عامل بن جاؤ۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی۔ اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ :-

کوئی قوم بھی ہو جو اس قانونِ الٰہی کی پابندی کرے گی اللہ اس کا معاوضہ ضرور دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾

[156] یعنی جس مکان کی بنیاد ہی ریت پر ہے، وہ کتنے دن سلامت رہے گا۔ اسی طرح منکرین جو عمل کرتے ہیں، ان کے نتائج عارضی ہیں۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: جو کچھ خرچ کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ انہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا۔ پھر اس کو نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ﴿۱۱۷﴾

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ :-

یعنی [157] ان کا خرچ اپنی دولت بڑھانے کے لئے ہے، اور مساکین پر ظلم کر کے مال جمع کرتے ہیں، اگر دحقیقت دیکھا جائے تو یہ ظالم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں، جب انقلاب آجائے گا تو مظلوم جماعت ان کو تباہ کر دے گی۔ انقلاباتِ [158] اقوام ان ظالم جماعتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، جب ظلم برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہتی تو مظلوم جماعت اُٹھ کر انقلاب کر دیتی ہے، جب تک قوم میں عدل و مساوات اور رواداری مضبوط پایہ پر ہوتی ہے تو اس قوم کی حکومت قائم رہتی ہے، [159] مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج (و ترقی) میں برابر عدالت و انصاف قائم کیا اور رواداری پر عمل کرتے رہے۔

نواب [160] مرزا سمیع اللہ بیگ چیف جسٹس حیدرآباد دکن نے اپنی کتاب "عہدِ اورنگ زیب" میں کپتان ہیملٹی کے حوالے سے شروع سترہویں صدی کے کچھ حالات لکھے ہیں جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت ہندوستان سے شروع ہوئی۔ اس زمانہ میں یورپ میں رومی کیتھلک اور پروٹسٹنٹ عقیدوں کے گروہوں کے درمیان

اختلاف کے باعث سخت کشت وخون ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سلطنت کے حکم کے مخالف عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے بچوں کو زندہ جلا دینے کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ چارلٹ ینگ نے اپنی کتاب میں اس کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ اس کے برخلاف ہندوستان کے مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو جب کپتان ہیملٹی نے پُرامن زندگی بسر کرتے دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے سندھ کے قدیم شہر ٹھٹھ کی نسبت لکھا ہے کہ یہاں کا مسٹ مُسلّمہ مذہب اِسلام ہے، لیکن تعداد میں اگر ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں میں مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت (روزے) رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانہ میں مناتے تھے جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی، آگے چل کر لکھتا ہے کہ پارسی بھی ہیں اور وہ بھی اپنے رسومِ مذہب زردشت کے موجب (مطابق) ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں، اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ شہر سورت کی نسبت لکھا ہے کہ اس شہر میں تخمیناً (اندازاً) سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات و طریقۂ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے، ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ کے مطابق اپنے معبود کی پرستش کرے۔

عہدِ مغلِ سلطنت کے زمانہ میں مسلمانوں میں مذہبی رواداری اور یورپ میں مذہبی گروہ بندی و عناد کی شہادتیں

ڈاکٹر ٹیلر ڈھاکہ کے متعلّق اٹھارہویں صدی کے آغاز میں لکھتا ہے کہ ہندو مسلمان آپس میں باامن رہتے تھے، اور ان میں اکثر آبادی ایک حُقّہ استعمال کرتے ہیں اور دونوں قوموں میں مذہبی بِنا پر کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

مسٹر والٹر ہیملٹن نے بھی اس پُرامن حالت کا نام ہندوستان میں ذکر کیا ہے، اس نے ہندوستان (شمالی ہند) رنگ پور، مالابار، دکن، قلات (دارالحکومت بلوچستان) اور افغانستان کا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں کیا ہے۔

۱۶۱ ہندوستان میں فرقہ پرستی کی کہانی خود انگریز کی زبانی

ہندوستان میں شمالی ہند؛ اگرچہ مسلمانوں نے کئی صدیوں سے اس جگہ حکومت کی، مگر انہوں نے ہندوؤں کے رسم ورواج یا ان کے مذہبی عقائد میں کسی طرح تبدیلی نہیں کی، بلکہ مسلمان ان کے بزرگوں کا ادب کرتے تھے۔ رنگ پور؛ دونوں مذاہب کے پیرو آپس میں نہایت پُرامن طریقہ سے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزّت کرتے ہیں اور ان کے فیض حاصل کرتے ہیں۔

مالابار:۔ جب پُرتگیز مالابار میں آئے تو اس جگہ کا حاکم ہندو تھا، مگر اس کے ماتحت مسلمان پوری آزادی سے رہتے تھے۔

دکن:۔ دونوں مذاہب کے لوگ اس جگہ دوستانہ طریقہ پر رہتے تھے۔

افغانستان:۔ برہمن کابل میں کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ زیادہ پشاور سے آئے ہیں اور آڑھتی، تاجر، بنکرز، سُنار اور غلّہ فروشی کے کام وہ کرتے ہیں، "کابل" حکومت ہندوؤں کی بہت خاطرداری اور دلجوئی کرتی ہے، ان کے معابد (عبادت خانوں) میں ان کو عبادت کرنے کی پوری آزادی ہے، مگر جب ہندوستان میں انگریزی حکومت آگئی، تو حکمران جماعت کے بعض افراد نے حکومت کی جو پالیسی اختیار کی وہ مندرجہ بالا پالیسی سے مختلف تھی۔ ان میں دو خیال کے اصحاب تھے۔ ایک وہ جو ہندوستان کی بہبودگی کو انگلستان کی بہبودی سمجھتے تھے،

اور دوسرے اپنے فوری نفع کو آئندہ کے نفع پر ترجیح دیتے تھے، اور حکومت میں اس خیال کے لوگوں کا غلبہ حاصل ہوگیا، ۱۸۲۱ء میں کارنے مکس نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغے کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی وحربی نظم ونسق سے، یہ اصول ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ "تفرقہ ڈال دو اور حکمرانی کرو"۔ سر جان بینارڈ جو پنجاب کونسل کا منسٹر ممبر تھا، اس نے لکھا ہے کہ "ہندوؤں، مسلمانوں کے درمیان عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی، ہم سے پہلے وہ نہایت صلح وصفائی سے رہتے تھے، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ان دونوں قوموں کے درمیان مخالفت پیدا کرنے میں ہم کامیاب نہ ہوتے تو ہماری حکومت قائم نہ ہوسکتی اور نہ ہی برقرار رہ سکتی، غرض سر جان بینارڈ کے اس قول سے بڑھ کر اس امر کی اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ ہندو مسلم تنازعات انگریزی عملداری میں شروع ہوئے، سر جان بینارڈ کے قول کی تائید میں صدہا تاریخی واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں، جن میں سے ایک بطور نمونہ کے یہ ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی سے مرہٹوں کی لڑائی ہوئی تو مرہٹوں کا توپ خانہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا، توپ خانہ ایسی اہم چیز تھی کہ اس پر لڑائی کا تمام تر دارو مدار ہوتا ہے چنانچہ آج تک انگریزوں نے اپنے توپ خانہ کو ہندوستان کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔

اس مذہبی رواداری کا نتیجہ تھا کہ اہلِ یورپ ہندوستان میں آکر اطمینان سے رہے، جب کہ ان کے اپنے وطن میں مذہبی اختلاف کی بنا پر زندہ جلا دیا جاتا تھا، ہندوستان میں مختلف مذہبوں اور عقیدوں کے لوگ ملے جلے آبادیوں میں مثل عزیزوں اور رشتہ داروں کے امن کے ساتھ یکجا رہتے تھے۔ مگر جس بے رحمی کے ساتھ انگریز حکمرانوں کی ایک مخصوص جماعت نے ذاتی اقتدار اور منفعت کیلئے ہندوستان کی اس اجتماعی قومی حالت کو منتشر کر دیا اس کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں مذہبی عناد کی بنیاد کب پڑی ہے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک اس ملی خصوصیت کا وجود تھا جب فوجوں میں بغاوت شروع ہوئی تو ہر مقام کے سپاہی اپنی چھاؤنی میں آگ لگا کر برباد کر کے دہلی کے معزول اور معطل بادشاہ کی طرف دوڑ پڑے، یہ سپاہی بہار تک سے آئے تھے، ان میں ہر مذہب و ملت کے ہندوستانی تھے، ہندو سپاہی بہادر شاہ کی "جے" پکارتے تھے، غرض سب کے سب بلا تفریق مذہب معزول و بے جان مسلمان بادشاہ کے گرد جمع ہوگئے، اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو ظلم وستم اور جبر وتعدی پچھلی سلطنتوں سے منسوب کی جاتی ہے وہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ حالت اس کے برعکس تھی، ورنہ بادشاہ سے رعایا کی اس قدر گرویدگی (محبت) کہ جبکہ اس کی سلطنت جاتی رہی تھی کوئی وجہ نہ تھی۔ لارڈ اسیزا گورنر جنرل ہند نے ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو چٹھی لکھی تھی کہ "میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے، اس لئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی رضاجوئی کرتے رہیں۔ اس قسم کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ اسیزا کی قسم کے انگریز اس قدر کمزور تھے کہ مسلمانوں جیسی خوددار اور آزاد طبیعت پر حکومت نہ کر سکتے تھے۔ انہیں چونکہ اپنی قوت پر بھروسہ نہ تھا اس لئے اپنی حفاظت کی غرض سے ہندوؤں کو گانٹھنے پر مجبور ہوئے، اس قسم کی پالیسی کو لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی نے ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء کو ایک یادداشت میں لکھا تھا کہ

۱۶۲ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک ہندو مسلم میں اتفاق

۱۶۳ نفاق ڈال کر حکومت کرنا یورپ کا اصول تھا

"نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیئے"۔

نت ۱۶۴ "نفاق پھیلانے میں انگریزوں کے حربے۔"

اور واقعہ یہ ہے کہ اسی خیال کی جماعت انجام کار غالب آئی اور نفاق کے بارہ میں ہندوستان کی وہ حالت ہوگئی جو ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، نفاق پھیلانے کے اصول پر عملدرآمد کرنے کے لئے غالباً سب سے اوّل نت ۱۶۴ اسکولوں کے لئے ایسی تاریخیں انگریزی اور اُردو میں لکھائی گئیں، جن میں مسلمان بادشاہوں کے مذہبی تعصّبات اور مظالم کے حالات درج کئے، اور جس قوم نے کم وبیش آٹھ سو سال ہندوستان میں حکومت کی، اور حکومت کے بعد رعایا کے دلوں پر ایسا گہرا نقش چھوڑا کہ غدر کے باغی پُرانی سلطنت مٹ جانے کے بعد بھی برائے نام بادشاہ کے گرد جمع ہوگئے، ایسی قوم کی مشکل سے کوئی خوبی ان تاریخوں میں دکھلائی گئی، اس موجودہ نظامِ سلطنت (ہند) کے متعلّق لارڈ میکالے نے لکھا ہے نت ۱۶۵ کہ زمانۂ سابق میں جس طرح زوردار اور با اثر لوگوں کو افیون کے پوست پلا کر کاہل اور پست ہمّت اور بدعقل بنا دیا جاتا تھا ہمارا نظامِ سلطنت اسی طرح اہلِ ہند کو بے کار کر دے گا، چنانچہ اس نظام کے قائم ہونے کے وقت ہندوستان دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند ملک تھا، اس کی دولت لازوال سمجھی جاتی تھی، اور وہ دنیا کا باغِ اِرم بنا ہوا تھا۔ یہاں کی اخلاقی حالت اس اعلیٰ پایہ پر پہنچی تھی کہ ڈاکو اور ٹھگ جھوٹ بولنے پر موت کو ترجیح دیتے تھے، اور آج دو سو سال میں یہ ملک اپنے درجہ سے گر کر افلاس کے اعتبار سے نمبر اوّل پر آگیا ہے۔

نت ۱۶۵ "لارڈ میکالے کا اپنے نظام سلطنت کے نتائج بد کے متعلق تبصرہ۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْــــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

۱۲ ع ۱۱ ۴

ترجمہ: اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہاں سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں

اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصّہ سے تو کہہ مرو تم اپنے غصّہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی بُرائی تو خوش ہوں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے (۱۲۰)

(۱۱۸) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ لَا تَتَّخِذُوْا۔

"مرکزی طاقت کو مضبوط کرنے کا قانون" [۱۶۶]

[۱۶۶] مسلمانوں کی مرکزی جماعت ہے۔ اس کے ممبر مختلف ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ممبر کفّار سے دوستی کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اگر کفّار یہ کوشش کریں اس طرح مسلمانوں کو فائدہ پہنچا کر یعنی اسے شخصی فائدہ پہنچائیں تو اس ممبر کو ان سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے، بلکہ اس کے لئے واجب ہے کہ وہ تمام جماعت کا فائدہ دیکھے، اس لئے کفّار کی خفیہ کمیٹی کی کوشش تو یہی ہوگی کہ اسے فائدہ پہنچا کر اسے مرکزی جماعت کی کمیٹی سے نکال لیں۔ اسی طرح دوسرے ممبران کو بھی نکال لیں۔ اسی طرح اس مرکزی جماعت کو تباہ کر کے مسلمانوں کو زک پہنچائیں، مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں اسی طرح برباد ہوگئی کہ کبھی میرِ محلّہ دشمن سے ملتا ہے، کبھی میر جعفر، اور کبھی نظام حیدر آباد، سلطان فتح علی مرحوم والئ میسور کے خلاف مدد دیتا ہے اور کبھی نواب محمد علی والئ کرناٹک، نتیجہ کیا ہوا۔ نہ کرناٹک کا نواب رہا نہ میر جعفر، نہ ہی بنگال نہ میسور سا زرخیز علاقہ مسلمانوں کے پاس رہا، حتیٰ کہ نادار نظام کے علاقہ بھی یکے بعد دیگر علاقے لیتے لیتے اسے ایک محدود چھوٹے سے حلقہ کے اندر بند کر دیا۔ غرض اس [۱۶۷] میں بتلایا گیا کہ کفّار سے اگر دوستی کرو من حیث القوم اجتماعی قوم کا فائدہ دیکھو، اپنے تخصی فائدہ سے باز رہو۔ موضح القرآن میں ہے کہ اکثر منافق بھی یہود میں سے تھے اور اس جگہ لفظ مِنْ دُوْنِكُمْ آیا ہے، یعنی اگر رکن جماعت میں رہ کر ان سے ملو تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی ان سے ملو اور جو بات چیت ہو وہ فوراً اپنی مرکزی کمیٹی کے روبرو آکر پیش کردو اور اگر اپنی جماعت سے بالا بالا ہی کفّار سے سمجھوتہ کرو گے تو برباد ہو جاؤ گے۔

"مرکزی جماعت میں رہ کر کفّار سے میل جول ہو سکتا ہے۔" [۱۶۷]

اس جگہ مرکزی طاقت کو مضبوط کرنے کا قانون بتلا دیا گیا۔ اس [۱۶۸] مرکزی کمیٹی کا ذکر سورہ توبہ [۲] آیت ۱۱ اور سورہ الحشر آیت ۹، ۱۰ میں بھی ہے۔

"قرآن میں مرکزی کمیٹی کا ذکر" [۱۶۸]

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ (۱۲۱)

ترجمہ : اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر، اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

وَاِذۡ غَدَوۡتَ۔

ص۱۶۹ جنگ احد کا بیان مختصرا

یہ جنگ ص۱۶۹ احد کے واقعات کا ذکر ہے۔ ۳ھ ابوسفیان نے تین ہزار فوج کی جمعیت میں مدینہ پر چڑھائی کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا تو اکثر کی رائے شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی مگر بعض

ؔ۱ ان آیات کے تحت موضح القرآن میں دو فائدے مذکور ہیں پہلا فائدہ آیت ۱۱۸ کے بعد یہ ہے "مسلمانوں کو چاہیئے کہ کافروں سے اور منافقوں سے دوستی نہ کریں وہ ہر طرح دشمن ہیں" دوسرا فائدہ ۱۲۰ آیت کے بعد کہ اکثر منافق یہود میں تھے اس واسطے ان کفار کے ساتھ ان کا ذکر بھی فرمایا (یعنی کسی مسافر دشمن سے بھی دوستی نہ لگاؤ) ۱۲ (ع۔ق)

ؔ۲ آیت یہ ہے وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ الآیۃ۔ (ترجمہ) اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے ۱۲ (سورہ توبہ آیت ۱۰۰ پ ۱۱) (تفسیر عثمانی ص ۲۶۲ ب ۱۰)

ؔ۳ آیت ۹ وَالَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ الآیۃ اور آیت وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ الآیۃ ہے دونوں کا ترجمہ یہ ہے (اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ⑨ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا۔ اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان ⑩ (از تفسیر عثمانی ص ۹۰۰) (ع۔ق)

نوجوان کہنے لگے کہ یہ عار ہے بلکہ ہم میدان میں مقابل ہوں گے، آخر یہی مشورہ مقبول ہوا، آپ ایک ہزار آدمی کی جمعیت میں باہر نکلے جن میں سے ایک تہائی عبداللہ بن ابی کے ماتحت تھی۔ وہ ایک تہائی آدمیوں کو لے کر مدینہ میں واپس آگیا، مسلمانوں نے دشمنوں کو شکست دی، مگر مسلمانوں کے پچاس تیر انداز جن کو مورچے پر کھڑا کیا گیا تھا وہ نادانی سے اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شامل ہو گئے، دشمن مسلمانوں پر دوبارہ ٹوٹ پڑے، جو اس وقت پراگندہ حالت میں تھے، انہیں نقصان پہنچا کر میدانِ جنگ سے چلے گئے، اس جنگ میں نہ مسلمان غالب رہے نہ ہی قریشِ مکہ۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں، اور اللہ مددگار تھا ان کا، اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں مسلمان ﴿۱۲۲﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ۔

مطلب [۱۰۱] یہ ہوا کہ جب بزدلی کے آثار دیکھے جائیں تو انہیں سمجھانا چاہیئے۔

۱۰۱ بزدلی کے آثار دیکھنے پر سمجھانے کا حکم۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے، سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ:-

یہ فتح [۱۰۲] اس لئے ہوئی کہ ان کا انتظام نہایت کمال کا تھا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ [۱۰۱] قانونِ الٰہی کی پابندی کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

۱۰۱ قانونِ الٰہی کی پابندی پر مدد کا وعدہ۔

۱۰۲ فتح بدر کے سبب

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

اخلاقی [۱۰۳] کمزوری کو دور کر کے ان میں طاقت و جوانمردی بھر دی جائے تو یہ قوتِ ملکی (فرشتوں کی سی) ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو سوائے اپنے رب کے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا، ایک کمزور انسان ہے وہ اپنی کمزوریوں سے بخوبی آگاہ ہے، وہ عاجزی سے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ

۱۰۳ انسانی جماعت میں قوت ملکی پیدا کر دی جا سکتی ہے۔

۱۲۴ "فرشتوں کے بھیجنے کا مطلب"

اسے تقویتِ دلی دینے کے لئے اپنی طرف سے مدد دیتا ہے، یعنی اس کی اخلاقی کمزوری کو دور کر کے اس کی بجائے دلیری و جرأت دیتا ہے، اس کے متعلق سورۂ انفعال آیت ۱۱ میں مفصّل ذکر ہے۔ آیت ۱۰ میں ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى الی آخرہ۔ یعنی فتح تو صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی سے اگلی آیت، اس مضمون کو زیادہ واضح کرتی ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ الی آخرہ۔ غرض اس سے مُدعا یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی حالت کو مضبوط کر دیا جائے۔ اس بیان کی تصدیق اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ الی آخرہ۔ غرض اس۱۲ طرح مسلمانوں کے دِلوں کو تقویت دی گئی، اور ساتھ ہی کفّار کے دل پر دہشت ڈالی، اور اس طرح فرشتوں کے بھیجنے کا مطلب پورا ہوا، اس طرح مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت نے دشمن کی تین گنا طاقت کا کچومر نکال دیا، بعض عُلماء کا خیال ہے کہ فرشتوں کو اصل صورت میں دیکھ سکتے ہیں، مگر بہت عرصہ کے بعد۔ بعض کا خیال ہے کہ انسان اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کو متمثل (مثالی شکل میں) دیکھتا ہے جیسے پانی گلاس میں، اگر گلاس کا رنگ سُرخ ہے تو پانی بھی سُرخ دکھائی دے گا، اگر سبز ہے تو سبز۔

۱۲۵ "فرشتوں کو دیکھنے کے متعلق علماء کی آراء"

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ

بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔

اِنْ تَصْبِرُوْا ڈٹے رہو! وَتَتَّقُوْا قانون کو لازمی طور پر پورا کرو! اس آیت میں فرشتوں کی مدد کا تیسری بار ذکر آیا ہے۔

۱۲۶ "فرشتوں کی مدد کا تیسری بار ذکر جنگِ احزاب کے متعلق ہے"

اس۱۲۶ دفعہ تمام قبائل قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ یہ جنگِ احزاب کا واقعہ ہے۔ جب کہ دس ہزار آدمیوں نے مدینہ پر یک لخت حملہ کر دیا، اس قدر عظیم الشان فوج کو صرف ایک ہزار مسلمانوں کا شکست دینا واقعی قدرتِ خداوندی تھی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا ﴿۱۲۶﴾

وَمَا جَعَلَهُ اللهُ:-

فرشتوں کا ذکر صرف تمہارے مضبوط اور دلیر بنانے کے لئے کیا، وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ اللہ تعالیٰ تو اسے مدد دے گا جو اس طرح اپنا دِل مضبوط کرے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: تا کہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا:-

"جنگ احد میں مشیت ایزدی تمام کفار کو ہلاکت کرنے کی نہیں تھی" [۱۴۷]

اگرچہ کفّار کا مقصد جنگ سے مسلمانوں کو تباہ کرنا تھا، مگر اس جگہ بتلایا کہ مشیتِ ایزدی کفّار کو جنگ میں تباہ کرنے کی نہیں تھی، بلکہ ان کے ایک حصّہ کو تباہ کرنا مقصود تھا، اس طرح جب ان کے سردار مارے گئے تو باقی خود ہی نا امید ہو گئے، اس جنگ سے مکّہ کی واپسی کے رستہ میں ان کا زبردست سردار خالد بن ولید مسلمان ہو گیا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے خدائے تعالیٰ یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔

لَيْسَ لَكَ:-

"اللہ تعالیٰ کی انسان کے لئے رحمت کا غلبہ" [۱۴۸]

انسان [۱۴۸] ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفّار کے لئے سزا کے خواہاں تھے، لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف طور پر بتلایا جاتا ہے کہ آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں، کیونکہ اگرچہ وہ ظالم ہیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے، اس میں شک نہیں کہ وہ سزا کے مستحق ضرور ہیں مگر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر غالب ہے کہ ممکن ہے وہ معاف کردے، نتیجہ یہ نکلا کہ رسول، [۱۴۹] اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے، اور انتہائی قوّت اور اختیار اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

"رسول اللہ اور بندے کے درمیان محض واسطہ ہیں" [۱۴۹]

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۳ / ۴

ترجمہ: اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ:-

اے رسولؐ تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں اللہ جسے چاہے معاف کرے، جسے چاہے سزا دے، ان کے گناہ

(جرم) حد سے زیادہ ہیں، اور وہ سزا کے مستحق ہیں، لیکن اللہ کی ذات غفور رحیم ہے، وہ جسے چاہے، بخش دے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

نمبر ۱۸۰ "جنگ اور حرمتِ سود کی آیات میں ربط"

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ الخ۔

جنگ کی حالت میں روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور سود سے روپیہ پیدا ہو سکتا ہے، اور مسلمانوں میں جوانوں کی قلّت نہیں تھی، فقط نفقات اور روپیہ کی قلّت تھی، تو ایسے وقت ربا (سُودی کاروبار) کی طرف خیال آنا ضروری ہے جیسے یہود روپیہ پیسہ ربا (سُود) سے پیدا کر رہے تھے، تو یہاں کہہ دیا گیا کہ ربا سے بچو کیونکہ ربا ایک آگ ہے یعنی ربا کھانے کے سبب سے تم بُزدل ہو جاؤ گے، اور تمہارے دل سے رحم چلا جائے گا، پھر بین الاقوامی حکومت آپ لوگ قائم نہیں کر سکتے، اسی طرح جنگی اخراجات کے لئے سُود پر روپیہ پیسہ لینا بھی حرام ہے، [۱۸۱] مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہی کی بھی نشانی تھی کہ انہوں نے قرض سود پر روپیہ لیا، اور اس طرح غیر مُلکی لوگوں کو ان کے معاملات میں دخل دینے کا موقع مل گیا، اور اس طرح مسلم حکومتیں برباد کر دی گئیں۔ یہود میں ربا پر مال لینا اور دینا عام تھا تو اس بُرائی سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ یہود کی بُرائیوں میں نہ پڑیں، جن میں سے ایک سُود خواری تھی، جس نے یہود کے اخلاقی پہلو پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔

غرض اُحد کی جنگ کے بعد مسلمانوں کو جنگی تیاری کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی اور یہود کے پاس روپیہ تھا، وہ سُود پر دیتے تھے، اور سود کا معاملہ دینا اور لینا دونوں اللہ تعالیٰ نے بند کر دیئے، تو ضرور اب مسلمان اپنی سعی سے روپیہ پیدا کریں گے، یہ حکمت تھی۔

وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾

ترجمہ: اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے ﴿١٣١﴾

نمبر ۱۸۱ "مسلم حکومتوں کی تباہی کا سبب سُود پر قرض"

وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ۔

سُود ایک آگ ہے اس سے بچو اور اگر تم اس بُری عادت میں پڑ گئے تو تباہ ہو جاؤ گے۔

وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو ﴿١٣٢﴾

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ۔

۱۸۳
"جنگِ احد کے نقصان کا باعث"

جنگِ اُحد کے نقصان کا باعث مورچہ چھوڑ کر رسولؐ کی نافرمانی تھی۔ قریشِ مکہ کی حملہ آور فوج جو مکہ کو واپس جانے لگی تھی، مورچہ کو خالی دیکھ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی، اسی طرح بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی مجروح ہوئے۔

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے ﴿۱۳۳﴾

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ۔

۱۸۴
"کفار کو مثلہ کرنے سے ممانعت"

۱۸۴ یہ خوبی نہیں کہ کفار کو مثلہ (بھونڈی شکل) کیا جائے مگر شرافت اس بات کی مقتضی ہے کہ دشمن کو فتح کے بعد اس کے جرم کی نوعیت پر سزا دی جائے، اُحد کے میدان میں کفار کے مثلہ کرنے پر صحابہ کا خیال تھا کہ ہم فتح پانے پر دوگنا مثلہ کریں گے۔ یہ آیت اس کا رد معلوم ہوتی ہے، اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ قانونِ الٰہی کا بھی یہی مدعا ہے اور قانونِ الٰہی کے عامل کے لئے جنت ہے۔

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو ﴿۱۳۴﴾ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾

م۱۸۴ الذین ینفقون :-

"جنت کا مستحق بنانے والے اخلاق"

فیه بیان امور یستحق بها الانسان الجنة (اس میں[۱۸۴] ایسے امور کا بیان ہے جن کے سبب انسان جنّت کا مستحق بن جاتا ہے۔) یعنی غریبوں کی مدد مستقل عادت ہونی چاہیئے، تنگی و فراخی دونوں حالت میں۔

م۱۸۵ "اگر قانون پر زد پڑے تو معافی نہیں"

وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ الی آخرہ۔ اگر قانون[۱۸۵] پر زد پڑ رہی ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا، اگر ان کی ذات پر حملہ ہے تو اسے معاف کر دیتے ہیں، حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ دشمن کے ساتھ عین جنگ کی حالت میں جب اس پر قابو پا لیا تو اس نے آپ پر تھوک دیا، تو اس وقت فوراً اس کو چھوڑ دیا، اس نے وجہ دریافت کی، تو فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں تجھ سے جنگ کر رہا تھا، مگر تیرے تھوکنے سے مجھے غُصّہ آیا، تو اسی حالت میں جنگ کرنے میں میری ذاتی غرض بھی ہے اس لئے میں پیچھے ہٹ گیا ہوں اور آپ کے صاحبزادے امام حسینؓ کا ذکر ہے کہ یعنی غلام سے (ذاتی نقصان ہو جانے پر درگزر کیا، بلکہ اس کو آزاد کر دیا)

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

ترجمہ: انہی کی جزاء ہے بخشش ان کے ربّ کی اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی ﴿۱۳۶﴾

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ۔

ان اخلاق والے لوگوں کے لئے دُنیا و آخرت دونوں جگہ جنّت ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

ترجمہ: ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات، سو پھرو زمین میں اور دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ﴿۱۳۷﴾

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

م۱۸۶ "تاریخ سے سبق سیکھو"

اگر نیک بن کر لوگوں سے بُرائی کے کام چھوڑاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے گا، اور اگر اس کی تکذیب کرو گے تو تم[۱۸۶] سے پہلے بہت امتیں گزری ہیں، دنیا میں پھرو اور دیکھو کہ ان کا کیسا حشر ہوا۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ: یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو ﴿۱۳۸﴾

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

یہ کتاب بین الاقوامی قانون واضح طور پر بتلاتی ہے، پھر کام کرنے کا رستہ دکھاتی ہے اور عدالت پر کاربند ہونے والی جماعت کے لئے ایک وعظ (نصیحت) ہے جس سے نصیحت پذیر ہوتے ہیں۔ غرض تمہیں سیدھا رستہ بتلا دیا گیا اس پر چلو گے تو کامیاب رہو گے۔

"قرآن کی تین خصوصیات (۱) واضح بین الاقوامی قانون (۲) درست لائحہ عمل (۳) عدل پسندوں کیلئے نصیحت"

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾

"ایمان کی آزمائش"

ترجمہ: اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی، اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں، اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے تم میں سے شہید، اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے ﴿۱۴۰﴾

(۱۳۹) وَلَا تَحْزَنُوا:

علی الھزیمۃ (یعنی تم شکست پر غم نہ کھاؤ!) کیونکہ جن کے دل مضبوط ہوتے ہیں، اللہ پر ان کا پورا بھروسہ ہوتا ہے، وہی دنیا میں اعلیٰ مرتبہ حاصل کرتے ہیں إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ پابند قانون وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا الخ۔ ایک آدمی دیکھ رہا ہے کہ میدانِ جنگ میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں، مگر باوجود اس کے وہ قتل گاہ میں آتا ہے اور شہید ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں یہ دیکھتا ہے کہ اس کا ایمان باللہ کس قدر مضبوط ہے کہ قتل دیکھ کر قتل گاہ کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے، وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ تمہارے آدمی شہید کرانے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تمہارے آدمی شہید کرا کر ظالموں سے ہمدردی رکھتا ہے بلکہ اس میں تمہارا امتحان منظور ہے کہ کون کون آدمی ثابت قدم رہتے ہیں۔

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو ﴿۱۴۱﴾

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ :-

ہر ایک آدمی اور ہر ایک قوم کی آزمائش ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کھوٹے کھرے کی تمیز نہیں ہو سکتی، تم پر جو یہ مشکل وقت آن پڑا ہے، اس سے مطلب یہ ہے کہ تم کو نکھار دے، سچے مسلمانوں کو منافقین سے علیحدہ کر دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنّت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو ﴿۱۴۲﴾

ف ۱۸۹ جنت حاصل کرنے کی شرط کام کی تکمیل ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا :-

یعنی ان ف۱۸۹ میں امتیاز ہو جائے، جنّت حاصل کرنے کی یہ شرط ہے کہ کام کی تکمیل کرو! اگر تم نے پروگرام کو مکمّل کر دیا تو یہی تمہاری جنّت ہے، پھر تم اللہ کی نعمتوں کے وارث ہو، مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کام کو مکمل کرنے سے پہلے تم اپنے آپ کو جنّت کے حقدار سمجھ سکتے ہو۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

ع ۱۴ ۵

ترجمہ: اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے، سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ :-

تم ف۱۹۰ بہت جلدی باتیں بناتے تھے کہ ہم لڑیں گے، اس لئے تم کو اس جنگ میں بتا دیا گیا کہ موت کیا ہے۔ ایک آدمی کسی بات کو حق سمجھتا ہے تو اس کے لئے خواہ اسے میدانِ قتال میں آنا پڑے وہ اس سے کبھی دریغ نہ کرے۔ اس فلسفے کو آرین قوموں نے اور خاص کر ہندوستان کے راجپوتوں نے بہت اچھی طرح سمجھا تھا۔ وہ جب سمجھ لیتے تھے کہ وہ حق پر ہیں، تو پھر اس کے لئے رسمِ جوہر ادا کرتے تھے، اور یہ انسانی اخلاق کا بہت اعلیٰ معیار ہے، اس جنگ میں پہلے فتح کے آثار تھے، پھر مورچہ چھوڑنے پر مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا پھر فتح کے آثار دکھائی دیئے، درمیان میں حضورؐ کے شہید ہونے کی افواہ غلط پھیلی، مسلمان اس سے بہت بددل ہو گئے، اس طرح ان کی حالت ابتر ہو گئی، تو آپ ف۱۹۱ بتلایا کہ اگر حضورؐ لڑائی میں شہید ہو جائیں تو انہوں

نے اپنا مشن پورا کر دیا، اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس کے مشن اور پروگرام کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتے رہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک مرکزی نظام ہو اس کے ماتحت رہ کر مسلمان ترقی کریں، شخصی اطاعت سے ہمیشہ بزدلی پیدا ہوتی ہے، جماعتی نظام کے تابع رہو اور اللہ کی اطاعت یعنی اس کے قانون کے پابند رہو۔ اسی کی طرف اسی سورت کی آیت ۱۵۸ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور ان سے مشورہ لے کام میں) اشارہ ہے۔

حضور کے بعد جماعتی نظام کے تابع رہنے کا حکم۔ ۱۹۱

شخصی اطاعت سے ہمیشہ بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ۱۹۲

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور محمدؐ تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ بھی، اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

حضور پاک کی امامت رسالت کے باعث ہے۔ ۱۹۳

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ:۔

یعنی آپؐ کی شخصیت باقی انبیاء سے بہت بزرگ و افضل ہے، مگر آپ کو شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ رسالت کے باعث امام سمجھتے ہیں، آپ کی طرح کے رسول آپ سے پہلے بہت گزر چکے ہیں، فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ، اللہ کے قانون کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ احد میں سخت ضربیں آئیں، اور مشہور ہوا کہ آپ شہید ہو گئے، اگر آپؐ شہید بھی ہو جاتے تو مسلمان اپنے عقائد میں اس قدر بالاتر تھے کہ وہ اپنے پرانے مذہب کی طرف نہ جاتے حقیقت واقعی حقیقت تھی، اگرچہ اس کے پرچار کرنے والے کسی جنگ میں شہید ہو جائیں، مگر سچائی اور حقیقت کو ترک نہیں کر سکتے تھے، نہ اس کے لئے جھوٹ و باطل ہو سکتا تھا، اگرچہ ان کے پرچار کرنے والے کافی ایک عارضی لمحہ کے لئے کامیاب ہو جائیں۔ اس آیت نے اگرچہ اسلام کی صداقت پر جہاں زور دیا ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر بہت زیادہ غم اور افسوس کر کے مشن کو چھوڑ بیٹھنے سے منع فرمایا اس سے صحابہؓ کو حضورؐ کی وفات کا یقین ہو گیا، جس طرح پہلے انبیاء وفات پا گئے، انبیاء بشر تھے ان کی بشری زندگی کا دوسرے بشر کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاتمہ ہوتا تھا، غرض اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

اس آیت سے صحابہ کو حضورؐ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ ۱۹۴

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر، اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دُنیا کا دیویں ہم اس کو دُنیا ہی سے، اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیویں گے ہم اس کو، اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو ﴿۱۴۵﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ:۔

قانونِ[۱۹۵] خداوندی کے وقت مُعیّن شدہ (مقرر) میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی، موٹر میں جس قدر پٹرول ڈال دیا گیا ہے اس انداز سے موٹر چلے گی، پٹرول کے خاتمہ پر موٹر کا رُک جانا لازمی امر ہے، اگر دل میں انسان یہ یقین کر لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موت کا ڈر اس سے دُور ہو جائے گا، انسان کو ایک اجتماعی زندگی کا پروگرام دیا گیا ہے، اس کی تعمیل اس پر فرض ہے، اس کو موت کا ڈر دل سے نکال کر اس میں مشغول ہو جانا چاہیئے، وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ نظامِ[۱۹۶] عالم میں جس طرح کا عمل کرے گا اس کو اس کا پورا معاوضہ دیا جائے گا، دنیا کے خریدار کو دنیاوی ترقی اور آخرت کے خریدار کو دنیا و آخرت دونوں کی ترقی اللہ دے گا، کیونکہ وہ شکر گزاروں کو ضروری معاوضہ دیتا ہے۔

[۱۹۵] "موت کے ڈر کا علاج اجتماعی ذمہ داری"

[۱۹۶] "نظام عالم میں جس طرح کا عمل ہو گا اسی کا معاوضہ ہو گا۔"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ: اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب، پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سُست ہوئے اور نہ دب گئے ہیں، اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے ﴿۱۴۶﴾

رِبِّيُّوْنَ[۱۹۷] ۔ دین کے مُعلّم فَمَا وَهَنُوْا[۱۹۸] لِمَا اَصَابَهُمْ من المصائب فی سبیل اللہ فی ترویج قانون اللہ و فی تکمیل پروگرام (اللہ کے راستہ میں یعنی قانون کی ترویج اور اس کے پروگرام کی تکمیل میں جو مصائب ان کو پہنچے ان پر وہ سُست و کمزور نہ ہوئے،) یعنی نہ ان کے قدم ڈگمگائے، نہ حوصلہ چھوڑا بلکہ نہایت دلیری سے پروگرام کی تکمیل میں کوشاں رہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ، اللہ تعالیٰ اس طرح ڈٹ کر کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

[۱۹۷] "ربیون" دین کے معلم اور ان کی صفات"

[۱۹۸] "وھن، ضعف، استکانت کی تفسیر"

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾

ترجمہ: اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر ﴿١٤٧﴾

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ :-

عند المصائب فی تکمیل البرنامج - اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا الخ فی تکمیل هذا البرنامج - وثبت اقدامنا علی تکمیل البرنامج - (یعنی پروگرام کی تکمیل میں مصائب کے وقت اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا الخ یعنی اس پروگرام کی تکمیل میں جو غلطیاں سرزد ہوں ان کو معاف فرما[١٩٩] وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا یعنی پروگرام کی تکمیل پر ہمیں ثابت قدم رکھ!

١٩٩ "پروگرام پر ثابت قدمی کی دعا"

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ ع

١٥ ع ٥

ترجمہ: پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ :-

اس لئے اللہ نے ان کو ہمت و توفیق دی کہ اس پروگرام کو مکمل کر کے دنیا میں بھی کامیابی حاصل کی اور آخرت میں اللہ کی رضا حاصل کی، اَلْمُحْسِنِیْنَ پروگرام کو پورا کرنے والے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں ﴿١٤٩﴾

٣٠٠ "پروگرام کی تکمیل میں جماعت کی غلطی"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :-

یعنی[٣٠٠] اے مسلمانو! تم حق پر ہو اس پروگرام کی تکمیل میں اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو دشمن تمہیں یہ یقین دلاتا ہے کہ تمہارا پروگرام ہی غلط ہے، اس لئے تم سے یہ غلطی ہوئی پروگرام تو تمہیں مکمل و درست دیا گیا ہے اس میں شک نہیں، اگر تم دشمنوں[٣٠١] کی بات پر یقین کرو گے تو وہ تم کو پھر گڑھے میں لے جائیں گے اور تباہ کر دیں گے۔

٣٠١ "پروگرام کی بنا پر دشمن کی بات پر یقین تباہ کر دیتا ہے"

بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے ﴿۱۵۰﴾

بَلِ اللّٰہُ:

نت ۲۰۲ "اللہ پروگرام کا محافظ اور مسلمانوں کا بہترین مددگار"

اللہ نے اپنا قانون تمہیں اس پروگرام کی صورت میں دیا ہے اس پر عمل کرو۔ اگر اس میں لغزش ہو جائے تو پھر دوبارہ اس میں کوشش کرو، اور اپنی غلطی کی اب اصلاح کر لو اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے وہ تمہیں توفیق دے گا کہ اسے سرانجام دو۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

نت ۲۰۳ "ظلم کے جھوٹ پر مبنی قوانین"

ترجمہ: اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت، اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اُتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بڑا ٹھکانا ہے ظالموں کا ﴿۱۵۱﴾

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ:

انہوں نے (نت ۲۰۳) اپنے اندازے سے ظلم کے قانون بنا رکھے ہیں جن کی بنا ر جھوٹ پر ہے مسلمانو! اگر تم سچ پر ڈٹے رہو اور اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہو تو فقط تمہارا (نت) رعب بھی ان کو کھا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوری کے زمانہ میں بھی تم کو مدد دے گا، اور تمہارا رعب برقرار رہے گا اس بیان کی تصدیق جنگِ احد میں حرف بحرف ہوئی ہے، کفار مسلمانوں کی نسبت چار گنا تھے۔ ان کا سامانِ جنگ وغیرہ بھی مسلمانوں کی نسبت مکمل تھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جھوٹی شہادت کی افواہ سے مسلمان بہت بددل ہو گئے تھے، اس لئے بہت پراگندہ حالت میں تھے، مگر اس کے باوجود کفّار میدانِ جنگ سے بھاگ گئے اور مدینہ پر حملہ نہ کر سکے جو اس وقت بالکل بے پناہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ کفّار نے تیر اندازوں کے مورچہ چھوڑنے کے بعد مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، مگر اس کے باوجود ان کے دلوں میں (نت ۲۰۵) مسلمانوں کی دہشت بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے اس میں بچاؤ سمجھا کہ مکّہ کو واپس سلامت چلے جائیں اور مسلمان اپنی مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے اور ان کا تعاقب نہ کر سکے۔

نت ۲۰۴ "حق کی جماعت کا رعب"

نت ۲۰۵ "جنگ احد میں مسلمانوں کی کفار پر ہیبت"

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

ترجمہ: اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز، کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت، پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزمادے، اور وہ تم کو معاف کر چکا، اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر ﴿۱۵۲﴾

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ الخ: یعنی اللہ تو تم سے اپنا وعدہ جس کا ذکر آیت ۱۲۳ میں غزوہ اُحد کے بارہ میں ہوا سچا کر چکا ہے۔ المذکور فی آیت ۱۲۳ فی غزوۂ احد

———— لیکن جنگِ احد میں اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے کہ تم اس فتح سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ف ۲۰۶ تیر اندازوں میں بھی دو گروہ۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا الخ: اس جگہ دو گروہوں کا ذکر ہے۔ دنیا کا خواہاں، آخرت کے خواہاں، پچاس تیر اندازوں میں یہ دو گروہ تھے۔

ف ۲۰۷ احد میں غلطی سے مسلمانوں کو مستقبل کیلئے اعلیٰ سبق۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ الخ: دشمن مورچہ خالی دیکھ کر لوٹ آئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ اگر تیر انداز مورچے سے نہ ہٹتے تو نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ اب دکھلایا جا رہا ہے کہ پروگرام میں کسی قسم کی غلطی نہیں، مگر اس کی تکمیل میں تم سے غلطی ہو گئی۔ اس تکمیل میں بھی چند فوائد تھے جن کا سبق مسلمانوں کو دیا گیا۔ آدمی اگر کھو کر کچھ سیکھ جائے تو اسے غلطی نہیں کہنی چاہیے بلکہ مستقبل کے لئے ایک اعلیٰ سبق مل گیا۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آجاوے، اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی ﴿۱۵۳﴾

اِذْ تُصْعِدُوْنَ الخ:۔

ف ۲۰۸ "غم پہ غم اور اس کا فائدہ"

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بُلا رہے ہیں مگر تم بھاگ رہے ہو اور جنگ کے شور میں کچھ سُنتے ہی نہیں۔ اس طرح تمہارا غم پر غم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لکیلا تحزنوا حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بلانے پر نہ آنے کے غم سے پہلے دونوں غم یعنی (مالِ غنیمت لوٹنا، اور ستّر آدمیوں کا شہید ہونا) بھول گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے، اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا خیال کرتے تھے جھوٹے خیال جاہلوں جیسے، کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں، تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ، اور اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر، اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے، اور اللہ جانتا ہے دلوں کے بھید ○

یعنی اس غم کے بعد سکون دیا[209]، چونکہ مسلمان اپنی غلطی کو سمجھ گئے تھے، اس لئے اپنے آپ پر ملامت کر رہے تھے، اس لئے اللہ نے ان پر نیند کا غلبہ کر دیا، اور نیند کے بعد وہ دلیرانہ جذبات کے ساتھ بیدار ہوئے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی تھی، اگر شکست ہوتی تو کفار کی تین ہزار فوج ضرور مسلمانوں کی سات سو پراگندہ فوج کو تہس نہس کر دیتی، یہ بات ہوئی کہ مورچہ کی خالی جگہ دیکھ کر دشمن نے دوبارہ حملہ کیا، اب مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، ان کی پراگندہ فوج دوبارہ جمع ہوئی، اور دشمن تب میدانِ جنگ سے چلا گیا، اس کے بعد مسلمانوں کو غنودگی سی آئی، اور ہمت و دلیری سے بیدار ہونے کے بعد عود کر آئی، کیونکہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ دشمن میدانِ جنگ میں ہو اور مسلمانوں کی فوج جو تعداد میں قلیل اور بے سروسامان ہو وہ دشمن سے نڈر ہو کر سو رہے۔

209 "غلطی کا احساس ندامت"

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ الخ یعنی وہ لوگ جنہوں[210] نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، لیکن ان میں سے کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے، انہوں نے جب مسلمانوں کے خلاف اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا، خدا کی نسبت جو ان کے بُرے خیالات تھے، وہ یہ تھے کہ جبکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی دلیبی مدد نہ کی، ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ بجاہلیت کے لوگوں یا زمانۂ جاہلیت کے خیالات يَقُولُونَ هَلْ لَنَا الخ وہ اپنی ناراضگی کا اظہار اس لئے کر رہے تھے کہ ان کا مشورہ کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے تسلیم نہ کیا گیا، کثرت رائے اس طرف تھی کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے باہر کیا جائے، قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ الخ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے، اور جو اس کے قانون پر عمل کرتا ہے اس کی ہمیشہ مدد کرتا ہے، مسلمانوں کے تیر اندازوں نے چونکہ اس جگہ غلطی دکھلائی، اس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا، يُخْفُونَ ان کے دل میں ایک غلط خیال ہے يَقُولُونَ لَوْ كَانَ الخ وہ یہ کہ مسلمانوں کو اس قدر نقصان ہمارے مشورہ (کہ شہر کے اندر رہ کر جنگ کریں) پر عمل نہ کرنے سے ہوا۔

210 "منافقوں کے غلط خیالات کا اظہار کا رد"

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ الخ ان کا یہ خیال غلط ہے اس نظامِ عالم میں انسان کی جس قدر عمر لکھی گئی اس سے ذرّہ بھر کمی بیشی ناممکن ہے، اگر ان کی موت اس میدانِ جنگ میں تھی تو وہ سوچ کو کاٹ کر (فوج کے برخلاف) بھی میدانِ جنگ میں آ کر حصہ لیتے۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ الخ سوال یہ تھا کہ تمہارے بس میں جس قدر تھا تم نے پوری قوّت و دلیری سے اسکا میدانِ جنگ میں مظاہرہ کیا، اگر تم دلیری اور فرمانبرداری سے لڑتے تو یہ ایک بات تھی، مگر تم نے اس جنگ میں اپنے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی، تو اس کا نتیجہ تم نے دیکھ لیا۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ یعنی صدورکم (اللہ تعالیٰ دِلوں یعنی تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے) مگر وہ ان کا دوسروں کے سامنے مظاہرہ کرنا نہیں چاہتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶/۷

ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو ان کو بہکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے، اور ان کو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ﴿۱۵۵﴾

سا۲۱ — اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ۔

"نظامی قوت کو سنبھالنے کا بہترین نمونہ اور سزا کے مواقع کی پہچان"

یعنی ان کی غلطیوں کی وجہ سے شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ الخ۔ آپ کی وفات کی خبر غلط یعنی مشہور ہونے سے مسلمان پریشان ہو گئے، بہتوں نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا، مگر ان میں بھی بہتوں نے حوصلہ دکھلایا، اور چند آدمی میدان میں ڈٹے رہے اور پھر باقی بھی ڈٹ رہے یہ بہت حوصلہ کا کام ہے، اس لئے اللہ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے، اگر سب کو سزا دی جائے تو سزا سے کوئی بھی نہیں بچے گا، اس لئے سب کو معاف کر دیا یہ اس نظامی قوت[۲۱۱] کو سنبھالنے کا بہترین نمونہ ہے کہ کن حالتوں میں سزا دینی چاہیئے اور کن میں معاف کر دینا چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں، اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے ﴿۱۵۶﴾

سا۲۱۲ — يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

"غلطی پر اڑنے والوں سے بچو"

اس غلطی کے[۲۱۳] بعد جب معاف کر دیا گیا تو پھر بھی بعض آدمی اپنی پہلی حماقت پر بدستور اڑے ہوئے تھے، ان سے اب مسلمانوں کو روکا جاتا ہے کہ اب تم ان سے نہ ملو اور ان کا ساتھ مت دو، وَلَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا انسان کو موت تو ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی، مگر یہ فضول خیال ہے کہ اگر وہ اس جنگ میں نہ جاتے تو نہ مرتے،

سا۲۱۳ — "ایثار اور قربانی سے زندگی بنتی ہے"

مسلمانوں کو حکم تھا کہ اس پروگرام کی صحیح تعمیل دل و جان سے کریں، خواہ کتنے ہی مصائب اٹھانے پڑیں، خواہ جان ہی قربان کرنی پڑے، اس ایثار[۲۱۳] کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے، لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً، مگر اب انہیں افسوس ہوا کہ کیوں وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ اسی طرح اسلام کی ترقی میں

وحسرۃ بیتے وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ، اس میں نہ انسان کا دخل ہے نہ جنگ وسفر کا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مرگئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ:

حق پر موت کی اہمیت [۲۱۴]

اس بات [۲۱۴] کا ہر ایک کو یقین ہے کہ موت ضرور آئے گی، اس لیے بہتر ہے کہ حقانیت پر لڑتے لڑتے مریں، اور بہترین شکل میں اس کا استقبال کریں۔ ؎

رہ جان بجانان رہ دگرنہ از تو مستاند اجل
خود تو منصف باش حافظ ایں نکو یا آں نکو

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اور اگر تم مرگئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب ﴿۱۵۸﴾

تو پریشان مت ہو، کیونکہ اللہ کے ہاں سب نے جانا ہے وہاں حساب وکتاب ہوگا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: سو کچھ اللہ کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا:

[۲۱۵] داعی میں نرمی اور سختی نہیں ہونی چاہیئے۔

یعنی اگر تجھ میں [۲۱۵] غصہ وسختی ہوتی تو تجھ سے سب بھاگ جاتے، وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، اس شکست کے بعد سوسائٹی کے اصول بتلائے کہ اس طرح عمل کرنا چاہیئے، اس اصول پر مسلمانوں نے جب تک عمل

۲۱۶ مشاورت کے اصول اور ہماری تاریخ

کیا ہمیشہ کامیاب رہے، یہاں اصول بتلا دیا کہ مشورہ کر کے ہر ایک کام کو کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں[۲۱۶] نے اس نظام پر عمل کیا اور خلافتِ راشدہ آل پارٹیز پروگرام پر چلتے تھے۔ اس کے بعد آل پارٹیز کی بجائے ایک پارٹی خاندانِ بنو امیہ برسرِ اقتدار آئی، تو اس نے بھی اس پروگرام پر عمل کیا۔ اس پارٹی کو شکست کے بعد دوسری پارٹی (خاندانِ عباسیہ) برسرِ اقتدار آئی، وہ بھی اسی پروگرام پر کاربند رہی، مگر جب سے مسلمانوں نے اس نظام کے ماتحت کام کرنا چھوڑ دیا تو تباہ ہو جائیں گے۔

آج آل پارٹیز پروگرام کی بجائے پارٹی پالٹکس ہے، اس کے ماتحت قرآن پر عمل کر کے ہم آج بھی کام کر سکتے ہیں، اگرچہ آل پارٹیز پالٹکس پر آج کل عملدرآمد نہیں ہو سکتا، مگر نصب العین یہی ہے۔ آج آل پارٹیز پالٹکس اس لئے کامیاب نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک مُلک اپنی قومیت اور اپنی زبان لئے بیٹھا ہے، مگر برسرِ اقتدار آنے کے بعد مرکزی طاقت کو مضبوط کر کے آل پارٹیز پالٹکس کامیاب ہو سکتا ہے۔

۲۱۷ "انسان کی اخلاق تعمیر کا اہم عنصر خود اعتمادی پیدا کرنا"

فَاِذَا عَزَمْتَ الخ[۲۱۷] انسان کی اخلاقی تعمیر کا نہایت اہم عنصر اپنے اندر خود اعتمادی کا جوہر پیدا کرنا ہے۔ جس کے بغیر نہ کوئی شخص کامیاب ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی قوم، خود اعتمادی سے مقصود اپنے اندر فیصلے کی قوت سے مستحکم عزم پیدا کرنا، اور پھر اس عزم[۲۱۸] کے مطابق خُدا کے بعد خود اپنی ذات پر بھروسہ کر کے کام شروع کر دینا، اور اس کو کامیابی تک پہنچانا ہے، قرآن نے اس نکتہ کو صرف دو لفظوں میں ادا کیا فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی جب عزم کر لے تو پھر خُدا پر بھروسہ کر! اس سے پہلے مشورہ کا حکم ہے، مشورہ کے بعد فیصلہ ہو جائے تو اس پر مستحکم عزم کی تاکید ہے، پھر اس عزم کے مطابق اس کو کر گزرنا، اور اس کی کامیابی کے لئے خُدا کی توحید اور

۲۱۸ "کامیابی کے لئے جدوجہد کے درجات"

نصرت پر بھروسہ کرنا مسلمانوں کا یہی جوہر تھا جس سے متصف ہو کر ایک غریب مسافر ہمت کی کمر باندھ کر تنِ تنہا کھڑا ہوتا تھا اور اعتماد علی النفس (اپنی ذات پر بھروسہ) و توکّل علی اللہ کا جوہر ان میں درخشاں تھا۔

ایک فرینچ نے اینگلو سیکسن قوم کی ترقی کے راز میں لکھا ہے کہ انگریزی قوم کی ترقی کا بڑا راز یہی خود اعتمادی کا جوہر ہے، ایک اور فرانسیسی مؤرّخ نے لکھا ہے کہ ماں کی گود سے لے کر کالج کی اعلیٰ تعلیم تک لڑکوں میں جس وصف کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے وہ خود اعتمادی ہے، ڈیوک آف ولنگٹن کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم نے انگلستان کے فٹ بال کے میدانوں میں خود اعتمادی، ثبات اور استقلال کا جوہر اپنے اندر پیدا کیا تھا وہ نپولین کے مقابلہ میں ہمارے کام آیا۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا، اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو

مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد؟ اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے مسلمانوں کو (۱۶۰)

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ:۔

تم سے جس قدر کوشش ہو سکی، تم نے اس پروگرام کے مکمل کرنے میں کی، اب نتیجہ اللہ کے ہاتھ چھوڑ دو! اس صداقت کو حاصل کرنے کے لئے قانونِ الٰہی کی پابندی کرتے رہو! وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ، جو قانون تمہیں دیا گیا ہے اس پر پورے یقین سے ڈٹ کر کام کرو اللہ اس میں تمہیں مدد دے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۱۶۱)

ترجمہ: اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاوے گا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا (۱۶۱)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ:۔

مالِ غنیمت[۲۱۹] سے یعنی قومی خزانے سے چوری کرنے کو "غلول" کہتے ہیں "سارق" پرائیویٹ ملکیت کی چوری کرنے والا ہے، جنگ کے مالِ غنیمت کے پانچ حصے ہوتے ہیں[۲۲۰]، چار فوج پر تقسیم ہوتے ہیں۔ خمس بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے، اس خمس کے پھر پانچ حصے ہوتے ہیں۔ چار حصے بیت المال میں اور پانچواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لیتے تھے تو کُل مال کے جمع شدہ کا ۱/۲۵ آپ لیتے تھے جسے آپ پھر مسلمانوں پر خرچ کر دیتے تھے، اور اب یہ ۱/۲۵ حصہ متفقہ فیصلہ سے لیتے تھے، اب اگر کوئی متفقہ فیصلہ سے خرچ کرلے، تو وہ خُدا کا دوست ہے، اگر جس قدر چاہے اپنی مرضی سے لے تو وہ خُدا کا دُشمن ہے۔

[۲۱۹] "غلول اور سرقہ میں فرق"

[۲۲۰] "مالِ غنیمت کی تقسیم"

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ الخ: غرض حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی جماعت کے ایک رکن و فرد ہیں وہ جو کچھ لیتے ہیں، وہ جماعت کے متفقہ فیصلہ سے لیتے ہیں اور اپنے آپ کو جماعت سے ممتاز نہیں کرتے۔

وَمَنْ يَغْلُلْ يَوْمَ الخ: یعنی وہ قیامت کے دن چور کی حیثیت سے پیش ہوگا، وہاں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہوگا۔

ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ الخ: جنگِ اُحد کے نقصان کی وجہ یہ تھی کہ چند تیر اندازوں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ان کو مالِ غنیمت سے حصہ نہ ملے، اس لئے ان کو بتلایا جا رہا ہے کہ ایک معمولی کمانڈر ممکن ہے کہ اس قسم کی حرکت کرے، مگر ایک نبی ؑ سے یہ توقع نہیں ہو سکتی، جو کہ صرف لوگوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا تھا۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۱۶۲) هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (۱۶۳)

ترجمہ : کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بُری جگہ پہنچا (۱۶۲)۔ لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں (۱۶۳)

(۱۶۲) اَفَمَنِ اتَّبَعَ :-

۲۳۱ قانونِ الٰہی کے پابند دنیا میں کامیاب اور قانون شکن ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے (۱۶۳) ھُمْ دَرَجٰتٌ وہ اہلِ درجات مختلفہ (یعنی وہ مختلف درجات والے ہیں) ابوبکر اور عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہما نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مانند ۱/۲۵ حصّہ نہیں لیا، اور کہا کہ حضورؐ کے لئے تھا، دونوں خلفاء صرف روٹی کا خرچ لیتے تھے،ؔ اور وفات کے وقت جس قدر بیت المال سے لیا تھا، حساب کر کے واپس کر دیا اور بیت المال میں جمع کر دیا، اور بعض ہیں کہ انہوں نے صرف روٹی کپڑا بیت المال سے لیا، جس طرح ان کے مراتب ہیں اسی طرح ظالموں کے بھی مراتب ہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ جو قرآن ۲۳۲ پر چلیں گے ان کو مراتب عطا کر دیئے جائیں گے اور اس کے خلاف چلنے والوں کی سزا جہنّم ہے۔

۲۳۱ منکرین مختلف درجات

۲۳۲ "سنّتِ قرآن کی کامیابی اور ترقی اور منکروں کے لیے سزا اور ذلّت"

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۶۴)

النصف

ترجمہ : اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسولؐ انہیں میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا

لہ حضرت عمرؓ کے متعلق ان واقعات کی تفصیل حافظ ابن جوزی کی کتاب "تاریخ عمر بن الخطاب" صلا، صلا طبع میں ملاحظہ ہوں۔ (ع-ن)

ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے (۱۶۴)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ :

۲۲۳

ثم بین احسانہ بقولہ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا الخ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد اذ بعث فیھم رسولا الخ سے اپنا احسان بیان فرمایا) ان کی جماعت میں سے ایک رسول بھیجا جو صحیح صحیح علم سکھلاتا ہے، غرض اُحد میں تمہاری غلطی سے اس کو اور مسلمانوں کو کس قدر تکلیف ہوئی، مگر اس نے پھر بھی تم سے بہت نرمی سے برتاؤ کیا، اس کے ساتھ اس نے کس قدر عظیم الشان قانون تمہیں دیا، اگر وہ تم کو یہ قانون نہ سمجھاتا تو تمہارا اس قانون کو سمجھنا ناممکن تھا۔

۲۲۳ "حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا احسان"

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۶۵)

ترجمہ: کیا اس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دو چند، تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی تو کہہ دیجئے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۶۵)

۲۲۴ "مصیبت سے مراد رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی"

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ :

۲۲۴

والمراد من المصیبۃ ما اصابھم من خلاف حکم الرسول (اور مصیبت سے مُراد وہ نقصان تھا جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے پر ہوا) یعنی مورچہ چھوڑنے کے سبب ہوا۔

قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا فی بدر و ابتداء غزوۃ احد یعنی تم دشمن کو غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے شروع میں اس سے دوگنا نقصان پہنچا چکے ہو قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ یعنی (یہ نقصان) تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ ہے عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) جب تک تم نے اس کے قانون یعنی اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کی تو تمہارے نظام کی یہ خوبی تھی کہ تم نے نہایت کمزور حالت میں اپنے دشمنوں پر دو دفعہ فتح حاصل کی، مگر جب تم نے اس میں غلطی کی تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۶۶)

ترجمہ: اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو (۱۶۶)

۲۲۵ "ظاہری شکست سے مسلمانوں اور منافقوں میں امتیاز"

وَمَآ اَصَابَكُمْ :

۲۲۵

قانونی ضرورت بھی اس بات کی مقتضی تھی کہ ایک ایسی صورت پیدا کر دی جائے (خواہ تمہاری شکست کی حالت میں) جس کو مسلمانوں اور منافقوں میں امتیاز ہو سکے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے، کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں اس کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ﴿۱۶۷﴾

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا:۔

لکنہ لیس بقتال بل ھو ذھاب الی قسم الموت لامحالۃ لان المسلمین قلیلون مع قلیلۃ الاسباب وضعفھم (یعنی انہوں نے کہا ہمیں لڑائی معلوم ہو تو ہم تمہارے پیچھے چلیں، لیکن وہ تو (لڑائی نہیں تھی بلکہ لامحالہ ایک قسم کا موت کی طرف جانا تھا، اس لئے کہ مسلمان کم تعداد میں تھے نیز وسائل کی کمی اور ضعف مزید برآں تھا) اور دشمن نے خوب لیس ہو کر حملہ کیا تھا تو ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں ۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ ان کے دل میں تو اس دن مسلمانوں کی دشمنی بھری ہوئی تھی، اور یہ[۲۲۶] صرف عذرخواہی کے طور پر بہانے بنا رہے تھے، يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو زک پہنچے۔

سٹ ۲۲۶ "منافقین کے عذرخواہی کے بہانے"

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ: وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو ﴿۱۶۸﴾

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا:

یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے تو شہر پناہ کے اندر رہ کر جنگ کرتے تو اس قدر نقصان نہ ہوتا، قُلْ فَادْرَءُوْا: تمہارا خیال غلط[۲۲۷] ہے موت کا وقت مقرر ہے، آگے پیچھے ہرگز نہیں ہو سکتی، اگر تمہارا خیال سچا ہے تو امن کی حالت میں لوگ کیوں مرتے ہیں، تم لوگ موت کے فلسفہ سے ہی واقف نہیں ہو۔

سٹ ۲۲۷ "موت کے فلسفے سے ناواقفیت"

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ

رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾

ترجمہ: اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ﴿١٦٩﴾

۳۲۸

موت سے زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا، بلکہ موت کے بعد اس زندگی کی تکمیل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اسے اعلیٰ اخلاق سے مزیّن کیا، اب یہ نہیں کہ موت پر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے، موت کے بعد اس کے اخلاق اور کمال کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اب اس کی ترقی شروع ہوگی، اور یہ زندگی اس کی دائمی ہوگی، دنیا کی ہر قوم اسی اصول کو کسی نہ کسی رنگ میں مانتی ہے، اہلِ ہنود بھی اسی ترقی کے قائل ہیں، گو وہ تناسخ کے ذریعہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس ترقی کے ہر ایک قوم نے مختلف ذرائع سمجھ رکھے ہیں، لیکن بہرحال اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے جو دائمی ہے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں، دنیا میں اس خیال کے دو مختلف سکول ہیں۔ اوّل آرین سکول جس میں اہلِ ہنود، بدھ، پرانے چینی اور پرانے ایرانی اور پرانے یونانی شامل ہیں۔ دوسرا سکول سامی کہلاتا ہے۔ اس میں موسوی تعلیم اور اسلامی تعلیم کے پیرو ہیں، یہ دونوں سکول آئندہ زندگی کے قائل ہیں، گو الگ الگ رنگ میں، مگر نقطۂ نظر دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی دوسری زندگی میں انسان کی ترقی اور اس کے اخلاق کا کمال۔

۳۲۸ "تسلسل حیات کا اصول اور اقدام"

پہلا سکول یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نیک لوگ سیدھے سرگ یعنی جنّت میں چلے جائیں گے، اور وہیں سے ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی، گنہگاروں کو سزا کے طور پر مختلف جونوں (جنموں) میں جانا پڑے گا، حتّٰی کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر وہ بھی جنّت میں جائیں گے، اور نیک لوگوں کی مانند ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی۔

دوسرے سکول کا عقیدہ یہ ہے کہ نیک لوگ آرین سکول کے خیال کی مانند سیدھے جنّت میں جائیں گے، اور گنہگاروں کو ان کی سزا کے بعد، اور ان کے رسولوں کی سفارش کے بعد نجات دی جائے گی، اس کے بعد ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی، اب اصل آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضا کے سوا دوسرا کوئی کام نہیں کرتے ان کی ہر وقت یہی خواہش ہے کہ قانونِ الٰہی کی تکمیل میں جان و دل سے مصروف رہیں، اور اگر ان کی جان بھی اسی مقصد میں چلی جائے تو وہ اس بات سے دریغ نہیں کرتے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں، اور ان کے کارنامے بھی دنیا میں زندہ رہیں گے، دیکھو سورۃ الانعام آیت ۳۰ تا ۳۶۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾

وقف لازم

ترجمہ: خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور ان کو غم (۱۷۰)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ:-

۲۲۹ اخلاق حسنہ کا نتیجہ

اللہ نے ان کو اچھے اخلاق دیئے، جن کے نتیجہ میں انہیں آج اللہ تعالیٰ سے یہ نعمت ملی، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو کر آئے۔

۲۳۰ دنیا میں موجود جماعت کیلئے دعا

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ الی آخرہ:- وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ہمارے پیچھے جو دنیا میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسے ہی اخلاقِ حسنہ دے۔

۲۳۱ امتحان میں کامیابی پر ڈر نہیں رہتا

اَلَّا خَوْفٌ الی آخرہ:- جو اللہ کے روبرو سرخرو ہو کر آئے یعنی اس کے راستہ میں شہید ہوئے تو انہیں اب کسی بات کی فکر نہیں، قاعدہ ہے کہ جب کوئی لڑکا امتحان میں پاس ہو جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے، اور اس خوشی میں اپنے عزیز و اقارب کے ہاں پھولا نہیں سماتا، اسی طرح یہ لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر اپنے اللہ کے ہاں آئے ہیں، اب انہیں کس بات کا ڈر ہے۔

۲۳۲ "نعمت" اور "فضل" کا معنی اور فرق

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷۱) ع ۸/۱۷

ترجمہ: خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی (۱۷۱)

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ:-

نعمت سے بادشاہی جو اخلاق کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے وَفَضْلٍ: ان اخلاقِ حسنہ کے ساتھ اللہ نے انہیں اپنا فضل بھی عنایت کیا پھر آئندہ دنیا میں بتدریج ترقی۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷۲) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (۱۷۳)

۲۳۳ نیکو کاروں کیلئے اجر عظیم

ترجمہ: جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے (۱۷۲) جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان، اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے (۱۷۳)

(۱۷۲) اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ :-

ای الی حمراء الاسد یعنی لتعاقب الکفار بعد احد للذین احسنوا (یعنی جنگِ اُحد کے بعد کفّار کے تعاقب میں مقام حمراء الاسد (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) تک چلے[۲۳۳] ایسے نیکوکاروں کے لئے اجرِ عظیم ہے) جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کہا مانا اجرِ عظیم ہے۔ غرض اب سمجھایا گیا کہ مسلمانوں کو یقین تھا کہ موت اپنے

مقررہ وقت پر آئے گی، زندگی و موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان موت کو ملنے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے، اور اپنے فرائض کے پورا کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتا رہے۔

۲۳۴ "پروپیگنڈہ کے باوجود موت سے بے خوفی کی مثال"

(۱۷۳) اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ الی آخرہ۔[۲۳۴] ابوسفیان جنگِ احد سے ایک قسم سا فارغ ہو کر نکلا، مگر اسے خطرہ تھا کہ مسلمان تعاقب کریں گے۔ اس لئے اس نے چند آدمی پروپیگنڈا کرنے کے لئے روانہ کئے تاکہ وہ مسلمانوں پر رُعب ڈالیں کہ ابوسفیان کے ساتھ عربی طاقت ہے، تاکہ مسلمان اس کے تعاقب سے باز رہیں، مگر دشمنوں کے اس پروپیگنڈا نے مسلمانوں کو بیدار کر دیا، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ حیات و ممات تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ مقررہ وقت سے آگے پیچھے ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتی، توکیوں خواہ مخواہ اس سے ڈریں، جب اس نے ایک نہ ایک دن ضرور آنا ہے، توکیوں نہ خندہ پیشانی سے اس سے ملیں، بلکہ اس سے پہلے پہلے اپنے فرض کی تکمیل کر دیں واقعی

ع خدا شر انگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

(اللہ تعالیٰ کبھی شر پیدا کرتے ہیں، لیکن ہمارے لئے اس میں کوئی خیر ہوتی ہے) دشمنوں نے تو مسلمانوں کو دہشت زدہ بنانے کے لئے پروپیگنڈا کیا تھا، مگر اس سے مسلمانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے، قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ یعنی ہم تو اللہ کے قانون کی پابندی اور اس کے رسولؐ کا حکم مان رہے ہیں، تو ضرور ہے کہ وہ ہماری مدد کرے، اور اس سے بڑھ کر مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے، غرض دنیا میں بھی دستور ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو کسی کام پر روانہ کرے، تو اگر کوئی اس ملازم سے خواہ مخواہ برسرِ پیکار ہو تو آقا ضرور اس ملازم کی پاسداری کرے گا۔ اسی طرح مسلمان بھی اپنے اللہ کے قانون پر عمل کر رہے تھے اور دنیا کو اس کے قانون کی دعوت دے رہے تھے، تو لازمی امر ہے کہ ان کے نیک و بد کا خیال اللہ تعالیٰ ضرور کرے گا، اور پھر جس کا وہ محافظ ہو اس کی خوش قسمتی کا کیا کہنا، سب سے بڑھ کر حفاظت کرنے والی اس کی ذات ہے۔

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡھُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی ان کو برائی، اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے، اللہ کا فضل بڑا ہے ﴿۱۷۴﴾

۲۳۵ "ابوسفیان کی فوج کا تعاقب اور غنیمت"

غرض ابوسفیان کی فوج کا مسلمانوں نے تعاقب کیا اور اس کی فوج کا سامان جس قدر ایک منزل رہ گیا تھا، اس کو قبضہ میں کرلیا، ابوسفیان سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی مکہ کو روانہ ہوچکا تھا۔ مسلمانوں کو بغیر کسی جنگ کے یہ مالِ غنیمت مل گیا، اور مدینہ کو واپس آتے وقت راستہ میں ایک میلہ تھا، وہاں سے انہوں نے تجارت کے مال سے بہت فائدہ اٹھایا۔

وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ بتعاقب الکفار بعد ما اصابھم فی احد ـــــــ قیل لھم للتعاقب فوثبوا الیہ (یعنی انہوں نے جنگِ احد میں مصائب و تکالیف اٹھانے کے بعد جب کفار کے تعاقب کے لئے کہا گیا تو فوراً کود گئے۔ یوں اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی۔) اس لئے کہ مسلمانوں کا مقصد یہی تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کریں۔ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے) مسلمانوں کو بغیر کسی کشت و خون کے اب مالِ غنیمت دلایا۔

۲۳۶ "اللہ کی خوشنودی کے طالبین"

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ۔ یعنی ابوسفیان کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے، وَخَافُوْنِ یعنی میرے قانون پر عمل کرو! اور مجھ سے ہی ڈرو! اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ دیکھو تم کس قدر کمزور حالت میں تھے، مگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی تعمیل کا یہ نتیجہ نکلا کہ بغیر کسی جنگ و جدال کے اس نے تم کو مالِ غنیمت دلایا، اس لئے تمہیں صرف اللہ کے قانون پر عمل کرنا چاہیئے۔

۲۳۷ "مومن شیطانی پروپیگنڈہ سے متاثر نہیں ہوتے"

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف، وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ، اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا ﴿۱۷۶﴾

تمہیں عظیم الشان و مکمل نظام دیا گیا تم اس کی پیروی کرو، اور دشمن کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

ترجمہ: جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ، اور ان کے عذاب ہے دردناک ﴿١٠٠﴾

جو اس نظام و پروگرام کی مخالفت کریں گے، وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے، خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ترجمہ: اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں، ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا ﴿١٧٨﴾

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ:۔

اگر مسلمانوں کو دشمن سے آج تکلیف پہنچی ہے تو دشمن یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے ان کو مہلت دے دی ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں، اس میں انہیں فخر کرنے کا کوئی موقع نہیں،

إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (یعنی ہم تو مہلت دیتے ہیں تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں)

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

ترجمہ: اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے، اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے ﴿١٧٩﴾ ۲۳۸

مَا كَانَ اللَّهُ:۔

۲۳۸ منافقین، مومنین میں تمیز اور اس کی حکمت عملی۔

بل ينشاء حالة يميز بها بين المومنين والمنافقين والان انتم مخلوطون (بلکہ اللہ تعالیٰ ایسی حالت پیدا کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے گی جبکہ اس وقت وہ تم میں گھلے

ملے ہیں، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ رسول کو غیب سے بتلا دے کہ فلاں آدمی نیک ہے۔ فلاں بد فلاں مسلمان ہے فلاں کافر اس لئے کہ اس سے شخصی ذمہ داری پیدا ہوتی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ شخصی ذمہ داری کی بجائے تم میں اجتماعی ذمہ داری پیدا ہوئی. کوئی قوم شخصی ذمہ داری سے ترقی نہیں کر سکتی جب تک اجتماعی ذمہ داری اس کے ساتھ نہ ہو، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ یہاں تمہیں اُستاد دیا جاتا ہے جو اس کام کی پوری اہلیت رکھتا ہے، اس کی اطاعت سے تم میں یہ جوہر پیدا ہو جائے گا یعنی اجتماعی طور پر ترقی کرنے کا جوہر، اس جگہ رسول نہ کہا بلکہ رسل کہا یعنی بہت سے رسول تو اس لئے آئے تاکہ اجتماعی ترقی پیشِ نظر رہے۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا الخ. تمہارا کام یہ ہے کہ جو قانون رسولؐ کے ذریعہ تمہیں دیا جاتے اس پر عمل کرو! اس کا نتیجہ یہ ہوگا تمہیں اس کا اجر یعنی بہت درجے ملیں گے، اور بین الاقوامی حکومت قائم کر سکو گے۔

اگلی آیات میں بتلایا جائے گا کہ تم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک نظام پیدا کیا تھا، مگر اس کے پیرو اب برباد ہو گئے، اس لئے تمہیں بہت سوچ سمجھ کر چلنا چاہیئے۔ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی ایک روحانی قوم تھی یعنی اہلِ ہنود، مگر ان کی بھی آج یہود کی سی حالت ہے، اگر یہود سُود خوری میں مشہور ہیں تو ہندوستان کے ہندو بھی ان سے پیچھے نہیں، ہندوؤں کی تو یہ حالت ہے کہ دولت کی بھی "لچھمی دیوی" کے نام سے پرستش ہوتی ہے، یعنی روپے کی، غرض ان آیات میں سرمایہ داری کی مذمت کی جا رہی ہے۔

۲۳۹ شخصی ذمہ داری کی بجائے اجتماعی ذمہ داری پیدا کرنا چاہتا ہے
۲۴۰ "بہت سے رسول تو اس لئے آئے تاکہ اجتماعی ترقی پیشِ نظر رہے"
۲۴۱ "قانون پر عمل کا نتیجہ بین الاقوامی حکومت کا قیام"
۲۴۲ مذاہب میں رجعت پسندی سے عبرت اور سرمایہ داری کی مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸

ترجمہ: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بہت بُرا ہے ان کے حق میں، طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن، اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا، اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے ﴿۱۸۰﴾ ع

یعنی ان کے پاس روپیہ ہے، مگر اس طرف آتے ہی نہیں کہ کسی محتاج و مستحق کو مدد دیں، یہ نہ سمجھیں کہ مستحق کو مدد نہ دینا ان کے حق میں بہتر ہے، بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ بلکہ یہ عادت ان کے لئے بہت بُری ہے، یہ جانتے ہی نہیں کہ قوموں کی زندگی کا راز ہی یہی ہے کہ ایک دوسرے کو غربا، مستحقین، مساکین کو امداد دی جائے۔

۲۴۳ "قوموں کی زندگی کا راز محتاجوں کی امداد"

سَیُطَوَّقُونَ الخ کمافی قولہ تعالیٰ وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ الخ۔

۲۴۴ بخل کی مذمت

اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بُری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اسکو قیامت کے دن ایک کتاب دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی۔ (آیت ۱۳ سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵)

غرض ایک ۲۴۴ آدمی اپنے عمل کی جزا و سزا اسی دنیا میں پالیتا ہے اور قیامت کے دن اس کا اثر بہت واضح طور پر دکھلائی دے گا، غرض یہ آیت ۱۳ اس مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل کی کیفیت بیان کرتی ہے جو بخل سے سخت متنفر تھا۔ جیسا کہ معتبر روایات سے ظاہر ہے کہ اس نے کبھی سائل کے سوال کو ردّ نہیں کیا اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

۲۴۵ قانون جزا و سزا کی تفصیل

غرض اس ۲۴۵ سے اسی اصول کا پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک عمل کوئی نہ کوئی اثر و ثمرہ پیدا کرتا ہے جسے انسان کی گردن کے ساتھ لٹکا دیا جاتا ہے، اور یہی اثر قیامت کے دن ایک واضح کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں پیش ہوگا، انسان کے عمل کا اثر پیدا ہونے پر یہ جامۂ تحریر میں لایا جاتا ہے اور یہی اثر ہے جو انسانی اعمال کو ایک کتاب کی شکل میں لایا جائے گا، گلے سے لٹکنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک چیز جو دوسرے سے اس طرح چمٹ گئی ہے کہ وہ اب کسی صورت سے اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتی اور اسی سے قانون ثابت ہوتا ہے۔

وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ بعد الموت فلا یذھب المال مع احد۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ یعنی انسان کے ساتھ اس کے اعمال جائیں گے، دولت سب یہیں رہ جائے گی اور اللہ کو معلوم ہے کہ تم کیا عمل کر رہے ہو۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات اور خون کئے ہیں انہوں نے اپنے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ:۔

یہود مسلمانوں کی غربت کا تمسخر (مذاق) اڑاتے تھے کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے

ہم سے قرض مانگتے ہیں، کیا ان کا خدا مفلس ہے؟ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے جب چندہ فراہم کرتے تھے تو یہود مذاق اڑاتے تھے۔ اسی بات کو سورۂ مائدہ آیت ۶۴ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا الی آخرہ آیت ۱۷۹ میں بتلا دیا گیا ہے کہ تحریر کرنے سے کیا مراد ہے۔ یعنی اس کا اثر وہ اس دنیا میں بھی دیکھ لیں گے اور یہی ہوا کہ یہود عرب سے بھی فقط ذلیل وخوار کرکے نہیں نکالے گئے، بلکہ ان کی آج تک کسی جگہ بھی حکومت اور مستقل ثروت قائم نہیں ہو سکی۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ ان کے یہ عذر معقولیت سے بہت بعید ہیں اور ان کا یہ عذر (عذرِ گناہ بدتر از گناہ) (گناہ کا عذر گناہ سے بھی بدتر ہے) کے مترادف ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ صداقت (سچائی) کو قبول کرنے کا مادہ ہی اب ان میں نہیں رہا، یہ اب تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ پہلے جب اللہ کے رسول ان کے پاس کلمۂ صداقت لے کر آئے تو انہوں نے ان کو بھی جھٹلایا اور بعض صرف اس وجہ سے قتل کر دیئے کہ حق بات کی دعوت دیتے تھے۔

وَنَقُولُ ذُوقُوا الی آخرہ یہود کو اس دنیا میں عذاب مل گیا کہ ان سے نعمتِ حکومت چھین لی گئی۔

ذلك سلب الحكومة بما قدمت۔ الخ نتيجة اعمالكم لو اتبعتم القوانين الالهية لما سلب منكم نعمة الحكومة لان الله ليس بظلام للعبيد (یعنی حکومت کا چھن جانا تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے، اگر تم قانونِ الٰہی کی پیروی کرتے رہتے تو تم سے حکومت کی نعمت سلب نہ کی جاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا) قانون پسندوں کو ہمیشہ ترقی اور مفسدوں (یعنی قانون کی تابعداری نہ کرنے والوں) کو ہمیشہ سزا دیتا ہے۔

(حاشیہ: نمبر ۲۴۶ چندہ کی فراہمی پر یہود کا مذاق (۲۴۶) — نمبر ۲۴۷ کتابتِ اعمال سے مراد — نمبر ۲۴۸ یہود کا عذر بدتر از گناہ — نمبر ۲۴۹ یہود سے بداعمالیوں کے نتیجہ میں نعمت حکومت کا چھن جانا)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لائے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ، تو کہہ تم میں آ چکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ

اب جب کہ اس قسم کی عالمگیر انقلابی تحریک پیدا کی گئی جو اسلام کے ذریعہ دی گئی، تو ضرور ہے کہ اس کے مدِمقابل بھی ایک مخالف پارٹی ہو وہ ایسی عالمگیر پارٹی میں نہ آنے کے لئے ایسے بودے بہانے بناتے ہیں، موسوی قانون میں تھا کہ جس قربانی کو آگ کھا جائے اسے مقبول بارگاہ سمجھا جاتا، اب یہود بھی اس قربانی کا اصرار کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسی قربانی کی تعلیم دیں جس کو آگ سیاہ کر دے۔ اس کا

(حاشیہ: نمبر ۲۵۰ عالمگیر پارٹی میں نہ آنے کے یہودیوں کے بودے بہانے)

مطلب یہ تھا کہ جس نبی کی آمد کے متعلق پہلے انبیاء شہادت دیتے چلے آئے ہیں وہ بنی اسرائیل میں سے ہو، کیونکہ قربانی سوختنی یہ کرتے ہیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قربانی کے گوشت کھانے کا حکم دیتے ہیں اور بنی اسرائیل کا اس سے یہ مقصد تھا کہ موسوی قانون کو دنیا میں دوبارہ زندہ کرے، حالانکہ زندہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اساسی اصول میں وہ متفق ہوں نہ جزئیات میں جیسے حنفی و شافعی اساسی اصول میں متفق ہیں اور فروعی اور مجتہد فیہ (اجتہادی) مسائل میں جزوی اختلاف ہے، اس لئے اس کو ایک مذہب کہا جاتا ہے اور جو بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ تھا، وہ صرف یہی تھا کہ ان کی برادری میں سے وہ نبی ہوگا یعنی اسماعیلی اور وہ نبی مثیل موسیٰ ہوگا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ بنی اسماعیل سے ہوگا اور صرف موسوی قانون کا ہی تابع نہ ہوگا بلکہ وہ قانونِ الٰہی کو مکمّل صورت میں پیش کرے گا۔ بِالْبَیِّنٰتِ یعنی واضح پروگرام لائے وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ یعنی قربانی سوختنی کا حکم کرتے تھے۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ غرض اب بتلایا گیا کہ انہوں نے موسوی قانون کے تابع انبیاء کو قتل کر دیا، اس لئے ان کا جھٹلانا انبیاء کے واضح دلائل کی کمی کے باعث نہ تھا بلکہ اُن کی سنگدلی کے باعث تھا۔

ﺳﺮ ۲۵۱ "قربانی سوختنی کے مطالبہ کا مقصد"

ﺳﺮ ۲۵۲ "مثیل موسیٰ نبی کی پیشین گوئی کا مطلب"

ﺳﺮ ۲۵۳ "موسوی قانون کے تابع انبیاء کا قتل"

ﺳﺮ ۲۵۴ "زبر اور کتاب منیر میں فرق"

ﺳﺮ ۲۵۵ "یہود کا اپنے انبیاء کی تکذیب کرنا"

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلا دیں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن ﴿۱۸۴﴾

زُبُر ۲۵۴ وہ کتب جو عام لوگوں کے جذبات سے اپیل کریں اَلْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ، وہ مکمّل قانون جس سے نظامِ سلطنت چل سکے یعنی تجھ سے پہلے بھی رسول مکمل ہدایت لے کر آئے، مگر انہوں ۲۵۵ نے ان کی تکذیب کر دی، بنی اسرائیل میں اولوالعزم پیغمبر آئے ہر طرح کی نشانیاں لے کر، مگر ان میں سے بہت لوگ پھر بھی ان کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کو مگر پونجی دھوکے کی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ :-

موت ۲۵۶ ہر انسان کے لئے ضروری ہے، انسان کے جس طرح کے اعمال ہوں گے اسی حساب سے وہ آئندہ زندگی میں ترقی بتدریج کرے گا، یاد رکھو اگر اس پروگرام کی مخالفت کرو گے تو برباد ہو جاؤ گے اور اس پر عمل کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

۲۵۶ آئندہ زندگی میں بتدریج ترقی اعمال کے حساب سے جاری رہے گی۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا الی آخرہ۔ ۲۵۷ انسانی زندگی میں لاکھوں قسموں کے دھوکہ کے سامان ہیں۔ اگر انسان قانونِ الٰہی پر کاربند ہو کر اس دنیا میں سعی کرے تو وہ دنیا ہی میں کامیاب زندگی گزارے گا جو قانون کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں پڑ جائے تو وہ نقصان اٹھائے گا۔

۲۵۷ زندگی میں لاکھوں قسموں کے دھوکوں سے بچنے کا طریقہ۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں؛ اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت؛ اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں ﴿۱۸۶﴾

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ :-

۲۵۸ مال و اولاد سے آزمائش۔

جس وقت کامیاب ۲۵۸ ہو جاؤ گے تو تمہارے مال و اولاد میں اللہ برکت دے گا۔ اس وقت تمہاری آزمائش ہوگی، اگر اس وقت تم کامیاب نہ نکلے تو تم بھی یہود کی طرح اس دنیا کی محبت میں پھنس گئے اور اگر تم نے اس سمجھ سے کام لیا جو تمہیں حق نے دی ہے اور مال و اولاد کی کثرت کے باوجود تم حق کے آگے جھک گئے تو کامیاب زندگی بسر کرو گے۔

۲۵۹ مسلمانوں کی موجودہ مصیبتیں آیت کی صداقت ثابت کرتی ہیں۔

وَلَتَسْمَعُنَّ الی آخرہ۔ ۲۵۹ تمہیں اس قدر پریشان کریں گے کہ تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ موجودہ وقت سے زیادہ اس بیان کی صداقت کا غالباً کوئی زمانہ نہیں گزرا، پچھلی صدی سے لے کر آج تک مسلمانوں کو حتی الوسع ان کے گھروں سے نکالا جا رہا ہے، اور ان کی ریاستیں اور حکومتیں ہضم کی جا رہی ہیں، اور لاکھوں مسلمان لقمۂ موت بنائے گئے ہیں۔ عیسائی مبلغ اور پولیٹیکل لوگوں اور دیگر اقوام نے نہایت فحش کلامی سے کام لیا ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ اگر تم اس کو برداشت کر لو اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور عدالت قائم کرنے کے لئے سعی کرتے رہو اور اپنے قانون کو نہ چھوڑو اور پروگرام کی تکمیل میں ڈٹ کر لگے رہو۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (تو یہ ایک بڑی ہمتِ مردانہ کا کام ہے) انبیاء تین قسم

۲۶۰ انبیاء کی تین قسمیں: (۱) نبی (۲) رسول (۳) اولوالعزم من الرسل

کے ہیں۔ ① نبی ② رسول ③ اولوالعزم من الرسل، حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم تیسری جماعت میں سے تھے۔
پہلا نتیجہ یہ تھا کہ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنا۔
دوسرا اس جگہ بیان کیا جا رہا ہے کہ دشمن تمہارے خلاف زبردست پروپیگنڈا کرے گا، مگر تم اگر قانونِ الٰہی پر ڈٹ کر عمل کرتے رہے تو یہ نہایت اولوالعزم کام ہوگا، اور بڑے کاموں میں سے ایک بہت بڑا کام ہوگا کہ تم دشمن کے پروپیگنڈا سے مرعوب نہ ہو اور اپنا کام ڈٹ کر کرتے رہو۔

۲۶۱ پروپیگنڈے کی زبردست جنگ میں ثابت قدمی اولوالعزمی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے، پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول، سو کیا برا ہے جو خریدتے ہیں ﴿۱۸۷﴾

۲۶۲ "دشمن کے پروپیگنڈے کا جواب اور مسلمانوں کو تنبیہ"

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ:۔
دشمن نے جو پروپیگنڈا[۲۶۲] کیا اس کا جواب دیا جا رہا ہے، یعنی ان سے تو یہ وعدہ تھا کہ احکامِ الٰہی کو واضح طور پر بغیر کسی آمیزش (ملاوٹ) کے لوگوں کو سمجھا دو، انہوں نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے اس عہد کو توڑ دیا اور ریاست اور دنیا کی برآری (مقصد) کے لئے لُوٹ پڑے تو جہاں میں خوار ہوئے، اس لئے اگر مسلمان بھی ان کے نقشِ قدم پر چلے تو دنیا میں ذلیل ہو کر برباد ہو جائیں گے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک ﴿۱۸۸﴾

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ:۔

۲۶۳ "کام چور جاہ پسند جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی"

اہلِ کتاب اس بات[۲۶۳] پر بہت خوش ہیں کہ ان کی کتاب بہت اعلیٰ درجہ کے احکام رکھتی ہے، اور عمدہ تعلیم دیتی ہے، پھر اس کی تبلیغ نہیں کرتے اور خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے نبی اور کتاب کی تعریف کریں، ایسی جماعت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، بلکہ اُلٹا یہ جہنم کی آگ میں جائیں گے، غرض حقیقت

کو چھپاتے ہیں، اور اس[۲۶۴] کے ساتھ ہی امید بھی رکھتے ہیں کہ ان کو عام لوگ عالم کہیں اور ان کی اور ان کے نبی و کتاب کی تعریف کریں کہ یہ خوب عالم ہیں اور دیندار حق پرست ہیں۔ پھر ان کی کتاب و نبی بہت اچھا ہے۔ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ، وہ برابر مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے، سزا بھی معمولی نہیں، بلکہ ان کو دردناک سزا دی جائے گی۔

۲۶۴ "ایسی مجرم جماعت کے لیے دردناک سزا"

ع ۱۹ / ۹ / ۱۰

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾ بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس کی نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ ﴿۱۹۰﴾

(۱۸۹) وَلِلّٰهِ مُلْكُ الخ۔

اس نے کسی کو اتنا اختیار نہیں دیا کہ جس طرح وہ چاہے کرے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری (اقبالؒ)

اب اس آیت کی تعلیم سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ بتلائے جا رہے ہیں۔

۲۶۵ "خدا کے بندوں کا کائنات کے نظام میں فکر"

۲۶۶ "قانون میں تبدیلی کا سبق"

(۱۹۰) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الی آخرہ۔ یعنی خدا کے بندے[۲۶۵] کائنات کے نظام میں فکر کرتے ہیں کہ دن ہے تو اس کے بعد رات ہے اور رات کے بعد دن، غرض دن[۲۶۶] رات کے تبدیل ہونے سے وہ سبق حاصل کرتے ہیں اور اسی طرح قانونی روح کے ماتحت رہ کر وہ اپنے قانون میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ: وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے ربّ ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے ﴿۱۹۱﴾ اے ربّ ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار ﴿۱۹۲﴾ اے ربّ ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے، اے ربّ ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دُور کر دے ہم سے بُرائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۱۹۳﴾

(۱۹۱) اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ ...

یعنی قانونِ الٰہی[۲۶۷] کو نہیں بھولتے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ الیٰ آخرہٖ۔ تیری پیدائش[۲۶۸] حکمت پر مبنی ہے آسمان و زمین ہماری حاجت روائی کے لئے پیدا ہوئے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں کہ تیری تعلیم میں ایسی کوئی کجی نہیں کہ جس سے ہمیں آگ میں گرج کا خوف ہو۔ غرض قرآن حکیم[۲۶۹] نے تدبّر کرنے والی ایک جماعت پیدا کی ہے جو تمام دنیا کے نظام کو نہایت اعلیٰ طور پر چلا سکتی ہے۔ غرض یہ ایک جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے۔ یعنی قانونِ الٰہی کی پابندی کرتی ہے اور اس کی مخلوق میں تدبّر یعنی فکر و سوچ کرتی ہے کہ اس نے زمین و آسمان بنائے ان سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہماری اپنی حالت کیا ہے اور ہم اسے کس طرح سدھار سکتے ہیں۔ (۱۹۲) رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ۔ تیرے قانون کے مخالفوں کے لئے ہلاکت ہے۔ یا اللہ[۲۷۰] ہمیں ظلم کا حامی نہ بنانا گو ہم آگ میں نہ پڑیں۔ (۱۹۳) رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا۔ جہاں کسی[۲۷۱] نے منادی دی کہ دیکھو یہ ظلم ہو رہا ہے تو وہ جھٹ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا۔ اب آواز تو سُن لی، مگر ممکن ہے کہ انسانی فطرت کے سبب سے پروگرام کی تکمیل میں کچھ غلطی ہو جائے، اس لئے دُعا مانگتے ہیں کہ وہ (غلطی) ہمیں معاف کیجئے۔ وَکَفِّرْ عَنَّا۔ پروگرام کی تکمیل میں[۲۷۲] غلطی ہو جائے تو اس سے آگاہ کر دیں تاکہ ہم مرنے سے پہلے اس کی اصلاح کر لیں۔

۲۶۷ "اللہ کو یاد کرنے سے مراد قانون الٰہی کی حفاظت"

۲۶۸ "اللہ کی پیدائش حکمت پر مبنی ہے"

۲۶۹ "قرآن حکیم نے تدبر کرنیوالی باصلاحیت جماعت پیدا کر دی"

۲۷۰ "یا اللہ ہمیں ظلم کا حامی نہ بنا"

۲۷۱ "ظلم کے خلاف فوراً میدان میں پہنچو"

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: اے ربّ ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رُسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ﴿۱۹۴﴾

رَبَّنَا وَاٰتِنَا:۔

رسولوں[۲۰۳] کے ذریعہ تیرا وعدہ ہے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے والے دنیا میں کامیاب رہیں گے، یا اللہ! ہمیں عزّت دیجئے! تاکہ اس پروگرام پر چل کر کامیاب زندگی بسر کریں۔

> ۲۰۲ پروگرام کی تکمیل میں غلطی کی اصلاح کی دعا۔
>
> ۲۰۳ "رسولوں کے ذریعہ پروگرام پر عمل کرنے والوں کے لئے کامیابی کا وعدہ۔"

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت ـــ کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو، پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے ـــ اور مارے گئے البتہ دُور کروں گا میں ان سے بُرائیاں ان کی اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے، اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ ﴿۱۹۵﴾

(۱۹۵) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ:۔

اللہ[۲۰۴] نے دُعا منظور کر کے کہا کہ میں تمہارے کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا، اس لئے کہ تم سب ایک ہی سوسائٹی کے مختلف افراد ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، جو اس نظام کو چلانے کا ٹھیکہ لے چکے ہو۔ تم نے قانون کی رُوح کو سمجھ لیا ہے اور اب اس پر عمل کر رہے ہو۔ قانون کو ہاتھ میں لے کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نکمّے نہیں بیٹھے ہوئے ہو، بلکہ جس جگہ اس قسم کا موقع دیکھتے ہو کہ وہاں قانون کی رُوح کام کرے گی، اس پر عمل کرتے ہو۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ قانونِ[۲۰۵] الٰہی پر عمل کرنے میں بہت سی مشکلات پیش آئیں گی۔ تمہیں وطن سے بے وطن کیا جائے گا اور طرح طرح کی دشمن تکلیفیں دیں گے۔ تمہیں دشمن سے لڑنا بھی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ جنگ میں شہید بھی ہو جاؤ۔

لَاُكَفِّرَنَّ الخ:۔ اگر ثابت[۲۰۶] قدمی دکھائی تو اللہ تمہاری غلطیاں مُعاف کر دے گا۔

لَاُدْخِلَنَّهُمْ الی آخرہ الخ:۔ لا یکتفی علی مجرد تکفیر السیئات بل یعطیکم الحکومۃ والدولۃ والثروۃ۔

> ۲۰۴ "قبولیتِ دُعا کہ کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔"
>
> ۲۰۵ "قانونِ الٰہی پر عمل کرنے میں مشکلات کو برداشت کرنے کا حکم۔"
>
> ۲۰۶ "ثابت قدمی پر غلطیوں کی معافی کا وعدہ۔"

(یعنی اللہ تعالیٰ محض تمہاری بُرائیاں دور کرنے پر اکتفا ہی نہیں کرے گا، بلکہ وہ تمہیں حکومت، سلطنت اور دولت بھی دے گا۔) اس لیئے کہ تم نے قانونِ الٰہی کی پابندی میں ثابت قدمی دکھلائی۔

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ ھذہ الحکومۃ والثروۃ معاوضۃ اتباع القانون من اللہ تعالیٰ۔

(یعنی حکومت و ثروت اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی کا نتیجہ اور معاوضہ ہے) غرض اس میں وہ وعدہ ہے کہ تمہیں وہ علاقے دیئے جائیں گے جو دریاؤں اور نہروں سے زرخیز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مصر، شام اور عراق کی فتح میں پورا ہوا۔

وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ مصر و شام وغیرہ کے علاقے تو تمہیں اس زندگی میں عطا کئے گئے اور جو آخرت میں تمہارے لیئے انعام ہے وہ اس سے بدرجہا اعلیٰ و بہتر ہے۔

حکومت، سلطنت اور دولت دینے کی خوشخبری۔ مصر، شام، عراق کی فتح کے وعدہ پورا ہوا۔ آخرت کا حسن ثواب۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

ترجمہ۔ تجھ کو دھوکہ نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں ﴿١٩٦﴾

لَا يَغُرَّنَّكَ:۔

اگر تمہارے دشمنوں کو عارضی طور پر چند دنوں غلبہ حاصل ہو گیا تو اس سے پریشان مت ہو اور اپنی حقانیت میں کسی قسم کا شک مت لاؤ۔

دشمنوں کے عارضی غلبہ پر پریشان نہ ہوں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

ترجمہ۔ یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ:۔

مستقل نہیں بلکہ چند روزہ نفع ہے۔ ماوٰھم جھنم بسبب مخالفۃ الحق۔ (یعنی حق کی مخالفت کے سبب ان کا ٹھکانہ جہنم ہے)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ: لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے ربّ سے ان کے لئے باغ ہیں۔ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے ﴿١٩٨﴾

لکن الذین الخ:۔

یعنی لمتبعی القانون الالٰھی تکلیف علتہ ایام ثم بعد ذلک فرحۃ و سرور۔ (یعنی قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے والوں کے لئے چند[۲۸۱] دنوں کی تکلیف ہے، پھر اس کے خوشی اور سرور ہے۔)

"قانون کی پیروی کرنے والوں کیلئے عارضی تکلیف خوشی اور کامیابی۔"

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا یہی ہے جن کے لئے مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں بے شک اللہ جلد لیتا ہے حساب ﴿۱۹۹﴾

اب ایک استثناء بتلائی کہ سب یہودی ایسے نہیں، پرانے اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت اپنے فرائض کو پورا کر رہی ہے۔ اور دوسری تمہاری جماعت ہے جو فرائض کو پورا کر رہی ہے۔ اس اصول پر جو جماعت بھی کام کرے گی اس کا درجہ یکساں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۲۰

ترجمہ: اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مُراد کو پہنچو ﴿۲۰۰﴾ ع

[۲۸۲] اِصْبِرُوْا ڈٹ کر کام کرو۔ وَصَابِرُوْا قانونِ الٰہی پر عمل کرنے کی تربیت کرتے رہو۔ وَرَابِطُوْا سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لئے بیٹھے رہو۔ موضح القرآن میں یہ ترجمہ ہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! صبر کرو! اور تھام رکھو ایک دوسرے کو! اور لگے رہو بیچ لڑائی کے! اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے! کہ تم چھٹکارا پاؤ۔

فائدہ: ثابت رہو یعنی دین پر اور مقابلہ میں یعنی جہاد میں لگے رہو، یعنی کافروں کے سامنے اور غرض لڑائی ہمیشہ نہیں رہتی، مگر سرحدوں کی حفاظت ہر وقت اور ہر لمحہ ضروری ہے۔ غرض لڑائی کے لئے آمادہ رہنے کی ہدایت کی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاد ایک ضروری چیز ہے اور میدانِ جنگ میں جانا ایک وقتی چیز ہے، وَاتَّقُوا اللّٰہَ قانون پر مضبوطی سے عمل کرو۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یقیناً تم ہی کامیاب رہوگے۔

[۲۸۲] "ایمان والی جماعت کے ہمیشہ کامیاب رہنے کے اصول: (۱) صبر (۲) قانون پر عمل کی مسلسل تربیت (۳) سرحدی چوکیوں کی مکمل حفاظت (۴) قانون پر مضبوطی سے عمل۔"

تفسیر سورۃ النسآء مدنیۃ

آیات : ۱۷۶ ، رکوعات : ۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ا۔ سورت کا موضوع "اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے قواعد و اصول تربیت"

اس سورت میں اجتماعی زندگی کی کیفیت اور معاشرتی زندگی کی تربیت بتلائی گئی جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مرد اور عورت کے رشتہ سے اولاد پیدا ہوتی ہے، اور یہ صورت بڑھتے بڑھتے ایک کنبے کی شکل اختیار کر لیتی ہے، یہی سوشل زندگی ہے۔ اس کے ساتھ جب کنبے کی حالت ہو گئی تو اب خرچہ وغیرہ کی ضرورت محسوس ہو گی، اور اس سے اقتصادی زندگی پیدا ہو گی۔

۲۔ اجتماعی اقتصادی قانون کی ضرورت

عرب میں یمن، حضرموت اور نجد یعنی ساحلی علاقے کے باشندے چونکہ دوسرے ملکوں سے تجارت کرتے تھے اس لئے وہ متوسط درجے کے ترقی یافتہ کہلانے کے مستحق تھے۔ عرب کے وسط میں بدو تھے جو بالکل جاہل تھے، اس لئے ان کی ترقی کے لئے ایک اجتماعی قانون دیا گیا جسے اس سورت میں منضبط (باقاعدہ جمع) کیا گیا ہے۔ عرب ایک ریگستانی علاقہ تھا جہاں ہوا کے سوائے باقی ضروریاتِ زندگی کافی محنت سے دستیاب ہوتی تھیں مثلاً زراعت اور خورد و نوش (کھانے پینے) کے لئے پانی بھی باآسانی مہیا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کے لئے بھی کافی محنت درکار تھی، اس لئے اجتماعی قانون کے ساتھ ساتھ اقتصادی قانون کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ جیسے ایک کنبہ ہے اس میں ایک بڑا آدمی ہے وہ اپنے زورِ بازو سے روپیہ پیدا کرتا ہے اور اپنے بال بچے پر صرف کرتا ہے، اور پس ماندہ روپیہ کے لئے حالتِ قریب المرگ میں وصیت کرتا ہے۔ اس بات کو ہر ایک جانتا ہے کہ وصیت وہی کرے گا جس کے پاس روپیہ یا جائیداد ہو گی۔ اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں اس نے وصیت کیا کرنی ہے۔ غرض اب بتلایا کہ انسان کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک اجتماعی زندگی۔ دوسری اقتصادی زندگی۔

۳۔ سورت میں اجتماعی زندگی کے قوانین

اجتماعی زندگی میں انسان کو بہت سی ضروریات درپیش رہتی ہیں، جیسے دوسرے کنبہ سے تعلقات اور کسی سے صلح و ناراضگی اور کسی سے لڑائی جھگڑا ان تمام باتوں کے لئے اس "سورت" میں قانون دیئے

ہیں، مگر ان کو ضمنی طور رکھا ہے اور اسی طرح گورنمنٹ بھی ضمنی طور پر قرار دی جاتی ہے، یعنی پہلے سوشل زندگی ہے، اور اس کے بعد حکومت وغیرہ اس زندگی سے خود بخود پیدا ہو جائے گی۔
اس سورت کی پہلی آیت میں اجتماعی زندگی اور آخر میں اقتصادی زندگی کی کیفیت بتلائی، مگر اس اجتماع میں عربی زندگی کا صرف ذکر ہے۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

ترجمہ: اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت داروں سے، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ

اے لوگو! جس طرح تمہارے رب نے تم سے انصاف کیا اسی طرح تم بھی آپس میں انصاف کرو، غرض حقوق الناس کا خیال رکھو اور کسی کا حق پامال نہ کرو!

(حاشیہ: "ایمان باللہ اور خدا پرستی کے لازمی تقاضے")

ہم سب خدا پرست ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا ربّ العالمین ہے، تمام مخلوقات کی پرورش اور نگہبانی کرنے والا ہے جو خدا پرست لوگ ہیں یا اللہ تعالیٰ کی جو مخلوق ہمارے سایہ میں بستی ہے، ہم ان کی بربادی کے درپے نہ ہوں۔ ہم خدا کو عادل جانتے ہیں اس لئے ہمیشہ عدل و انصاف کے پابند ہیں۔ ہم خدا کو مہربان اور دیالو (سخی) اور کرپالو (مہربان) مانتے ہیں اور دیا دھرم (ہمدردانہ مذہبی) کاموں کے اصول کو سچا جانتے ہیں اس لئے جانوروں اور انسانوں پر رحم کریں۔ جب کوئی آدمی لاچار یا بیمار ہو کر ہمارے پاس قرض لینے کے لئے آئے تو ہم اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس قدر سود پر قرضہ نہ دیں کہ اس کے خون چوسنے میں دریغ نہ کریں، اور اس طرح اس غریب کا کچومر نکال دیں اور اس کا تمام مال و متاع تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے قبضہ میں آ جائے۔ ہم خدا پرست ہیں اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک روز ہمیں اپنے کاموں کا پھل مل کر رہے گا۔ اس لئے ایسے عمل کریں کہ جواب دہی کے وقت ندامت نہ اٹھانی پڑے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو رہیں۔ ہم خدا پرست ہیں خدا کو ہر جگہ حاضر، ناظر، اور علیم بذات الصدور (بھیدوں کو جاننے والا) سمجھتے ہیں، اس لئے چوری اور زنا جیسے افعالِ قبیحہ سے اجتناب (پرہیز) کریں۔ جس طرح انسانوں کی موجودگی سے ہم اس قدر خائف رہتے

ہیں کہ ان افعال کی جرأت نہیں کر سکتے، اسی طرح خدا کی موجودگی کا ہمیشہ خیال ہے۔ ہم خدا کو کریم و رازق خیال کرتے ہیں، اس لئے اپنے آپ کو بھی جود و سخا کا پابند بنائیں۔ اگر کوئی مصیبت زدہ مدد کا طالب ہو تو اس کی صدا پر لبیک کہیں۔ ہم خدا کے حلیم و غفور و رحیم ہونے کے مدعی ہیں اس لئے جہاں عفو و درگزر کا موقع ہو ہم نہایت کشادہ دلی سے دوسروں کو معافی دیں، اس لئے کہا گیا ہے کہ "در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست" (معاف کرنے میں وہ لذت ہے، جو بدلہ لینے میں نہیں) ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا ستار العیوب (عیبوں کو ڈھانپنے والا) ہے اس لئے دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کریں۔ ہم خدا پرست ہو کر کسی خوف و لالچ سے متاثر ہو کر کسی شیطانی طاقت کے آگے سجدہ نہ کریں، اس لئے کہ اللہ کا بندہ دوسرے کا بندہ نہیں ہو سکتا۔

مف
نوع انسانی کی ابتدا ایک انسان سے۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ۔ تم سب ایک آدمی سے پیدا ہوئے۔ تم سب اپنے آپ کو ایک ہی خاندان سمجھو! یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے کنبہ سے بے انصافی نہیں کرتا۔ دنیا کے تمام مذاہب (ابراہیمی، موسوی، عیسوی، مسلم، ہنود اور زرتشتی) کے پیرو اس بات کے قائل ہیں کہ انسان کی ابتدا۔ ایک انسان سے ہوئی، اگرچہ ہر ایک مذہب نے اس کے مختلف نام رکھے ہیں۔

مٹ
حوا کی پیدائش آدم کی جنس سے ہوئی۔

خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا۔ آدم سے اس کا جوڑ بنایا، قولہ مِنۡهَا ای من جنسها یعنی حضرت حوا حضرت آدم کی ہم جنس پیدا کی گئیں، نہ یہ کہ ان کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔ ابو مسلم اصفہانی نے اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں، اور امام رازی اس کے ہم زبان ہو کر کہتے ہیں کہ منها ای من جنسها

انسانیت کا پھیلاؤ

وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا۔ اس کے بعد (انسانیت) کا پھیلاؤ ہوا، جس سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا ہوئیں۔

مر
انسان کے لئے عدل و انصاف کا فطری قانون

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ الخ۔ جس انصاف کی تم دوسروں سے توقع رکھتے ہو تم خود بھی اس کے پابند ہو جاؤ! یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے نام سے دوسروں سے انصاف کے متمنی ہو تو تمہیں خود بھی دوسروں سے انصاف کرنا چاہیئے۔ وَالۡاَرۡحَامَ۔ جس طرح تم اپنے عزیز و اقارب پر ظلم نہیں کرتے، اسی طرح تم دوسروں پر ظلم کرنا چھوڑ دو! یعنی ان کے ساتھ اپنے عزیزوں سا انصاف کرو۔

مڑ
"انسان فطرتاً رشتہ داروں پر ظلم نہیں کرتا۔"

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے عزیزوں اور اقارب کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے، اور ان سے حتی الوسع نہایت منصفانہ طور پر برتاؤ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح دوسرے سے ان کے رشتہ داروں کے نام سے تمام انصاف چاہتے ہو، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ! اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا۔ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔ جس قدر تم لوگوں سے انصاف کرتے ہو اللہ تعالیٰ نگران ہے کہ تمہارے ساتھ بھی اس سے کم انصاف نہ ہو، اگر تم دوسروں کے ساتھ ظلم کرو گے تو لازماً تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ غرض اس آیت میں بتلایا گیا کہ معاشرتی زندگی میں پہلا قانون منصف مزاجی ہے اور اسی پر حکومتوں کا دار و مدار ہے۔

ملا
معاشرتی زندگی میں پہلا قانون عدل قائم کرنا ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

ترجمہ: اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور بدل نہ لو بُرے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ، یہ ہے بڑا وبال۔ ②

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ :-

یتیم سے انصاف کرنے کا حکم

جس بچے کے سر سے اس کے باپ کا سایہ اُٹھ جائے اسے اسلام نے یتیم قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ماں دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اس صورت میں وہ اپنے دوسرے خاوند کی خدمت میں مصروف رہے گی، اور پہلی اولاد کی نگرانی اور تربیت حسب دلخواہ نہیں کر سکے گی۔ دوسرے خاوند سے جو اولاد ہوئی اس کی طرف اسے لازماً زیادہ توجہ دینی پڑے گی، اس لئے حکم ہوتا ہے کہ ایسے یتیم کو اس کا مال دے دو! یعنی اس معاملہ میں نہایت منصف مزاجی برتو! اور اس کمزور حصے سے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے انصاف کرو! وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ :- اور اس کی اچھی چیزوں کی بجائے اسے بُری چیزیں مت دو! یعنی اس کا مال مت تبدیل کرو! جس سے اسے نقصان پہنچے، وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ :- اور اگر تم نے اس کے اور اپنے مال سے مشترک تجارت یا کوئی اور کاروبار شروع کیا ہوا ہے تو اسے اس کا واجبی حصہ دے دو! (یعنی مشترک تجارت یا کاروبار کے بہانے ان کے مال مت اُڑاؤ!) اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا :- یہ بہت بے انصافی اور ظلم ہے اس کی دلیل نہیں دی، اس لئے کہ یہ دعویٰ اس قدر زبردست ہے کہ مخاطب سے خود بخود اس کی تائید ہوتی ہے، اور یہ صرف اجتماعی زندگی سے ہی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ انسان کو اپنے بچوں سے فطرتاً محبت ہوگی، اگر وہ کسی یتیم کا مال غصب کرے گا جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تو اسے اس طور پر سمجھا سکتے ہیں، کہ دیکھو! اگر آج تم دوسروں سے اس قسم کا سلوک کرو گے! تو اگر خدانخواستہ کل تمہاری وفات ہو جائے، تو تمہارے یتیموں سے بھی دوسرے اسی قسم کا سلوک کریں گے، اس طرح وہ بہت متاثر ہو سکتا ہے، بہ نسبت اس شخص کے جو معاشرتی زندگی میں داخل ہی نہیں ہوا، اس واسطے کہ اس میں یہ جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے، اس واسطے اسلام نے رہبانیت اور ترکِ دُنیا کو جائز قرار نہیں دیا۔ ایک عورت تمہاری مر جائے گی اور اولاد اس سے ہوگی تو اس کی تکمیل و تربیت کے لئے تم کو تکالیف پیش آئیں گی، اس سے تم یتیم کی پرورش سیکھ لوگے۔

یتیم کے مال سے مشترک کاروبار کا حکم

اجتماعی زندگی قائم کرنے کی طرف اشارہ

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾

ترجمہ: اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کر دو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔ اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔ ﴿٣﴾

۱۴ "قانون تعدد ازدواج موانع اور مصالح"

۱۴ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ من الحرائر التی اقاربھن احیاء وھن یطالبن منکم حقوقھن (یعنی اگر یتیم لڑکیوں کے بارے میں اس بات کا خوف کرو کہ اوپسے) انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم کو جو خوش لگے (ان یتیم) عورتوں سے نکاح کر لو دو دو یا تین تین یا چار چار سے، النِّسَاءِ۔ یعنی عورتوں سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جن کے رشتہ دار زندہ ہیں جن کے اقرباء (اتم) زندہ ہیں اور وہ تم سے اپنے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اگر سوسائٹی میں جنگ وغیرہ کی حالت ہو جس میں بہت سے افراد شہید ہو جائیں ———— کما فی احد قتل سبعون من سبعمائۃ۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد میں سات سو صحابہ میں سے ستر افراد شہید ہو گئے) تو اس صورت میں اس قانون پر عمل کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ لڑنے والی سوسائٹی کو اپنی اخلاقی حالت کو برقرار رکھنے کے لئے ایسے قانون کی ضرورت رہتی ہے، مگر یہ (دائمی) قانون کے طور پر نہیں ہوتا، بلکہ وقتی مصلحت کے طور پر (ہوا کرتا ہے (جیسے مجبوری کی حالت میں اکل میتہ (مُردار کھانا) اس کی اجازت ہوتی ہے، اس واسطے اس کے لئے قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی، جب وہ ضرورت پوری ہو جائے گی تو وہ عارضی قانون خود بخود ٹوٹ جائے گا۔

مثل اکل المیتہ والخنزیر یرتفع اجازتہ بارتفاع الضرورۃ (جیسے مُردار اور خنزیر کھانے کی اجازت مجبوری ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے) یا جیسے کوئی گورنمنٹ کسی خاص تحریک کو دبانے کے لئے عارضی طور پر کوئی آرڈینینس) عارضی قانون پاس کر دے مگر اس ضرورت کے پورا ہونے پر یہ عارضی قانون خود بخود

۱۵ "بچے کی بہترین تربیت گاہ ماں کی گود میں"

ٹوٹ جائے گا) غرض بچے کی بہترین تربیت گاہ اس کی ماں کی گود ہے۔ اس لئے ایک بہترین خوش اخلاق مُعلّم جو اپنی سوسائٹی کو نہایت با اخلاق بنانا چاہتا ہے وہ یہی کوشش کرے گا کہ اس سوسائٹی کی عورتیں بہترین قابل اور با اخلاق مُعلّمہ ہوں مگر ان کو تعلیم دینا از حد مشکل ہے، اس لئے کہ مرد خواہ کس قدر ہی پابند صوم وصلوٰۃ ہو، اس کا عورتوں کو تعلیم دینا قباحت سے خالی نہیں ہے، اور اس سے کئی قسموں کے سوئے ہوئے فتنوں کے اٹھنے کا احتمال ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ (عورتوں سے) شادی کرے، اور پھر ان کو تعلیم دے۔ ان کے اخلاق بھی نہ بگڑنے پائیں، اور پھر وہ بھی با اخلاق ہو کر تعلیم دے سکیں۔ ۱۶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کے نکاحوں میں یہی راز مضمر تھا۔ سندھ میں (دارالحکومت ٹھٹھہ) ایک بزرگ نے چار بیویاں کیں، مگر ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں رکھے، اور انہیں مکمل تعلیم دے

۱۵ "ازواج مطہرات کے پیچھے دینی تعلیم"

۱۶ "سندھی عورتوں میں دینیات کی تعلیم کا رواج"

کر رخصت کر دیا، اور پھر اسی طرح چار اور سے نکاح کیا اور انہیں بھی مکمل تعلیم دے کر رخصت کر دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سندھی عورتوں میں دینیات کی تعلیم آج تک عام ہے۔ غرض بتلایا کہ معاشرتی زندگی بسر کرنے کا یہ کم از کم درجہ ہے کہ اگر تم نے صرف قومی پروگرام کو مکمل کرنا ہے تو اس کے لئے صرف ایک عورت کافی ہے اور زیادہ عورتیں صرف اس صورت میں کی جائیں جب کہ بین الاقوامی پروگرام کی تکمیل منظور ہو، تم میں جب ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی طاقت ہوگی، اور ان کے لئے علیحدہ علیحدہ مکان اور دیگر انتظام کر سکو گے اس صورت میں تو جائز ہے۔ بین الاقوامی پروگرام کو چلانے کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے گھر میں ایسی شادیاں کرو تاکہ ان سے جو بچے پیدا ہوں انہیں بین الاقوامی پروگرام کی تعمیر کے لئے تیار کیا جائے،

فَوَاحِدَةً تو ایک ہی پر قناعت کرو۔

(یعنی اگر تم نے صرف قومی پروگرام کو مکمل کرنا ہے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ایک عورت کافی ہے جیسا کہ ابھی گذرا)

مسئلہ ۱۸ باندی اسلام میں

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ وہ عورتیں جن کے مرد جنگ میں مارے جائیں، اور وہ گرفتار ہو جائیں، ان عورتوں کو اب جیل میں رکھنا ان کی اخلاقی موت کے برابر ہے۔ جیسا کہ آج جیلوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہاں عورتوں اور بچوں کی اخلاقی حالت نہایت گر جاتی ہے۔ ان عورتوں کو اس ذلت کی زندگی سے بچانے کے لئے گھر میں رکھنے کی اجازت دی[1]

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا سیدھے راستہ سے گمراہ نہ ہو گے۔ تمہیں اوپر جو قانون دیا گیا اس کی پابندی کرو گے تو اپنی معاشرتی زندگی نہایت منصفانہ مزاجی سے بسر کرو گے، اور کسی پر ظلم نہ کر سکو گے۔ اب بچوں کے حقوق کا بیان ختم ہوا۔ اگلی آیت میں عورتوں کے حقوق کا بیان شروع ہوا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــــًٔا مَّرِيْٓــــًٔا ۝

---

[1] دور اول میں قانون اسلام کے اندر غلام اور باندی کے جواز، حقوق پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر سورہ محمد از قرآنی شعور انقلاب حضرت سندھی ص ۲۰۳ تا ص ۲۳۰ نیز اس مسئلہ پر الرق فی الاسلام" اور "غلامان اسلام" مصنف مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا مطالعہ مفید ہے ۱۲ ع۔ ق

ترجمہ: اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اُن کے خوشی سے، پھر اگر وہ اُس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اُس کو کھاؤ رچتا پچتا۔ ④

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً:

ان کے مہر عطیہ کے طور پر دو! فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ: ۔ انہیں اپنے مال (مہر) صرف کرنے پر پورا اختیار دیا جائے، اس کے بعد وہ خوشی سے اس میں تم کو بھی شامل کر سکتی ہے تاکہ تم بھی اس سے فائدہ اٹھا سکو۔

"مہر کے احکام"

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤

ترجمہ: اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور اُن کو اُس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو اُن سے بات معقول۔ ⑤

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ،

مُراد قومی مال، پہلے شخصی حقوق کے متعلق ذکر کیا، اب قومی حقوق کے متعلق ذکر ہو رہا ہے کہ اگر اس یتیم کو کافی سمجھ پیدا نہیں ہوئی تو اسے اس کا مال نہ دو، اس لئے کہ یہ قوم کا مال ہے اور قوم کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے، اور وہ یتیم ممکن ہے کہ اسے بے سمجھی سے تلف (ضائع) کر دے۔

"قومی مال کے تحفظ کی اہمیت"

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

ترجمہ: اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو، پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو اُن کے مال اُن کا اور کھا نہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے، اور جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے، پھر جب اُن کو حوالہ کرو اُن کے مال تو گواہ کر لو اُس پر، اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو ۞ مردوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے، اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ ۞

[۲۱] سن "بلوغت" اور "رشد"

[۲۱] حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ۔ معاشرتی زندگی کے قابل ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جانچنے کی عمر کا وقت پندرہ برس رکھا ہے، اور جانچنے کے لئے تین سال مقرر کئے ہیں، اس صورت میں اس کا مال اسے اٹھارہ برس کی عمر میں دے دینا چاہیئے۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا اس عرصہ میں اگر دیکھو کہ وہ شریفانہ طور پر چل رہا ہے تو اس کا مال اسے دے دو! وَلَا تَاْكُلُوْهَآ تفسیر ظاہر ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ غنی کو (یہ مال) لینے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ قومی مال ہے، خواہ مخواہ برباد نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی (اس مال سے) بڑی بڑی تنخواہیں لینے کی اجازت نہیں، وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اپنے آپ کو تیار رکھو! کیونکہ تم نے اللہ کو حساب دینا ہے، یعنی اگر اسی قانون پر عمل کرو گے تو دنیا میں پھولو، پھلو گے۔ غرض اس اجتماعی زندگی میں سارا قانون دے دیا گیا۔

[۲۲] اقتصادی ضرورت کا انتظام

[۲۲] کہا (یہ احکام ہیں جن کے) کرنے کے متعلق اوپر ذکر کیا گیا کہ اس سے خاندان بنتے ہیں۔ اب بتلایا کہ خاندان بننے کے ساتھ وہ ان کی اقتصادی حالت کو بھی مدِّنظر رکھتا ہے، اس لئے ہر ایک کے لئے اقتصادی ضرورت کا انتظام کر دیا، مگر [۲۳] مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا رونا عام رویا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی روزانہ زندگی میں بے حد مسرف اور فضول خرچ واقع ہوتے ہیں، شادی بیاہ موت کے موقعوں پر صرف نام کے لئے اپنی جائیدادیں مہاجنوں اور بنیوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول فروخت کرتے رہتے ہیں۔ ان کو سُود خوری کی نہیں بلکہ ان کو جدّوجہد اور محنت کی زندگی سکھانے کی حاجت ہے، اور فضول خرچی و اسراف سے بچانے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ [۲۴] جدید تعلیم ان میں سے کسی مرض کی دوا نہیں بن سکتی۔ تعلیم یافتہ مرد ہو یا عورت، اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر فیشن بنانے کی خواہش دونوں میں یکساں موجود ہے۔ نئی تعلیم صرف اس قدر تبدیلی ہے کہ وہ اپنے فیشن کا روپیہ ہندوستان کی بجائے یورپ کو بھیجنا پسند کرتی ہے۔ غیر تعلیم یافتہ بیوی اُبٹن اور دیسی غازہ ملے گی، تو تعلیم یافتہ خاتون کسی یورپین ساخت کا پوڈر۔ عورتوں کی تعلیم بے شک ضروری چیز ہے، مگر [۲۵] تعلیم سے زیادہ چیز تربیت ہے، اور وہ بھی قومی و مذہبی تربیت۔ کیا یہ افسوس کے قابل نہیں کہ جس طرح تعلیم یافتہ مرد انگریزوں کی نقالی کو اپنا کمال جانتے ہیں، تعلیم یافتہ خواتین میموں کے فعل کو اتارنا فخر مانتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اصلاح کے قابل اور اصلاح کی محتاج ہیں۔

[۲۳] "مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کے اسباب"

[۲۴] "جدید تعلیم کے سماجی نقصانات"

[۲۵] "تعلیم سے زیادہ اہم چیز قومی و مذہبی تربیت ہے"

۲۶ لکھنا بولنا ہی کمال نہیں عمل کمال کی چیز ہے۔

مضمون[۲۶] لکھنا اور لکھانا کوئی بڑے کمال کی چیز نہیں۔ کمال کی چیز عمل ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتوں میں بھی یہ عیب ترقی پا رہا ہے، اور عمل کے بغیر صرف لکھنے اور بولنے کو اصلاح کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ ہماری مثال ایسی ہے جیسے گھر میں آگ لگی ہوئی ہو اور گھر کے سب لوگ آگ کو عملاً بجھانے کی بجائے صرف آگ آگ چلاّ رہے ہوں، اور اس پر ماتم اور تقریر کر رہے ہوں۔ ہمارے گھروں کی اصلاحات کے اکثر کام ہماری عورتوں کے ہاتھوں میں ہیں، اگر وہ سنبھل جائیں، تو مسلمان کا گھر سنبھل جائے۔ مسلمان[۲۷] عورتوں کی جہالت حد درجہ قابلِ افسوس ہے، اور ہم کو ہر طرح سے اس کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، لیکن علم کے ساتھ عمل سکھانے کی بھی ضرورت ہے، ہمارے زمانہ کے اکثر سکولوں کی مدرّسات (مُعلّمات) غیر مسلمہ (نامسلم) ہوتی ہیں جو ہمارے کیریکٹر اور مذہبی اخلاق سے ناواقف ہوتی ہیں، ان کے زیر سایہ بیوی بچوّں میں کس خوبی کے پیدا ہونے کی امید ہو سکتی ہے؟ ہندوستان[۲۸] کی عورتوں نے اگر کسی قوم میں صحیح تعلیم کا نمونہ پیش کیا ہے تو وہ مرہٹہ عورتیں ہیں جو ایک طرف ٹھیٹ ہندو اور ہندوستانی محنتی گھریلو عورتیں ہیں، اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ ہیں۔

۲۷ مسلمان عورتوں کی جہالت دور کرنے کی ضرورت

۲۸ تعلیم یافتہ مرہٹہ عورتیں۔

۲۹ قرونِ اولیٰ کی مسلم عورتیں۔

قرونِ[۲۹] اولیٰ کی عورتوں کے حالات کا مطالعہ کیجیے کہ مسلمان عورتیں کس قدر استقلال اور جوانمردی کی پیکر تھیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہٗ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہوئیں تو مشرکین انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے کہ شاید ایمان چھوڑ دیں، مگر سورج کی گرم شعاعیں ان کی حرارتِ ایمانی کو تیز تر کرتیں، کفاّر جب یہ سب کر تب کر چکے، مگر ان کے اسلام میں کوئی فرق محسوس نہ کیا تو آخر (دو) اونٹوں میں تان کر برچھی مار کر شہید کر دیا۔ عمار رضی اللہ عنہٗ کا گھرانہ غلام تھا۔ اسلام میں شہادت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ حضرت زنیرہ رضؓ کنیز تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ قبل اسلام اس بے کس (بے سہارا) کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ "میں نے تجھے رحم کی بناء پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس وجہ سے کہ تھک گیا ہوں"۔ حضرت زنیرہ رضؓ حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کی کنیز تھی۔ اسلام لانے سے پہلے اس کو بہت مارتے تھے۔ اس کو ابوجہل بھی سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ انہی مصائب و آلام کی وجہ سے ان کی آنکھ جاتی رہی۔ حضرت نہدیہ رضؓ اور اُمّ عبیس رضؓ دونوں کنیز تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مُصیبتیں جھیلتی تھیں۔ حضرت اُمّ شریک رضؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزّہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا، اور تین دن پانی نہیں دیا۔ ایسے واقعات بے انتہا ہیں اور صحابیات جو جنگ میں معرکہ میں لڑیں ان کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

عِشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بُجھائے نہ بُجھے

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

ترجمہ: اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اُس میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول۔ ۝۸

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ۔

۳۰ تقسیم دولت میں غرباء کا حق

یعنی۳۰ اِس وقت غرباء کا بھی خیال رکھو! اس اصول کو مدِ نظر رکھ کر انگلینڈ میں ہر بے روزگار کے لئے حکومت کی طرف سے وظیفہ مقرر ہے۔

۳۱ مساکین کو تسلی دینے کا حکم

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ انہیں۳۱ نہایت نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ حصہ تمہیں تمہاری ضروریات کے لئے دیا جا رہا ہے، ایک غنی رحمدل اپنے محلہ کے غرباء، اور اپنے مساکین اقرباء، یتامیٰ کا بھی خیال رکھتا ہے، اور وہ مرگیا اس کا مال تقسیم ہو رہا ہے، اور ان کو بڑا غم ہے تو ان کے غم ٹالنے کی یہ صورت ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹

ترجمہ: اور چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو اُن پر اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال اُن کا ہوگا تو چاہیئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی۔ ۝۹

۳۲ یتیموں سے اولاد جیسے سلوک کا حکم

ان۳۲ مسکینوں اور یتیموں کو تسکین (تسلی) دینے کا بیان ہو رہا ہے اور ان وارثانِ (و تمام) دولت کو کہا جا رہا ہے کہ اس درجہ تمہاری اولاد ہوتی تو تمہارے دل میں کیا کیا خیال گزرتے، اور مرتے وقت رحم کی درخواست ہر ایک سے کرتے، اس لئے اب ایسی جماعت کو اپنی اولاد سمجھو! اور اچھی طرح کچھ دے کر ان کی تسلی کرو! سبحان اللہ عجیب رحم کرنے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ اگرچہ تورات میں رحمدلی سمجھائی جاتی مگر قرآن مجید کا طرز بیان قلب کو پانی سے زیادہ نرم کر دیتا ہے، غرض اب بتلایا کہ یتیم کی نگرانی کے لئے نہ اس کی ماں ہے نہ اس کا باپ۔ اس بیچارے کا پُرسانِ حال (حال پوچھنے والا) کوئی نہیں، اس غریب کی حالت ماں باپ کے بعد بہت ابتر (بُری) ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمہیں بھی دنیا میں انصاف کرنا چاہیئے تاکہ تمہاری وفات کے بعد تمہارے یتیموں کے ساتھ بھی اسی طرح کا انصاف ہو، یتیم کی بڑی وصف بے مددگاری کی ہے، یعنی تمام بے مددگار غریبوں سے اچھی طرح باتیں کرو! اور ان کو تسلی دو!

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع

۴-۱۲

ترجمہ: جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں ؁ اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔ ⑩

پیش نظر ؁ (پہلے) کہا گیا کہ یتیم کا وصف ہے بے مددگار (اور) مسکین (ہونا)، اگر اس پر کوئی ظلم کرے تو اس کو کوئی بچانے والا نہیں۔ غرض دنیا میں بے انصافی کرنا بہت بڑا ظلم ہے، اس کی سزا دُنیا ہی میں مل جاتی ہے کہ جب آدمی کسی مسکین کا مال ہضم کرے تو یہ مال نہیں، ایک آگ کا شعلہ ہے، اس کو اور اس کے تمام مال و ثروت کو دُنیا میں جلا کر خاکستر بنا دے گا۔ غرض جب آدمی کسی یتیم کا مال ہضم کرے تو اس کی وفات کے بعد اس کے یتیموں کا مال بھی اسی طرح دوسرے ہضم کریں گے۔ اس طرح اسے یہیں سزا دی گئی اور بھی آگے چل کر ملے گی۔

٢٣ یتیموں کا مال اڑا جانے والوں کو دنیا ہی سزا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

ترجمہ: حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو اُن کے لئے ہے دو تہائی اُس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اُس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اُس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے اور اگر اُس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اُس کے ماں باپ تو اُس کی ماں کا ہے تہائی پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اُس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ بعد وصیت کے جو کر مرا یا بعد ادائے قرض کے۔ تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے، بے شک اللہ خبردار ہے حکمت والا۔ ⑪

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ ۴

وراثت کے بارے میں ہم نے تمہیں یہ قانون دیا۔ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ الخ۔ اس قانون کو اپنی خواہشوں سے نہ توڑو! اور کسی کو زیادہ کسی کو کم مت دو! تمہیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ فائدہ دے گا اور کون تمہارے نقصان کے درپے ہو جائے گا۔ فَرِيْضَةً۔ قانون، تم اس کی پوری پابندی کرو!

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ

رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ ع

ترجمہ: اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو اُن کے اولاد، اور اگر اُن کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے، اور عورتوں کے لئے

چوتھائی مال ہے اُس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد، اور اگر تمہارے اولاد ہے تو اُن کے لئے آٹھواں حصہ ہے اُس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر مرو یا قرض کے، اور اگر وہ مرد کہ جسکی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اُس کی میت کی ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے بسبب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو، یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا۔ ⑫ یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں، اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اُس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُن میں، اور یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ ⑬ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور نکل جاوے اُس کی حدوں سے ڈالے گا اُس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اُس میں، اور اُس کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔ ⑭

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ ؕ

اس ۳۴ سے نتیجہ نکلا کہ عورتیں بھی صاحبِ جائیداد ہو سکتی ہیں، وہ بھی تو مردانگی جائیداد سے حصہ لے سکتی ہیں۔ عورت کی جائیداد سے جس طرح مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے اس طرح عورت مرد کی جائیداد سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ اس کا مقابلہ دوسرے مذاہب سے کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے کس قدر رُتبہ عورت کو دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو کہتے ہیں کہ عورت میں رُوح ہی نہیں ہے، اور اہلِ ہنود کے ہاں عورت کسی حصہ کی وارث نہیں ہو سکتی۔

۳۴ اسلام میں عورت کا مقام۔

حُدُودُ اللّٰهِ یعنی قوانینہ فمن اطاع قانون اللہ فلہ اجر عظیم و انعام جسیم و من یعصہ فلہ عذاب مھین۔ (یعنی حدود اللہ ۳۵ سے مُراد اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے قانون کی اطاعت کرے گا تو اس کے لئے بڑا اجر اور ٹھوس انعام ہے، اور جو اس کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔)

۳۵ حدود اللہ کی تفسیر۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ⑮

ترجمہ: اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ اُن پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے اُن کو موت یا مقرر کر دے اللہ اُن کے لئے کوئی راہ۔ ⑮

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ ۳۶ چار گواہوں کی پابندی اس لئے رکھی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی دشمنی کے طور پر اس

۳۶ فاحشہ پر چار گواہوں کی حکمت۔

عورت کو نقصان پہنچانا چاہے، اور تم شک اور اوہام (وہموں) ہی سے دھوکہ کھا جاؤ، اس لئے جُرم کے ثبوت کے لئے چار گواہ مقرر کئے۔ فَأَمْسِكُوهُنَّ۔ تو تم[۳۶] ان کو خانہ نشینی کی سزا دو کہ وہ گھر سے باہر نہ نکل سکیں۔ کابل میں یہ سزا (خانہ نشینی) اب تک رائج ہے۔ اگرچہ یہ سزا مختلف جرائم کی بناء پر دی جاتی ہے اور حکومت کے افسروں کے جرم کا اگر ثبوت مل جائے تو یہ سزا ان کو اب تک دی جاتی ہے حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ۔ مرتے دم تک یہ سزا دو۔ غرض عورت کی زنا کاری کی سزا چار مسلمانوں کی گواہی پر ساری عمر کی خانہ نشینی تجویز کی گئی ہے۔ پس[۳۸] اگر عورت کو عام طور پر باہر نکلنے کی اجازت مثل مردوں کے نہ ہوتی تو اسکو خانہ نشینی کی سزا بے معنی ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو مکان سے باہر نہ نکلنے دینا یا اسکو مثل قیدی کے چاروں طرف سے بند کر کے ایک جیل خانہ سے دوسرے جیل خانہ میں ڈولی یا کسی اور بند سواری کے اندر لے جانا اس کے فحش جرم کی سزا کے مترادف ہے جو کہ صرف اسی حالت میں دی جا سکتی ہے جبکہ چار مومن اس بات کی گواہی دیں کہ یہ عورت فاحشہ ہے اور چار مسلمانوں کی گواہی کی شرط یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کے باہر پھرنے کی آزادی کو اسلام نے کس قدر قیمتی سمجھا ہے، اور دوسرے یہ کہ چار مسلمانوں کی گواہی خود اس قدر سخت ہے کہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں چار مسلمان گواہوں کا ملنا قریب قریب ناممکن ہے۔ جس سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا باہر پھرنے کی آزادی کا حق کس قدر مقدس اور قابلِ قدر ہے کہ وہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں اس پر جرم زنا قائم ہو جانے کے بعد بھی اس کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کلام مجید اور احادیث سے عورتوں کی، مثل مردوں کے باہر پھرنے کی عام اجازت (ثابت ہوتی ہے) اور ان کو اس سے بے وجہ محروم کرنا مردوں کا ظلم (ہے) اور عورت کی فحش کاری کی وجہ سے (خانہ نشینی کو سزا) کے مترادف ثابت کرنے کے بعد اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ پہلے مسلمانوں میں پردے (بے وجہ خانہ نشینی) کا ایسا رواج تھا یا نہیں، اس کے متعلق چند تاریخی واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عام ملکی امن کی حالت میں مسلمان عورتوں کو باہر پھرنے کی اتنی ہی آزادی تھی جتنی مردوں کو، بلکہ یہاں تک کہ جنگ کے زمانہ میں بھی عورتیں لڑائی کے کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں[۱]، جنگ قادسیہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کیا جو ان کی تیمارداری میں مصروف ہو جائیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عورتیں جنگی شفاخانوں میں تیمارداری کا کام کرتی تھیں وغیرہ۔

> [حاشیہ: [۳۶] "خانہ نشینی کی سزا"]
> [حاشیہ: [۳۸] عورتوں کے گھروں سے باہر نکلنے کی آزادی پر استدلال]

أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا۔

وھو ماذکر فی سورۃ النور (یعنی یہ سزا تا حیات جاری رہے گی یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے، چنانچہ سورۃ نور الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ الآیۃ آیت[۲] پ[۱۸] میں ہے کہ زانی اور زانیہ ہر ایک کو ایک سو کوڑے لگاؤ!

وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا

---

[۱] ملاحظہ ہو فتوح الشام مترجم ص۹۸ طبع اسلامیات لاہور ۱۲ (ع ن)

عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱٦﴾

ترجمہ: اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو اُن کو ایذا دو، پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱٦﴾

فَاِنْ تَابَا۔ توبہ کس قسم کی ہو، اسے آیت ۱۷ میں وضاحت سے بتلایا گیا۔ فَاَعْرِضُوْا:۔ ان کے گزشتہ جرم کا ذکر مت کرو۔ کانہ لم یکن۔ (گویا جرم تھا ہی نہیں)۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو اُن کی ہے جو کرتے ہیں بُرا کام جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو اُن کو اللہ معاف کردیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا۔ ﴿۱۷﴾

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ الخ۔

۳۹ توبہ کے مستحق گنہگار

وہ اس[۳۹] (فاحشہ) بات کو (جُرم) مانتا ہے مگر جوشِ جوانی یا جوشِ جنون کا غلبہ اس قدر ہوتا ہے کہ وہ عارضی طور پر جہالت میں پڑ جاتا ہے۔ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ، مگر تھوڑی دیر کے بعد یعنی فعل کے سرزد ہونے کے قریب قریب ہی اسے چھوڑ دیتے ہیں، جوش کے وقت جنون ہوا اور جوش کے دھیمے ہونے سے وہ فاحشہ بھی دھیما ہوا، بلکہ اس کی فطرت برائی کی طرف رغبت ہی نہیں کرتی، یہ صرف عارضی اور وقتی جوش تھا اگر جوش لمبا تھا تو اس کا دھیما ہونا بھی لمبا ہوتا ہے۔ علمِ اخلاق والے اس واسطے سمجھاتے ہیں کہ اگر جوش لمبا جا رہا ہے تو اُس سے نا امید نہ ہونا چاہیئے، اس لیے کہ اس کی طبیعت یعنی فطرت تو اس طرف راغب نہیں ہے، یعنی اس برائی کا رنگ اس کی رُوح پر نہیں چڑھا، اور اس کو گھیرا نہیں، اور بدی کا احساس اس میں باقی ہے، اور مرکزِ اخلاق (قلب) اس فعل سے نادم ہو رہا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ

وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برُے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجائے اُن میں سے کسی کی موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالتِ کفر میں ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب درد ناک۔ ﴿١٨﴾

۴۰ "عادی مجرم اور کافر توبہ کا سزاوار نہیں"

مگر جن کی فطرت میں یہ جوشِ جنون مستقل طور پر جڑ پکڑ چکا ہے، ان کو سزا ملنی ضروری ہے۔ غرض انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ سزا ضروری ہے، اس لئے انسان کو مجبور کیا گیا کہ وہ نکاح کرے اور سوسائٹی کی طرف رجوع کرے۔ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ ... وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ ۴۱ موت کے وقت چونکہ کسبِ اخلاق نہیں ہو سکتا اور نہ اس توبہ کا اثر اس کے اندرون رُوح پر پڑتا ہے تو اس لئے یقیناً ان کی توبہ قبول ہو جائے ایسا نہیں، یہاں اللہ کی مرضی پر منحصر ہے، اور اس کو پوری خبر ہے کہ اس کی روحانی حالت پر اس توبہ کا کیا اثر ہو رہا ہے۔

۴۱ موت کے وقت توبہ کیوں قبول نہیں ہوتی۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَآ آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی، اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو اُن سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح، اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح، پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اُس میں بہت خوبی۔ ﴿١٩﴾ اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو، اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو اُس میں سے کچھ، کیا لیا چاہتے ہو اُس کو ناحق اور صریح گناہ سے۔ ﴿٢٠﴾

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ الخ:۔

نکاح ۴۲ میں ضروری ہے کہ ناموافقت کی حالت میں یہ دونوں صبر سے کام لیں، بشرطیکہ وہ صبر کے قابل ہو ورنہ نکاح کے مُدّعا فوت ہو جانے کا خطرہ ہے اور ناقابلِ صبر حالت میں علیحدگی بہتر ہے۔ و تفسیر الآیۃ ما فسر

۴۲ نکاح طلاق اور مہر کے احکام اور حکمتیں۔

مولانا تھانوی[1] (یعنی اس آیت کی تفسیر کے لیے مولانا تھانویؒ کی بیان القرآن ملاحظہ ہو)

اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ:۔ کھلی فحش کی صورت میں ان کو الگ کر دو! یہ صورت ناقابلِ برداشت بتلائی گئی۔

عَاشِرُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفِ:۔ ان کے ساتھ معقول طور پر گزران کرو!

فَاِنۡ کَرِھۡتُمُوۡھُنَّ۔ الخ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی اولاد عطا کرے جو قانونِ الٰہی کے چلانے میں کامیاب ثابت ہو جائے تو اپنے جذبات پر قبضہ کرو! کسی مسلمان عورت کی اندرونی محنت اور جذبات پر اعتراض نہ کرو!

اَتَاۡخُذُوۡنَہٗ۔ الخ یہ جائز نہیں، طلاق دینی ہے تو خوشی سے دے دو! یہ کیسی بے انصافی ہے تم کو اس کے پاس بھی نہیں جانا چاہیئے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

ترجمہ: اور کیونکر اس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ۔ ﴿۲۱﴾

وَاَخَذۡنَ مِنۡکُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا۔ کیا تم مرد بن کر ایسی ذلیل حرکتیں کرتے ہو، تم آپس میں ایک ہو کر جدا ہو رہے ہو؟ اور نکاح ایک میثاق غلیظ (پختہ معاہدہ[2]) تھا کہ مرد نے سر پہ ہاتھ رکھ کر اس عورت کو اپنے ذمہ لیا تھا، اور ہمیشہ کے لئے عہد کیا۔ غرض اس سے ثابت ہوا کہ نکاح دوام کے لئے ہے نہ شہوت رانی کے لئے، تو اس دوام محبت کو توڑنا اپنے میثاق کو توڑنا ہے، جو لوگ معاشرتی طور پر میثاق کی عزت نہیں کرتے تو جب ان کو حکومت ملے گی تو بھی میثاق کی پرواہ نہیں کریں گے۔

"۴۳ نکاح شہوت رانی کے لیئے نہیں بلکہ دوام محبت کا عہد ہے"

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

۳ ع ۱۴

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا یہ بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے۔ ﴿۲۲﴾

---

[1] ملاحظہ ہو بیان القرآن صفحہ ۱۰۳-۱۰۴ ج-۲ طبع قدیم (اشرف المطابع انڈیا) (ع-ق)

[2] پختہ معاہدہ ۱۲

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ:۔

مرم ۲۴ "قانون شکنی کی سزا قانون کے نفاذ کی تاریخ کے بعد ہی سے ہوتی ہے"

جس تاریخ[۲۴] سے قانون نافذ ہوتا ہے اس کی خلاف ورزی کی سزا صرف اسی تاریخ سے شروع ہوگی، پہلے کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

النساء ۴

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴿۲۳﴾

ترجمہ: حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی، اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں، اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور اُن کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو کہ جنا ہے تمہاری اُن عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی، اور اگر تم نے اُن سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں، اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۲۳﴾

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ الخ:۔

مرم ۲۵ "حرمت رضاعی کی حرمت کی درجہ"

قریش[۲۵] بچوں کو باہر کھلی ہوا میں روانہ کر دیتے تاکہ کھلی ہوا میں پرورش پا کر طاقتور ہوں، تو مرضعہ (دودھ پلانے والی) عورت کی اولاد اس بچے کے بہن بھائی تصوّر ہوں گے۔

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ

مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر، اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو اُن کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو، پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو اُن کو دو اُن کے حق جو مقرر ہوئے، اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے، بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ ﴿۲۴﴾

۴۶ ازدواجی رشتہ کی اہمیت اور موجودہ بے احتیاطیاں

یعنی [۴۶] معاشرتی زندگی بسر کریں! مگر اس زندگی کا رشتہ جوڑنے سے پہلے دونوں کی طبیعت کا اندازہ کر لیا جائے، کیونکہ زن و شوہر کی ناموافقت تمام بُرائیوں کی جڑ ہے، انتظامِ عالم میں اس سے زیادہ فتور اور کسی چیز سے نہیں آتا۔ ازدواجی رشتہ جوڑنا نہایت اہم کام ہے، مگر اس میں جو بے احتیاطیاں اب روا رکھی جاتی ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔ دنیا میں غالباً کسی معاملہ میں اتنی بے پرواہی نہیں ہوتی جتنی انتخابِ زوج یا زوجہ میں روا رکھی جاتی ہے۔ کس قدر قابلِ افسوس ہے کہ تمام عمر ان دونوں کا نباہ ہونا ہو اور یہ رشتہ جوڑنے والے انجام پر مطلق نگاہ نہ کریں۔ آفت تو ان پر آئے گی جن کو تمام عمر نباہ کرنا ہے۔ بیاہ کے بعد دونوں کو ایک نئی دُنیا میں قدم رکھنا ہوتا ہے، اور اپنی طرزِ زندگی میں ہمیشہ کے لئے ایک انقلاب عظیم الشان پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس انقلاب پیدا ہونے سے پہلے نشیب و فراز پر نظر نہ ڈالنی کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ اگر میاں بیوی میں اُنس و اخلاص نہیں تو ان کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ والدین کا خیال ہوتا ہے کہ بیاہ کے بعد خود ہی اُنس پیدا ہو جائے گا۔ یہ خیال ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے، جس کو اپنی بیوی سے اُنس نہیں اسے سچی خوشی نصیب نہیں ہوتی، وہ اس لُطف سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ مردوں پر جو دنیاوی تردّدات (پریشانیوں) کے بار پڑتے ہیں اگر کوئی ان کو ہٹانے والی یا ان کے غم غلط کرنے میں ید طولیٰ (مہارت) کا دعویٰ کر سکتی ہے تو وہ صرف ان فرمانبردار بیویوں کی ذات ہے جن کے ساتھ توبروں (خاوندوں) کو اُنس ہے۔ فطرت [۴۷] اس امر کو چاہتی ہے کہ مردوں کو سب سے پیاری ان کی عورتیں ہوں، لیکن ہندوستان کی طرزِ معاشرت پر نظر ڈال کر کہا جا سکتا ہے کہ دس فیصدی بمشکل ایسے نکلیں گے جن کو اپنی بیویوں سے عشق ہو۔

۴۷ بیوی سے عشق فطری تقاضا ہے۔

عورت [۴۸] و مرد کی یکجائی انتظامِ عالم کے لئے ضروریات سے ہے، انسان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، خُدا نے فطرتِ انسانی میں ایسی قوت رکھی ہے کہ قانونِ فطرت کی غرض کبھی اس سے فوت نہیں ہو سکتی۔ اس یکجائی میں اولاد کا ہونا لازم ہے، اور اولاد کی پرورش و حسنِ معاشرت کے لئے ماں باپ کا جائز طور پر مقرر ہو جانا بھی نکاح کی غایت ہے۔ بات یہ ہے کہ کسی قوم نے آج [۴۹] تک دنیا میں ترقی نہیں کی جب تک اس نے عورتوں کی ترقی اور ان کے حقوق کی طرف توجہ نہیں کی، اگر عورتوں کو مثل لونڈیوں کے یا محض اولاد پیدا کرنے کی بے حس و حرکت مشین مانا جائے اور ان کے حقوق و آرام و آزادی کی فکر نہ ہو تو اس صورت

۴۸ قوموں کی ترقی عورتوں کی ترقی و حسنِ معاشرت میں مضمر ہے۔

۴۹ عورتوں پر مظالم کے ملک پر برے اثرات

میں جو بچے ان سے پیدا ہوں گے وہ بھی غلام، مجبوری اور معطّل وجودی ہی کا سبق اپنی ماں سے لیں گے، اور ایسی حالت میں قوم ترقی کیا خاک کرے گی۔ بہار کے بعد خزاں آتی ہے۔ اسی[۵۰] طرح انتہائی ترقی پر پہنچ کر مسلمان انحطاط کی طرف مائل ہوئے جس طرح بگڑی ہوئی قوموں میں پہلے زمانہ کے صرف فسانے یاد رہ جاتے ہیں اسی طرح ان میں عروج کے زمانہ کی باتیں ہی رہ گئیں ہیں۔ غرض جب مسلمانانِ ہند کے تنزّل کا زمانہ آیا تو انہوں نے ترقی کی بہت سی باتیں چھوڑ دیں۔ منجملہ اُن[۵۱] کے عورتوں کے حقوق بھی بے بہرہ رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہر طرح پر نکاح کی آزادیوں کا سبق خود اپنے فعل سے امّت کو دیا، مگر افسوس کہ نکاح جیسے نازک معاملہ میں لوگ کس قدر بے خبر و لاپرواہ ہو گئے۔ عورتوں کی طرف سے مردوں اور مردوں کی طرف سے عورتوں کا میلانِ طبع، قانونِ فطرت ہے۔ اس کا توڑنا خُدا سے لڑنا ہے، اور اس طرح انتظامِ عالم میں فتور ہونے کا احتمال ہے، مگر کم ازکم اس جوڑ کو مقرر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے خیالات پر بھی نظر کی جائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں کی طبیعتیں ملتی ہیں یا نہیں، ورنہ دونوں کا جوڑ دونوں کے لئے وبالِ جان ہوگا۔ مردوں کے آرام کے لئے عورتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز پیدا نہ ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ہر کہ زن ندارد آسائش تن ندارد۔ (جو شخص بیوی نہیں رکھتا، بدن کی راحت حاصل نہیں کر سکتا۔) فریقین میں[۵۲] نا اتفاقی ہو، اور کسی طرح ایک دوسرے کو پسند نہ کرے تو علیحدگی سے اچھی کوئی چیز نہیں، یہی عینِ حکمت ہے اور یہی عینِ تہذیب ہے کہ آہستہ سے دونوں الگ ہو جائیں۔ دُنیاداری کا چھکڑا ایسا نہیں ہے کہ فریقین کی ناراض مندی کے باوجود امن و امان سے چلا چلے۔ میاں بیوی درحقیقت دنیا کے چھکڑے کے آگے دو بیل ہیں جو اس کو چلا رہے ہیں۔ اب اگر نا اتفاقی سے ایک اِدھر اور دوسرا اُدھر کھینچے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ چھکڑا چل نہ سکے گا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ دونوں کو الگ کر دیا جائے، جس کا طریقہ صرف طلاق ہے۔ ہندوستان[۵۳] میں مسلمانوں کے ہاں اس کا بہت کم رواج ہے، اگر ہے تو بس اس قدر کہ عورت کو مرد نے اس طرح چھوڑ دیا کہ وہ غریب لونڈی کی طرح میاں کے گھر میں کام کر رہی ہے، نہ طلاق دیتا ہے کہ اور جگہ جائے، اور نہ ہی یہیں عزّت کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔ میاں اسے گھر میں ماماؤں (نوکرانیوں) کی طرح کام لینے کے لئے رکھ چھوڑتا ہے۔ جو بی بی کل پلنگ سے نیچے نہیں اترتی تھی، وہ آج بیچاری محض جھاڑو دینے اور کھانے کے برتن صاف کرنے سے تعلّق رکھتی ہے، یہ کتنا بڑا نظارہ ہے۔ غرض عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادیوں کے غصب یا تلف کرنے میں کچھ پس و پیش نہیں کیا جاتا۔ عورتیں لونڈیوں کی طرح سمجھی جاتی ہیں۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ عورتوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ ہو، اور ان کی غلامی رفع نہ کی جائے۔ عورتوں کے جائز حقوق اور شرعی آزادیوں میں خلل ڈالنا گویا آئندہ نسل کی مٹی خراب کرنا ہے۔ دیکھا جائے تو میاں[۵۴] بیوی میں سچّی محبّت اسی وقت ہوگی جب سچائی اور آزادی کے ساتھ خیالات کا اظہار ہوگا اور زن و شوہر کی فطرتی محبّت ہر بات اور فعل سے عیاں ہو۔

۵۰۔ مسلمانوں کا انحطاط۔

۵۱۔ مسلمانانِ ہند کے تنزل میں عورتوں کے حقوق سے لاپرواہی ایک اہم سبب ہے۔

۵۲۔ فریقین کی نااتفاقی کا بہترین حل طلاق۔

۵۳۔ ہندی مسلمانوں کے ہاں طلاق کا کم رواج اور اس کے نقصانات۔

۵۴۔ درمیاں بیوی میں سچی محبت کیونکر ہو سکتی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرلے اُن سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو کہ تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان، اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو، سو اُن سے نکاح کرو اُن کے مالکوں کی اجازت سے اور دو اُن کے مہر موافق دستور کے، قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں، پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو اُن پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی سزا سے، یہ اُس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۵﴾

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ:-

غلاموں پر نصف سزا مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا مال سیّد کے اغنیاء میں ہوتا ہے۔ پس اگر ان کے لئے کامل درجہ کی زجر (سزا) مقرر کی جائے تو اس سے بابِ ظلم مفتوح (یعنی دروازہ کھل جانا) ہوتا ہے اس لئے کہ مالک اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور کہہ دے کہ وہ زنا کار تھا، اور پھر اس سے مؤاخذہ کرنے کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی، اس واسطے غلام و باندی کی حد اس قدر کم مقرر کی گئی جس سے ہلاکت کی نوبت نہ آئے۔ [۵۶]

ش ۵۷ ازدواجی زندگی انسان کی خصوصیت ہے

غرض آیات (۲۲ تا ۲۵) تک واضح کیا گیا کہ آدمی کے علاوہ اور حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کر سکتے مگر محض اتفاقیہ طور پر، انسان کو (ایسی) فکر اور تدبّر عطا کی گئی ہے جس سے وہ اپنی منکوحہ کا تعین کر سکتا ہے تاکہ کوئی دوسرا اس میں مزاحمت نہ کرے، اپنی نسل اس کے ذریعہ بڑھائے اور اپنی خانگی (گھریلو) ضرورتوں اور اولاد کی نگرانی و تربیت میں بھی اس سے مدد لی جائے، مرد[۵۸] و عورت کی

ش ۵۸ مرد و زن کی انفرادی خصوصیات

حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ عورت کو تربیّت کی جانب بہ نسبت مرد کے زیادہ رہنمائی ہوا کرتی ہے، اس سے برعکس مرد ننگ و ناموس کے امور کی زیادہ روک تھام کرتا ہے۔ مشقّتوں میں داخل ہونے میں وہ بڑا جری و دلیر ہوتا ہے۔ نخوت، تسلّط اور منافسہ (غیرت، غلبہ اور جھگڑا کرنے) وغیرہ اوصاف اس میں پورے ہوتے ہیں۔ اس لئے عورت کی زندگی مرد کے بغیر نامکمّل ہے، اسی طرح مرد کی زندگی میں اسے عورت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ۵۹

"۵۹، بیوی کے تعین میں گواہ مجلس نکاح کی اہمیت اور ولی کی رضامندی کی ضرورت"

چونکہ عورتوں کے باب میں مردوں کی مزاحمت کا اندیشہ ہوا کرتا ہے، اور عورتوں کے معاملات میں مردوں کو غیرت ہوا کرتی ہے، اس واسطے ان دونوں کی اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے کہ سب کے سامنے علی رؤس الاشہاد مرد کی بیوی مرد کے لئے خاص ہو جائے، چونکہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ مرد کو عورت کی جانب سے رغبت ہے، اور عورت اپنے ولی کی نظر میں معزز ہے، اس لئے مہر وغیرہ میں ولی کی طرف سے سربراہ کاری ضروری قرار دی گئی ہے۔

ع ۴ / ۳

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا۔

"۶۰، اسلام و دیگر مذاہب میں حقوق نسواں تقابلی جائزہ"

قرآن مجید نے آیت (۴ اور ۲۴) میں حکم دیا ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر ادا کر دو اور آیت (۲۰، ۲۱) میں بتلایا کہ ان کو جو کچھ دیا ہے کسی صورت میں واپس نہ لو اور آیت (۱۹) میں بتلایا کہ ان کو کسی طرح تنگ مت کرو۔ عورتوں کی وراثت کی مقدار آیات نمبر (۹، ۱۱، ۱۲) میں مقرر کر دی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام سے قبل عورتوں سے کیا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ پندرھویں صدی سے پہلے یورپ ابھی اسپین کی یونیورسٹیوں سے ناآشنا تھا۔ وہاں عورتوں کی حالت زبون تھی، ان کے نہ کچھ حقوق تھے اور نہ ان کا افسانوں میں شمار تھا، وہ بچپن میں باپ، جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں فرزند کی کنیز تھی، گویا وہ ایسی ملک تھی جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی تھی، ازمنہ قدیم دُنیا کی تہذیب و تمدّن کی مشعل بردار قوم اہلِ یونان، ان کو اپنی بھیڑ بکری کی طرح ایک جائیداد سمجھتے تھے، قانونِ اسلام کی طرح باپ، شوہر، فرزند کے ترکہ کی حقدار ہونا تو درکنار! سوسائٹی میں بھی اس کے لئے جگہ نہ تھی، وہ خود مختارانہ زندگی سے ناآشنا اور سوشل زندگی سے محروم تھی، جس طرح ہمارے موجودہ قانون میں نابالغ یا فاترالدماغ کا معاہدہ ناجائز ہے، اسی طرح رومی قانون کی نظر میں عورت کا کوئی معاہدہ قانوناً نہ صرف ناقابل نفاذ تھا، بلکہ کلیۃً کالعدم (بالکل ختم اور معدوم تھا) عورت کی ہستی کو مرد کی

آسائش کے ایک آلہ سے زیادہ وقعت نہ دی جاتی تھی۔ اس کے عقد کا صیغہ بیع کی طرح پڑھا جاتا تھا، اور اس کی شادی انتقالِ جائیداد کی طرح کے دو رسم سے ادا کی جاتی، گویا وہ ایک جنس تھی جو شادی ہونے سے فروخت ہوتی تھی۔ باپ بائع تھا اور شوہر خریدار، اور اس وقت سے وہ باپ کی ملکیت سے خارج ہو کر شوہر کی ملکیت میں آجاتی، اور اس کی مسلوب (سلب شدہ) ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں آجاتی۔ شادی کے معاملہ میں زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح وہ مطلق مختار نہ تھی، اور اس کی رضامندی کی بجائے باپ کا ایجاب وقبول شادی کے جواز کے لئے لازمی تھا، اگر نابالغہ لڑکی اپنے ولی کی بلا رضامندی اپنا رفیقِ حیات منتخب کر کے شادی کر لیتی، تو یہی نہیں کہ وہ شادی قانوناً ناجائز تھی، بلکہ لڑکی قانون کی نظر میں مُجرم قرار پاتی، اور وہ سخت سے سخت سزا مثلاً گردن زنی و جلاوطنی کی مستحق قرار پاتی۔ سولن نے زمانہ کی مخالفتوں کے باوجود عورت کے وجود کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس نے قانون سے اس کے مستقبل کو تیرہ و تار ہونے سے بچانے کی غرض سے کچھ مراعات کیں۔ اس وقت متموّل مرد اور غریب لڑکیوں کی جائیداد کو تاکتے تھے اور بڑے گھرانوں میں جہاں جہیز بہت ملتا تھا شادی کرتے، اور پھر بیوی کی جائیداد و املاک میں خاطر خواہ تصرّف کرتے۔ عورت کے ساتھ تعلّقات پھیکے پڑ جاتے، اور بدنصیب رفیقۂ حیات اپنی زندگی پر عمر بھر آنسو بہاتی۔ اسے کثیر جہیز دینے کی ہوس میں ماں باپ اپنی حیثیت بگاڑ دیتے، اور بعض حالات میں عمر بھر شادی کی زیر باریوں سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور زندگی بھر اس کا خمیازہ بھگتتے رہتے۔ اس کے انسداد کے لئے سولن نے ایک قانون بنایا جس میں اس نا اہل شوہر کو جو دولت کے طمع میں صاحبِ جاہ کی لڑکی سے شادی کرلے اُسے یہ سزا دی گئی کہ بیوی شوہر کی موجودگی میں دوسرے مرد کو منتخب کر سکتی تھی، اور اس کی ہم جلیس بن سکتی تھی، اور اس کا شوہر اس کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ مہذب رومیوں کا یہ قانون موجودہ تہذیب کی روشنی میں جس قدر شرمناک اور اخلاق سوز ہے اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اہلِ ہنود میں عورت کو حقِ وراثت سے قطعاً محروم کر دیا گیا اور شوہر کی وفات کے بعد دوسری شادی کی بھی ممانعت ہے بلکہ اسے شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیا گیا اور خاوند کی چِتا پر جل مرنے کا حکم ہے۔ (اسی کو ستّی کی رسم کہتے ہیں)

قدیم اہلِ مصر کی یہ حالت تھی کہ اگر دریائے نیل میں کسی سال طغیانی نہ آتی تو ایک کنواری لڑکی کو دُلہن بنا کر دریا کی نظر کر دیتے، گویا وہ زندہ رہنے کے قابل ہی نہ تھی۔

اور نصاریٰ میں تو عورت کو سب شرارتوں کی جڑ کہا گیا ہے، اور عورت کی ذات تھی جس نے آدم سے سب سے پہلا جُرم سرزد کرایا۔ غرض اس سے علم ہو گیا کہ پہلے مذاہب میں بھی عورتوں کے متعلق قوانین ہیں، مگر ان میں سختی بہت زیادہ تھی۔ اگرچہ قومی پروگرام کی تعمیر میں ایسی سختیاں روا رکھی جاتی ہیں، اس لئے کہ قومی پروگرام صرف اسی قوم کی بہبودی کے لئے بنائے جاتے ہیں، مگر بین الاقوامی پروگرام میں سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں تاکہ ہر ایک قوم اس پروگرام پر بآسانی عمل کر سکے، اس لئے اس بین الاقوامی پروگرام (اسلام) کو آسان صورت یعنی آسان

قانون میں پیش کیا جاتا ہے۔

۶۱" اسلام کے قوانین نکاح میں سہولت اور رحمت"

وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ - یہ قانون[61] تمہیں دیا جا رہا ہے یہی قانون پہلی اُمتوں کو بھی دیا گیا تھا، مگر تم کو جس صورت میں یہ دیا جا رہا ہے اس میں رحمت غالب ہے، یعنی اسے آسان صورت میں دیا جا رہا ہے تاکہ بین الاقوامی حیثیت سے اس پر عمل درآمد ہو سکے۔ اب اس بین الاقوامی قانون کے دوسرے قومی قوانین سے تھوڑا سا مقابلہ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ پہلے قومی قوانین میں کس قدر سختی تھی اور اس بین الاقوامی قانون میں کس قدر آسانی رکھی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجّہ ہووے، اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دُور۔ ﴿۲۷﴾

۶۲" شہوت رانی اور قانون نکاح سے منحرف ہونے کے نتائج"

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ - جو اس قانون[62] کی اطاعت نہیں کرتے ان کی کوشش یہ ہے کہ تم کو قانون شکن بنا دیں، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت غالب ہے کہ وہ تمہیں قانونِ الٰہی آسان صورت میں دے رہا ہے تاکہ تم اس پر عمل کر سکو، اور شرط نکاح کو اڑانے والی جماعت کا خیال ہے کہ شہوت رانی کے خیال سے وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک کو آزادی ہو جس سے شہوت رانی ہوتی رہے۔ ایک بار نوشیرواں کے آگے ایران میں نکاح کی رسم کو حکماء نے بند کر دیا تھا تو اس سے بہت بُرے نتائج نکلے، تمام مُلک کا نظام درہم برہم ہو گیا، اور کمائی کرنا، محنت کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا، اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور۔ ﴿۲۸﴾

۶۳" انسان کی فطری کمزوری کے باعث سہل قانون"

اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ - آسان کر دے۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا[63] - انسان کی فطرت کمزور ہے۔ اس لئے اب جو قانون دیا جا رہا ہے اس میں بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں اور آسان تر راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

تدبیر منزل (خانہ داری) یعنی اجتماعیت کا باب ختم ہوا۔ حدیث میں ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے[1]، اس لئے کہ اس اجتماعی زندگی سے انسان کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے خاندان سے برتاؤ کرتا ہے، اور پھر کس طرح اپنی سوسائٹی میں معزز رہے، اور تعلقات خانہ داری کے بعد مال کماتا ہے[64] تو جیسے نکاح میں تراضی طرفین (جانبین کی رضامندی) لازم ہے اسی طرح

۶۴" تعلقات خانہ داری کے بعد مال کمانے کے احکام"

---

[1] مکمل حدیث یوں ہے عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی الحدیث رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباس ملاحظہ ہو مشکوٰۃ: باب عشرۃ النساء ص ۲۸۱، رشق

مال میں بھی ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے، اور نہ خون کرو آپس میں، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ ﴿۲۹﴾

لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ الخ: ایک [65] دوسرے کا مال غصب نہ کرو، تجارت کے ذریعہ اپنے مال کو بڑھاؤ، اور بغیر رضامندی کے ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ۔ اب یہاں حل وحرمت والی چیزوں کی کہ کہاں تجارت ہو سکتی ہے، کہاں نہیں ہو سکتی، اس کا ذکر نہیں کیا۔

"۶۵" تجارتی و مالی قوانین"

ولا تقتلوا انفسکم ای مخالفة هذا القانون مترادف قتل انفسکم لا تقتلوا (یعنی اس قانون کی مخالفت اپنے نفسوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے) یعنی اگر حکومت میں ایک دوسرے کے حقوق غصب کرو گے تو تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے، یعنی نقصان پہنچاؤ گے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا، فلهذا اعطاکم القانون حتی تحصلوا الترقی بالعمل به (یعنی اللہ تم پر مہربان ہے، پس اسی لئے اس نے تمہیں ایسا قانون دیا تاکہ تم اس پر عمل کرکے ترقی حاصل کرو)

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ ﴿۳۰﴾

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ:

ای یخالفه فله الهلاک (یعنی [66] جو سوسائٹی اس کی مخالفت کرے گی تو اس کے لئے ہلاکت ہے) پچھلی صدی سے مسلمانوں نے اس قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیا اس سے جو نتائج بد پیدا ہوئے وہ اس آیت کی لفظ بلفظ تصدیق کرتے ہیں۔

"۶۶" مالی و تجارتی قانون شکنی کی سزا"

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ

مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اگر تم بچتے رہو گے اُن چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں ﴿۳۱﴾

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓٮِٕرَ الخ :-

مد۲۷ اللہ نے بنیادی قانون دیا جس کی پابندی ضروری ہے

انسانوں کو اللہ نے بنیادی قانون دیا^۲۷، تفصیلی قانون وہ خود بنا سکتا ہے۔ بنیادی قانون کی پابندی ضروری ہے اور تفصیلی قانون میں انسان کی غلطی معاف کر دی جائے گی۔

مد۲۸ گناہ کبیرہ معاشرت و نظام کو تباہ کر دیتے ہیں

وَنُدۡخِلۡكُمۡ الخ اجتناب کبائر (بڑے گناہوں سے بچنا) یعنی اس^۶۸ سے ایک تو چھوٹے گناہ معاف ہو جائیں گے، دوسرے بڑی عزت کی جگہ داخل کریں گے، یعنی بڑی بڑی حکومتوں کی باگ دوڑ آپ کے سپرد کریں گے۔ پہلی آیت میں اصولی بڑے گناہ ذکر کر دیئے جس سے (ہمیشہ) معاشرت و نظامِ حکومت تباہ ہوئے۔

(۱) ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ۔
(۲) تجارت میں بھی رضامندی کا خیال رکھو! کسی کو دھوکا مت دو۔
(۳) اغراضِ نفسانی (ذاتی مفادات اور خود غرضی) سے کسی کو قتل مت کرو! اس سے آپس میں جنگ چھڑ جائے گی، یہ اصول تو تمدنی و معاشرتی ہیں۔
(۴) ظلم وعدوان یعنی تھوڑا بہت تاجر وغیرہ ایک دوسرے کا نقصان کر لیتے ہیں مگر ظلم و عدوان سے کسی کا مال کھانا، یا بلا رضامندی دوسروں کا مال تھوڑے داموں پر لینا، اور ظاہر طور سے لوگوں پر ظلم (اور ان کو قتل کرنا یہ حکومت کو برباد کر دیتے ہیں۔ یہ کبائر ہیں جن سے سلطنتیں برباد ہوتی ہیں۔ اسی باعث مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں برباد ہو گئیں، تو یہاں ان کبائر سے بچنے کا حکم ہو رہا ہے۔

غرض انسان کو بنیادی قانون دیتے، اس پر عمل کر کے انسان نے اپنی ضرورت کے مطابق تفصیلی قانون بنا لیئے، اب اس قانون سے بڑھ کر دنیا میں کون سا قانون ہو گا۔ اب جب مسلمان اس پر عمل کریں گے تو تمام دنیا پر ان کی حکمرانی ہو گی، اور تمام دنیا کی قومیں اُن کی عزت کریں گی۔

مد۶۹ ایمان متفقہ متحدہ مقصد کا نام ہے،

غرض یہی^۶۹ ایمان ہے کہ جس کے باعث قوم کے سامنے زندگی کا کوئی "متفقہ و متحدہ" مقصد ہوتا ہے۔ اس کے افراد اپنی ذاتی و شخصی اغراض کے سبب زندگی کے ساتھ ساتھ من حیث المجموعہ (قوم) ایک مشترک مقصود رکھتے ہیں۔ جس کے حصول میں اس کا چھوٹا بڑا، امیر غریب، عورت مرد پوری طرح مصروف ہوتا ہے اور اسی کی دھن میں اس کا جینا مرنا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا سب کچھ ہوتا ہے، اور ہر فرد کو یہ "متحدہ مقصد" اتنا عزیز ہوتا ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے اس کے ذاتی و شخصی مقاصد اس کے "مشترکہ قومی مقصد" سے متصادم ہوں تو بے تامل وہ اپنے ذاتی مقاصد یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی اس پر نثار (قربان) کر دے۔

مرتبہ "اٹھارہویں صدی میں انگریز متفقہ مقصد متحدہ قوت اور منظم طاقت سے ہندوستان میں کامیاب ہوئے"

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ میں جو واقعات آئے ان کی تحلیل کیجئے، تو اس راز سے خود بخود پردہ اٹھ جائے گا کہ ارکاٹ، سرنگاپٹم، پلاسی، بکسر، لکھنؤ اور دہلی میں مٹھی بھر انگریز ہندوستانی ریاستوں اور سلطنتوں کو آسانی سے کیونکر توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے تھے۔ ایک طرف متفقہ مقصد، متحدہ قوت اور منظم طاقت تھی۔ دوسری طرف منتشر افراد تھے جن میں ہر ایک کا مقصود و مطلب جُدا جُدا تھا۔ اگر کہیں کوئی خاندان حکمران تھا تو اس سے مختلف افراد بھی اسی ریاست کی گدّی و مسند کے لئے باہم نبرد آزما (آپس میں لڑتے) تھے۔ ارکاٹ اور بنگال کی نوابیوں کو کیا یہی پیش نہیں آیا؟ حیدر علی اور ٹیپو سلطان جنہوں نے اپنے سامنے ایک مضبوط مقصد رکھا تھا دیکھیئے! کہ یہ ذہنی مضبوطی ان کی جسمانی اور فوجی مضبوطی کی صورت میں کس طرح ڈھل گئی تھی، اور اس وقت تک اس آہن (فولادی) انسان کی قوّت میں کمزوری نہیں آئی جب تک اس خاندان اور دربار میں وحدت کی جگہ شخصی مقاصد اور ذاتی منافع کی کثرت نہ آگئی۔ مذہب کی اصطلاح میں اسی ذہنی وحدتِ مقصد کا نام ایمان ہے جس کے بغیر کسی عمل کو اعتبار کا درجہ نہیں مل سکتا۔ اخلاق اور کریکٹر کی مضبوطی جس کے بغیر کسی قوم کی معنوی زندگانی کا وجود ہی نہیں ہو سکتا، (وہ اخلاقی مضبوطی) بہت کچھ اس عزیز (ایمانی) مقصد کی گراں بہا متاع (قیمتی سرمایہ) کی حفاظت، بقا، ترقی اور استواری کی خاطر (اسے ہی) وجود میں آتی ہے۔ ایثار، قربانی، عزم، استقلال، فیاضی، بہادری، موت سے بے خوفی اسی طلسم کے رُوحانی اسرار ہیں۔ یہ حقیقت میں وہ جرس (گھنٹی) ہے جس کی آواز پر قوموں کے قافلے اپنے سفر کرتے ہیں اور کامیابی کی منزل کا پتہ لگاتے ہیں۔

غرض یہی ایمان ہے جس سے قوم کی زندگی میں وحدت مقصد کا وجود پیدا ہوتا ہے، اور پھر اس مرکزی نقطہ (وحدت مقصد) کے ارد گرد تمام افراد کے عمل چکر کھاتے ہیں۔ حکمران اپنی حکومت کے تخت پر، واعظان اپنے ممبر پر، سپاہی اپنے میدان میں، اہلِ پیشہ اپنے بازار میں، عالم اپنی درسگاہوں میں، صناع اپنے کارگاہ (کاریگر اپنے کام کی جگہ) میں، غرض ہر ایک اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ اسی مقصد کے لئے جیتے اور مرتے ہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر، مردوں کو حصّہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصّہ ہے اپنی کمائی سے، اور مانگو اللہ سے اُس کا فضل، بے شک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔ ﴿۳۲﴾

ایک گھر میں کنبہ بود و باش اختیار کرتا ہے، دوسرے گھر میں دوسرا کنبہ، غرض اسی طرح محلے اور ان

سے پھر شہر۔ اب کہا جاتا ہے کہ تم میں مختلف قسم کے لوگ ہوں گے، ان میں سے جو قابل نکلیں، ان کی عزت کرو، اگر ایک کو اللہ نے علم دیا تو دوسرے حسد نہ کریں، بلکہ اس کی عزت افزائی کریں اور کوشش کریں کہ وہ خود بھی اس رُتبہ تک پہنچ جائیں، اسی طرح ایک آدمی محنت و مشقت کا عادی ہے تو دوسروں کو اس کی تقلید اور عزت کرنی چاہیئے اور اپنے اندر یہ جوہر پیدا کرنے کی کوشش کریں، مگر حتی الوسع حسد سے باز رہیں۔ اس قابل گروہ کی موجودگی خود تمہاری عزت افزائی کا باعث ہوگی۔

"اہلِ ہنر کی عزت کا حکم"

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ۔ الخ مردوں، عورتوں میں سے جو کوئی ترقی کر سکتا ہے، اسے ترقی کر لے دو، اسے آگے بڑھنے دو! تم اس میں بہت وسعت قلبی دکھاؤ۔

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ۔ الخ اللہ سے بزرگی مانگو! وہ جس قدر بڑھ سکتا ہے اسے بڑھنے دو اور خدا سے دُعا مانگو کہ اس طرح تمہاری قوم کا درجہ دوسری قوموں سے بلند ہو۔ اس میں آپس میں لڑنا، بھڑنا، جھگڑا، حسد کرنا چھوڑ دو! اتفاق و انصاف سے رہو! ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرے، اس طرح تمہارا درجہ اللہ تعالیٰ دُوسری قوموں سے بلند کرے گا۔

"قوموں میں سابقہ کا راز"

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو اس کے مطابق تم کو جزا دے گا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾ ع ۵ / ۲

ترجمہ: اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا اُن کو دے دو اُن کا حصہ، بے شک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز۔ ﴿۳۳﴾

جب گھر بن چکا اور اس میں مختلف افراد جمع ہو گئے تو فرمایا:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا۔ کہ تم کو ہم نے آپس میں دوست بنایا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو۔

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ۔ الخ اس وقت تم دوسروں سے مدد لے رہے ہو، اسی طرح تمہیں بھی دوسروں کو مدد دینی ہوگی، اسی طرح تمہارا تعلق روز بروز بڑھتا جائے گا، اور دن بدن تمہاری ترقی کے اسباب پیدا ہوتے جائیں گے۔

"باہمی تعاون ترقی کی کنجی ہے"

شَهِيدًا۔ (اللہ تعالیٰ) تمہارے اعمال سے آگاہ ہے، اس کے مطابق تمہاری ترقی کرے گا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ

بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِى الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال، پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے، اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو۔ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو اُن پر راہ الزام کی، بے شک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ :۔ اگر چار آدمی[۳] ایک جگہ جمع ہوں گے تو یہ طبعی طریقہ ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو سردار مقرر کریں گے ورنہ انارکزم (لاقانونیت) پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح گھر میں جہاں بہت سے افراد جمع ہو جاتے ہیں، وہاں مرد کو سردار بنایا، اس لئے کہ مرد میں طاقت و قوت بھی زیادہ ہے، اور باہر کا کام وغیرہ بآسانی کر سکتا ہے۔

نمبر۳۔ اجتماعیت میں امیر کا تقرر لازمی ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ :۔ عورتوں[۴] کی زندگی کے فرائض بتلا دیئے۔ غرض ہر ایک اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے، مردوں کی فضیلت کی وجہ قوی و جری ہونا، مال کمانا، پھر خرچ کے لئے عورتوں کو دینا کہ خانہ داری کے امور میں خرچ کریں تو عورتیں بھی حکم بردار ہو کر، اور حفاظت سے خرچ کریں جس طرح قانونِ الٰہی ہو۔

نمبر۴۔ عورتوں کی زندگی کے فرائض۔

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ :۔ کہ وہ گھر کے قانون نہیں مانتیں۔

فَعِظُوْهُنَّ :۔ الخ غرض آیت[۵] میں شخصی اختیارات نہیں دیئے، یعنی خاوند کو تمام اختیارات نہیں دیئے گئے، بلکہ خاندان کے لوگ مثلاً ماں، باپ، عزیز و اقارب وغیرہ۔ عورت کو تنبیہ کریں گے۔ سمجھائیں گے، اگر نہیں مانے گی، تو ان سب کی شرکت سے اس پر سختی کی جائے گی جو بتدریج بڑھتی جائے گی؛ جب تک کہ وہ اس قانون کی پابند نہ ہو جائے۔ اس لئے پہلے سرزنش، پھر الگ الگ رہنا، اور سب سے آخیر میں مارنا پیٹنا، مگر ایسا کہ جس میں ہڈی وغیرہ کو ضرب نہ آئے۔

نمبر۵۔ زوجین کے نزاع میں خاندان کے قانونی اختیارات

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ :۔ الخ اگر گھریلو قانون پر عمل کرنے کی رضامندی ظاہر کریں تو انہیں پہلی سزا سے زیادہ سزا نہ دو!

عَلِيًّا كَبِيْرًا :- اگر زیادتی کروگے تو وہ بھی تمہاری غلطیوں پر سزا دے گا۔ (غرض اگر بظاہر وہ مطیع ہو جائیں تو کرید نہ کرو تقصیروں پر، اللہ سب پر حاکم ہے اور باقی ہر تقصیر کی ایک حد ہے مارنا آخر درجہ کا ہے۔ موضح القرآن) اگر عورت نافرمانبرداری اور سرکشی کرے تو اسے نصیحت کرنی چاہیئے اور بعد ازاں اس کے پاس لیٹنا ترک کرے مگر گھر سے نہ نکالے اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اسے مار لگانی چاہیئے، مگر مار سخت نہ ہو، اور یہ سب کچھ اجتماعی فیصلے سے ہے۔

غلطیوں کی آخری سزا

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں، بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ ﴿۳۵﴾

وَاِنْ خِفْتُمْ الخ اگر مار کے بعد بھی نہ سمجھے، اور برادری والوں کو ان دونوں کے درمیان مخالفت کا خدشہ ہو تو دونوں کے خاندان سے ایک ایک آدمی پنچ مقرر ہو تاکہ ان دونوں کے درمیان صلح وصفائی کر سکیں، مگر اب غلطی یہ ہوئی کہ یہ اختیارات خاوند کو شخصی طور پر دے دیئے گئے ہیں۔ خاوند تو اس سے پہلے ناراض ہے وہ تو اور بھیرے گا، پہلے سمجھا دیا گیا ہے کہ گھروں کی ذمہ داری قوم پر مشترک ہے، اگر ایک خاندان میں میاں بیوی میں جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے تو قوم پر فرض ہے کہ بیچ میں پڑ کر اس جھگڑے کو رفع کریں۔

خانگی جھگڑوں کے حل کی ذمہ داری قوم اور برادری پر ہے۔

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا :- اگر قوم کے افراد میاں بیوی کے درمیان اصلاح کا ارادہ کریں تو ان کو کوئی نہ کوئی تدبیر سمجھ میں آجائے گی۔ غرض اس قانون میں بتلایا کہ ان جھگڑوں کا فیصلہ اپنی برادری میں کر لیا کرو، حکومت کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ غرض اگر اصلاح کی صورت نہ ہو ہر ایک دوسرے کی نافرمانی اور ظلم پر کمر باندھے تو اس وقت میں قطع منازعت (جھگڑا ختم کرنے) کی یہ شکل ہے کہ:-

فَابْعَثُوْا حَكَمًا الخ وہ جو مصلحت دیکھیں فیصلہ کرا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خاوند سے کسی بیوی کو بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ تدبیر منزل بگاڑنے کے جہاں اسباب ہیں۔ ایک[1] سبب اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی کو اس کے خاوند سے برگشتہ کر دے، اور اس انتظام کے توڑنے اور بگاڑنے میں کوشش کرتا ہے، اور اس مصلحت کی مخالفت کرتا ہے جس کا قائم کرنا ضروریات

تدبیر منزل بگاڑنے کے اسباب

[1] عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا او عبدا علی سیدہ۔ رواہ ابوداؤد (مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء صہ ۲۸۲) ع۔ق

سے ہے۔ میاں بیوی کے معاملات میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے سپرد کیا جائے جو سب سے زیادہ ان کے قریب و شفیق ہیں[۲]۔ طلاق کی کثرت کو روکنے کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو اس پر جنّت کی بُو بھی حرام ہے[۱] اور فرمایا کہ:۔

ابغض المباحات عند اللہ الطلاق[۲] (اللہ تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے)[۳] طلاق کی کثرت اور بے پرواہی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بہت سے مفاسد ہیں، اس لئے کہ بہت سے لوگ شہوتِ نفسانی کے تابع ہوتے ہیں اور تدبیر منزل کے قائم کرنے اور التزامات ضروریہ (ضروری حقوق) میں معاونت ان کو مقصود نہیں ہوتی، نہ اس کا مقصد شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے، بلکہ ہر عورت سے تلذذ حاصل کرنا ان کا مقصود ہوتا ہے اور یہی بات ان کو کثرتِ نکاح اور طلاق پر آمادہ کرتی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اُس کا کسی کو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ، بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا اِترانے والا بڑائی کرنے والا[۳۶]، جو کہ بُخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بُخل اور چھپاتے ہیں جو اُن کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب ذِلّت کا۔[۳۷]

---

[۱] عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ سألت زوجہا طلاقاً فی غیر ما بأس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ رواہ احمد والترمذی مشکوٰۃ ص ۲۸۳ [۲] عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغض الحلال الی اللہ الطلاق رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ ص ۲۸۳ [۳] جمع نیاز کے ع۔ق

نمبر ۸۰ "غلام صرف اللہ کے بنو"

جب سوسائٹی بہت بڑھ گئی تو بتلایا کہ غلام صرف ایک اللہ کے بنو۔[۸۰]

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بُتانِ آذری

نمبر ۸۱ "دین میں سیاسی شعور و تربیت کی اہمیت"

مسلمانوں نے جب اللہ تعالٰے کی ذات پر اعتماد کرنا شروع کیا تو دنیا کی کوئی طاقت ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکی۔[۸۱] توحید اسلام کی وہ رُوح ہے جس نے دین کے علاوہ سیاست کا کام بھی انجام دیا۔ اسلام میں دین خود سیاست ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ سیاست کا جذبۂ کار اس میں دین کے ماتحت ہے اور اس نے کم ازکم بارہ سو برس تک ہر میدان میں اسلام کے عَلَم کو بلند رکھا ہے۔ اسلام کا ہر سپاہی اللہ پر بھروسہ کر کے تن تنہا تلوار ہاتھ میں لے کر نکلتا تھا، اور چند روز میں نومسلموں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ میں اپنی سلطنت کھڑی کر لیتا تھا۔ افریقہ میں بحری جزیروں اور مختلف مُلکوں کے دُور دراز گوشہ میں اس طرزِ سیاست نے بڑی بڑی ریاستیں اور حکومتیں کھڑی کر دیں۔[۸۲] اسی طرح غلام جب اسلام کی آزادی سے مالا مال ہو گئے تو وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُٹھے، اور شمشیر زنی، کشور کشائی، تخت نشینی کے اہل بن گئے۔ مصر میں غلاموں کی سلطنت صدیوں تک اسی طرح چلتی رہی ہے۔ اسپین اور مراکش کے فاتح بھی بربری نومسلم ہیں، جنہوں نے بارہا شمالی افریقہ میں حکومتیں کیں۔ یہی توحید پر یقین تھا جو نومسلم ترکوں، تاتاریوں اور مغلوں کو ایک عَلَم (جھنڈے) کے زیرِ سایہ منظّم کر کے چین کی دیواروں سے لے کر قسطنطنیہ کے ساحل پر مُلکوں کو بارہا حکمران بناتا رہا۔ سلطان سبکتگین ایک معمولی ترکی غلام سپہ سالاری تک پہنچتا ہے اور غزنی میں بیٹھ کر وہ خاندان پیدا کرتا ہے جو ہندوستان پر ایک سو سال تک چھایا رہتا ہے۔ غرض مسلمان اپنے اللہ پر اعتماد کر اٹھے، اور دیکھتے دیکھتے تمام دنیا پر چھا گئے۔ قصہ کوتاہ خُدائے لاشریک لہ کے ماننے والوں کے لئے اسلام کا جذبۂ دین بجائے خود اس قدر پُرزور اور قوی ہے کہ اس کو اپنی زندگی کے لئے کسی ایک سیاسی قوّت کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر ۸۲ "غلامان اسلام کی سیاسی تربیت کے تاریخی نتائج"

نمبر ۸۳ "والدین کے ساتھ احسان کا حکم"

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔[۸۳] انسان جب زندگی کی دہلیز پر سرِ نیاز خم کرتا ہے تو وہ اس ہستی کا مطیع ہو جاتا ہے جس کے بطن سے پیدا ہو۔ وہ زندگی میں سب سے پہلے عورت یعنی ماں کے گھٹنوں پر پیغامِ زندگی سُنتا ہے، وہی عورت اس کی مخصوص طاقت اور اس کی نیک و بد سے اسے بہرہ اندوز کرتی ہے، اور اس کو دو طریقوں سے مکمّل انسان کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ اوّل اس کے جسمانی نشوونما سے اور دوم اس کے اخلاق و تربیت سے۔

نمبر ۸۴ "بچے ملک اور قوم کی ایک مقدس امانت ہیں"

بچے مُلک[۸۴] اور قوم کی ایک مقدس امانت ہیں، جو اس لئے والدین کے ہاتھوں میں دیئے گئے ہیں کہ انہیں ملک و قوم کے لئے کار آمد بنائیں۔ آج کے بچّے کل بڑے ہوں گے، وطن یا ملک انہیں کی اجتماعی حیثیت کا نام ہوگا، اس لئے ان کے اخلاق و عادات کی تعمیر و تخریب پر وطن کی قسمت کا بننا اور بگڑنا موقوف

ہے۔ ماں کی تربیت کا اہم مقصد یہی ہے کہ بچے کے عادات و اخلاق کی تہذیب کی جائے، نیک خیالات سے اس کو منوّر اور پاک جذبات سے اس کے دل کو معمور کیا جائے۔ وہ دامنِ قوم کا بدنما دھبّہ نہ رہے، بلکہ آسمانِ ملک کا ایک روشن ستارہ بن کر چمکے، بچے کے مُعلّمین[۸۵] اسے اس کے فرائض کی زبانی تعلیم دیتے ہیں، والدین کا فرض ہے کہ وہ اسی تعلیم کو دوہرائیں۔ معلّمین کا کام ہے کہ وہ بچوں کو تہذیب اور اخلاق کی شاہراہ (بڑی سڑک) بتائیں اور تاکید کریں کہ وہ اس راستہ سے منحرف نہ ہوں، لیکن چونکہ زندگی کے سفر میں بچوں کے ہر وقت رفیق ان کے والدین ہی ہیں، اس لئے یہ فرض ان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ بچے کو اس شاہراہ سے گزار بھی دیں اس کے ساتھ ہی خود والدین نمونہ بنتے ہیں اِس زندگی کا جو وہ بچے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بچے کو نیکی کی خوبیاں بتاتے ہیں، اور گناہوں کی بُرائیاں دکھاتے ہیں، اور بچے کو نیکیاں اختیار کرنے کی زبانی و عملی تعلیم دیتے ہیں اور اس کے چاروں طرف ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں، اور وہاں بُرائیوں کا گزر بھی نہ ہو۔ وہ بچوں سے نیکیاں اس لئے اختیار نہیں کراتے کہ ان کے اختیار کرنے میں بچے کا یا اس کے ابنائے جنس (ہم جنسوں) کا فائدہ ہے بلکہ اس لئے کہ انہیں اختیار کرنا ایک فطری امر ہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں جہاں والدین کو اپنے فرائض کا احساس ہے کہ ہر سکول کے ساتھ ایک انجمن والدین قائم ہے۔ سکول میں پڑھنے والے ہر بچے کے والدین اس انجمن کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان انجمنوں کے جلسوں میں والدین جمع ہو کر اپنی ذمّہ داریوں پر غور کرتے ہیں اور معلّموں کے مشوروں سے اپنی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن عہد برآ ہونے کی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ غرض پیدائش سے لے کر اس کی زندگی تک اگر بچے کا کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے تو وہ اس کے والدین ہیں۔ اس لئے حکم ہوا کہ ان کے ساتھ احسان کرو۔

۸۵۔ تربیت اولاد میں اساتذہ اور والدین کی ذمہ داریاں۔

وَبِذِی الْقُرْبٰی الخ: ماں[۸۶] باپ کے ساتھ احسان کرنا فطرتی ہوتا ہے اس لئے اس جذبہ کو بیدار کر کے تمام سوسائٹی میں احسان کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

۸۶۔ پوری سوسائٹی میں احسان کی ترغیب۔

وَمَا مَلَکَتْ الخ:۔ دوسری حکومتوں کے قیدی جو تمہارے پاس ہیں ان کے ساتھ احسان کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا الخ:۔ بڑے[۸۷] بننے والوں، تکبّر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، یعنی اس شخص نے سوسائٹی سے فائدہ اٹھا لیا اور دوسروں سے کام لیا اور جب اس کی باری آئی تو سوسائٹی سے اکڑ گیا، اس کو اللہ پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر اس نے سوسائٹی سے فائدہ اٹھایا تھا تو معاوضہ کے طور پر اسے بھی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانا ہے۔ غرض ہر ایک آدمی اپنی سوسائٹی کو فائدہ پہنچاتا رہے گا تو قوم بنتی رہے گی، اور اسی طرح بہت جلدی ترقی کرے گی، اور ہر ایک آدمی اپنے شخصی فائدہ کو دیکھے گا اور قوم کے مفاد کو اپنے فائدہ پر قربان کر دے گا تو یہ طریقہ تمام کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اس لئے اسے اللہ پسند نہیں کرتا۔

۸۷۔ (۱) "تکبر یعنی خود غرضی"، (۲) "سرمایہ پرست بخیل"

الذین یبخلون الخ:۔ متکبّر اور بڑا بننے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سوسائٹی سے تو فائدہ اٹھا لیا، مگر

اس کے معاوضہ میں سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے میں بُخل کرتا ہے اور پھر دوسروں کو بھی کہتا ہے کہ تم سوسائٹی کو خوب لوٹو یعنی یرغبونھم الی البخل (یعنی سوسائٹ کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں)

واعتدنا للکافرین۔ الذین لا یراعون فوائد المجتمع ویرجحون فوائدھم الشخصیۃ علی فوائد القوم والمجتمع ویقربون فوائد انفسھم علی فوائدھم یعنی ہم[88] نے ان کافروں کے لئے جو سوسائٹی کے مفادات کی رعایت نہیں کرتے اور اپنے شخصی (ذاتی) فائدوں کو قوم اور سوسائٹی کے فوائد پر ترجیح دیتے ہیں اور قوم کے فوائد کی بہ نسبت اپنے ذاتی فائدوں کے قریب ہوتے ہیں ان خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے ہم نے سخت اہانت کے عذاب رکھے ہیں۔ ان کی کبھی عزت نہیں ہوگی۔ انہیں آج کل "قوم فروش" کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔

۸۸۔ متکبرین کی سزا۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر، اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ الخ:۔

یہ تکبر کرنے والوں[89] کی تیسری جماعت ہے جنہیں ہوشیار آدمی کہتے ہیں، وہ جب سوسائٹی کو زورآور دیکھتے ہیں تو اس کے قانون کو مان کر ظاہرداری کے طور پر ان سے سلوک کرتے ہیں، جب سوسائٹی کو کمزور پاتے ہیں اسے دبا دیتے ہیں۔

۸۹۔ ہوشیار منافق۔

ولا یؤمنون باللہ :۔ یعنی قانونِ الٰہی اور اس کے عمل و سرکشی کی جزاء و سزا کے قائل ہی نہیں۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور کیا نقصان تھا اُن کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے ہوئے میں سے، اور اللہ کو اُن کی خوب خبر ہے۔ ﴿۳۹﴾

اس نے خرچ تو بہرحال کیا، مگر چاہیئے یہ تھا کہ اس قانون کے احکام کی اطاعت کے طور پر سوسائٹی کو فائدہ پہنچاتا۔

وقف النبی علیہ السلام

إِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

ترجمہ: بے شک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرّہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اُس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب ﴿۴۰﴾

اس قانون اور اس کی جزاء و سزا کو مان کر خرچ کرو تو اس سے اس کی قوم کی عزت افزائی ہوگی اور اللہ اسے اس سے بھی زیادہ دے گا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

ترجمہ: پھر کیا حال ہوگا جب بُلا دیں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بُلا دیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتلانے والا۔

قال ابن مسعود امرنی النبی علیہ السلام ان اقرأ علیہ القران فقرأت سورۃ النساء حتی اتیت الی ھذہ الایۃ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا قال حسبک الاٰن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان (متفق علیہ)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپؐ پر قرآن پڑھوں.....[1] پس میں نے سورہ نساء تلاوت کی یہاں تک کہ جب اس آیت فکیف اذا جئنا الایۃ پر پہنچا تو آپؐ نے فرمایا اب بس کرو! جب میں نے آپ کی طرف التفات کیا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔)

حضورؐ کا سورۃ النساء آیت ۴۱ تک سننا

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

ترجمہ: اُس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ برابر ہو جاویں زمین کے، اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات ﴿۴۲﴾ ع

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الخ

یقولون بسبب شدۃ التکلیف لَوْ تُسَوَّىٰ الخ ای عدموا لانہ یدعی علیھم یومئذ الذین غصبوا حقوقھم۔

---

[1] حدیث میں یہاں پر تفصیل بھی ہے قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر اقرأ علی قلت اقرأ علیک وعلیک انزل؛ قال انی احب ان اسمعہ من غیری (مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دراں حالیکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے "مجھے قرآن سناؤ" میں نے عرض کی "میں آپ کو سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا" فرمایا "میں چاہتا ہوں اپنے علاوہ اور سے قرآن سنوں" ملاحظہ ہو مشکوۃ ص۱۹۰ (ع-ق)

(یعنی عذاب کی تکلیف کی شدّت کے سبب وہ (کافر) کہیں گے لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ "کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے"، یعنی وہ معدوم ہو جائیں اس لئے کہ اس دن اُن کے خلاف وہ لوگ دعویٰ کریں گے جن کے حقوق انہوں نے غصب کئے تھے۔)

سوسائٹی کے قانون سے بغاوت کا نتیجہ

انسان کو سوسائٹی میں رکھا گیا تھا کہ وہ سوسائٹی کا قانون مانے، مگر اس نے قانون سے سرکشی اختیار کی اس لئے اب سوسائٹی ہی ان کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اُس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو، اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو، بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا۔ ﴿۴۳﴾

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (یعنی اے ایمان والو جس وقت تم نشہ میں ہو نماز کے نزدیک نہ جاؤ) کیونکہ

یقرأ فی الصلوۃ القران قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یکون وجاہ المصلی فی الصلوۃ، الحاصل ان الانسان یقرأ فی الصلوۃ قانون اللہ تعالیٰ امامہ تعالیٰ وبعدہ بالعمل بہ کما یدل علیہ آیات شتّی

نماز میں بے سمجھے قرآن پڑھنا

نماز میں[92] قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نماز کی حالت میں نمازی کے سامنے ہوتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ انسان نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا قانون پڑھتا ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرتا ہے (جیسا کہ اس پر مختلف آیتیں دلالت کرتی ہیں) اب بتلایا کہ نماز پڑھو تو اس قانونِ الٰہی کو خوب سوچ سمجھو اس پہ غور و خوض کرو، اس پر عمل کرو اور اس سے بے ہوش نہ رہو۔

۱؎ مشکوٰۃ باب المساجد ص۶۹ طبع قدیمی کراچی میں حدیث یوں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ فلا یبصق امامہ فانما یناجی اللہ ما دام فی مصلاہ الحدیث (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز کے لیئے کھڑا ہو تو اپنے سامنے مت تھُوکے کیونکہ جب تک وہ اپنی نماز میں ہے اللہ سے مناجات اور سرگوشی کرتا ہے ۱۲ (ع ق)

۲؎ ملاحظہ ہو (۱) آیت ۲۰۶ سورۃ الاعراف پ۹ و (۲) آیت ۲۰ سورۃ المزمل پ۲۹ اور (۳) آیت ۴۵ سورہ العنکبوت پ۲۱ ۱۲ (ع ق)

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ :۔ جب تک کہ سمجھ نہ لے جو کچھ وہ کہتا ہے، یعنی جب تک نماز کے معنی نہ سمجھے نماز ہی نہیں ہوتی ۔ (۹۳)

فلهذا قال ابوحنيفة الذى هو عجمى الاصل من قرأ فى الصلوٰة بلسان عجمى صحت صلوٰته ان قدر على العربية وقال ابو يوسف الذى مضى فى الدور العربى الخالص ومحمد جازت صلوٰة من لم يقدر على العربية

(پس اسی[93] لئے امام ابوحنیفہؒ (جو کہ عجمی الاصل ہیں) نے فرمایا جو شخص نماز میں عجمی (غیر عربی) زبان میں قرأت کرے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اگرچہ عربی میں قدرت بھی رکھتا ہو اور امام ابو یوسفؒ (جو خالص عربی دور میں گزرے ہیں) اور امام محمدؒ دونوں فرماتے ہیں جو شخص عربی زبان پر قدرت نہ رکھتا ہو اُس کی نماز غیر عربی زبان میں جائز ہے۔

[93] نماز کے اندر غیر عربی زبان میں قرأت کا مسئلہ

وَلَا جُنُبًا الخ :۔ جب[94] انسان پر حیوانیت غالب آ جاتی ہے تو اس کے اتارنے کا علاج صرف غُسل ہی ہے۔ تاکہ حیوانیت دُور ہونے کے بعد انسان اس قانون پر پھر غور و خوض کر سکے۔

[94] غسل جنابہ کی حکمت

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى :۔ الخ المقصد ان لم يحصل الماء لدفع غلبة الحيوانية۔

مقصد[95] یہ ہے کہ اگر حیوانیت کے غلبہ کو اُتارنے کے لئے اگر پانی میسر نہ ہو تو اس کے لئے ایسا انتظام کر دیا جس سے انسان سمجھ سکے کہ ان نے غُسل کر لیا تاکہ یہ پہلے سے بے ہوش نہ رہے اور اصل معنوں میں نماز پڑھے۔ غرض سمجھایا کہ جب تک اس قانون کو سوچتے سمجھتے اور اس پر عمل کرتے رہو گے تو ترقی کرتے رہو گے، اور اس کو چھوڑنے پر برباد ہو جاؤ گے۔

[95] تیمم کی حکمت

من سنة الله الجارية ان يسهل ما يشق على الناس وما يشتد بالعمل يسقطه ويقرر بدله فبناءً على هذه السنة جُوازا لتيمم بدل الوضوء والغسل فى حالة المرض والسفر قال النبى عليه السلام الصيد الطيب طهور المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين (رواه الترمذى)۔ ولم يفرق بين تيمم الوضوء والغسل لان تيمم البدن كله لا يخلو من المشقة فلو فرض لم يرتفع الحرج كله۔ وشدة البرد الذى يخاف المتوضى منه المرض فى حكم المرض وقيد السفر ليس بشرط لجواز التيمم بل هو صورة لعدم وجدان الماء غالبا ولم يدخل مسح الرجل فى التيمم لانهما يتغبران بانفسهما وانما يكون الامر بما لم يوجد قبل الامر لكى تندفع به الحيوانية)

(اللہ تعالیٰ[96] کی سنّتِ جاریہ سے یہ قاعدہ ہے کہ جو حکم لوگوں پر گراں ہو اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دیتا ہے اور جس پر عمل کرنا سخت ہو اس کو گرا دیتا ہے اور اس کا بدل مقرر کر دیتا ہے، بنا بریں

(۱) مرض اور سفر کی حالت میں وضوء اور غسل کی بجائے تیمم کا جواز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا طاہر مٹی مسلمان کا وضوء ہے اگرچہ وہ بیس سال تک پانی نہ پائے (ترمذی شریف)

[96] طہارت اور نماز میں مشکل احکام کے بدلے سہل احکام

(۲) پھر وضوء کے تیمّم اور غسل کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں ڈالا کیونکہ (غسل کے تیمّم میں) پورے بدن کا تیمّم مشقّت سے خالی نہیں، سو اگر یہ فرض کیا جاتا تو حرج مکمّل مرتفع نہ ہوتا۔

(۳) اسی طرح سردی کی شدّت جس سے وضوء کرنے والا مرض کا خوف کرے وہ بھی مرض کے حکم میں شمار کی گئی ہے۔

(۴) اور سفر کی قید (بھی)، تیمّم کی جواز کے لئے بطور شرط نہیں بلکہ وہ تو عام طور پر پانی کے نہ پائے جانے کی ایک صورت ہے (یعنی یہ تمام صورتیں حرج کو دفع کرنے کے لئے ہیں)۔[۵] پاؤں کا مسح تیمّم میں اس لئے داخل نہیں کیا، کیونکہ باقی دونوں پاؤں خود بخود غبار آلود ہوتے رہتے ہیں، حکم تو اسی کام کا دیا جاتا ہے جو اس سے پہلے موجود نہ ہو، تاکہ اس کے (کرنے کے سبب) انسان میں حیوانیت (کا اثر) زائل ہوسکے)

---

[۱] درمختار اور شامی میں ہے أو قرأ بها عاجزاً فجائز اجماعاً قید القراءة بالعجز لان الاصح رجوعه الی قولهما وعلیه الفتوٰی وفی الهدایة وشرح المجمع لمصنفه وعلیه الاعتماد (شامی بیروت ۴۸۶ج۱) یعنی اگر غیر عربی زبان میں عربی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں قرأت کرے تو بالاجماع نماز جائز ہے کیونکہ اصح روایت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین (ابو یوسف و محمدؒ) کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اسی پر فتوٰی ہے اور ہدایہ، شرح المجمع میں ہے کہ اسی پر اعتماد ہے ۱۲ (ع-ق)۔

[۲] مشکوۃ میں یوں ہے عن ابی ذرؓ قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الصعید الطیب وضوء المسلم وان لم یجد الماء عشر سنین (الحدیث) رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی ص۵۴ باب التیمم ۱۲ (ع-ق)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَ

يُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿۴۴﴾

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿۴۵﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا اُن کو جن کو ملا ہے کچھ حصّہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ راہ سے۔﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی، اور اللہ کافی ہے مددگار﴿۴۵﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا:

مثل بقوم اعطوا قانونا الهيا لكنهم تركوا تعلمه بالفهم والتفكر فيه نصيبا من قانون الهي يشترون الضللة وهم اخذوا في قراءة القانون من غير تفكر فيه۔ (یعنی اندھا دھند پڑھنا) تو وہ بے سمجھ ہو گئے۔ فضلوا ويضلون غيرهم والله اعلم باعدائكم فهو محافظكم ان عملتم بقانونه فلا يمشي كيد هم عليكم۔

(اس[97] میں ایسی قوم کی مثال دی جن کو قانونِ الٰہی دیا گیا، لیکن انہوں نے اس میں غور و فکر اور سمجھ پیدا کر کے اس کا سیکھنا ترک کر دیا۔ نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ:۔ یعنی ان کو قانونِ الٰہی سے کچھ حصّہ ملا۔ يشترون الضللة:۔ وہ گمراہی خرید رہے ہیں، یعنی وہ قانون کو بغیر سمجھے اندھا دھند پڑھتے رہے تو وہ بے سمجھ ہو گئے۔ پس (اس طرح) خود گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، وہ تمہارا خیال کرے گا اگر تم نے اس کے قانون پر عمل کیا اور تمہارے دشمنوں کی کوئی سازش تم پر کامیاب نہیں ہونے دے گا)

[97]: قانونِ الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے والی قوم اور اس کے انجام سے عبرت کے لیے مثال"

مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ

وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اُس کے ٹھکانے سے، اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا، اور کہتے ہیں کہ سُن نہ سُنایا جائیو، اور کہتے ہیں راعنا، موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں، اور اگر وہ کہتے ہم نے سُنا اور مانا اور سُن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا اُن کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی اُن پر اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم (۴۶)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا :-

يعنى المذكورين فى الآيتين السابقتين كانوا فى اليهود يقولون سَمِعْنَا هذا القانون وعصينا لكن لا نومن به وقالوا وجه عدم ايماننا به انا نومن بالتوراة فقط ونعمل به والحال انهم حرفوه - وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بدل قولهم عَصَيْنَا اى امنا بقانون القران لانه قانون الله وعملوا به لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ لانه تحصل لهم الفائدة بالعمل بالقانون انهم عملوا التوراة وبعدوا من رحمة الله بالتحريف فيه فارسلنا محمدا وانزلنا عليه القانون الذى يصدق القوانين الماضية فلو عملوا به لكان خيرًا لهم ولكن لم يعملوا به لعن الله بكفرهم فبعدوا من رحمة الله تعالى بالكفر بالقران فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا الكثرة فى المجتمع للذين لا يومنون بهذا القانون الالهى وتعداد المومنين به قليل الكثرة جدًا او المعنى يعنى ايمانا قليلا -

یعنی وہ لوگ جن کا ان گزشتہ دو آیتوں ۴۴، ۴۵ میں ذکر آیا ہے، وہ یہودیوں میں تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ ہم نے اس قانون (قرآن) کو سُنا، لیکن اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور اس ـــــــ پر ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ہم[۹۹] تو صرف تورات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے اس میں تحریف کر دی ہے۔ ولو انهم :- یعنی اگر "وہ عَصَيْنَا (نہیں مانا) کہنے کی بجائے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور مانا) کہتے یعنی ہم قرآن کے قانون پر ایمان لے آئے کیونکہ وہ اللہ کا قانون ہے اور اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، کیونکہ ان کو

مسئلہ ۹۸ "یہودیوں کا قرآن پر ایمان نہ لانے کا سبب اور نتیجہ"

اس قانون پر عمل کرنے سے فائدہ ہوتا، انہوں نے تورات پر عمل کیا لیکن اس میں تحریف (تبدیلی) کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہو گئے، پھر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مبعوث فرمایا اور اس پر وہ قانون اتارا جو تمام سابقہ قوانین کی تصدیق کرتا ہے۔ سو اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، لیکن انہوں نے عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کرنے کی وجہ سے لعنت فرمائی، پس وہ قرآن پاک کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دُور ہوتے چلے گئے۔ اب وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ اس کے دو مطلب ہیں:-

(۱) سوسائٹی میں اس قانونِ الٰہی پر ایمان نہ لانے والوں کی کثرت ہے، اور مومنوں کی تعداد بہت کم ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے۔ ان کا ایمان بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ یعنی تھوڑی سی بات مانتے ہیں اور اکثر احکام کو چھوڑ دیتے ہیں۔ غرض جب خاطر میں آئے تو اول مان لیتے ہیں اور باقی احکام کو (یہ کہہ کر) چھوڑ دیتے

ہیں کہ ان کا وقت اب باقی نہیں رہا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے کتاب والو ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں کو پھر اُلٹ دیں اُن کو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے ﴿۴۷﴾

اعنی القانون لانہ یرقیکم بالعمل بہ اٰمنوا بما نزلنا (یعنی اے اہلِ کتاب! اس قانون پر جو ہم اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا:۔

۹۹ "قرآن میں سابقہ کتب الہیہ کی پیشگوئیوں کی تصدیق"

نے نازل کیا ایمان لاؤ کیونکہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تمہیں ترقی دے گا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ یعنی[99] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جس قدر پیشین گوئیاں ان کتب الٰہیہ میں آتی ہیں ان کی یہ کتاب، حرف بحرف تصدیق کرتی ہیں ؏

۱۰۰ "قانون الٰہی پر عمل نہ کرنے کی سزا فہم و شعور کا سلب ہو جانا"

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ الخ: الا ان تلاعون مرة اخری (دوبارہ) الی ان تومنوا بھذا القانون وتعملوا بہ والا نطمس وجوھکم یعنی نسلب منکم مادة الفھم والافھام ثم تغلب علیکم الحیوانیة فلا تبقی فیکم فی الاخر مادة الانسانیہ والدماغ الذی تتفکرون بہ۔

لعنی اے[100] اہلِ کتاب! اب تمہیں دوبارہ اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تم اس

قانون پر ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو ورنہ ہم تمہاری صورتوں کو مسخ کر دیں گے، یعنی تم سے سمجھنے اور سمجھانے کا مادہ چھین لیں گے جس کے نتیجے میں تم پر حیوانیت کا غلبہ ہو جائے گا، آخر کار تم میں انسانیت کا مادہ اور وہ دماغ جس کے ساتھ تم غور و فکر کرتے ہو باقی نہیں رہے گا۔ نطمس[101] وجوھا سے مراد ہے۔ ان کو بزرگی

۱۰۱ "نطمس وجوہا کی تفسیر"

مرفہ الحالی سے محروم کرنا اور ان پر ذلت و رسوائی کا سوار کرنا جو اس صورت میں ہوتی ہے۔ جب ان سے سوچنے اور سمجھنے کا مادہ چھین لیا جائے۔

۱۰۲ "نردھا علی ادبارھم زمین عرب سے نکال نام ارث"

نَرُدَّهَا[102] الخ: المراد بہ اخراجھم من العرب (یعنی فنردھا سے مراد ان کو عرب سے نکال باہر کرنا ہے)

پیشین گوئی کتاب استثناء (۲۸ باب) تورات میں ہے ملاحظہ ہو آیت ۵۲-۵۳، ۶۳-۶۴)

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا: لا بد لکم من ھذا الجزاء ان لم تستفیدوا من ھذا التعلیم فتنزلتم من الانسانیة ونسلب تادة فکرکم وفھمکم۔ (یعنی اگر تم اس

تعلیم سے مستفید نہ ہوئے تو لازماً یہ سزا نہیں مل کر رہے گی، پھر تم انسانیت کے درجہ سے گر جاؤ گے اور ہم کبھی تمہاری فکر اور سمجھ بھی سلب کر لیں گے)

اس میں ایک غلط فہمی کا احتمال ہے جسے دُور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہود مدینہ نے قرآن کو سنا اور اس کی مخالفت کی۔ ان کو سزا ملنے کے متعلق کہا گیا جو انہیں قرار واقعی ملی۔ اسی طرح دنیا میں جس قوم کو قرآن کی تعلیم سمجھائی گئی اور اس کے بعد بھی انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو ان کو یہودِ مدینہ کی مانند سزا دی جائے گی۔ غرض یہ سزا صرف اسے ملے گی جس نے قرآن کی تعلیم سُن کر اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

(حاشیہ: ملک میں یا مدینہ میں جو قوم قرآن کی تعلیم سمجھ کر خلاف ورزی کرے گی یہود مدینہ کی طرح سزا کی مستحق ہوگی)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بخشتا اُس کو جو اُس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے، اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اُس نے بڑا طوفان باندھا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ ، ،

اعطوا قانوناً الهيّاً لكي يطيعوه لان اطاعة قانون الله اطاعة الله في الحقيقة كما اليوم في هندوستان الحكومة لبرطانية وحكم ملك هذه السلطنة جار في من يكن في هندوستان لا بد له من تسليم حكم هذا الملك والعمل به وفي صورة المخالفة يستحق الجزاء هكذا اعطى الله قانونه لكي يحصلون الترقي بالعمل به فالذين يطيعون قول علمائهم بدل اطاعة قانون الله تعالى و يخالفون قانون الله تعالى فانه لا يغفر هذه المخالفة (قانون شکنی) ابدا بل يجزيهم به۔ اليهود يومنون بالتوراة لكن بلغ علمائهم بالتحريف الى حد لا يقدر علمائهم على افهامها والنبي عليه السلام يعلمهم تلك التوراة بذريعة القران وتفهم، لكنهم لا يتوجهون اليه وكان ينبغي لهم ان يتوجهوا الى فهم التوراة ويسمعوا قوله بالتدبر لكنهم لم يفعلوا كذلك۔

(یعنی اُن کو قانونِ الٰہی دیا گیا تاکہ یہ اس کی اطاعت کریں، کیونکہ اللہ کے قانون کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے جیسے آج کل ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت ہے۔ اس سلطنت کی بادشاہت کا حکم تمام ان لوگوں پر جو ہندوستان میں رہتے ہیں جاری ہے، اس ملک کے قانون کو ماننے اور عمل کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، ورنہ مخالفت کی صورت میں سزا کا مستحق ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون دیا، تاکہ انسانیت

(حاشیہ: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے مراد اللہ کے قانون کی اطاعت)

اس پر عمل کر کے ترقی کرے، اب جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون کی بجائے اپنے علماء کی بات پر چلیں اور اللہ تعالےٰ کے قانون کی مخالفت کریں اللہ تعالیٰ اس قانون شکنی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ان کو اس کی سزا دے گا۔

یہ قانونِ الٰہی کی نافرمانی شرک ہے جو ناقابلِ معافی جرم ہے۔

یہود تورات پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ان کے علماء نے تورات میں تحریف (تبدیلی) کر کے اس حد تک پہنچا دیا کہ اب خود ان کے علماء کے لئے تورات کو سمجھانا ناممکن ہو گیا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان (یہودیوں) کو قرآن کے ذریعے تورات کی تعلیم دیتے ہیں اور آپ خود بھی سمجھتے ہیں، لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے، حالانکہ ان کے لئے تو مناسب یہ تھا کہ تورات کے سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتے اور آپؐ کی بات پر غور و فکر کرتے لیکن انہوں نے اس طرح نہیں کیا)

غرض یہود اپنے علماء کے کہنے سے تورات کو اصل رنگ میں سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اس شرک کو اللہ نہیں بخشے گا۔

واما الشرک الاخر اعنی اشراک الغیر باللہ تعالیٰ فهو فهم یحرم بسبب انه یقع به فی عزة ذات اللہ تعالیٰ نقص کمال ولانه یجعل الانسان ای فطرته ذلیلة لانه خلق لان یکون حاکما علی الکل۔

۱۰۵۔ شرک کا عام مفہوم بھی شانِ الٰہی میں تنقیص اور قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے۔

(اور جو دوسرا[۱۰۵] شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرانا تو یہ بھی ایک غلط اور حرام سوچ ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شان اور عزت میں نقص واقع ہو جائے گا، نیز اس لئے کہ یہ سوچ انسان کی فطرت کو (بھی) ذلیل بنا دیتی ہے، کیونکہ انسان تو اس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا کہ وہ سب پر حاکم بن کر رہے) اور وہ جب اپنے جیسے یا اپنے سے بھی کم درجہ کی مخلوق کے آگے سر جھکاتا ہے (جن پر حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا) تو درحقیقت قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا اُن کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر ﴿۴۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ:۔

۱۰۶۔ یہودیوں کی خصلت "خود ستائی"

اپنی بڑائی خود ہی بیان کرتے ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ:۔ حالانکہ جو پاک ہے اللہ تعالیٰ اس کی پاکیزگی دوسروں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، اور دوسرے لوگ اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اور اس کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ انسان اپنی تعریف اپنی زبان سے کر کے پاک نہیں بن سکتا۔

ع انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۚ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

ترجمہ: دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، اور کافی ہے یہی گناہ صریح ۔﴿۵۰﴾

ھٰذا: (یہودی علماء) تورات کی کیسی غلط تفسیر بیان کرتے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔

ھٰذا: یہودی جان بوجھ کر تورات کی غلط تفسیر کرتے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے ﴿۵۱﴾

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ بہ طاغوت بمعنیٰ شرک ہے (یعنی یہود)

اپنی مخالف پارٹی کے زیر کرنے کے لئے شرک کرتے اور ٹوٹکے سیکھتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ الخ اپنے آپ کو مسلمانوں سے زیادہ اچھا ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو مسلمان ان سے بدرجہا بہتر ہیں، اس لئے وہ تورات و قرآن دونوں پر عمل کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ کفار سے جو تورات کے منکر ہیں ان کو کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کی جماعت سے زیادہ ہدایت والے ہو، حالانکہ ان کو خبر ہے کہ وہ مشرک ہیں کافر ہیں، مگر ان میں حسد و ضد بھرا ہوا ہے۔

ھٰذا: یہودیوں کا مخالف پارٹی (مسلمانوں) کے خلاف جادو ٹونے کا عمل کرنا اور کفار کو بہتر ثابت کرنا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے، اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاوے گا تو اس کا کوئی مددگار ﴿۵۲﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔

بالعمل علی خلاف کتابهم وهذا الكتاب اعنى القرآن۔ (یعنی ان یہودیوں پر اپنی کتاب (تورات اور اس کتاب قرآن) کی عملی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لعنت ڈال دی ہے یعنی ان کو دھتکار دیا ہے۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾

ترجمہ: کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر۔ ﴿۵۳﴾

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ :۔ الذی وعد به ابراهیم بان یعطی نسله الذی هو المذکور فی الایة الاتیة وهو الذی یقول فی حقه یهود انه لا یعطی غیر الیهود۔

لفظ "امامت ابراہیمی حکمت و سلطنت بنی اسرائیل میں"

(یعنی[۱۱۰] اس سے مراد امامت کی وہ وراثت ہے جس کا ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ آپ کی نسل کو دی جائے گی جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے۔ اس کے بارے میں یہودی کہتے تھے کہ یہ نعمت ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ: یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اُس پر جو دیا ہے اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے، سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور اُن کو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت۔

کتاب وحکمت وعظیم الشان سلطنت ابھی تک ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھی۔ (سورۃ البقرۃ آیت[۱۲۴] کے مطابق)، مگر اب بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو رہی تھی۔

أَمْ يَحْسُدُونَ الخ فالان لما اخذ بنو اسرائیل فی مخالفة القانون الالهی وعمل بنو اسماعیل به مکانهم فاعطیت الحکومة بنی اسماعیل لکن بنی اسرائیل لم یتحملوا ان یروا عظمة (بزرگی) اولاد ابن آخر ابراهیم (یعنی بنی اسماعیل)

لفظ[۱۱۰] "وراثت ابراہیمی کی بنو اسماعیل کیطرف منتقلی پر بنی اسرائیل کا غصہ"

أَمْ يَحْسُدُونَ۔ الخ یعنی اب[۱۱۱] جبکہ بنی اسرائیل قانونِ الٰہی کی مخالفت کرنے لگے اور ان کی بجائے بنی اسمٰعیل نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو حکومت بھی بنو اسماعیل کو دے دی گئی، لیکن بنی اسرائیل نے اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ ابراہیم کے کسی دوسرے لڑکے کی اولاد (بنی اسماعیل) میں یہ بزرگی دیکھیں۔

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ: پھر اُن میں سے کسی نے اُس کو مانا اور کوئی اُس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ۔

لفظ[۱۱۱] "جزیرہ عرب کے اکثر یہود اور نصرانی مسلمان ہو گئے تھے"

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ :۔

ای من بنی اسرائیل من امن به جب[۱۱۱] شام کا ملک فتح ہوا تو نصاریٰ اور بعض یہودیوں میں سے ایمان لائے اور نصرانی بھی بنی اسرائیل کہلاتے تھے تو وہ اکثر شام ومصر اور فلسطین میں مسلمان ہو گئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ای من یومن به لانهم ترکوا الخوض فی کتابهم فوقعوا فی الهلاکة به فلهذا یوصی لکم أیها المسلمون

(یعنی بعض اور یہودی مسلمان ہوگئے بلکہ وہ اس (قرآن) پر ایمان لانے والوں کو روکتے ہیں، کیونکہ اپنی کتاب میں غور و خوض چھوڑ کر ہلاکت میں جا گرے اسی لیئے اے مسلمانو! تم کو مؤکد حکم کیا جا رہا ہے)

کہ تم اپنی نماز جیسا کہ آیت ۴۳ میں حکم ہے خوب سوچ سمجھ اور غور و خوض سے پڑھو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

ترجمہ: بے شک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اُن کو ہم ڈالیں گے آگ میں، جس وقت جل جائے گی کھال اُن کی تو ہم بدل دیویں گے اُن کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب، بے شک اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا۔

اعطی بنو اسرائیل[۱۱۲] التوراة فحرفوه واعطوه الان القران فهم یخالفونه ایضا (سرکشی کرتے ہیں) فیجزون جزاء شدیدا بدل هذه المخالفة (قانون شکنی) بنی اسرائیل کو تورات دی گئی لیکن انہوں نے اس کو بدل ڈالا اب انہیں قرآن دیا گیا، تو اس کی بھی مخالفت کرتے ہیں (سرکشی کرتے ہیں لہٰذا انہیں اس مخالفت کے نتیجے میں اور قانون شکنی کی وجہ سے سخت سزا دی جائے گی) اس لئے کہ اب وہ عادی مجرم قرار دیئے جا چکے ہیں اور عادی مجرم اور پرانے مجرم کو ہمیشہ سنگین سزا دی جاتی ہے (مثلاً جو چور دوبارہ سہ بارہ (جرم کا مرتکب) ہو اس کو گورنمنٹ سخت اور طویل سزا دیتی ہے۔)

[۱۱۲] بنی اسرائیل کو تورات بمع تحریف اور قرآن کی مخالفت پر سخت سزا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک البتہ اُن کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں اُن میں ہمیشہ اُن کے لئے وہاں عورتیں ہیں ستھری اور ان کو ہم داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں۔ ﴿۵۷﴾

وعملوا بهذا القانون فلهم اجر عظیم[۱۱۳] (جنہوں نے اس قانون پر عمل کیا تو ان کے لئے بڑا اجر ہے) جس کا ایک نمونہ مسلمانوں کو اسی زندگی میں ملا کہ انہیں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے ملک عطا کئے۔ (دیکھو آیت ۳۱ سُورۃ النساء پ ۵)

[۱۱۳] اجر عظیم سے مراد سلطنت۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو، اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو، بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا ﴿۵۸﴾

حکومت کا مرحلہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ الخ

سوسائٹی[۱۱۴] نے جب اپنے اندر بہترین لیاقت اور قابلیت پیدا کرلی، تو اب سوسائٹی کو حکومت دی جا رہی ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک امانت اس کے اہل کو دی جائے نااہل کو امانت خدائی نہ سپرد کی جائے۔

ف ۱۱۴، خدائی امانت نااہل کو نہ دی جائے

ضروری[۱۱۵] ہے کہ ہر ایک دوسرے کی امانت، تجارت میں خیانت نہ کرے۔ سوسائٹی کا ہر ایک فرد اپنے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سوسائٹی کی حکومت بہترین نظامِ عمل پیش کرے گی۔ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کی امانت ہضم کرے تو سوسائٹی کے دوسرے افراد آگے بڑھیں گے، اور اس کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں گے۔

ف ۱۱۵، امانت کا صحیح مفہوم

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ جب[۱۱۶] اس سوسائٹی کے افراد کو حاکم بنایا جائے تو انہیں نہایت انصاف سے حکومت کرنی چاہیئے۔ ان دونوں آیتوں میں فرق نہیں۔ پہلی آیت میں جس امانت کا ذکر ہے اسی کو اس آیت میں عدل کی شکل میں حکومت کے لباس میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔

ف ۱۱۶، حکمرانی میں عدل کرنے کا حکم

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ[۱۱۷] اللہ تمہیں حکمت کی بتاتا ہے۔ اللہ زمین و آسمان کا حاکم ہے۔ دُنیا کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کا تابع ہے، مگر اس جگہ اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا بلکہ وعظ و نصیحت کے طور پر فرمایا اور سمجھایا کہ حکومت میں عدل کرو۔ اس میں بتلایا کہ حکومت میں مقصود حکم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ عدل و مساوات کرنا ہوتا ہے۔

ف ۱۱۷، حکومت سے مقصود حکم کرنا نہیں بلکہ عدل و مساوات کرنا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹ ۵

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس

کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اُس کا انجام ﴿۵۹﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا الخ۔

۱۱۸ "حکومت کے متعدد طریقے"

حکومت[۱۱۸] کے طریقے متعدد ہیں۔ ایک یہ کہ ایک آدمی نے تمام کو ایسا محکوم بنایا کہ ان کو اپنا غلام بنایا۔ اب اس کے حکم کی تمام لوگ بے چون وچرا تعمیل کریں گے، اس کے برعکس دوسرا طریقہ یہ کہ سوسائٹی نے اپنے میں سے چند آدمی مقرر کئے ان میں سے ایک کو سردار بنایا، اس کے تمام احکام کی تابعداری کی۔ دونوں صورتوں میں اگرچہ ظاہری طور پر فرق دکھائی نہیں دیتا، مگر حکومت کرنے کے طریقہ کی رُوح کا فرق ہے۔ حکومت[۱۱۹] میں دو پہلو ہیں۔ ① اطیعوا اللہ قانونی پہلو۔ ② اطیعوا الرسول عملی پہلو، جس کا بہترین نمونہ رسولؐ ہے۔

۱۱۹ "حکومت میں دو پہلو قانونی اور عملی"

وَاُولِی الْاَمْرِ[۱۲۰]۔ قانون اور عمل کی زندگی کا بہترین نمونہ دینے کے بعد فرمایا کہ اب تم ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے حکمران بنائے ہیں، یعنی اپنی مرکزی طاقت کی۔ غرض اس دن حکومت کا خاکہ دیا گیا ہے کہ تمہاری اپنی جماعت کی حکومت ہوگی، اس مرکزی طاقت کے لئے ہم نے عمل کرنے کے لئے تمہیں قانونِ الٰہی دیا اور تمہارے سامنے رسول کی عملی زندگی کی روشن مثال ہے، اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمہاری مرکزی طاقت کام کرے گی۔

۱۲۰ "جماعت اُولی الامر سے مراد وہ مرکزی طاقت ہے جو دونوں پہلوؤں کے مطابق عملی جامہ پہنانے کے لئے کام کرے"

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ۔ الخ۔ تم میں جب کبھی جھگڑے پیدا ہوں (جن کا ہونا ناگزیر ہے) تو تمہیں اللہ کے قانون اور رسولؐ کے نمونہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اسی کو اپنا آخری فیصلہ تسلیم کرو۔

ذٰلِكَ خَیْرٌ[۱۲۱]۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے اور جماعت کو قائم رکھنے کے لئے یہ بہترین تفسیر ہے۔ غرض کہ تمہارے جھگڑوں کے فیصلہ کا یہ بہترین طریقہ ہے اس لئے کہ مرکزی طاقت قانونِ الٰہی کے تابع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل زندگی کو سامنے رکھتی ہے۔ اس[۱۲۲] جماعت میں کوئی شخص جبر سے کسی دوسرے پر نہیں بڑھ سکتا، اور یہی مساوات کا درجہ ہے، اور اسی سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔

۱۲۱ "جھگڑوں کے فیصلوں کا بہترین طریقہ"

۱۲۲ "جماعت میں جبر نہیں مساوات ہوتی ہے"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا اُن کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس پر جو اُترا تیری طرف اور جو اُترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے اُن کو کہ اُس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ اُن کو بہکا کر دور جا ڈالے ﴿۶۰﴾ اَلَمْ تَرَ الخ:۔

۱۲۳ "مسلمانوں کی بربادی کا سبب اپنے فیصلے طاغوتی حکومتوں کی طرف لے جانا"

اگر طریقہ[۱۲۳] مذکور کے مطابق جھگڑوں کا فیصلہ کرتے، اور قانونِ الٰہی اور رسول کے نمونہ اور مرکزی طاقت کے

تابع چلتے رہو گے تو دنیا میں ترقی کرو گے، اگر اس کی بجائے دوسری قوموں کی طرف متوجہ ہو گے کہ وہ تمہارے جھگڑوں کا فیصلہ کریں تو برباد ہو جاؤ گے۔ طاغوت غیر اللہ، یعنی کتاب الٰہی کے سوا تو آیت الم تر الی الذین الخ ایک مثال ہے کہ جو قانونِ الٰہی پہ ایمان رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کے قضیئے (جھگڑے) فیصلہ کے لئے غیر اللہ یعنی کتاب الٰہی کے سوا قیصر اور کسریٰ کے پاس جائیں، حالانکہ حکم یہ تھا۔ مسلمان مرکزی طاقت کی طرف رجوع کریں، جو قانونِ الٰہی کی پابندی اور رسولؐ کے عمل کا نمونہ ہے۔

۱۲۳۔ شیطانی قوت مسلمانوں کو ان کی مرکزی طاقت کیطرف رجوع سے روکتی ہے

وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ ان کا مقصد[۱۲۳] یہ ہے کہ مسلمان راہِ راست یعنی مرکزی طاقت کی طرف رجوع نہ کریں، انہیں خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان بھی ترقی کر کے ان کے پایہ کو نہ پہنچ جائیں۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ اپنے نظام کو بتدریج بڑھا کر قرآنی حکم کو دنیا میں پھیلائیں، نہ یہ کہ خود غیر اللہ کے قانون کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ ترکی اور ہند کے بادشاہوں نے جو پچھلی صدی میں نقصانات اٹھائے وہ اس آیت کے مطلب کو بہت واضح کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب اُن کو کہیے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اُس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رُک کر ﴿۶۱﴾

تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ :۔ المراد به اطیعوا اللہ والی الرسول المراد به واطیعوا الرسول یعنی "جب انہیں یہ کہا جاتا ہے اس قانون کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا" اس سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، "اور رسول اللہ کی طرف آؤ" اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کرو! جو ادھر نہیں آتے یہی لوگ منافق ہیں۔

فَكَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ یَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِیۡقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۖ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا ﴿۶۳﴾

ترجمہ: پھر کیا ہو کہ جب اُن کو پہنچے مُصیبت اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ ﴿۶۲﴾، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو اُن کے دل

میں ہے، سو تو اُن سے تغافل کر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن سے کہہ اُن کے حق میں بات کام کی ﴿۶۳﴾

(۶۲) فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ۔

(ان کی) کیسی حالت ہوگی انہوں[125] نے اوپر والا طریقہ چھوڑ دیا ہے، اس کی بجائے اپنے خود ساختہ قانون رائج کئے ہیں توانہوں نے اس کا بدلہ پالیا۔

ف۱۲۵۔ خود ساختہ قانون پر عمل کرنے کی سزا۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ اس قانون شکنی کی سزا دی گئی۔

اِنْ اَرَدْنَآ الخ۔ مگر اب کہتے ہیں کہ ہماری نیت تو اچھی تھی ہم نے صرف مسلمانوں کی صُلح وصفائی قائم رکھنے کے لئے ایسا کیا تھا، حالانکہ یہ غلط ہے۔ کہ وہ غلط کہہ رہے ہیں۔

(۶۳) فَاَعْرِضْ الخ۔ مگر چند بھولے[126] بھالے مسلمان بھی ان مخالفین کے داؤ میں آگئے ہیں، اس لئے ان پر سختی کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ حکم ہوتا ہے کہ ان کو سمجھاؤ! ان کو اس طرح نصیحت کرو! کہ ان کے دِل میں بھی اثر ہو اور وہ سمجھ جائیں۔

ف۱۲۶۔ فریب خوردہ بھولے بھالے مسلمانوں سے نرمی کا حکم۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اُس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے، اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان ﴿۶۴﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الخ۔ یعنی رسول[127] اپنے آپ حاکم نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی اجازت سے اسے یہ کام سپرد ہوتا ہے، اس لئے

ف۱۲۷۔ رسول اللہ کی طرف سے حاکم ہوتا ہے۔

رسولؐ کی اطاعت اس کی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں، بلکہ چونکہ اسے اللہ کے اذن (اجازت) سے یہ مرتبہ ملا ہے، اس لئے اس کی اطاعت لازمی ہے۔ قرونِ[128] اولیٰ کی لونڈیاں اس کو کس قدر سمجھتی تھیں کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو خرید کر آزاد کر دیا تو اسے اپنے خاوند (مغیث) کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار تھا، اس نے الگ ہونے کو ترجیح دی، وہ بوجہ محبّت کے روتا تھا، اس سے متاثر ہو کر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بریرہ سے مغیث سے دوبارہ نکاح کی سفارش کی۔ بریرہ نے دریافت کیا کہ آپؐ کی یہ سفارش ہے یا بحیثیت رسول ہونے کے حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا سفارش ہے تو اس نے قبول نہیں کیا۔ [1]

ف۱۲۸۔ ذاتی مشورہ زمانہ میں بریرہ کا واقعہ۔

---

[1] ملاحظہ ہو عن عروۃ عن عائشۃ الحدیث (متفق علیہ) نیز عن ابن عباس الحدیث رواہ البخاری از مشکوٰۃ ص۲۷۶ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی (ع ح ق)

اس آزادی و حریت کا نتیجہ تھا کہ جب فاروق اعظمؓ جیسی شخصیت نے مصر کے عامل کو فرمایا کہ میں مسلمانوں کی اہلِ کتاب سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا تو عاملِ مصر نے دریافت کیا کہ یہ ذاتی رائے ہے یا شرعی مسئلہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ذاتی، تو عامل نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نمبر ۱۲۹۔ عاملِ مصر کا خلیفہ حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے کو رد کرنا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الخ۔ خود فیصلہ کیا پھر فیصلہ کی غلطی سے مصیبت میں پھنس گئے۔ اے رسولؐ اگر آپ بھی اپنی غلطی کا اقرار کریں اور سیدھے راستہ پر چلنے کا عہد کریں اور اللہ اور رسولؐ کی طرف جھکیں تو اللہ ان کو ایسا راستہ بتائے گا کہ ان کی پہلی غلطی کا کفارہ یہی انہیں مل جائے گا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اُس جھگڑے میں جو اُن میں اُٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے ﴿۶۵﴾

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ۔

نمبر ۱۳۰۔ سوشیل اور حکومت کے معاملات میں ایمان کا معیار

اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ وہ واقعی تیری طرف جھکنے کو آمادہ ہیں۔ یہ ثبوت ہے کہ وہ ایسی حالت پیدا کریں کہ تیرا فیصلہ صدق دل سے منظور کریں، جب تک یہ حالت پیدا نہ کریں، ان کا ایمان سوشیل اور حکومت کے معاملات میں ناقابلِ اعتماد ہے۔ اگر اس بنیادی سطحوں پر انہوں نے اپنی عمارت شروع کی تو ان کی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اس راستہ میں تمام مشکلات کو برداشت کرنے کے لئے ان میں بہت سی آسانیاں پیدا کر دے گی اور وہ تمام مشکلات پر حاوی ہو جائیں گے۔ غرض حکومت میں اس کے متعلق بہت ضرورت پیش آئے گی۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ

دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ

بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾

ترجمہ : اور اگر ہم اُن پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے اُن میں سے اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو اُن کو نصیحت کی جاتی ہے، تو البتہ اُن کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہو دین میں ﴿۶۶﴾

جن میں صدقِ دل سے فیصلہ قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے، وہ تو خدا کے راستہ میں مرنے مارنے و ہجرت کرنے کو سہل سمجھیں گے، مگر دوسرے نہیں ۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

ترجمہ : اور اُس وقت البتہ دیں ہم اُن کو اپنے پاس سے بڑا ثواب، اور چلادیں اِن کو سیدھی راہ ﴿۶۸﴾

وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ ۔:

اس رتبہ کو حاصل کرنے کے بعد ہم ان پر فتوحات کا دروازہ کھول دیں گے ۔

وَلَهَدَيْنٰهُمْ ۔ جب راستہ پر چلنے کی ہمت دکھائیں گے تو ہم ان کو اس راستہ کی مشکلات پر حاوی ہونے کی استعداد عطا کریں گے ۔ غرض اس طرح اس قوم کو بین الاقوامی فیصلہ کرنے کی قوت عطا ہوئی ۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۤءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ

اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

ترجمہ : اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اُس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے اِن کی رفاقت ﴿۶۹﴾

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ ۔: قانونہ والرسول (اللہ کی اطاعت[۱] سے اس کے قانون کی پیروی ہے اور رسول کی اطاعت سے (بھی) مُراد یہ ہے ۔) اس کے نمونہ پر چلنے کی ہمت اور مرکزی طاقت کے ماتحت رہیں گے ۔

[۱] ہوا اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد قانون خداوندی کی پیروی ہے۔

فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ الخ، تو ہم ان کو مندرجہ ذیل درجے عطا کریں گے۔

وَحَسُنَ الخ، اور یہ مرتبے والے (چاروں درجہ والے) ان کے بہترین رفیق ثابت ہوں گے۔

۱۳۲۔ نبوت اور استعداد نبوت:

(۱) نبوّت کی استعداد[۱۳۲] مسلمانوں وغیر مسلمانوں دونوں میں موجود ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا مگر اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر شخص جس میں نبوّت کی استعداد ہو وہ نبوّت کا بھی دعویدار ہو سکتا ہے مثلاً وکیل کا کام ہے کسی شخص کے مقدمہ کے متعلق اس کی طرف سے وکالت کرے اور اس میں بحث کرنے کی قوّت لسانی موجود ہوتی ہے، مگر چونکہ ان کے پاس عدالت میں بحث کرنے کی باقاعدہ اجازت (سند) نہیں ہوتی، لہٰذا انہیں عدالت میں کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اب ایک حکومت کے سفیر کی مثال لیجیے مثلاً سلطنتِ ایران ایک سفیر مقرر کر کے روانہ کرتی ہے، ہندوستان میں آکر سفیر کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو اپنے سرکاری کاغذات دکھلائے، اور اپنی سفارت کی سند ان کے ہاں پیش کرے، اس کے بعد اسے اپنے فرائض منصبی سرانجام دینے کی اجازت ہوگی، اسی طرح استعداد نبوّت ہوتے ہوئے بھی کسی شخص کو نبی نہیں مانا جاتا جب تک اس کے پاس باقاعدہ سند نہ ہو، جس سے نبوّت کا دعویٰ پیش کرے، نبوّت کا کام شروع کرے۔ سند سے مراد یہ ہے کہ وہ پہلی کتاب کو منسوخ کر کے دوسری کتاب لائے، اور ایک نیا مذہب دُنیا میں پیش کرے۔

«نبوت کے لیے سندِ نبوت ضروری ہے»

پہلا نبی آنیوالے کی بشارت دے

(۲) دوسرے یہ کہ جب پہلا نبی دنیا سے رخصت ہونے سے قبل آنے والے نبی کے متعلق دنیا کو آگاہ کر دے جیسے عیسیٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

یا بنی اسرائیل انی رسول الی قوله اسمه احمد (پ ۲۸ سورۃ الصف آیت ۶)

اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اس پر یقین کرنے والا جو مجھ سے آگے ہے تورات اور ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام "احمد" ہے۔

تکمیل مشن کے لیے اللہ کی طرف سے بشارت

(۳) تیسرے یہ کہ جس مشن کے لئے اس نبی کو مامور کیا گیا ہے اس کی تکمیل کے لئے اسے اللہ کی طرف سے بشارت ہو، مثلاً سُورہ طٰہٰ لیجیے (مستند مؤرخ) ابی ہشام اور ابی سعد کے قول کے بموجب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشن کے چھٹے برس یہ سورت نازل ہوئی تھی، اس میں زیادہ تر موسیٰ علیہ السّلام کے واقعات ہیں جو ایک اولوالعزم (زبردست ارادے وہمّت والے) صاحبِ شریعت پیغمبر تھے۔

۱۳۳۔ طٰہٰ میں آپؐ کی کامیابی کی بشارت

اس سورت[۱۳۳] (طٰہٰ پ) کی پہلی آیت مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی میں حکم ہوتا ہے کہ ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو ناکام رہے، یعنی سورت کے آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تسلی و تشفی دی گئی ہے کہ اگرچہ اہلِ مکہ تیرے ساتھ اس سبب سے حد سے زیادہ دشمنی کر رہے ہیں تو اے رسولؐ ان کو سیدھے راستہ پر چلانے کی تلقین کر رہا ہے، مگر مت گھبرا کامیابی کا سہرا تیرے سر پر رہے گا۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کا دعویٰ کرتا ہے تو پہلے اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے، اس کے

بعد دعویٰ پر دلائل اور آخر میں اپنے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے میں کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ یہی کیفیت ہے سُورہ طٰہٰ کی۔ اس سورت کے شروع میں آپ کو تسکین دی گئی کہ دشمنوں کی عداوت سے مت گھبراؤ، اور آخر میں کہا قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا کہ ہم سب فیصلہ کا انتظار کر رہے ہیں تم بھی فیصلہ کا انتظار کرو۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۵ پ۱۶)

تم سمجھ لوگے کہ سیدھے راستہ پر کون ہے۔

طٰہٰ - ط = ۹ ، ھ = 5 ، میزان = 14 - مطلب یہ ہوا کہ تم چودہ برس تک فیصلہ دیکھ لوگے اور حرف بحرف پورے چودہ برس کے بعد فیصلہ ہوگیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ۹ مبعثی میں معراج ہوا اور اس کے بعد پانچ برس بعد جنگِ بدر ہوئی جس میں مشرکوں کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۳۴ "خاتم النبیین کی تحقیق"

(۴) چوتھا[۱۳۴] قرآن مجید نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو صاف الفاظ میں خاتم النبیّن کہا ہے۔ ختم کے معنی مُہر ہیں اور خاتم کے اگر دونوں معنوں کو لیا جائے تو اوّل پتہ چلتا ہے کہ آپ سب سے آخری نبی تھے، اور آپ کے بعد جیسا کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ کوئی نبی نہیں گزرا، درحقیقت جب نبوّت کمال کو پہنچ گئی اور اس جگہ وہ ختم ہوگئی تو اس کے بعد کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہی نہیں رہتی، کیونکہ اس کے بعد جو نبی بھی آئے گا، وہ یا تو اس رتبہ میں بڑا ہوگا یا مساوی درجہ۔ بہر حال آپ کے بعد دونوں صورتوں کا امکان ناممکن ہے، اس لئے کہ پہلے نبی تو صرف کسی خاص قوم اور خاص وقت کے لئے آتے تھے، اور آپ کو رحمۃ للعلمین (رحمت اقوام کے لئے) بنا کر روانہ کیا گیا۔ اب نہ کوئی برابر اور نہ کوئی بڑا ہی رتبہ والا آسکتا ہے، اگر ختم بمعنی مُہر لئے جائیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ تمام انبیاء کی مہر ہیں، کیونکہ آپ کی ذات کے ساتھ نبوّت کی غرض و غایت وابستہ ہے۔ قانونِ الٰہی جو بین الاقوامی طور پر قوموں کی ہدایت ہے، آخر کار بطور مکمّل قانون قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا۔ نبوّت کے عہدہ کی لوگوں کو ہدایت کے لئے ضرورت تھی، اس لئے ان کو یا تو کوئی کتاب دی جائے یا پہلی کتاب کو منسوخ کرکے دوسری کتاب دی جائے۔ یا زمانہ کی ضرورت کے مطابق کچھ اور قانون دیئے جائیں جو اس بین الاقوامی قانون (قرآن مجید) کی شکل میں دیئے گئے۔

۱۳۵ "دو اتفاق شہادت"

(۵) پانچویں[۱۳۵] جو بات وہ کہے واقعات اس کے مکمّل ہونے کی تصدیق کریں اور شہادت دیں۔ جیسا کہ سورہ روم پ۲۱ میں مذکور ہے[۱]۔

---

[۱] اس سے غالباً حضرت سندھیؒ سورہ روم کی ابتدائی آیات میں مذکور پیشین گوئیوں اور اُن کے واقعاتی صورت میں مکمل ہو کر آیات کی تصدیق کر دینے کیطرف اشارہ کر رہے ہیں، چنانچہ ترجمہ آیات ملاحظہ ہو۔ رومی مغلوب ہوگئے ہیں ملحق قریبی ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد چند برسوں میں عنقریب غالب ہوں گے سب کام اگلے اور پچھلے اللہ کے ہاتھ ہیں، اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، (وہ) جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا، اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ اللہ اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ (سُورہ روم آیت ۱ تا ۵) (رع-ق) اس پیشین گوئی کے تدریجی طور پر ثابت ہونے پر مفصل کلام، "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" از ابو الحسن علی ندوی از صفحہ ۸۰ تا صفحہ ۹۰ طبع مجلس نشریات اسلام کراچی پر ملاحظہ ہو۔ ۱۲ (رع-ق)

ع ۹ ۱۱ ۶

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ترجمہ: یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

اعطائھم اللہ ھذہ العظمۃ (بزرگی) بسبب العمل بالقانون الالٰھی ذٰلك الفضل۔

(یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان (مسلمانوں) کو اس عظمت اور بزرگی کا عطا کیا جانا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے قانونِ الٰہی پر عمل کیا)

۱۳۶۔ "بہترین انعام یافتہ سوسائٹی"

غرض ۱۳۶ سوسائٹی پیدا ہوئی اس سے ایک گھر (خاندان) پھر دو، اسی طرح سوسائٹی بتدریج بڑھتی گئی، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی ضروریات کے لئے حکومت کا طریقہ ایجاد کیا، اس حکومت نے قانونِ الٰہی کی پابندی کی تو سوسائٹی میں بہترین اشخاص جن کا ذکر آیت ۶۹ میں ہے، پیدا ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ بہت بلند کیا۔ ۱۳۷

۱۳۷۔ "جنگ کی ضرورت نظامِ حکومت کے قیام کے بعد ہوتی ہے"

حکومت کرنے کا باب اب ختم ہوگیا۔ اب حکومت میں عملی کام کرنے بتلائیں گے کہ حکومت قائم کرنے کے بعد کیا کیا کام ہوتے ہیں۔ حاکم کو جماعت کی مستقل ضرورت لڑائی کے وقت آتی ہے اس واسطے اسی کا ذکر آگے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جُدا جُدا فوج ہو کر یا سب اکٹھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

جس چیز سے تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھو!

فَانْفِرُوْا۔ الخ خواہ اکٹھے ہو کر جاؤ! یعنی پورا ڈویژن یا جماعت وار یعنی اپنی کمپنی میں، مگر اصل بات کو یاد رکھو کہ اپنی حفاظت کرنے والی چیز کو پاس رکھو! اس کو علیحدہ مت کرو!

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

ترجمہ: اور تم میں بعضا ایسا ہے کہ البتہ دیر لگا دے گا، پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا اُن کے ساتھ ﴿۷۲﴾

۱۳۸۔ "جنگ داؤ پیچ کا نام ہے"

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ:۔ یعنی سستی و ٹال مٹول کرتے ہیں۔

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ اور مصیبت ۱۳۹ کا پہنچنا ضروری ہے، کیونکہ جنگ تو داؤ پیچ کا کام ہے، ذرا سا

پُوکا اور جھوٹ شکست پر آکر سوار ہوئی، اب یہ لوگ سُستی کرتے ہیں تو سُستی سے جماعت کو نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

قَالَ قَدْ اَنْعَمَ الآیۃ۔ غرض یہ اپنے آپ کو جماعت سے الگ سمجھتا ہے اور جماعت کی کامیابی کو اپنی کامیابی نہیں سمجھتا۔

وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُوْلَنَّ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ مَوَدَّۃٌ یّٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اُس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا اُن کے ساتھ تو پاتا بڑی مراد ﴿۷۳﴾

وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ:۔ [ن ۱۳۹] ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ شخصی فائدہ حاصل کریں اور جماعت کا فائدہ مقصود نہیں۔

ن ۱۳۹ منافقین کی جماعت میں شمولیت کا مقصد شخصی فائدہ ہے۔

فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ ۭ وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: سو چاہیئے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دُنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے اُس کو بڑا ثواب ﴿۷۴﴾

فَلْیُقَاتِلْ:۔ آخرت [ن ۱۴۰] درحقیقت اس زندگی کی کھیتی ہے جہاں انسان کامل مکمّل ہوں گے، اس لئے کہا گیا کہ جو اس عارضی زندگی نسبت آخرت یعنی اس دنیا اور دوسری دنیا کی زندگی چاہتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلیں، اور اپنے دشمنوں سے مقابلہ کریں۔

ن ۱۴۰ آخرت اس دنیا کی کھیتی ہے۔

وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ۔ الخ اس کی قربانی سے قوم میں [ن ۱۴۱] زندگی آرہی ہے، اور اس قربانی سے جماعت کو فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔

ن ۱۴۱ شہید کی موت قوم کی حیات۔

وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

ترجمہ: اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے ربّ ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ:۔ مظلوموں[۱۴۲] پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں، اس لئے طاقتور کو ان کی مدد (کرنا) ضروری (ہو جاتا) ہے۔ اسلامی جنگ کا مقصد یہی ہے، یورپ نے پچھلی صدی میں جس طرح یورپین اقوام کی ہمدردی کی ہے، اور پھر یورپین قوم نے بتدریج ترقی کی وہ اس آیت کی صداقت پر ببانگِ دہل مُہرِ صداقت لگاتی ہے۔

۱۴۲۔ اسلامی جنگ کا مقصد مظلوموں کی مدد

وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ۔ الخ[۱۴۳] مسلمانوں کی تعداد مکہ میں بہت کم تھی، وہ نت نئے مظالم کا شکار ہو رہے تھے، نہ صرف مرد بلکہ کمزور طبقہ یعنی عورتوں پر بھی ناگفتہ بہ (ناقابلِ بیان) مظالم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ ان کی آزادی کے لئے جنگ کرنا درحقیقت خُدا کے راستہ میں جنگ کرنا تھا، کیونکہ اس سے ظالم کا ظلم دُور ہو سکتا ہے۔

۱۴۳۔ مکہ کے کمزور مسلمانوں پر مظالم کو دفع کرنا اور آزادی دلانا ہی فی سبیل اللہ ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا سُست ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ، ای لدفع الظلم وهذا الجهاد فی سبیل الله۔

(یعنی مسلمان ظلم کے دُور کرنے کے لئے لڑتے ہیں اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے)

فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ۔ طاغوت[۱۴۴] مشتق طغیان سے ہے یعنی حد سے بڑھنے والا، انسانیت کی حد سے بڑھنے والا، یعنی اپنے شخصی فوائد یا صرف اپنی خاندانی بزرگی کے لئے لڑنے والا، کفار اپنے شخصی یا خاندانی فوائد کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

(۱۴۴۔ قتال فی سبیل اللہ الطاغوت)

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ۔ استبدادی حکومتوں[۱۴۵] میں عوام کی ہمدردی نہیں ہوتی، لوگوں میں اگر بصیرت (شعور اور سمجھ) پیدا ہو جائے، اور ان میں اس قدر استعداد (شعوری طاقت) پیدا کر دی جائے کہ وہ اصل طریقہ حکومت کو سمجھیں تو وہ دیکھنے لگیں کہ قوم صرف قومی حکومت ہی میں ترقی کر سکتی ہے۔ اس طرح استبدادی حکومتوں کی طاقت بہت جلد برباد ہو جائے گی۔

(۱۴۵۔ ظالم حکومت کی عوام میں ہمدردی نہیں ہوتی۔)

وقت الجهاد یکون موانع للانسان مثل حب الوطن والاهل والاولاد۔

(نیز جہاد کے وقت انسان کے لئے بہت سی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں مثلاً وطن کی محبت، اہل اور اولاد کی محبت) تو[۱۴۶] ان کو خیر باد کہہ کر کھڑا ہونے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نہایت آسانی بہم پہنچا دیتے ہیں۔

یہاں چند باتیں فائدے کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

(۱۴۶۔ چند اہم فوائد، ۱۔ اسلام دین رحمت ہے)

(اوّل) اسلام میں ایک روشنی ہے اس کا مقابلہ ظلمت سے کر کے دیکھا جائے، یعنی کفار سے، نہ آپس میں، اگر ایک جماعت مسلمانوں کی دوسری جماعت سے مخالف ہو گئی تو اس سیاسی جھگڑے کی حالت کو دیکھا جائے تو اسلام کا نام بھی نہیں ملتا، اگر اس کو دو علیحدہ علیحدہ شعبوں میں کر کے ہر شعبہ پر علیحدہ نگاہ ڈالی جائے تو اسلام رحمۃ للعالمین ہے۔ اب بھی اس کی رحمت ایسی ہے جیسے صحابہؓ کے زمانہ میں تھی۔ مثل مقابلہ نور الشمس بظلمة اللیل فحینئذ لا ظلمة فی نور الشمس اصلا واذا قوبل نور الشمس بنورها فیری نورها ادنی شیئ (یعنی اس کی مثال یوں ہے کہ سورج کا اگر مقابلہ رات کی ظلمت اور تاریکی سے کیا جائے تو اس وقت سورج کی روشنی میں ظلمت بالکل نہ ہو لیکن جب سورج کی روشنی کا اس کے اپنے نور کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو اس کی روشنی ادنیٰ درجہ کی چیز ہے)

مثلاً گھر میں ظلمت موجود ہے۔ سایۂ دیوار میں ظلمت ہے۔ تہ خانہ میں ظلمت ہے مگر ظلمت رات کے مقابلہ میں سورج کی روشنی گھر میں اور تہہ خانہ میں سب جگہ موجود ہے، بعینہٖ یہی مثال ہے اسلام کی۔ اسلام نے آ کر بین الاقوامی سلطنت قائم کی۔ اندلس سے لے کر چین تک تاجر کو ایک بار محصول دینا پڑتا تھا کیونکہ سلطنت ایک ہی تھی اور دوسروں کی سلطنت سے معاہدہ بین الاقوامی ہوتا تھا تو تمام متمدّن مُلکوں میں اسلام کی برکت سے ایک بار تاجر کو محصول کی تکلیف ہوتی تھی وہ بھی بالکل کم، یہ انسان پر بڑی رحمت رکھی تھی۔

(۲) دوسرا اسلام نے ایک نئی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس میں سوشیل نظام اور اصلاحات جاری کیں اور عمدہ ذہن والی سوسائٹی دنیا میں نمودار (ظاہر) ہوئی، اور قاعدہ ہے کہ سلطنت سوسائٹی پیدا کرتی ہے، اور جب

(۲۔ اسلام نے عمدہ ذہن والی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔)

سلطنت اپنی اعلیٰ قوت پر پہنچ جاتی ہے اس وقت سوسائٹی کو اپنے پنجہ میں کر لیتی ہے، اور اگر سوسائٹی نے اپنے اندرونی نظام کی طرف خیال کیا تو سلطنت بجائے مدد دینے کے اس کو کچل ڈالتی ہے کیونکہ طاقتور سلطنت ہمیشہ ظلم پر کمر کس لیتی ہے تو کسی سوشیل مصلح نے آکر آواز کھڑی کی تو اس کو قتل کرنے کا بہانہ ڈھونڈ کر اس کو فنا کر تی ہے، اس لئے وہ سوشیل اصلاح کے لئے سلطنت کا انقلاب چاہتا ہے تو اس نقطۂ نظر سے اہلِ سلطنت اسلامیہ نے اپنے وظیفہ خوار فقہا سے اس کے کفر کا فتویٰ حاصل کر کے اس کو قتل کر دیا جیسے جہم کو قتل کیا گیا۔ ابن حجر شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ جہم نے خلیفہ کو لکھا تھا کہ تمہارا صوبے دار جو نیا آئے اس کو چاہیئے کہ اہلِ خراسان سے مشورہ کر کے سلطنت کرے پس یہ اس کی خطا تھی۔ اب اس پر معتزلہ ہونے کا فتویٰ لگا کر اس کو قتل کیا گیا کیونکہ حکام اپنی استبدادیت (آمریت) کو قائم رکھنا چاہتے تھے غرض جب تک حکومت زور پر رہتی ہے تو سوسائٹی کو دبائے رکھتی ہے۔ اس میں سوشیل اصلاحات جاری نہیں ہونے دیتی، جب سلطنت کمزور ہوتی ہے تو سوشیل اصلاح کرنے والے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں جب حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کا جھگڑا شروع ہوا تو بہت سے صحابہ اس جھگڑے میں نہ پڑے، اور سوسائٹی کی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے تو بڑے بڑے فقیہہ اور محدّث پیدا ہو گئے، اور بہت سی جماعتیں تبلیغ کے کام میں لگ گئیں اور اس وقت ابراہیم نخعی اور بڑے بڑے فقہا مدینہ اور شام کے اور کوفہ اور بصرہ کے سوشیل اصلاحات کی طرف متوجّہ ہو گئے جس سے نامور محدّث اور فقیہہ اور متکلّم اور طبیب اور شاعر پیدا ہو گئے۔ کیونکہ جو عقلمند لوگ جھگڑوں میں نہیں پڑتے ہیں، یا تو وہ علمی ذوق رکھنے والے ہوتے ہیں تو تمام توجّہ علم کی طرف کر دیتے ہیں، یا وہ اپنی گزران کے کسب کے لئے تجارت اور ہنر کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں تو نئے ہنر ایجاد ہو گئے، اور سوسائٹی آگے ترقی کر گئی۔

(۲) سماجی اصلاحات کی ضرورت و اہمیت

(۳) یہاں تاریخ میں چونکہ بادشاہوں کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں جنگ و جدال اور کشت و خون کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی، مگر سوشل تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو اسلام کی برکت آج بھی ویسی ہے۔ طبقاتِ صوفیائے کرام کا مطالعہ کرو! اور طبقاتِ فقہا، اور طبقاتِ محدّثین اور طبقاتِ ہنرمندوں کا اور طبقاتِ مؤرخوں کا تو اسلام کی برکات لامتناہی (لامحدود) ہیں۔ غرض جب کبھی سلطنت جنگ میں مصروف ہوئی تو سوسائٹی ترقی کر جاتی، اس جنگِ عظیم میں ہندوستانی سوسائٹی کافی ترقی کر گئی۔ اسلام کی یہ سوشل ترقی اب بھی اسی طرح موجود ہے۔

(۳) اسلام کی سوشیل تاریخ اور مسلسل ترقی

(۴) فقیہ سے مراد صوفی فقیہ ہے نہ ملازم سلطنت، سوشل ترقی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ چند با خدا آدمی جیسے محدّث یا فقیہ ان میں سے کسی کے خیال میں آیا کہ اپنی محنت کر کے کھانا چاہیئے اور خدا کو یاد کرنا چاہیئے، اور جتنا ہو سکے غرباء کی خدمت کرنی چاہیئے۔ جب وہ آدمی اس طرح کام شروع کرتا ہو تو اس کے پاس لوگ جمع ہو جاتے ہیں یہ سوسائٹی کی ابتداء ہوتی ہے اور پھر وہ جماعت اپنے مرشد کے

[1] حافظ ابن حجرؒ نے تاریخ طبری کے حوالے سے مذکورہ واقعہ یوں لکھا ہے ،، کہ ۱۲۷ھ میں حارث بن سریج نے بنی امیہ کی طرف سے مقرر کردہ گورنر خراسان کے خلاف خروج کیا کیونکہ حارث کتاب وسنۃ پر عمل کی دعوت دیتا تھا اور جہم بن صفوان اس کا منشی تھا جب حارث اور امیر کے درمیان صلح کے بارے مراسلت ہوئی اور دونوں نے مقاتل بن حیان اور جہم کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کی تو ان دونوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ حکومت ایک شوریٰ کے ذریعے سے ہونی چاہیئے تا آنکہ اہل خراسان کسی ایسے امیر پر راضی ہو جائیں جو ان کے درمیان انصاف سے حکومت کرے لیکن گورنر خراسان مذکور نے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا بلکہ حارث سے جنگ رکھی یہاں تک کہ حارث مروان حمار کی خلافت میں ۱۲۸ھ میں قتل کر دیا گیا جہم کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں میدان جنگ میں ہی مارا گیا بعض کا کہنا ہے کہ نہیں بلکہ قید کیا گیا پھر سفر نے اسکو قتل کروا ڈالا ۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ص۲۸ ج۴۲۹ طبع کراچی ۱۲ (ع ۔ق)

[2] جہم کے اس واقعہ کے حوالہ اور جہمیہ فرقہ کے متعلق دو فائدے آیت ۱۵۸ کی تفسیر کے بعد اصل مسودہ میں تھے جو وہاں بے موقع ہونے کی وجہ سے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

فائدہ[1]:۔ جہم (بانی فرقہ جہمیہ) کے قتل کے واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح ،، فتح الباری" کے آخیر (میں) باب التوحید میں ذکر کیا ہے ۔

فائدہ[2]:۔ امام ابو حنیفہؒ و امام بخاریؒ کو بھی جہمیہ کہا گیا ۔ پہلے فائدہ کے مطابق واقعہ اور وہم حاشیہ [1] میں حوالہ مع صفحہ نقل کر چکے ہیں ، دوسرے فائدہ کا مقصد شاید یہ ہو کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاری رحہ نے چونکہ جبری قوانین کے خلاف آواز بلند کی اس لئے ان کو جہمی (جہم بن صفوان کا حامی) ہونے کا فتویٰ دے کر بدنام کیا گیا واللہ اعلم ۱۲ (ع ۔ق)

طریقہ پر چل پڑتی ہے، اور وہ چونکہ نقیبہ النفس[۱۴۱] (باشعور عالم) خُدا پرست ہوتا ہے۔ حسبۃً لِلّٰہ (رضاء الٰہی کے لئے) ان کے ہر کام میں ان کی مدد کرتا ہے، اور وہ یوں ترقی کے راستے پر چل پڑتے ہیں اور فضول خرچی، اسراف (بے جا خرچ کرنا)، ترفہ (تعیّش) کو چھوڑ کر ہر ایک ان میں اپنی روزی کماتا ہے اور خلق کی خدمت حسبِ شرع (شریعت کے مطابق) کرتا ہے تو ایک بڑی جماعت بن جاتی ہے اور سیاسی سمجھ دار آدمی بادشاہوں کی کج روی دیکھ کر اس سلطنت کے انقلاب کرنے کے لئے ان سے مدد کا طالب ہوتا ہے، اور یہ باخُدا آدمی ظلم دُور کرنے کی خاطر اس کو مدد دیتے ہیں، تو انقلاب ہو جاتا ہے، تو اب سوسائٹی کی ترقی کی یہ انتہا ہے کہ اس نے اپنی سلطنت پیدا کر لی، تو اس سے ثابت ہوا کہ سوسائٹی اوّل ہے اور یہ جُدا چیز ہے۔ اسلام نے سوسائٹی نہایت اعلیٰ درجہ کی پیدا کی، اور سلطنت کی ابتری کے وقت ہمیشہ سوشل اصلاح سوسائٹی میں ہوتی ہے، ورنہ سلطنتِ جابر (ظالم حکومت) سوسائٹی کو اپنے پنجہ میں لے کر اس کو ابھرنے نہیں دیتی۔ اسلام میں ہمیشہ سوشل اصلاح صوفیائے کرام سے ہوتی رہی اور دوسری مُحدّثین سے اور سوسائٹی کی سوشل اصلاح وہ صوفیاء کرام کرتے رہے جن میں تدبّر اور عقل تھی۔

[۱۴۱] اور عقلمند صوفیاء اور باشعور محدثین سماجی اصلاح کے ذریعے انقلاب کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اب مواقع جہاد کے ذکر ہوتے ہیں:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ

ع ۱۰

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾
مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ
فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ
تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ
اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ

يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾
وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِى
الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ
تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا
الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ
حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

النصف ع ۱۱

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، پھر جب

حکم ہوا اُن پر لڑائی کا اُسی وقت اُن میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ، ڈر اور کہنے لگے اے ربّ ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی، کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک، کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر (٧٧) جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں، اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اُن کو پہنچے کچھ بُرائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے، کہدے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے، سو کیا حال ہے اُن لوگوں کا ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات (٧٨) جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو بُرائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے، اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا (٧٩) جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان (٨٠) اور کہتے ہیں کہ قبول ہے، پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اُس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے، اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر اُن سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز (٨١) کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت (٨٢) اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اُس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اُس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اُس کو جو اُن میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی، اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اُس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے مگر تھوڑے (٨٣) سو تو لڑ اللہ کی راہ میں، تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو، قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی کافروں کی، اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں (٨٤) جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اُس کو بھی ملے گا اُس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بُری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اُس میں سے، اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا (٨٥) اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اُس سے بہتر یا وہی کہو اُلٹ کر، بے شک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا (٨٦) اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں، بیشک تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں، اور اللہ سے سچی کس کی بات (٨٧) پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے اُن کو اُلٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے، کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جسکو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہرگز نہ پاویگا تو اُس کے لئے کوئی راہ (٨٨) چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم اُن میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو اُن کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار (٨٩) مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہوگئے ہیں دل اُن کے تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی

تم کو اُن پر راہ ۞

۱۴۸؎ لڑائی کا مقصد جاننے کیلئے نماز و زکوٰۃ اور عدم تشدد کا اصول

(۷۷) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ :۔ یہ لوگ زور دیتے ہیں کہ لڑنے کی اجازت ملے ۔ان کو سمجھایا گیا کہ تمہیں قانونِ الٰہی دیا جا رہا ہے اسے پڑھ کر سوچو کہ لڑائی کیوں کی جاتی ہے، اس کی غرض و غایت کیا ہے، اس لئے نماز پڑھو۔ نماز میں قانونِ الٰہی (قرآن) پڑھایا جاتا ہے، جس کا حاصل اقرار ہے کہ ہم قانونِ الٰہی پر کاربند ہوں گے۔ دوسرا حکم زکوٰۃ، جس کا حاصل یہ کہ غربار کی امداد کی جائے۔ اب معلوم ہوا کہ جنگ کا مُدعا غربار کی امداد ہے اور اس طرح قانونِ الٰہی پر عمل کیا جائے۔ ایامِ تعلیم و تعلّم میں کام کے لئے تیار ہو جاؤ اور مخالفوں کا مقابلہ بالمصابرہ (برداشت و عدم تشدد سے) کرو جیسے آج کل ستیاہ گرہ (خاموش مقابلہ) کہا جاتا ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ الخ: گویا ایک عارضی جوش تھا جو اب ختم ہو رہا ہے۔

۱۴۹؎ بزدل لوگ قرآن سمجھ کر نہیں پڑھتے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ الخ: اگر قرآن ۱۴۹ پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرتے تو انہیں اللہ پر پورا اعتماد ہوتا مگر انہوں نے قرآن کو سوچ سمجھ کر پڑھنا چھوڑ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اللہ کی نسبت دشمن سے زیادہ ڈرتے ہیں، حالانکہ دستور یہ ہے کہ جسے زیادہ قرب ہوتا ہے وہ زیادہ ڈرتا ہے، جیسے بادشاہ کے وزرار بادشاہ سے زیادہ ڈرتے ہیں بہ نسبت اس شخص کے جو کسی اور بادشاہ کی رعایا ہے۔

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ بتحلة لَوْلَا اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ مجمع فيه اسباب الحرب الحاصل هذه اعذادهم الباردة۔

(یعنی جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک طبقہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں سے لرزتا ہے اور وہ یوں کہتے ہیں اے ربّ تو نے ہم پر قتال حلال قرار دے کر کیوں لازم کر دیا ایسا کیوں کیا اس مدت تک مؤخر رکھا جائے جس میں جنگ کے اسباب جمع ہو جائیں، خلاصۂ کلام یہ ہے، یہ ان کے اعذار بارده گھٹیا عُذر) ہیں۔

۱۵۰؎ اسلامی جنگوں میں نقصان کم اور عظیم فوائد

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا: جنگ ۱۵۰ میں چند آدمیوں کے مارے جانے کی پرواہ مت کرو! اس کے نتائج نہایت شاندار نکلیں گے، ان کی خاطر تھوڑا سا نقصان برداشت نہ کرنا حماقت ہے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ تمام لڑائیوں میں جو حضورؐ کے زمانہ میں ہوئیں صحابہؓ تقریباً تین سو سے کم شہید ہوئے اور مخالفین میں سے تقریباً پانچ سو سے بہت کم مقتول ہوئے اور نتائج اعلیٰ پیدا ہوئے کہ براعظم عرب میں اعلیٰ نظام قائم ہو گیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

۱۵۱؎ بزدلی اور تعلیم نبوی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے

۱۵۱ غرض اصل یہی ہے جس کو بزدلی کہتے ہیں۔ یہ وہ لعنت ہے جس نے عظیم الشان مملکتوں کی بنیادیں جڑ سے اکھیڑ دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بزدلی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیم ایک جا جمع نہیں ہوئی، اگر کسی شخص نے اپنے اندر ان دونوں کو جمع کیا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا کیونکہ یہ موت کا ڈر ہے، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

این ما تکونوا الخ (یعنی جہاں کہیں ہو جاؤ موت تمہیں آ پہنچے گی) تو پھر بہادری کی موت کیوں نہ مرتے جس میں قوم کا فائدہ ہو۔

۱۵۲ "بزدلی کیوں؟"

بُزدلی[۱۵۲] انسان کو ہر مصیبت کے مقابلہ سے عاجز بنا دیتی ہے اس کے متعدد اسباب ہیں سب سے بڑا سبب خطرہ موت ہے، اور موت کب آئے گی، یہ بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض افراد کے حق میں موت کا خوف مہلک مرض کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کی وجہ معاد اور تسلسل حیات کے مسئلہ سے وہ غافل ہوتے ہیں اور سعادت دارین (دونوں جہانوں کی کامیابی) کو حاصل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں کو ان کے صحیح مصرف (مناسب جگہ) میں صرف (استعمال) کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ انسان تو اپنے نفس سے غافل ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ شجاعت جس کو خدا نے زندگی کی حفاظت کے لئے اسے بخشا تھا اپنی موت کا باعث سمجھنے لگتا ہے۔ کسی مسلم مُتنفّس (جو زندگی کے سانس لیتا ہو) کو ایک لحظہ کے لئے یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ دینِ[۱۵۳] اسلام اور بُزدلی بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ دین کا ہر جُزو شجاعت و اقدام کی حقیقی تصویر اور اس کی بنیادیں خلوص اور صدق اور عدالت پر استوار ہیں۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (پ سورۃ الانعام آیت ۱۱۶) (تیرے پروردگار کی بات صدق و انصاف میں پوری ہے)

۱۵۳ "دین اسلام اور بزدلی یک جا جمع نہیں ہو سکتے"

انسان ادائے فرائض میں کوتاہی کر کے ایک سانس بھی اپنی زندگی میں نہیں بڑھا سکتا اور نہ شجاعت و اقدام سے ایک سانس گھٹا سکتا ہے تو مومن کو دو باتوں میں سے ایک کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ زندہ رہے تو عزت کی زندگی بسر کرے۔ مرے تو شہید ہو کر بارگاہِ ایزدی میں تقرب حاصل کرے۔

۱۵۴ "جنگ میں نقصان ضروری ہے تو کمانڈر پر نکتہ چینی اصول جنگ کے خلاف ہے۔"

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ تو گویا[۱۵۴] اپنے کمانڈر پر نکتہ چینی کی حالانکہ یہ اصول قوانینِ جنگ کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی نظام ہی قائم نہ ہو۔

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ الخ۔ کیا ان کو اتنی سمجھ بھی نہیں ہے کہ افسر خواہ کتنا ہی مُدبّر ہو وہ فوج کو بغیر نقصان کے جنگ سے کسی صورت سلامت نہیں لے جا سکتا۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ جنگ میں کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوگا مگر سب سے اعلیٰ مدبّر جنرل وہ ہے جو فوج کا نقصان کم ہونے دے، اور نتیجہ جنگ اس کیلئے شاندار ہے۔

(۸۰) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ۔ رسول کا یہ درجہ ہے کہ وہ اللہ کا قائم مقام ہے۔

وَمَنْ تَوَلّٰى۔ الخ۔ جو رسول کو اس حیثیت سے نہیں مانتے وہ اپنا نقصان کریں گے۔ رسول قرآن کی عملی زندگی کا نمونہ ہے، اس کی ہتک قرآن کی ہتک ہے، وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ۔ یعنی جو جماعت کا فیصلہ ہے اسے مانتے ہیں۔ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ۔ جب اپنے بیوی بچوں عزیز و اقارب میں گئے تو رات کو وہاں مشورہ کرنے لگے کہ کسی طرح ہمیں اس جنگ میں شامل ہونا نہ پڑے۔ فَاَعْرِضْ۔ جنگ[۱۵۵] کا وقت ہے اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے سزا نہ دی جائے بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، یعنی اگر وہ جنگ

۱۵۵ "بزدلوں کو دوران جنگ سزا نہ دی جائے"

کے لئے تیار نہیں ہوتے تو زیادہ زور مت دو! وکفی باللہ الخ: تمہیں اللہ مدد دے گا۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ الخ: (یعنی سب کام اللہ کے پاس سے ہیں) اس [۱۵۶] سے بظاہر انسان مجبور محض معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اس مسئلہ قضا و قدر (یہ آیت اور دوسری آیت (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ پ سورہ انعام آیت ۱۱،۱۶ (اور وہ اپنے بندوں پر بالادست ہے)) کا اثر ہے اسلئے مسلمانوں کا تنزل خود ان کے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علماء و صوفیاء کرام نے اپنے طرزِ عمل سے قوی کر دیا ہے، لیعنی آج کل کے ناسمجھ علماء اور غیر فقہا صوفیائے کرام نے، ورنہ گزشتہ اور موجودہ علماء اور صوفیاء (ایسے ہیں کہ) ہندوستان کی گزشتہ ترقی یا موجودہ ترقی ان کے دست کرم سے وجود میں آئی جیسے شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے، اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضاو قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ میں سے ایک ایک شخص ہزاروں آدمیوں کے دل میں گھس جاتا ہے اور سینکڑوں کو خاک میں ملا کر صحیح و سلامت نکل آتا تھا۔ (الکلام مصنفہ شبلی[۱])

۱۵۶: "مسئلہ قضاء و قدر اور مسلمانوں کا تنزل"

(۷۲) وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ الخ: اگر انسان قانون بنائے تو اسے قانون بناتے وقت ایک مصلحت اُسے ایک طرف اور دوسری مصلحت دوسری طرف کھینچتی ہے، مگر وہ قانون کو اپنی مصلحت دیکھ کر بناتا ہے، مگر قوانینِ قرآن اللہ نے فطرتی اصول پر قائم کئے ہیں، اس میں کسی کی رو رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ غرض اگر قرآن مجید کو تدبر سے پڑھیں گے تو ان میں استقلال (مستقل مزاجی) کی حالت پیدا ہوگی۔ [۱۵۷]

۱۵۷: "قرآن کو تدبر سے پڑھنے کا اثر استقلال"

(۷۳) وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ الخ: جنگ کے متعلق جو خبریں ہوتی ہیں اسے شائع کر دیتے ہیں انہیں یہ حق حاصل نہیں تھا۔

إِلَى الرَّسُولِ: [۱۵۸] (یعنی وہ ایسی خبروں کو شائع نہ کریں بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اولی الامر کے پاس پہنچائیں تو آپؐ اور آپ کی سمجھ دار جماعت ان میں غور و فکر کر کے صحیح فیصلہ کریں) کمانڈر اس کے فیصلہ پر عمل کرے ممکن ہے کہ یہ خبر دشمن کے پروپیگنڈا کا نتیجہ ہو۔ اس [۱۵۹] جگہ اولی الامر کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رکھا تاکہ تمام جماعت کی طاقت مراد لی جائے۔

۱۵۸: "جنگ کے متعلق خبروں کی عام اشاعت سے ممانعت"

۱۵۹: "رسول کے ساتھ اولی الامر کا ذکر"

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ: یعنی اس [۱۶۰] نے تم کو عظیم الشان بین الاقوامی قانون دیا۔ رسول بھیجا جس کی عملی زندگی تمہارے لئے نمونہ ہے۔ تمہارا رسول تمہیں ہر ایک بات سمجھا دیتا ہے ورنہ تم شیطان کا شکار ہو کر برباد ہو جاتے۔ غرض لوگوں کو حاکمانہ طریق سے نہیں بلکہ حکیمانہ طریقہ سے پند و نصائح سے راہِ راست پر لایا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مُعلّم کی حیثیت سے لوگوں کو سمجھا رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو لڑنے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا۔

۱۶۰: "بات کہنے کا طریقہ حاکمانہ نہیں حکیمانہ ہونا چاہیئے"

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ (پ سورہ مائدہ آیت ۲۴) (یعنی اے موسیٰ! تو اور

---

[۱] ملاحظہ ہو الکلام شبلی نعمانی ص ۳۷ طبع لاہور مگر اس اقتباس میں توکل پیشہ علماء و صوفیاء سے باشعور علماء شیخ الہند جیسے اور انسان دوست صوفیاء کا استثنا حضرت سندھی کیطرف سے ہے ۱۲ (ع۔ق)

تیرا ربّ دونوں جنگ کرو! ہم تو یہیں بیٹھیں گے) اور تمہارے جنگ کے نتیجہ کا انتظار کریں گے۔

(۸۴) لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ یعنی آپ[۱۶۱] صرف اپنی ذات کے مکلّف ہیں) غرض کمانڈر صرف اپنی ذات پر حکم دے سکتا ہے، باقی فوج کو صرف ترغیب سے بلانے کا حکم ہے۔ قوم میں اس قدر تعلیم چاہیئے کہ وہ اپنے قومی نفع و نقصان سے آگاہ ہو جائیں، اور اس کے لئے ہر ممکن طریقہ پر مدد کرنے کے لئے بڑھیں۔

۱۶۱ "فوج بلانے کا حکم"

وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ بالتعلیم عَلَى الۡقِتَالِ ورضهم ان مفاد القوم فی القتال فان خرجوا للقتال بعد التدبر فیه بالغوا فی امر القتال۔ (یعنی آپ[۱۶۲] مسلمانوں کو تعلیم و شعور کے ذریعے جنگ کرنے پر آمادہ کریں اور ان کو اس پر رضامند کریں کہ قومی مفاد جنگ کرنے میں ہے، تو اس طرح اگر وہ انجام کو سوچ کر جنگ کے لئے نکلیں گے تو لڑائی کے معاملہ میں بھرپور حصّہ لیں گے۔)

۱۶۲ "جہاد کی ترغیب تعلیم کے ذریعے سے دی جائے"

عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ اسی طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا زور توڑ دے گا اور ان کی لڑائی بند کر دے۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ الخ اور اسی طرح کافروں کو سزا دے گا۔

(۸۵) مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً۔ الخ اب اس جماعت کا ذکر ہے جس کے متعلق تمہیں علم نہیں کہ وہ مسلمانوں کی طرفدار ہے یا نہیں، تو اس کے متعلق اگر ایک آدمی جس پر تم کو اعتبار ہے وہ تم سے آکر کہتا ہے کہ یہ قوم مسلمانوں سے جنگ کرنے والی نہیں، بلکہ صدق دِل (خلوص) سے صلح کی خواہاں (خواہشمند) ہے تو تم اس کی بات مان لو! ان کو ایسا مت بناؤ! کہ وہ تم سے بھڑ جائے۔

(۸۶) وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ الخ ایسا ہی[۱۶۳] جب ایک طاقت تم سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں کرتی بلکہ تمہیں سلام کرتی ہے، یعنی سلامتی چاہتی ہے تو تم اس سے لڑائی مت کرو اور اس خیال پر مت بھرے رہو کہ تمہارے پاس طاقت ہے۔ اگر وہ امن کے طلبگار رہیں تو ان کو امن دو۔

۱۶۳ "امن کی طالب قوم سے جنگ جائز نہیں"

(۸۷) اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ الخ اللہ تعالیٰ تم کو ایک ہی تعلیم پر (جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ آلہٖ وسلّم لائے ہیں) قیامت تک اکٹھا کرتا رہے گا تو اب آپ کو چاہیئے کہ آپ لوگوں میں محبّت کا پیغام پہنچائیں اور ان سے محبّت کے طریقہ پر برتاؤ کریں! کیونکہ یہ لوگ تم سے اسی طرح قیامت تک ملتے اور اس دین میں ملتے رہیں گے، جب یہ سلسلہ قیامت تک جا رہے گا تو تم کو پھر چاہیئے کہ ان سے اچھی طرح برتاؤ کرتے رہو تا کہ ان کو اس جماعت میں شامل ہونے سے کوئی مشکلات حائل نہ ہوں، اس[۱۶۴] لئے جو شخص اتنی سفارش کرے کہ یہ جماعت تم سے لڑنا نہیں چاہتی تو تم اس کی بات کو قبول کر لو۔ یہ شفاعت اچھی سفارش ہے۔

۱۶۴ "اچھی سفارش کون سی چیز ہے"

وَمَنۡ اَصۡدَقُ الخ اللہ کی بات بالکل سچ[۱۶۵] ہے کہ قیامت تک اس بین الاقوامی پروگرام میں لوگ شامل ہوتے رہیں گے، اور تاریخ اسلام بتلا رہی ہے کہ اس میں ہمیشہ اقوام کی اقوام داخل ہوتی رہی ہیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

۱۶۵ "قیامت تک لوگوں کے اسلام میں داخل ہوتے رہنے کا وعدۂ خداوندی"

ف ۱۶۶

ف ۱۶۶ منافقت پہچاننے کے لئے تیز شعور کی ضرورت ہے

اب آیات (۸۶ سے ۹۳) میں سمجھایا جاتا ہے کہ کفّار میں دو قسم کے منافق ہوتے ہیں۔ ایک تو اپنی دشمنی، چاپلوسی اور دوستی کے پردہ میں چھپاتے ہیں۔ دوسرے وہ منافق جو اپنی دشمنی کو اعلانیہ ظاہر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی نظر غائر (گہری) اتنی تیز ہونی چاہیئے کہ یہ ان کو پہچان سکیں اور پھر ان سے دوستی دشمنی کا برتاؤ کریں۔

(۸۸) فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ الخ۔ آیت ۸۶ میں ذکر کردہ لوگ تو تم سے محبّت کرتے ہیں اور تم کو دُعا دیتے ہیں، اور صدق دل سے ان کی یہی استدعا ہے، اگرچہ وہ تم سے اس بین الاقوامی پروگرام میں متّفق نہیں، مگر مخالف بھی نہیں تو ایسے لوگ قیامت تک آپ لوگوں سے اس بین الاقوامی پروگرام میں ملتے رہیں گے) مگر وہ منافق کفّار جو ظاہر میں محبّت کا اظہار کرتے ہیں اور باطن میں تم سے لڑنے کی تیاری میں ہیں تاکہ مسلمانوں کو دھوکا دے کر برباد کریں اور مسلمان ان کی منافقت نہیں سمجھتے، اس لئے اس جماعت کو کوئی منافق کہتا اور کوئی کچھ۔ اب کہا جاتا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم نے ان سے صلح کر لی، تو تم اپنے آپ کو غارت کر لوگے تم ان کے بارے میں دو گروہ کیوں ہوئے ہو؟ موضح القرآن[1] میں ہے کہ یہاں خدا تعالیٰ نے منافق ان لوگوں کو فرمایا جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے، لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ محبّت ظاہر کی اور ملاپ رکھتے تھے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اگر اُن کی فوج ہماری قوم پر جاوے تو لوٹ سے اور مارے جانے سے بچ رہیں جب مسلمانوں نے یہ معلوم کیا کہ ان کا اخلاص اس غرض سے ہے تو بعضے مسلمان کہنے لگے کہ ان سے ملنا ترک کیجیئے تاکہ ایک طرف ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ملتے رہیئے شاید ایمان لے آویں، سو اس آیت میں فرمایا کہ منافقوں کے بارے میں دو پارٹیاں کیونکر بنتے ہو؟ اب منافق کی تعریف اگلی آیت میں فرمائی۔

(۸۹) وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ الخ۔ اس آیت کے پہلے حصّہ میں صاف طور پر بتلا دیا کہ منافق کافر ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی کافر بنائیں، اس واسطے ان سے دوستی کرنے کی ممانعت آئی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتح الرحمٰن میں اس آیت کے ترجمہ و تفسیر کے ذیل میں منافق کی تعریف کرتے ہیں۔

پس چیست اے مسلمانان شمارا در باب تملق کنندگان دو گروہ شدید یعنی بعض بہ تملق فریفتہ شدند و بعض نشدند و می بایست کہ ہمہ باتفاق فریفتہ نمی شدند۔[2]

ف ۱۶۷ "منافق" کی تعریف

(یعنی اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم چاپلوسی کرنے والوں کے بارہ میں دو گروہ بن گئے یعنی بعض ان کی چاپلوسی پر فریفتہ ہو گئے اور بعض نہیں ہوئے حالانکہ سب کو بالاتفاق (ان کی چاپلوسی سے) متاثر نہ ہونا چاہیئے) فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْهِجْرَةِ (پس اگر وہ اسلام اور ہجرت سے روگردانی کریں) یعنی تم ان سے صلح وغیرہ مت کرو جب تک کہ وہ تمہاری جماعت میں آ کر نہ مل جائیں۔ اگر وہ اس طرح کا ملنا نہیں چاہتے۔ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا الخ۔ آیت (۸۸) میں بتلایا گیا تھا کہ اگر کوئی قوم تم سے صلح کرنے کی خواہش کرتی ہے تو اس سے صلح کر لو، اب بتلایا کہ صلح کرنے یا ان کو امن دینے سے پیشتر تسلّی کر لینی چاہیئے کہ وہ تمہیں تباہ کرنے کے لئے تمہاری طرف تو نہیں جھک رہے ہے۔ اب آیت کے اگلے حصّہ میں ان کی سزا تجویز

ف ۱۶۸ "صلح اور امن دینے سے پہلے تحقیق کا حکم"

[1] ملاحظہ ہو قرآن مجید مع موضح القرآن ص ۱۲۱ طبع تاج کمپنی لاہور ۱۲۔

[2] ملاحظہ ہو قرآن مجید مع فتح الرحمان ص ۱۰۰ طبع تاج کمپنی لاہور ۱۲۔

کر دی گئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے:۔ ۱۶۹

(۹۰) اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ الخ۔ ان منافقوں کے اب دو حصے کر دیئے ہیں۔ پہلے حصے کا اس آیت میں ذکر ہے کہ وہ کافر ہیں اور ان کا کسی ایسی جماعت سے تعلق ہے جن سے مسلمانوں کی دوستی یا عہدنامہ یا وہ لڑنے کا ارادہ یا قوّت ہی نہیں رکھتے۔ ان سے مسلمانوں کو نہیں لڑنا چاہیئے۔ اس آیت کے آخری حصہ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

۱۶۹ اور منافقت کی پہلی قسم کا ذکر اور حکم۔

یعنی اگر اسلام آرند و ہجرت کنند ایشاں دوست باید گرفت و اگر اسلام نیارند می باید کشت مگر آنکہ معاہد باشند و ثابتان را بر عہد و حلفائے معاہداں را ہیچ راہ نتواں ایذا داد[1]

(یعنی اگر وہ (کافر) لوگ اسلام قبول کر لیں اور ہجرت کر لیں تو ان کو دوست بنا لینا چاہیئے لیکن اگر اسلام نہ لائیں تو انہیں قتل کرنا چاہیئے مگر ان میں (۱) جو معاہد ہوں اور اپنے عہد پر برقرار ہیں۔ (۲) اور جو ان معاہدہ کرنے والوں کے حلیف ہیں انہیں ایذا دینے کی کوئی راہ نہیں۔)

غرض اب بتلایا کہ جو لوگ صدق دل سے صلح یا امن کے خواہاں ہوں ان سے صلح اور ان کو امان دینی چاہیئے ان سے لڑنے کی اجازت نہیں اس لئے کہ وہ صدق دل سے صلح کے خواہاں ہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْؕ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْھَاۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا اَیْدِیَھُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْؕ وَاُولٰٓئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۹۱﴾ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔاۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَھْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْاؕ فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّکُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍؕ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ

ع ۱۲ / ۹

---

[1] ملاحظہ ہو قرآن مجید مع فتح الرحمان صـ۱۱۳ طبع تاج کمپنی لاہور ۱۲

مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

ترجمہ: اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی، جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اُس کی طرف لوٹ جاتے ہیں، پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور اُن پر ہم نے تم کو دی ہے کھلی سند[۹۱] اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے، اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے اُس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور اُن میں عہد ہے تو خوں بہا پہنچائے اُس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی، پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھو دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[۹۲] اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اُسی میں اور اللہ کا اُس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اُس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔ ﴿۹۳﴾

(۹۱) سَتَجِدُونَ اٰخَرِیْنَ الخ

منزل۱۷۱ منافقت کی دوسری قسم کا ذکر۔

اب منافقوں کے دوسرے حصہ کا ذکر ہے جو چاپلوسی سے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی اور کفار میں بھی آرام سے رہیں ان کو قتل کر دو! کُلَّمَا رُدُّوْا اِلَی الْفِتْنَۃِ۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہتے ہیں

صلح می کنند و باز نقض عہد می نمایند۔ (یعنی صلح کرتے ہیں اور پھر عہد توڑ دیتے ہیں۔)

غرض آیت (۸۸) میں بتلایا کہ منافقوں کی ان دونوں قسموں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ اب اس آیت سے نتیجہ یہ نکلا کہ منافق کا لفظ قرآن میں کافر پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

منزل۱۷۱ کافر و منافق کی حقیقت اور ان سے جہاد کا حکم۔

سورۃ تحریم پ۲۸ آیت (۹) کی و سورۃ توبہ پ۱۰ آیت (۷۳) میں بجنسہٖ موجود ہے۔ ان دونوں مشترکہ آیات میں منافق کا لفظ آیا ہے۔ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ منافق کا لفظ قرآن میں کافر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جہاں کافر و منافق کو اکٹھا کر دیا جائے گا اس کا مطلب ہوگا ایک اعلانیہ کافر اور دوسرا چاپلوسی کافر (منافق) (اور ان دونوں آیات میں) ان دونوں (قسموں) سے جہاد کا حکم ہے جیسا کہ یہاں سورہ النساء کی آیت (۸۸، ۸۹) کی تفسیر میں واضح

---

[۱] ملاحظہ ہو قرآن مجید مع فتح الرحمان ص۱۱۳ طبع تاج کمپنی لاہور ۱۲

[۲-۳] ملاحظہ ہو آیت یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (اے نبی! لڑائی کر منکروں سے دغابازوں سے اور سختی کر اُن پر)

کیا جاچکا ہے۔

نمبر۱۷۲ "جہاد کے معنی مقصد اور حکمت عملی"

جہاد[۱۷۲] کے معنی کوشش ہے جس کا آخری نتیجہ لڑائی ہوگا۔ ہم اپنی تعلیم پھیلانے کی کوشش جب شروع کریں گے تو مخالف لوگ اس میں رکاوٹیں ڈالیں گے۔ اگر ہم اپنا کام تیزی سے جاری رکھیں گے تو لڑائی آخر ضروری ہے اور جس جگہ لڑائی کا خطرہ پیدا ہو جائے اور اس قدر شدت پیدا ہو جائے تو اس جگہ قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم مخالفوں کی اطاعت کرلو مگر لڑو مت تو پھر ہم ان دوستوں کی بات مان لیں گے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاد کا مطلب فقط پروپیگنڈا ہے مگر جب قرآن کی تعلیم عام یہ ہے کہ تم منافقین اور کفار کی بات نہ مانو، ان سے مت دبو اور اپنے کام کو جاری رکھو تو کوئی عقلمند آدمی نہیں کہہ سکتا کہ اس کام کے جاری رکھنے کا مطلب جنگ نہیں ہے۔

نمبر۱۷۳ "قرآن کی انقلابی تعلیم اور لڑائی"

ہم اس[۱۷۳] بات کو کھلے الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد لڑنا نہیں ہے اور نہ ہی جنگ ایسی چیز ہے کہ یہ ہر وقت جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں عام عقلمندوں کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اگر انصاف سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن دنیا میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے اور اپنی تمام تعلیم کو تمام دینوں پر غالب بنانا چاہتا ہے، تو کیا اس کی دعوت اور پروپیگنڈا کا نتیجہ لڑائی نہیں ہوگا۔ جب لڑائی ٹھن جائے گی تو کیا مسلمان کو بھاگ کر گھر آجانے کا حکم ہے؟ اور کیا اس طریقہ سے اسلام دنیا میں غالب ہو سکتا ہے؟ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ ہجرت کے بعد جب اسلام کی ترقی شروع ہوئی تو کیا اسلام کو کوئی دن بھی ایسا ملا ہے کہ اسے آرام سے بیٹھنے کا موقع ملا ہو اور جس دن سے اس نے آرام سے بیٹھنے کا خیال بنا لیا ہے اسی دن سے سب کچھ ضائع ہو گیا۔

نمبر۱۷۴ "اسلام کی تحریک کامیاب بنانے میں بہت کم جانی نقصان ہوا"

ہمارا[۱۷۴] دعویٰ ہے اور مولوی قاضی محمد سلیمان (منصور پوری) نے اسے رحمۃ للعالمین کتاب کی دوسری جلد باب سوم میں ثابت کر دیا ہے کہ اسلام نے تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے کم از کم خونریزی اختیار کی،[۱] اس قدر کم خونریزی کر کے اس قسم کے شاندار نتائج پیدا کرنے ناممکن تھے۔ اس کتاب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگ کے تمام واقعات جمع کئے گئے ہیں اور جس قدر ان جنگوں میں مارے گئے ہیں ان کی تعداد کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے اور اس تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام کے لئے بہت کم آدمی مارے گئے۔ اس قدر کم خونریزی پر اس قدر بڑے مقصد پر کامیابی حاصل کر لینی اسلام کا امتیازی فخر ہے۔ اب اس کے بعد ہم کو کسی "امن شہزادی" کے پروپیگنڈا سے متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات عقل میں نہیں

---

[۱] یعنی تمام لڑائیوں میں جو آپ کو لڑنی پڑیں سب میں مسلمانوں کا نقصان ۲۵۹ آدمیوں کا ہے جن میں وہ تعداد بھی شامل ہے جن کو تبلیغ کے لئے لے جا کر شہید کیا گیا اور دشمنوں کی تعداد ملا کر فریقین کا کل نقصان تقریباً ایک ہزار اٹھارہ آدمیوں کا ہے ۱۲ (تفصیل ملاحظہ ہو رحمۃ للعالمین ص ۲۱۳، ۲۱۴ جلد دوم طبع لاہور) (ع-ق)

آسکتی کہ انسان دنیا میں اس قدر عظیم الشان کامیاب کام کرے اور وہ اس میں انسانی خونریزی کم کرے۔ غرض اب کسی بزرگ یا امن کی شہزادی کے نام سے کسی غلط بات یا غلط تفسیر کو منسوب کر کے ہمیں دھوکا دینے کی گنجائش نہیں ہے۔[۱]

سورۃ البقرہ کی آیت (۳۰) میں فرشتوں کے اعتراض میں انسانی فطرت کو بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کشت وخون کرے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اس کشت وخون کرنے کا اللہ تعالیٰ نے بھی انکار نہیں کیا اور اللہ نے حکمت کے ذیل میں فرشتوں کو کہا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (مجھکو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے)

غیر فطرتی تعلیم سے عام انسانیت کو دھوکا دینا ایک راستباز (سچے) انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق مسیح علیہ السّلام کا نام زیادہ سے زیادہ لیا جاتا ہے اور حالت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام صاف طور پر کہتے ہیں کہ "میں تمہیں لڑانے کے لئے آیا ہوں" یعنی جس قدر لڑائی آخر درجہ کی ضروری ہے اس سے روکنے کے لئے میں نہیں آیا اور ہمارا خیال ہے کہ آخر درجہ کی لڑائی کا نمونہ انسانیت نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ آیت سورہ توبہ میں واقع ہے جو قرآن کا قانون جنگ[۲] ہے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ قانونِ جنگ کی دفعات کو غیر قانونِ جنگ کی دفعات پر حمل کرنا قرآن کی تفسیر کہلاتی ہے؟ اور پھر[۱۷۵] لطف یہ ہے کہ اس کے لئے آسمان سے ایک نبی بھی آتا ہے؟ اسلامی دنیا کی بے بسی کے زمانہ میں وہ تمام دنیا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ غیر مسلم قوم کی غلامی اختیار کریں۔ (یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف اشارہ ہے) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے سیاسی لیڈر بھی اس قسم کی غلطیاں کر چکے ہیں، مگر ان کے کام میں اور اس حرکت کے کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ (سیاسی لیڈر) کہتے ہیں کہ یہ ہماری رائے ہے[۳]، اور ایسا ہونا چاہیئے، اور ان کی رائے غلط ہو سکتی ہے، اور ایک آدمی (مرزا غلام احمد قادیانی) یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہو کر آیا ہوں۔ کہ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ جو میں بتلاتا ہوں، اب جب وہ غلط بات بتلاتا ہے تو اس کو کون مان سکتا ہے۔

> ۱۷۵ ہمارے نبی کے لئے دعویٰ نبوت

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ کیونکہ[۱۷۶] اس نے ایک آزاد مسلمان کو مارا ہے۔ اب جب ایک (مومن غلام) آزاد ہو جائے گا تو اس کی جگہ پُر کر دے گا جو اس کی موت کے باعث خامی ہو گئی تھی اور اس کی مثل جہاد وغیرہ میں شریک ہوگا، اور یمین کے کفارہ میں مطلق رقبہ کی آزادی کا حکم ہے، کیونکہ وہاں کوئی اسلامی نقصان نہیں ہوا۔

> ۱۷۶ یہ کفارہ قتل میں مومن غلام کی آزادی کا حکم کیوں؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

۱؎ سورۂ حشر کی تفسیر میں حضرت سندھی فرماتے ہیں، "مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں، ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحفظ ناممکن ہے۔ اسطرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا ملاحظہ ہو قرآنی شعور انقلاب ص ۱۸۸ طبع کمی دار الکتب لاہور۔ مزید تفصیل ملاحظہ ہو مذکورہ ص۴۲۳ تا ص۴۲۶ از قرآنی جنگ انقلاب (ع۔ ق)

۲؎ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول سورۂ توبہ میں نہیں البتہ اسمیں وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً آیت (۳۶) پ۱۰ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا آیت (۴۱) (پ۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً آیت (۱۲۳) پ۱۱ میں جہاد کے صریح حکم کے علاوہ دیگر آیات بھی جہاد کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں منجملہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ آیت (۱۱۱) پ۱۱ جس میں واضح آیا ہے يُقَاتِلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ (۱۱۱) اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَنا الضحوک القتال (میں ہنس مکھ جنگجو ہوں) البتہ انجیل برنباس ص۱۵۵ میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا خطاب پ۹ آیت ۴۲ میں یوں ہے "اے فقیہو اور کاہنو اور فریسیو اور تم بھی اے کاہنو مجھے بتا دو کہ تم البتہ گھوڑوں کی تو شہسواروں کی طرح خواہش کرتے ہو مگر تم لڑائی میں جانے کی رغبت نہیں کرتے" ۱۲ (ع۔ ق)

۳؎ غالباً اس سے گاندھی مراد ہے جس نے عدم تشدد کے مستقل فلسفہ کا نظریہ پیش کیا۔ ملاحظہ ہو افادات و ملفوظات ص۱۱۶ و خطبات (ع۔ ق)

۱؎ سورۂ حشر کی تفسیر میں حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں، مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں، ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحفظ ناممکن ہے۔ اسطرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا ملاحظہ ہو قرآنی شعور انقلاب ص ۱۸۸ طبع کمی دارالکتب لاہور۔ مزید تفصیل ملاحظہ ہو مذکورہ ص۲۲۳ تا ص۲۲۶ (قرآن جنگ انقلاب ص۱۲۵ ع۔ق)

۲؎ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول سورۂ توبہ میں نہیں البتہ اسمیں وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً آیت (۳۶) پ۱۰ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا آیت (۴۱) (پ۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً آیت (۱۲۳) پ۱۱ میں جہاد کے صریح حکم کے علاوہ دیگر آیات بھی جہاد کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں منجملہ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ آیت (۱۱۱) پ۱۱ جس میں واضح آیا ہے فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ (۱۱۱) اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے أنا الضحوك القتال (میں ہنس مکھ جنگجو ہوں) البتہ انجیل برنباس ص۱۵۵ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا خطاب پ۹ آیت ۴۲ میں یوں ہے اے فقیہو اور کاہنو اور فریسیو اور تم بھی اے کاہنو مجھے بتاؤ کہ تم البتہ گھوڑوں کی تو شہسواروں کی طرح خواہش کرتے ہو مگر تم لڑائی میں جانے کی رغبت نہیں کرتے" ۲ (ع۔ق)

۳؎ غالباً اس سے گاندھی مراد ہے جس نے عدم تشدد کے مستقل فلسفہ کا نظریہ پیش کیا۔ ملاحظہ ہو افادات و ملفوظات ص۱۱۶ و خطبات (ع۔ق)

خَبِيرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ عَلَى الْقٰعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اُس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں، تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا، سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں، تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرلو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے ﴿٩٤﴾ برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ، اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا، اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں ﴿٩٥﴾ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے، اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ﴿٩٦﴾

۹۴۔ فَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقٰى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ الخ۔

مجاہدین اور قاعدین کے درجات

اگر ایک آدمی سلامتی چاہتا ہے تو اسے سلامتی دو! وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی لڑنے والی جماعت اور جو جماعت کہ شہر میں انتظام کے واسطے رہ گئی، اور جو جماعت اپنی کھیتی باڑی میں اور تجارت وغیرہ میں مشغول ہے، کیونکہ اس کے باعث جنگ میں کھاد و خوراک ملتی ہے، اور ملک میں انتظام رہتا ہے اور اس میں شرط (یہ) ہے وہ قاعدین ہوں، ہر اعتبار سے، یعنی جنگ کے وقت ملکی انتظام میں بہت خلل آجاتا ہے، اور اندرونی نظام ڈھیلا ہو جاتا ہے، اور اقتصادی حالت بالکل خراب ہو جاتی ہے تو یہ شخص خاموش ہو کر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے، اور اعتراض نہیں کرتا یعنی انتظامی کاموں پر اعتراض نہیں کرتا، اور شورش برپا نہیں کرتا تو اس کے لئے بھی بہت درجہ ہے اس لئے کہ وہ بھی درحقیقت مجاہدین کی مدد کے لئے ہے۔

(۹۶) دَرَجٰتٍ :- اللہ ان کو بہت مراتب عطا کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کفار کی رعیت بن کر جنگ کی حالت میں بیٹھ رہے تو اس کا بیان آتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

ع ۱۳ ۵ ۱۰

ترجمہ: وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اُس حالت میں کہ وہ بُرا کر رہے ہیں اپنا، کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اُس ملک میں، کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں، سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بُری جگہ پہنچے ﴿۹۷﴾

۱۷۸ "جنگ میں کفار کی رعیت بن کر بیٹھ رہنے والوں کی مذمت اور حکم"

(۹۷) دوسری[۱۷۸] جماعت ہے کہ وہ اس فیصلہ میں کہ جنگ کرنی چاہیئے شریک نہیں ہوتی، اور وہ ظلم کو مٹانے کے لئے تلوار نہیں اٹھاتی یا دارالحرب میں سکونت رکھتے ہیں، اور ان کافروں نے مسلمانوں سے جنگ چھیڑ دی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی ظالموں یا کافروں کے ساتھ ہیں کہ اگر مسلمان کفار کے ملک میں بیٹھ بیٹھ کر کھیتی باڑی یا تجارت کرتا ہے تو یہ اقتصادی امداد کفار کی کرتا ہے۔ یہ شخص بھی مسلمانوں سے جنگ کرتا ہے۔

۱۷۹ "ہجرت کا حکم اور حکمت"

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللهِ (کیا[۱۷۹] اللہ کی زمین وسیع نہیں؟ یعنی) دوسری جگہ جا کر کام کر سکتے ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (حجاز میں) مکہ سے ہجرت کر کے (حجاز میں) مدینہ تشریف لے گئے، اور وہاں تیاری کر کے مکہ کو فتح کر لیا۔ غرض اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم اپنی جگہ دشمنوں کے خلاف کام نہیں کر سکتے، تو اپنے ملک کے کسی دوسرے ملک میں یا ملک کے قریب اس جگہ مقیم رہو جہاں دشمن کے ساتھ کام کر سکتے ہو، اور دشمن سے جنگ کرنے یا دشمن پر حملہ کرنے کی تیاری کر سکتے ہو۔ یہ غلط خیال ہے کہ کسی دُور دراز ملک میں ہجرت کر جائیں جہاں اپنے ملک کی بہتری کے متعلق انسان کچھ نہ کر سکے، اور اپنے ملک کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے کوئی ذریعہ استعمال نہ کر سکے۔

غرض ایسے لوگ جو باوجود عقل و ہمت کے دشمن کے ملک میں بیٹھ کر خاموشی سے کام کرتے ہیں تو یہ بھی درحقیقت اپنے اقتصادی ذریعہ سے دشمن کو مدد دے رہے ہیں تو اس کا جُرم قابلِ معافی نہیں، کیونکہ ان کو چاہیئے تھا کہ جنگی حالت میں دشمن کے انتظام پر اعتراض کرتے، یا کوئی شورش برپا کرتے جس قدر ان میں عقل تھی۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

ترجمہ: مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ ﴿٩٨﴾ سو ایسوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا ﴿٩٩﴾

مستضعفین کا حکم [۱۸۰]

(۹۸) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ ۔ ایسوں کو معاف کر دے گا جن کو کوئی حیلہ نہیں آتا کہ دشمن کے خلاف کام کریں، یا شورش برپا کریں، ان کو کوئی راستہ نہیں سوجھتا جس سے مسلمانوں کی امداد کریں تو اللہ ان کے لئے کوئی ایسا راستہ نکال دے گا کہ یہ اپنے دشمن کے خلاف عملی جدّ و جہد کریں۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾ ع

١٤ ع

ترجمہ: اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا اُس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اُس کو موت تو مقرر ہو چکا اُس کا ثواب اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ﴿١٠٠﴾

ہجرت کا دنیاوی فائدہ [۱۸۱]

(۱۰۰) وَمَنْ يُهَاجِرْ الآیۃ۔ یعنی اللہ کی راہ میں جو ہجرت کرے گا تو دینی دشمن کو شکست دینے کی جگہیں اس کو بہت ملیں گی جس سے وہ دشمن کو ذلیل کرے اور غصہ دلائے

مُرَاغَمًا [۱۸۱] راغمہ ای غاضبہ ۔ نابذہ ۔ یعنی سفاعلہ یہ بابِ مفاعلہ سے اسم ظرف ہے اور یہ مشتق ہے راغمہ سے جس کا معنی ہے غاضبہ نابذہ یعنی غصہ دلانا، پھینکنا۔ وَسَعَةً [۱۸۲] یعنی) دوسرے یہ کہ مال میں بھی اس کو وسعت دے گا اور اس کے دوست احباب بھی بہت ہو جائیں گے۔

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ لِاَنَّه ما قصر فی امر المقابلة بعدو بل خرج بهذه الارادة -
(یعنی اس کا اجر ثابت ہوگیا کیونکہ اس نے اللہ کے دشمن کے ساتھ مقابلہ میں کوتاہی نہیں کی بلکہ وہ اسی (مقابلہ کے) ارادہ سے نکلا۔)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا

فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا
تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ
اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ
النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا
يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓاَنْتُمْ
هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ
يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ
يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾
وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ
اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

مِنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے، اگر تم کو ڈر ہو کہ ستادیں گے تم کو کافر، البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور جب تو اُن میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے تو چاہیئے ایک جماعت اُن کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں اپنے ہتھیار، پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے، اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار، کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی، اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اُتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ، بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو، بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں ﴿۱۰۳﴾ اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جسطرح تم ہوتے ہو، اور تم کو اللہ سے امید ہے جو اُن کو نہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿۱۰۴﴾ بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا دے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا ﴿۱۰۵﴾ اور بخشش مانگ اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۰۶﴾ اور مت جھگڑ اُن کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں، اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغاباز گنہگار ﴿۱۰۷﴾ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ اُن کے ساتھ ہے جبکہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اُس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے ﴿۱۰۸﴾ سُنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو اُن کی طرف سے دنیا کی زندگی میں، پھر کون جھگڑا کرے گا اُن کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا اُن کا کارساز ﴿۱۰۹﴾ اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا بُرا کرے پھر اللہ سے بخشوا وے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان ﴿۱۱۰﴾ اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿۱۱۱﴾ اور جو کوئی کرے خطا یا گناہ پھر تہمت لگادے کسی بے گناہ پر تو اُس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح ﴿۱۱۲﴾ اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی اُن میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکا دیں، اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اللہ نے اُتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا،

اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔

(۱۰۱) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ الخ: فی سفر الجهاد۔ (یعنی اے مسلمانو! جب تم سفر کرو یعنی جہاد کے سفر میں نکلو تو تم پر نماز کے قصر میں کوئی حرج نہیں۔) یعنی جہاد کو نماز سے بلند رکھا۔[۱۸۲]

ﷲ ۱۸۲ ”جہاد کو نماز سے بلند رکھا“

وللقصر صورتان احدیہا الجمع بین الصلوتین۔ الثانیۃ۔ قصر الرکعات۔

اور قصر کی دو صورتیں ہیں[۱۸۳] (۱) جن میں سے ایک دو نمازوں کے درمیان جمع کرنا۔ (۲) دوسری رکعتوں کو کم کرنا۔

ﷲ ۱۸۳ ”قصر کی دو صورتیں“

(۱۰۲) وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ الخ: فیہ بیان کیفیۃ صلوٰۃ الخوف۔ الخ

(یعنی اس آیت[۱۸۴] میں نمازِ خوف کا طریقہ بیان کر دیا گیا۔) غرض اس جگہ نماز و روزہ کے مقابلہ میں جہاد کو اس قدر فضیلت دی کہ نماز و روزہ کو اس کے ماتحت کر دیا۔

ﷲ ۱۸۴ ”نماز خوف کا طریقہ“

(۱۰۳) فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ[۱۸۵] الخ: نماز کی قانونی طور پر اطاعت کریں اور کمی کے بدلہ ہر حالت میں خدا کو یاد کرو۔

ﷲ ۱۸۵ ”نماز کی قانونی اطاعت کا حکم“

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ[۱۸۶] الخ: یعنی جنگ میں قصر کا حکم عارضی طور پر تھا جیسے مارشل لاء کا اجراء خاص ضرورت کے ماتحت کیا جاتا ہے، ضرورت کے بعد اٹھا دیا جاتا ہے، اور ملک میں وہی پہلا قانونِ امن دوبارہ عود کر (لوٹ) آتا ہے۔

ﷲ ۱۸۶ ”جنگ میں قصر کا حکم عارضی ہے“

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ الخ: لہٰذا اسے وقت پر پڑھ لیا کرو۔ غرض سمجھا دیا کہ خطرہ سے جب محفوظ ہو جاؤ تو پھر نماز پڑھو اور اللہ کے قانون دنیا میں پھیلاؤ۔

(۱۰۴) فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ[۱۸۷] الخ: جنگ میں فریقین کا نقصان ہونا لابدی (ضروری) امر ہے۔

ﷲ ۱۸۷ ”جنگ میں فریقین کا نقصان لازمی ہے“

وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ الخ: لایمانکم بقانونہ تعالی واتباعہ فالفتح یقینی لکم فلا تھنوا فی ھذا الامور وفتح العدو موھوم لعدم ایمانہ بقانونہ تعالی۔

(یعنی[۱۸۸] تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو دشمن (کفار) امید نہیں رکھتے کیونکہ تمہارا اللہ کے قانون پر ایمان ہے اور اس کی پیروی بھی لہٰذا تمہاری فتح یقینی امر ہے سو ان باتوں میں سستی نہ کرو جبکہ دشمن کی فتح، اللہ تعالیٰ کے قانون پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے موہوم ہے۔)

ﷲ ۱۸۸ ”مومنوں کی فتح یقینی امر ہے“

آیت (۱۰۵) تا إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الخ: [۱۸۹] بتلایا جاتا ہے کہ اگر کوئی فریق چکنی چپڑی باتوں سے تجھے پھسلانا چاہے تو اس کا طرفدار مت بن! بلکہ تجھے دوست دشمن میں تمیز کرنی چاہیئے۔ اس آیت میں سیاست، حکومت اور عدالت کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر نظامِ عالم قائم ہے۔ غرض ایک تو وہ ہے جو صرف اپنے قومی نبی کو مانتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنا قومی پروگرام مانتا ہے یعنی اپنے قومی نبی پر ایمان رکھتا ہے اور بین الاقوامی پروگرام پر ایمان نہیں رکھتا مگر چاپلوسی اور دھوکا دہی سے مسلمانوں کو یقین دلاتا ہے

ﷲ ۱۸۹ ”دشمنوں کی چالوں کو سمجھنے کے لیے سیاسی شعور کی اہمیت“

کہ وہ بین الاقوامی پروگرام کے تابع ہے۔ مسلمانوں کو اس سے چوکنّا رہنا چاہیئے۔

(۱۰۷) وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ الخ۔ اگر تجھ سے اس قسم کی غلطی سرزد ہوگئی تو اپنے خُدا سے بخشش مانگ وشان نزول ہذہ الآیات معروف۔ (یعنی ان آیات کا شان نزول مشہور ہے[۱])

غرض قومی پروگرام پر زور دینا اور بین الاقوامی پروگرام سے پیچھے ہٹنا درحقیقت اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔

(۱۰۸) يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ (یعنی لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے) ان کی تمام باتیں ایک نہ ایک دن ظاہر ہو جائیں گی وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا قانون توڑنا یعنی ناانصافی اور ظلم کرنا۔ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ حکمت کا گناہ کرنا یعنی ایسا گناہ کرنا جس میں اپنی جان پر ظلم کرے (۱۱۲) وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً جس نے دونوں قسموں کے گناہ کئے جن کا ذکر آیت (۱۱۱) میں ہے ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا گناہ تو خود کیا اب دوسروں کو بھی لپیٹنا چاہتا ہے اور اس طرح شخصی معاملہ کو قومی بنانا چاہتا ہے (۱۱۳) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (یعنی اللہ نے تجھ پر اتارا) قانون وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی سمجھ دی جس سے تو ہر ایک بات کو سمجھنے لگ گیا۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ۔ اگر تو اس قانون کو غور سے پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا تو اللہ تجھے ان سے بچالے گا۔

---

[۱] چنانچہ ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر عثمانی میں مولانا شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں "منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لیے حیلہ گھڑتے اور آپ کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ ان کو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا، چور کے گھر تک رستہ میں آٹا گرتا گیا، چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں وہ مال بیجا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اس کا واقف تھا، صبح کو مالک نے آٹے کے سُراغ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاشی میں اس کے گھر میں کچھ نہ نکلا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں، آٹے کا سُراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا، اس نے مال کا اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے، میں چور نہیں ہوں مالک نے یہ قصہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا، چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو، یہودی کو چور بنا دو۔ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ کی خدمت میں چور کی برأت پر قسمیں کھائیں، گواہی دی قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جاتے اور مجرم قرار دیا جاتے اس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور سب کو متنبہ فرما دیا کہ چور یہی مسلمان ہے، یہودی اس میں بیچا اور بے قصور ہے اور ہمیشہ کے لیے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کر دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر اس لئے اُتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق تمام لوگوں میں نیک ہو یا بد، مومن ہوں یا کافر حکم اور انصاف کیا جائے اور جو دغاباز ہیں ان کی بات کا اعتبار اور ان کی طرف داری ہرگز مت کرو اور ان کی قسم اور گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ! یعنی ان دغابازوں کی طرف ہو کر یہودی سے مت جھگڑو! ملاحظہ ہو تفسیر عثمانی ص ۱۲۳ طبع رشید یہ ۱۲ (ع۔ق)

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ
اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ع اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ
اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ
اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ
لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ
عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

ع ١٢ / ٧

وقف لازم

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

وَیَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡهِنَّ ۙ وَمَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ فِیۡ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا تُؤۡتُوۡنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡهُنَّ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ ۙ وَاَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیۡمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا
بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ
وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا
يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٣٢﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا
النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾
مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ ع
وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ
إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ

تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ ﴿١٣٨﴾
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ
اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ
لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى

ع ٢٠ / ١٧

الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا
قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ
اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ
مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ
اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ
الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا
بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ
يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ ع يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ
السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً
فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾
وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ﴿١٥٦﴾ وَّ
قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا
صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ
مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ ۚ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ

هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ

مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ع

اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ

وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ

قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ

الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ

اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ۭ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا

ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ۙ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڗ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ

وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ۧ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ

وقف لازم

ع ٣٤ ٣

عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ

يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: کچھ اچھے نہیں اُن کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں، اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے تو ہم اُس کو دیں گے بڑا ثواب ﴿۱۱۴﴾ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھُل چکی اُس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اُس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اُس کو دوزخ میں، اور وہ بہت بُری جگہ پہنچا ﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ نہیں بخشتا اُس کو جو اُس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اُس کے سوا جس کو چاہے، اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دُور جا پڑا ﴿۱۱۶﴾ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو، اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو ﴿۱۱۷﴾ جس پر لعنت کی اللہ نے۔ اور کہا شیطان نے کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصّہ مقررہ ﴿۱۱۸﴾ اور اُن کو بہکاؤں گا اور اُن کو امیدیں دلاؤں گا اور اُن کو سکھلاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی، اور جو کوئی بنا دے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا صریح نقصان میں ﴿۱۱۹﴾ اُن کو وعدہ دیتا ہے اور اُن کو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے اُن کو شیطان سو سب فریب ہے ﴿۱۲۰﴾ ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پاویں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے اُن کو ہم داخل کریں گے باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں اُن میں ہی ہمیشہ، وعدہ ہے اللہ کا سچا، اور اللہ سے سچا کون (ہے) ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری اُمیدوں پر مدار ہے اور نہ اہلِ کتاب کی اُمیدوں پر، جو کوئی بُرا کام کرے گا اُس کی سزا پاوے گا، اور نہ پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ﴿۱۲۳﴾ اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنّت میں اور اُن کا حق ضائع نہ ہوگا تِل بھر ﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا

جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دینِ ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور
اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست ، اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور سب چیزیں اللہ
کے قابو میں ہیں اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے اُن کی
اور وہ جو تم کو سُنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے اُن یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کے لئے مقرر کیا ہے
اور چاہتے ہو کہ اُن کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور
جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی بھر جانے
سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کسی طرح صُلح اور صُلح خوب چیز ہے ، اور دلوں کے سامنے موجود ہے
حرص ، اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے
عورتوں کو اگرچہ حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لٹکتی ، اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو
تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جُدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دے گا اپنی کشائش سے
اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے (۱۳۰) اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے
حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں
میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہے بے پروا سب خوبیوں والا (۱۳۱) اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ
ہے زمین میں ، اور اللہ کافی ہے کارساز (۱۳۲) اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو اور لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ
کو یہ قدرت ہے (۱۳۳) جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا ، اور اللہ سب
کچھ سُنتا دیکھتا ہے (۱۳۴) اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ
کا یا قرابت والوں کا ، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ اُن کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش
کی انصاف کرنے میں ، اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے (۱۳۵) اے ایمان
والو یقین لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اُس کتاب پر جو نازل
کی تھی پہلے ، اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر
وہ بہک کر دُور جا پڑا (۱۳۶) جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے
کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے اُن کو راہ (۱۳۷) خوشخبری سُنا دے منافقوں کو کہ اُنکے واسطے
ہے عذاب دردناک (۱۳۸) وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر ، کیا ڈھونڈتے ہیں اُن کے پاس عزت
سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری (۱۳۹) اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سُنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے
اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو اُن کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی اُنہی جیسے ہو
گئے ، اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ (۱۴۰) وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں ، پھر اگر تم کو
فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ، اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ

یا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے، سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن، اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ (١٤١) البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی اُن کو دغا دے گا، اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا (١٤٢) اُدھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ، نہ اِن کی طرف اور نہ اُن کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہ پاوے گا تو اُس کے واسطے کہیں راہ (١٤٣) اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح (١٤٤) بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے، اور ہرگز نہ پاوے گا تو اُن کے واسطے کوئی مددگار (١٤٥) مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب (١٤٦) کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا (١٤٧) اللہ کو پسند نہیں کسی کی بُری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سُننے والا جاننے والا (١٤٨) اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اُس کو چھپاؤ یا معاف کرو بُرائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے (١٤٩) جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اُس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اُس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اِس کے بیچ میں ایک راہ (١٥٠) ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب (١٥١) اور جو لوگ ایمان لاتے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جُدا نہ کیا اُن میں سے کسی کو اُن کو جلد دے گا اُنکے ثواب، اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان (١٥٢) تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو اُن پر اُتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اِس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے سو آپڑی اُن پر بجلی اُن کے گناہ کے باعث، پھر بنالیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا، اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح (١٥٣) اور ہم نے اُٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے، اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے، اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے اُن سے لیا قول مضبوط (١٥٤) اُن کو جو سزا ملی سو اُن کی عہد شکنی پر اور مُنکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خُون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کر دی اُن کے دل پر کُفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم (١٥٥) اور اُن کے کُفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر (١٥٦) اور اُن کے اِس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا، اور انہوں نے نہ اُس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے، اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں اُن کو اُس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک (١٥٧) بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف، اور اللہ ہے زبردست حکمت والا (١٥٨) اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین لاویں گے اُس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا اُن پر گواہ (١٥٩) سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام

کیں اُن پر بہت سی پاک چیزیں جو اُن پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت۔ (۱۶۰) اور اس
وجہ سے کہ سُود لیتے تھے اور اُن کو اِس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق، اور
تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو اُن میں ہیں عذاب دردناک، (۱۶۱) لیکن جو پختہ ہیں علم میں اُن میں اور ایمان
والے سو مانتے ہیں اُس کو جو نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفرین ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو
اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے بڑا
ثواب، (۱۶۲) ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسی وحی بھیجی نوح پر اور اُن نبیوں پر جو اُس کے بعد ہوئے، اور وحی بھیجی ابراہیم
پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اُس کی اولاد پر اور عیسیٰ پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان
پر، اور ہم نے دی داؤد کو زبور۔ (۱۶۳) اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سُنایا تجھ کو اُس سے پہلے اور ایسے رسول جن
کا احوال نہیں سُنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر، (۱۶۴) بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سُنانے والے تاکہ باقی
نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا، (۱۶۵) لیکن اللہ شاہد ہے اُس پر
جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا، (۱۶۶)
جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دُور جا پڑے۔ (۱۶۷) جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے
والا نہیں اُن کو اور نہ دکھلاوے گا اُن کو سیدھی راہ۔ (۱۶۸) مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے، (۱۶۹)
اے لوگو تمہارے پاس رسول آ چکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو مان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا، اور اگر نہ مانو گے تو اللہ
کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا، (۱۷۰) اے کتاب والو مت مبالغہ
کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات، بے شک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول
ہے اللہ کا اور اُس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور رُوح ہے اُس کے ہاں کی، سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں
کو، اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑو بہتر ہوگا تمہارے واسطے بے شک اللہ معبود ہے اکیلا، اُس کے لائق نہیں
ہے کہ اُس کے اولاد ہو، اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز، (۱۷۱) مسیح کو
اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں، اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور
تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا اُن سب کو اپنے پاس اکٹھا۔ (۱۷۲) پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے
تو اُن کو پورا دے گا اُن کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے، اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو اُن کو عذاب
دے گا عذاب دردناک، اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار، (۱۷۳) اے لوگو تمہارے
پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اُتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔ (۱۷۴)

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ الآیۃ۔ خفیہ انجمنیں [۱۹۰] اگر کسی خیر کے کام کے لئے ہوں تو درست ہیں۔ ان
میں یہ مقاصد پیش نظر ہوں۔
(۱) لوگوں میں صدقات کا پروپیگنڈا کریں۔ (۲) معروف بات کا حکم دیں۔ (۳) لوگوں کے جھگڑوں

۱۹۰ سری خفیہ تحریکوں اور انجمنیں قائم کرنے کی شرائط

کی اصلاح کریں اور یہ سب کچھ اللہ کی رضامندی کے لئے کریں تو ان کو بڑا اجر دے گا۔

غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٥﴾ جو لوگ مسلمانوں کے راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ اختیار کریں یعنی) ان کے خلاف ایک اور سوسائٹی پیدا کریں۔

آیت[۱۹۱] (۱۱۶ تا ۱۲۱) میں بتلایا کہ وہ (شیطان) لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے کہ وہ اسلامی فیصلہ کی بجائے کسی دوسری طاقت کا فیصلہ قبول کریں، مگر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ صرف وہ فیصلہ قبول کریں جو قانونِ الٰہی کے مطابق ہو اور دوسری طاقتوں کے فیصلہ کی طرف رجوع نہ کریں، ورنہ ان کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

یورپ نے اسی طرح مسلمانوں کی حکومتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دبا لئے۔

(۱۲۲) وَالَّذِينَ آمَنُوا[۱۹۲]۔ قانونِ الٰہی پر عمل کرتے ہیں اور رسولؐ کی مثال ان کے سامنے ہے اور وہ مرکزی طاقت کے تابع ہیں۔[۱۹۳]

(۱۲۲) وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ یعنی اپنے فیصلہ کے لئے دوسری طاقتوں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ[۱۹۴]۔ قانون کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک کو قانون کے تابع رہنا چاہیئے، اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سزا ہے۔

(۱۲۴) وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ۔ انسان قانونِ الٰہی کی اطاعت کرے (۱۲۵) مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ اللہ کے حکم کی تابعداری کرے سے

(۱۱۴) لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ۔ الخ خاص سوسائٹی بنانے کی اس کے بغیر اجازت نہیں کہ:۔

(۱) اس[۱۹۵] میں محتاجوں کی خبرگیری کا مقصد بنایا جائے یا (۲) بری رسمیں جو لوگوں میں رائج ہوں ان کو فطرتی اصول پیش کر کے (صرف) وہ رسیں قائم رکھی جائیں جن کی خوبی عام و خاص پہچان سکیں۔ اس مقصد کے لئے ایک جماعت جمع ہو تو قابلِ اعتراض نہیں یا (۳) حکومت کا فساد جس سے باہمی تنازع بڑھتا ہے اُس کی اصلاح کو مدِنظر رکھ کر کوئی جماعت کھڑی ہو جائے۔ ان تینوں مقاصد کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور دنیا میں ان کو پوری کامیابی ہے۔ یہ ایک طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کے مقاصد کا خلاصہ ہے، کیونکہ اب ایک نبی جماعت تیار کر رہے ہیں اس میں مختلف مذاق کے لوگ جمع ہوں گے اور اپنے اپنے مذاق کے لوگ اپنے مذاق کے موافق مختلف انجمنیں بنائیں گے تو اس تحریک کے اندر جو انجمنیں ہوں گی ان تینوں مقاصد سے خالی نہ ہوں گی۔

(۱) صدقہ کا حکم دینا، لوگوں کو مجبور کریں کہ صدقہ دیں۔

(۲) جو چیز لوگ نہ سمجھ سکیں اس کی انہیں تکلیف نہ دیں۔ (یہ معنی ہیں معروف کے) تمام تکلیفات کو اس نقطہ پر بند کر دینا چاہیئے جس کو عام، خاص اپنی فطرت سے پہچانتے ہیں۔

(۳) لوگوں میں جن چیزوں میں نزاع پیدا ہو اور اس سے مختلف حکومتیں بن جاتی ہیں اور پھر ان میں کشت و خون کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان امور کی ایسی اصلاح کریں جس سے متمدن انسانیت ایک حکومت کے اندر سما جائے۔

[۱۹۱] شیطانی قوتیں قانونِ الٰہی کی بجائے اپنے فیصلے منوا کر اسلامی سلطنت کو تباہ کر دیتی ہیں۔

[۱۹۲] قانون پر عمل کرنے میں رسول کی مثال سامنے ہونی چاہیے۔

[۱۹۳] اپنے فیصلوں کے لئے دوسری طاقتوں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

[۱۹۴] قانون کسی کی خواہش کا تابع نہیں ہوتا۔

[۱۹۵] سماجی زندگی میں تنظیم سازی کے اصول۔

ف آیت ۱۱۴ سے آیت ۱۲۵ تک حضرت سندھیؒ نے پہلے اجمالی تفسیر بتلائی اب آگے دوبارہ تفصیل کے ساتھ ان آیات کی تشریح فرماتے ہیں ۱۱۴ سے۔ (ق)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے عام فہم مقصد ہیں۔ اس کو آپ کی بات ماننے والے آدمی سمجھ کر آپ نے مقصدِ حیات بنا لیا۔ اب اگر کوئی انسان ان نظریات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے، یا عملی طور پر مومنین کا راستہ چھوڑ کر کوئی نیا طریقہ بنانے کی کوشش کرے اس کو اللہ کی طرف سے کوئی صحیح امداد نہیں ملے گی، وہ اپنی کارگزاری کا خود ذمہ دار ہوگا اور واضح حقانیت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ یہ معنی ہیں آیت ومن یشاقق الرسول۔ الخ کے۔

۱۹۶۔ توحید پر یقین اور شرک سے برأت کا حقیقی مفہوم

(۱۱۶) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ الخ یعنی جو[۱۹۶] مقاصد اللہ نے حضورؐ کی معرفت بتلائے ان کیلئے جماعتیں بنانا، اس طریقہ سے حکومتیں پیدا کرنا عقلمندوں کے لئے خدا کو ماننے اور اس کی توحید پر یقین رکھنے کا یہ مطلب ہے۔ عقلی طور پر دُنیا کا پیدا کرنے والا ایک خدا کو مان لینا ان کے لئے توحید کے مطلب کو پورا نہیں کرتا۔ ان کی توحید جب صحیح ہوگی جب وہ اجتماعی زندگی میں خدا کے بتائے ہوئے راستہ سے باہر کوئی راستہ ترقی کا نہیں بتائیں گے۔ اگر انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو اس کو شرک سمجھا جائے گا۔ ان کے حق میں یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔

۱۹۷۔ مشرکانہ غیر فطری راستہ پر چلنے کا انجام

(۱۱۷) اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ الخ جب[۱۹۷] انسان فطرۃ اللہ کے صحیح راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کے سامنے ایسے مقتدا اور معبود پیش ہوتے ہیں جنہیں انسانی فطرت برداشت نہیں کر سکتی۔ انسانی فطرت اپنے سے کم علم اور کم طاقت رکھنے والی ہستی کا اِتباع نہیں کرتی ان لوگوں کی حالت کو تفتیش کر کے دیکھا جائے تو کہیں یہ لوگ دیوی (عورتوں) کو خدا بناتے ہیں۔ انسانی فطرت اس کو برداشت نہیں کر سکتی اور زن مرید ایک گالی ہے، اور کہیں ایسے احمق لوگوں کا اِتباع کرتے ہیں جو انسان کی ضروریات میں ترقی وتنزل کے مسئلہ کو حیوانات کے حالات سے مربوط کر دیتے ہیں اس سے زیادہ کم عقلی کیا ہوگی کہ انسان اگر اپنے حیوان کا کان نہ کاٹے تو اتنا نقصان ہوگا اور جہاں کان کاٹ ڈالا تو اتنی خوبیوں کا مالک ہوگا۔ اس قسم کی خرافات شیطان اور اس کی ذریات (اولاد) کمزور دماغ انسانوں کو دین کے نام سے منوا لیتے ہیں۔ یہ معنی و مطلب ہے اس آیت وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ الخ کا

۱۹۸۔ انسانیت سے بعید ہوجانا جہنم میں گرنے کے مساوی ہے

(۱۲۱) اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ۔ کیا حضورؐ[۱۹۸] کی دعوت جو حکمت سے پُر ہے اور انسانی عقل اس کی خوبی محسوس کرتی ہے اور اجتماعی کام کو باہمی مشورہ سے ترقی دیتے ہیں۔ اس کی مخالفت کرنا اور عورتوں اور شیطانوں کو معبود بنانا کون سی عقلمندی ہے اس کا آخری نتیجہ جہنم ہے۔ انسانیت سے بالکل بعید ہو جانا جہنم کے گرنے کے مساوی ہے۔ جہاد کا مسئلہ جو قوم کے لئے ضروری ہے اس جگہ ختم کر دیا گیا۔ پہلے بتلایا کہ تم قومی ترقی کیسے کر سکتے ہو، اب بین الاقوامی ترقی حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا۔

۱۹۹۔ بین الاقوامی ترقی کا راستہ ملت ابراہیمی پر عملی زندگی ممکن ہے۔

(۱۲۵) وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا۔ الخ۔ یعنی[۱۹۹] تمام کام اللہ تعالیٰ کی مرضی پر کرنا چاہیئے اور ابراہیمی ملت جو بین الاقوامی اصول کا اساس (بنتی ہے) اس کو اختیار کرنا ابراہیم علیہ السلام کی عملی زندگی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا کہ اس کو اپنا

دوست بنا لیا یعنی سراپا ابراہیم علیہ السلام۔

(۱۲۷) قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ :۔ یعنی ضعیف بچوں اور عورتوں کے ساتھ انصاف کرو!

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ :۔ انصاف[۳۰] کے بعد اگر اور زیادہ نیک عمل کرو گے تو اللہ اس کی تم کو جزا دے گا، عَلِيْمًا ○ کہ تم اس قومی ترقی سے بین الاقوامی ترقی کو پہنچو گے، اَنْ يُّصْلِحَا۔ مثلاً حقوق سے دستبردار ہونا پڑے، یعنی میاں بیوی کے تعلقات سے علیحدگی کر لیں اور معاشرتی زندگی اکٹھی بسر کریں۔

۳۰ بین الاقوامی ترقی کے لیے انصاف اور صلح سے رہنا ضروری ہے۔

(۱۲۸) وَالصُّلْحُ خَيْرٌ :۔ صلح سے رہنا اچھا کام ہے اس لئے کہ معاہدے نکاح توڑنے اچھے نہیں ہیں یعنی بین الاقوامی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انصاف سے رہیں، ورنہ ترقی معدوم ہو جائے گی۔ تَتَّقُوْا۔ انصاف کرو بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ یعنی اگر تم اس پر کاربند رہو گے تو تمہیں بتدریج ترقی دے گا۔

۳۱ بین الاقوامی معاملات میں غلطی ممکن ہے۔

(۱۲۹) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا الآيَة۔ یعنی بین[۳۱] الاقوامی معاملات میں ممکن ہے کہ کس وقت غلطی ہو جائے اس لئے کہ انسانی فطرت کمزوری پر قائم رکھی گئی ہے۔

۳۲ سوسائٹی کی صلح میں ترقی۔

وَلَوْ حَرَصْتُمْ :۔ فی القیام علی انصاف۔ (یعنی اگر تم انصاف کے قائم کرنے میں حرص کرو)

فَلَا تَمِيْلُوْا الآيَة۔ یعنی باقی کی نسبت[۳۲] اس کی زیادہ رعایت کرو۔ غرض بتلایا کہ تم صلح میں زیادہ ترقی کر سکتے ہو بہ نسبت اس کے تم آپس میں لڑائی کرو! اور اس سوسائٹی میں تھوڑا تھوڑا حق ہر ایک کو دو تاکہ ہر ایک اپنی ہستی کو قائم سمجھے۔ کسی خاص قوم کا فائدہ مت دیکھو! غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اصلاح و انصاف کے طفیل گزشتہ غلطیاں معاف کر دے گا اور تمہارا وقار قائم رہے گا۔

۳۳ غلط نظام توڑنا ہی بہتر ہے۔

(۱۳۰) وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا الآيَة۔ یعنی[۳۳] نظام کو غلط طریقہ پر چلانے سے توڑ دینا ہزار درجہ بہتر ہے۔ پرانا انتظام جو مُردہ ہو گیا اس پر دوبارہ عمارت تعمیر کرنی حماقت ہے اس کو توڑ دینا اور نیا انتظام کرنا بہتر ہے۔ یہی حالت آج کل مسلمانوں کی ہے۔ جب تک ان کی موجودہ ذہنیت کو تبدیل نہیں کیا جائے گا اور جس قدر مادہ فاسد ان کے اندر بھرا ہوا ہے اس کو نکال کر باہر نہیں پھینک دیا جائے اس دور میں ان کی ترقی محال ہے۔ مکان جو خستہ حالت میں ہے اس کی مرمت لاحاصل ہے اس کو گرا کر از سرِ نو اس کی عمارت عظیم الشان طرز پر کھڑی کی جائے تب کہیں جا کر ترقی کی امید ہو سکتی ہے ورنہ موجودہ صورت میں پیچ پر پیچ لگائے جانا اپنے قیمتی وقت کا حرج کرنا ہے۔

۳۴ قومی نظام میں غریبوں کے ساتھ انصاف بین الاقوامی نظام چلنے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔

۳۵ تقویٰ انصاف قائم کرنے سے خلیفۃ اللہ بننا۔

وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا الآيَة۔ اس[۳۴] میں تمہیں بہت وسعت یعنی ترقی دے گا۔ قومی نظام میں بچوں اور عورتوں یعنی غریبوں کے ساتھ اگر انصاف کرو گے تو اللہ تمہیں اس قدر وسعت دے کہ تم اس سے بین الاقوامی نظام کو بخوبی چلا سکو گے۔

۳۶ انصاف نہ کرنے سے اللہ کا کام نہیں رکتا۔

(۱۳۱) اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ :۔ کہ اللہ[۳۵] کے راستہ میں انصاف کرو گے تو اللہ تمہیں اپنا خلیفہ بنائے گا۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ الآيَة۔ اگر[۳۶] تم دنیا میں انصاف نہیں کرو گے تو اس کا کام نہیں رُک جائے گا۔

(۱۳۲) وَلِلّٰهِ (الی) وَكِيْلًا :- اللہ کی ذات زمین و آسمان کی واحد مالک ہے وہ اپنا کام خود چلاتا ہے، اسے کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔[207]

(۱۳۳) اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ الآیۃ اگر انصاف نہیں کروگے تو دوسری قوم کو پیدا کر دے گا جو اس کے انصاف کو چلائے گی۔[208]

(۱۳۴) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا الآیۃ دیکھو ایک انسان صرف دنیاوی طمع کے لئے ہر ممکن کوشش اور ذرائع اختیار کرتا ہے جن کی تدبیر میں اعلیٰ انصاف اور تدبّر کا مظاہرہ وغیرہ (ہو، وہ) اپنی کوشش میں کامیاب ہو کر آخر کار بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اے مسلمانو! تم کو اس سے زیادہ محنت و تدبیر اور منصف مزاجی دکھلانی چاہیئے اس لئے کہ تمہیں بین الاقوامی ترقی کرنی ہے۔ غرض اب بتلایا کہ دنیا میں اپنی حکومت کی بنیاد انصاف پر رکھو اس لئے ضروری ہے کہ انصاف کرنے کے لئے سچی شہادت ہو، کیونکہ انصاف کا دارو مدار ہمیشہ سچی شہادت پر مبنی ہوتا ہے۔ انسان قومی معاملات میں تو سچی شہادت دے سکتا ہے مگر دوسری قوم کے معاملہ میں وہ بالطبع اپنی قوم کا فائدہ مدِ نظر رکھے گا اس لئے وہ جھوٹ بولے گا۔ اب آگے یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ بین الاقوامی ترقی اس طرح نہیں ہو سکتی۔[209]

(۱۳۵) كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ :- انصاف کو زور سے قائم کرنے والے۔

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ الآیۃ یعنی اگرچہ یہ شہادت تمہاری قومی ضروریات کے خلاف ہو، تب بھی سچی شہادت دے دو![211]

وَاِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا جھوٹی شہادت دے کر کسی کو غنی مت بناؤ! اس لئے کہ غنی بنانیوالی ذات صرف اللہ ہے۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى :- قومی خواہشوں کی تابعداری مت کرو بلکہ قومی فائدہ کی بجائے بین الاقوامی فائدہ کو دیکھنا چاہیئے۔[212]

وَاِنْ تَلْوٗا الآیۃ :- اس قانون سے ذرا سا تجاوز کیا وہیں تمہیں جھٹ سزا مل جائے گی۔

(۱۳۶) اٰمِنُوْا الآیۃ وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں قومی درجہ تک جس طرح تم قومی ایمان لاتے ہو یعنی اس رسول پر ایمان لاتے ہو اسی طرح تم بین الاقوامی ایمان کو مان لو یعنی پہلے تمام انبیاء پر ایمان لے آؤ![213]

وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ :- اور اسی قانون پر جو پہلے انبیاء پر نازل کیا گیا ایمان لاؤ! یعنی بین الاقوامی قانون پر ایمان لاؤ!

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ الآیۃ :- جو دوسرے انبیاء پر ایمان نہیں لایا وہ بین الاقوامی ایمان کا منکر ہے اس واسطے وہ گمراہ ہے۔ اس کا درحقیقت اپنے نبی پر ایمان مکمل نہیں ہے۔

(۱۳۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا :- انہیں قومی قانون دیا گیا مگر انہوں نے سمجھا کہ ہماری ترقی کسی اور قانون سے ہو سکتی ہے اس لئے وہ اس سے منحرف ہو گئے۔[215]

---

[207] اللہ کو وکیل کی ضرورت نہیں۔

[208] اللہ انصاف چھوڑنے سے دوسری قوم پیدا کر دیتا ہے۔

[209] بین الاقوامی سطح کی ترقی کے لئے زیادہ محنت تدبیر اور منصف مزاجی کی ضرورت ہے۔

[210] انسان دوسری قوم کے معاملہ میں بالطبع اپنی قوم کا فائدہ سوچتا ہے۔

[211] بین الاقوامی حکومت انصاف اور سچی شہادت ہی سے قائم ہو سکتی ہے۔

[212] قومی خواہشات کی تابعداری اور سزا۔

[213] قومی ایمان کے ساتھ بین الاقوامی ایمان کا حکم۔

[215] قومی قانون سے انکار۔

ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ۲۱۵ انہیں اس واسطے اب بین الاقوامی قانون دیا گیا ہے اس پر ایمان لائے مگر اس سے جلدی پھر گئے۔ اس بناء پر کہ یہ قانون صرف عربوں کے لئے ہے اور ان کے لئے نہیں ہے۔

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ الآية ۲۱۶ ان کو کبھی ترقی نہیں ہوگی نہ رُوحانی نہ مادّی، کیونکہ جس نے ایک بار تجربہ سے اس کے فوائد معلوم کر لئے پھر اس سے وہ کسی نفسانی غرض سے برگشتہ ہو گیا اور پھر اس نے دوبارہ اس تعلیم پر کاربند ہو کر چھوڑ دیا کہ اب ان کی یہ عادت ثانیہ بن گئی۔

(۱۳۸) بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ۔ اس قسم ۲۱۷ کے لوگوں کے لئے عبرت ناک سزا ہے۔

(۱۳۹) اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ:۔ یہ تفسیر ۲۱۸ ہے منافقین کی کہ مسلمانوں کے سوا کفّار کی حکومت تسلیم کرتے ہیں اور ان سے عزت کے طالب ہوتے ہیں۔ ۲۱۹

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الآية۔ کیا ان کے قانون کے تابع رہ کر عزت چاہتے ہیں۔ یہ غلط ہے ان کو اگر عزت ملے گی تو قانونِ الٰہی کی اطاعت سے ملے گی۔

(۱۴۰) وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ الآية ۲۲۰:۔ یعنی اگر کوئی آدمی نادان اس بین الاقوامی جماعت میں شریک ہو کر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتا ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی انہیں میں شامل ہے۔ اسے کسی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیئے جس میں اس کے دین کی عزت تسلیم شدہ نہ ہو۔

(۱۴۱) يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ۔ ان کی صرف ۲۲۱ یہی خواہش ہے کہ تم اس رُتبے سے گر جاؤ وہ تمہاری جگہ بین الاقوامی منصب پر آجائیں۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ الآية:۔ موضح القرآن میں ہے اور ہرگز نہ دے گا خُدا تعالیٰ کافروں کو اوپر مُسلمانوں کے راہ غلبے کی کسی طرح سے۔

پچھلی صدی سے یورپین طاقتیں اس بات کے درپے تھیں کہ مسلمانوں کو ان کی بین الاقوامی مراتب سے گرا کر ان کی بجائے خود اس جگہ پر آجائیں۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ الآية۔ جو (کوئی) قانون بین الاقوامی کو صدقِ دِل سے مانتا ہے اسے قانونِ الٰہی کی اطاعت سے اللہ عزت دے گا اور جو نہیں مانتا تو اسے حکومت عطا نہیں کی جائے گی۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ:۔ یعنی ان ۲۲۲ کا منشا یہ ہے کہ کام تو دوسرے لوگ کریں اور اس کا ثمرہ یہ حاصل کریں۔

وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ وہ ان کا دھوکہ چلنے نہیں دے گا۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ الآية ۲۲۳ کہ یہ قانون پر ایمان نہیں رکھتے۔ نماز میں یہی قانونِ الٰہی پڑھا جاتا ہے، اور اس کی پابندی انہیں لازمی ہے، مگر ان کی یہ حالت ہے کہ لوٹتے ہوتے دل سے وہ اس قانون (نماز) کی طرف آتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے۔ ہر شخص جو ایسا ہو کہ کافروں اور مسلمانوں دونوں سے اپنی

۲۱۵ مومنوں کا قانون سے بھی انکار

۲۱۶ باربار قانون شکنی اور انکار ترقی سے معکوس ہوتا ہے۔

۲۱۷ منافقین کی عبرتناک سزا۔
۲۱۸ منافقین کون؟
۲۱۹ جو کفّار کی حکومت قانون کی تابعداری میں عزت چاہیں۔ اسکی

۲۲۰ بین الاقوامی جماعت میں شمولیت۔
۲۲۱ بین الاقوامی مراتب کی خواہش اور کوشش۔

۲۲۲ منافقین کی کام چوری اور مفاد پرستی کی سزا۔

۲۲۳ منافقین اور ان کی نماز کی حالت۔

غرض کی دوستی رکھے وہی منافق ہے۔ منافق فریب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے یعنی خُدا تعالیٰ کے دوستوں سے دغابازی کرتے ہیں اور خُدا تعالیٰ ان کو اس فریب کی سزا دے گا جس وقت کہ کھڑے ہوتے ہیں نماز پڑھنے کو تو اُٹھتے ہیں سُستی اور کاہلی سے لوگوں کے دکھلانے کو اور نہیں یاد کرتے خُدا تعالیٰ کو مگر تھوڑا سا سو وہ بھی لوگوں کے سامنے۔[1]

(۱۴۴) مُذَبْذَبِيْنَ الآیۃ :۔ یعنی ان کو قانون دیا گیا[۲۲۴] اور انہیں سب کچھ سمجھا دیا گیا مگر وہ اس کے باوجود اس کو نہیں ملنتے۔ اب ان کو کون رستہ دکھلائے گا۔

(۱۴۴) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :۔ ان لوگوں کو[۲۲۵] اپنی سوسائٹی میں داخل کرو جو تمہارے قانون پر ایمان رکھتے ہیں۔

فِي الدَّرْكِ الآیۃ قانون شکنی پر اَڑنے کی وجہ سے سخت سزا دی گئی۔

(۱۴۶) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا قانون شکنی چھوڑ کر قانون کے پابند ہو جائیں ان کو اپنی سوسائٹی میں شامل کر لینا چاہیئے۔

(۱۴۷) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ الآیۃ اگر سیدھے راستہ پر چلو گے تو اللہ تمہیں کبھی مصیبت میں نہیں ڈالے گا۔

(۱۴۸) لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ الآیۃ اگر ان میں کوئی نقص واقع ہے یا ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس کی بین الاقوامی تشہیر مت کرو بلکہ ان کو آہستہ سے سمجھاؤ تاکہ دوسرے اس کا مذاق نہ اُڑائیں۔

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ اگر انہوں نے[۲۲۶] ظلم وستم پر کمر باندھ لی ہے تو اس صورت میں (تشہیر) جائز ہے۔

(۱۴۹) اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا الآیۃ اگر تم میں[۲۲۷] یہ عادتیں ہو جائیں جن کا اس آیت کے اگلے حصہ میں ذکر ہے تو اللہ تمہاری غلطیاں معاف کر دے گا۔ غرض تمہاری سوسائٹی کے جو ممبر کمزور ہیں ان کی اصلاح کرو اور انکی غلطیوں کی تشہیر مت کرو! ہاں اگر وہ ضد پر آجائیں اور ظلم کریں۔

(۱۵۰) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ :۔ یعنی اللہ نے اپنے رسول کی معرفت یہ بین الاقوامی قانون دیا ہے اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا :۔ یعنی اللہ[۲۲۸] پر ایمان لائے ہیں اور جو رسول قانون لائے ہم اس پر ایمان نہیں لائے۔

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ :۔ قانون کے کچھ حصے کو مانتے ہیں اور کچھ حصے سے انکار کرتے ہیں، یعنی کچھ حصہ پر عمل کرتے ہیں اور کچھ حصہ پر عمل نہیں کرتے۔

(۱۵۱) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ الآیۃ :۔ اس طرح کرنے سے ایمان قائم نہیں رہتا۔ ایسے لوگ کافر ہیں، یعنی اپنے قومی نبی کو مانتے ہیں مگر بین الاقوامی نبی کو نہیں مانتے، اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کا یہ انکار ان کے اپنے کتب الٰہیہ سے انکار کے مترادف ہے، اس لئے کہ وہاں صاف طور پر نبیوں نے اس بین الاقوامی کے متعلق بشارت دی ہوئی ہے۔

(۱۵۲) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ بین الاقوامی قانون[۲۳۰] (جو یہ نبی لایا ہے) اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ یعنی حکومت عطا کرے گا۔

[۲۲۴] "منافقین کے اضطراب کا کوئی حل نہیں"

[۲۲۵] "قانون پر ایمان رکھنے والوں کو سوسائٹی میں داخل کرو"

[۲۲۶] "قانون شکنی پر اڑنے کی سخت سزا"

[۲۲۷] "غلطی کی بین الاقوامی تشہیر کب جائز ہے"

[۲۲۹] "کمزوروں کی اصلاح کی جائے"

[۲۳۰] "بین الاقوامی قانون پر ایمان رکھنے پر دنیوی حکومت"

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر موضح القرآن ص۱۲۳ طبع لاہور اصل مسودہ میں صرف حوالہ عبارت مع نمبر شمس، سے اشارہ تھا پوری عبارت نہیں تھی ۱۲ (ع۔ ق)

غَفُوۡرًا الآیۃ:۔ اگر اس کے چلانے میں کوئی لغزش ہوگی وہ معاف کرے گا۔

عرض آب[۲۳۱] بتلایا کہ صرف یہی نہیں کہ اپنے قومی نبی پر ایمان لائے بلکہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء پر ایمان لائے اگر ایمان نہ لائے گا تو اس کے باعث اس پر جو مصیبت بھی آئے گی اسے برداشت کرنا ہوگا۔ آگے اس قوم کی مثال بتلاتے ہیں جسے بین الاقوامی (مذہبی) قانون دیا گیا مگر انہوں نے اسے قومی قانون میں محدود کر دیا ان کی اس سے جو بری گت ہوئی اس سے عبرت دلائی جاتی ہے۔

ت ۲۳۱ "بین الاقوامی قانون کو قومی قانون میں محدود کر دینے کی سزا اور اس سے عبرت دلائی"

(۱۵۳) یَسۡـَٔلُکَ اَھۡلُ الۡکِتٰبِ :۔ یہود مدینہ وہ اس قانونِ الٰہی کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ایک اور قانونِ الٰہی نازل ہو۔

اَرِنَا اللّٰہَ الآیۃ :۔ والحال انھم لا یستطیعون ان ینظروا الشمس وقت الزوال وان نظروا الیھا ابصارھم فیکف یطلبون رویۃ اللہ تعالیٰ (جلوہ)

(یعنی یہود[۲۳۲] نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں اللہ کا دیدار کرائیے جبکہ ان میں زوال کے وقت سورج کو دیکھنے کی استطاعت نہیں، اگرچہ اس کی طرف اپنی آنکھیں کر بھی لیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ کا کیسے مطالبہ کرتے ہیں۔)

ت ۲۳۲ "یہود مدینہ کا قرآن کے علاوہ قانونِ الٰہی کے نزول کا سوال"

اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ :۔ قانونِ الٰہی چھوڑ کر دوسری طرف راغب ہو گئے۔

سُلۡطٰنًا الآیۃ :۔ ان کی جہالتوں کے رد کرنے کے لئے پوری قوت تھی۔

(۱۵۴) بِمِیۡثَاقِھِمۡ :۔ قانونِ الٰہی کی پابندی کا پورا عہد لیا تھا۔

(۱۵۵) فَبِمَا نَقۡضِھِمۡ :۔ [۲۳۳] ان کی عہد شکنی پر جو سزا مرتب ہوئی وہ آیات (۱۶۰، ۱۶۱) میں درج ہے۔

"بنی اسرائیل کی عہد شکنی"

کُفۡرِھِمۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ :۔ یعنی قانونِ الٰہی پر عمل نہ کرتے اور جو نبی ان کی اصلاح کے لئے آتے ان کو قتل کرتے۔ [۲۳۴]

قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ :۔ یعنی آپ کی بات سمجھ نہیں سکتے یعنی سمجھنے کے قابل ہی نہیں جیسے کوئی تقریر سننے پر کہا جاتا ہے کہ ہم تو اس تقریر کو خاک بھی نہیں سمجھے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متکلم نے کوئی بات ہی نہیں کہی یا ہمارے دلوں پر علمی غلاف ہے اور آپ امّی ہو۔

ت ۲۳۴ "قلوبنا غلف کی تفسیر"

بَلۡ طَبَعَ اللّٰہُ الخ :۔ [۲۳۵] وہ غلط کہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ کفر کے باعث ان میں سمجھنے کی استعداد ہی نہیں رہی، ان میں اب سمجھ کا مادہ ہی نہیں رہا ان کے نہ سمجھنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو کوئی سمجھا نہیں سکا، بلکہ وہ اپنی جماعت کے قانون کا متبدل ہونا برداشت نہیں کر سکتے، اگر انہیں کہا جائے کہ تم میں یہ بری عادتیں داخل ہو گئیں ہیں تو وہ کبھی توبہ نہیں کریں گے، یہی حالت اس وقت مسلمانوں کی ہے کہ دنیا بھر کی قوموں کی برائیاں خوشی سے سنتے رہیں گے، اور دوسری قوموں کا مذاق اڑائیں گے، مگر جب مسلمانوں کی وہ برائیاں بیان کی جائیں جو اب ان میں داخل ہو گئی ہیں تو فوراً بگڑ جائیں گے، اور ہرگز برداشت نہیں کر

ت ۲۳۵ "رسمی قانون کی پابندی عقل و شعور اور دین ہے"

سکیں گے اور ان کی اصلاح کرنا گوارہ نہیں کریں گے۔

عرض قانونِ الٰہی (قرآن) دیا گیا تو اس کے ساتھ حکمت بھی دی گئی، (یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ) تاکہ قانون کی رُوح کو سمجھ سکیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس قانون اور اس کی رُوح کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے مگر جب حکومت عجمیوں کے ہاتھ آگئی تو صرف قانون رہ گیا اس کی حکمت کی رُوح سے غافل ہو گئے، صوفیاءِ کرام کی جماعت پیدا ہوئی انہوں نے حکمت کی رُوح کو دوبارہ زندہ کیا، قانون نگران فقہا نکلے، اور حکمت کی رُوح کے نگران صوفیاءِ کرام تھے، عرض اب یہود میں صرف فقیہ تھے جو قانون کی ظاہر صورت کو لیتے تھے اور قانون کی حکمت کی رُوح ان سے غائب ہو چکی تھی اس لئے وہ اس قانون کو سمجھ ہی نہ سکے۔

ف ۲۳۶ "قانون کی روح (حکمت عملی) دوبارہ زندہ کرنے کی اہمیت"

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا۔ يفهمون روح حكمة القانون۔

یعنی بہت قلیل یہود ایسے ہیں جو قانون کی حکمت کی رُوح سمجھتے ہوں۔

عرض اب مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم قانون کے ساتھ قانون کی روح کی حکمت کو بھی سمجھو ورنہ یہود کی طرح قانون کی حکمت کی رُوح نہ سمجھنے کی وجہ سے تم بھی برباد ہو جاؤ گے، سمجھایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح حکیمانہ طور پر سمجھانے کے لئے آئے تاکہ یہود کو قانون کی رُوح بتلائیں مگر وہ نہ ماننے کے باعث راندے گئے۔

ف ۲۳۷ "یہود کا عیسیٰ کی تعلیم حکمت سے انحراف"

(۱۵۶) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ الآیة، چاہیئے تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر بچپن میں الزام لگاتے، مگر ان کو اس وقت اس کی غیر فطرتی پیدائش کے متعلق تسکین ہو گئی، مگر اب جب اس نے نبی ہو کر ان کی اصلاح شروع کی تو اس پر بہتان باندھا۔

ف ۲۳۸ "عیسیٰ پر بہتان کیوں"

(۱۵۷) وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ الآیة، اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کی شریعت کے تبدیل کرنے کا حکم دیتے ہیں (یہ) اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

ف ۲۳۹ "عیسیٰ کو سولی دینے کی حقیقت"

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ، تاویلیں کر کے باتیں بناتے ہیں مگر کسی کو یقین نہیں ہے۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ۔ یعنی یہود جو کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح جان سے مار ڈالا یہ بھی غلط ہے اور نصرانی جو کہتے ہیں کہ ان کو صلیب پر چڑھایا گیا یہ بھی غلط ہے۔

وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ، بلکہ واقعات بے شبہ ایسے مشتبہ پیدا ہو گئے جس سے کہ یہ اس قسم کا خیال بنا سکتے تھے۔

اِخْتَلَفُوا فِيهِ الاٰیة۔ عرض شک دونوں (یہود و نصاریٰ) کے دل میں ہے۔

(۱۵۸) بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ :۔ جس طرح تمام بزرگ لوگ اللہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اللہ نے ان کو بھی اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ انسانیت کا عام قاعدہ ہے کہ جس بزرگ کی قبر مشتبہ ہو جاتے (یعنی اس بزرگ کی قبر معیّن نہ ہو اور لوگوں نے اس بزرگ کو کھلے طور پر دفن ہوتے نہ دیکھا ہو) تو اس کی متعدد جگہوں پر یا تو قبریں بنالی جاتی ہیں اور یا کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا۔ مسلمانوں کو اس کی مثال حضرت علیؓ امیر المومنین کی شہادت کے بعد اچھی طرح ملتی ہے، آپ کو ایک انارکسٹ (فسادی) نے قتل کیا تھا اور مسلمانوں کو ڈر تھا کہ حضرت علیؓ

ف ۲۴۰ "عیسیٰ کے اٹھائے جانے کی حقیقت اور اس کی تاریخی مثال"

کی لاش کو اتار کر قبر سے نکال کر کہیں لے نہ جائیں اس واسطے خوف کے باعث آپ کی قبر دارالحکومت میں بنا دی گئی تاکہ اس جگہ پر ہر وقت نگرانی رہ سکے۔ قبر کو ظاہری طور پر نہیں رکھا گیا کہ فلاں جگہ پر آپ کی قبر ہے۔ اب یہ حالت ہے کہ مسلمانوں میں دو قسم کے عقیدہ کے لوگ پیدا ہو گئے، ان میں ایک جماعت کہتی ہے (شیعہ کا پہلا طبقہ) کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان پر چلے گئے اور پھر آئیں گے۔ اسے رجعت کہتے ہیں۔ دوسرے طائفہ نے حضرت علیؓ کی متعدد جگہ قبریں بنا دیں۔ حضرت علیؓ کے آسمان پر جانے کا خیال لوگوں کو اس آیت سے پیدا ہوا کہ وہ "اللہ کے پاس اٹھائے گئے اس کے پاس بلند مرتبہ پر پہنچ گئے" تو لوگ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کا جسد بھی اٹھا کر لے گئے جیسے ادریس علیہ السلام کے بارے میں کہتے۔

(۱۵۹) يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا :- بما فعلوا به ويقول انهم فعلوا بي ما فعلوا كمجردانى دعوتهم الى التوراة فلم يومنوا بي وما عملوا بالتوراة بالاخر اور[۲۴۱] قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس پر جو انہوں نے اس کے ساتھ کیا اور کہیں گے کہ ان یہودیوں نے میرے ساتھ جو کیا کیا، مثلاً محض اس بات پر کہ میں نے ان کو تورات کے قانون کی طرف بلایا وہ مجھ پر ایمان نہ لائے اور نہ آخر تک انہوں نے تورات پر عمل کیا۔ عیسائیوں نے تورات پر عمل کیا اور اسے کتابی شکل میں زندہ رکھا۔

(۱۶۰) فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا :- اى ظلمهم المذكور فى أيات (۱۵۳ تا ۱۵۷) یعنی ظلم[۲۴۲] سے مراد وہ ہے جس کا آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں ذکر کیا گیا۔

حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبَاتٍ :- سب[۲۴۳] سے اچھی چیز سلطنت ہے وہ بھی ان سے جاتی رہی۔ دنیا میں اپنے سر جھکانے کی جگہ نہیں، افسوس کہ تاریخ کے اوراق میں دیکھو تو مسلمانوں نے بھی ظلم شروع کئے اور انتظام قائم کرنے کی ان میں لیاقت و استعداد چلی گئی، اور اہلِ حق کو قتل کرتے رہے اور بہت سے نیک لوگوں پر جو بادشاہوں کو یا اُمرار کو یا قاضیوں کو عدالت و انصاف کے لئے قائم رکھتے تھے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر اپنی سیاست قائم کرنے کے لئے قتل کر دیا گیا تو ان سے سلطنت چھین لی گئی۔

وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ :- اور اللہ[۲۴۴] کے راستے سے روکنے سے مراد اللہ کے قانون سے روکنا ہے۔

وَاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا :- انہوں[۲۴۵] نے لوگوں کو لوٹنے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کئے۔ غرض ان کی بُری عادتوں کے باعث کہ وہ مخلوقِ خدا پر انصاف کرنے کے بجائے ظلم کرنے لگے۔

(۱۶۲) لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ :- من اليهود (یعنی یہودِ[۲۴۶] سے علم میں گہرائی رکھنے والے) بین الاقوامی قانون کو مانتے ہیں۔ آگے وہ مشترک اصول ہیں جو انبیاء کے کتب میں نازل ہوئے اس پر ان کا پورا پورا عملدرآمد ہے۔

[۲۴۱] "یہود نہ عیسے پر ایمان لاتے اور نہ تورات پر عمل کیا۔"

[۲۴۲] "یہود کا ظلم۔"

[۲۴۳] "طیبات میں سے سب سے عمدہ چیز سلطنت ہے اس کا خاتمہ۔"

[۲۴۴] "اللہ کے راستے سے روکنے سے مراد قانون سے روکنا ہے۔"

[۲۴۵] "یہود نے لوگوں کو لوٹنے کے مختلف طریقے ایجاد کئے۔"

[۲۴۶] "یہود میں علمی گہرائی رکھنے والے بین الاقوامی قانون مانتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔"

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ الآیۃ:۔ یہ مشترک اصول ہیں ان پر جو ایمان لائے اور عمل کرے، وہ بین الاقوامی جماعت میں داخل ہو سکتا ہے اور مختلف دینوں میں یہ اصول مشترک ہیں۔

ف۲۴۷۔ مختلف دینوں میں مشترک تین اصول

(۱) قانونِ الٰہی[۲۴۷] کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ (۲) غریبوں پر رحم کریں۔ (۳) اپنے اعمال کی جزا و سزا پر ایمان لائیں کہ ایک دن ضرور ان اعمال کی جزا و سزا ہم کو ملے گی تو اخیر دفعہ سے اپنے اعمال کو درست کرتا رہے گا۔

ف۲۴۸۔ اجر عظیم کی تفسیر

اَجْرًا عَظِيْمًا:۔ یعنی[۲۴۸] ان کے لئے بین الاقوامی حکومت دنیا میں ہے اور تسلسل حیات میں آئندہ دیدارِ الٰہی

(۱۶۳) اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الآیۃ:۔ ہم نے تمام انبیاء کو ایک ہی طریقہ بتلایا۔ بعض کے نام بیان کئے اور بعض کے نام بیان نہیں کئے۔

ف۲۴۹۔ حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کی فضیلت

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى:۔[۲۴۹] ہم کلامی کی فضیلت دوسرے نبیوں کو نہیں دی فقط موسیٰؑ کو دی۔

حَكِيْمًا:۔ اس[۲۵۰] کے کاموں پر اعتراض نہیں ہو سکتا، وہ اگر انسان کا مواخذہ کرتا ہے تو اس کو پہلے علم اور رسولؐ کے ذریعہ تنبیہہ کر دیتا ہے۔

ف۲۵۰۔ اللہ کے کاموں پر اعتراض کیوں جائز نہیں

(۱۶۶) لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ الخ۔ موضح القرآن میں ہے کہ یعنی ہر پیغمبر کو وحی آتی رہی ہے کچھ نئی بات نہیں ہے پر اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص علم اُتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دے گا چنانچہ یہ ظاہر ہوا کہ جس قدر ہدایت لوگوں کو اس نبی سے ہوئی اور کسی نبی سے نہ ہوئی۔ انتہیٰ[۱] یعنی یہی ایک بین الاقوامی قانون ہے جو تمام دنیا کے لئے مشترک ہو سکتا ہے۔

ف۲۵۱۔ ملائکہ کے مصداق نیک سیرت لوگ بھی ہیں۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ:۔ یعنی[۲۵۱] اللہ کی نیک طاقتیں خواہ آسمان پر ہوں خواہ زمین پر یعنی فرشتہ منش اور فرشتہ سیرت لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ اس کے سوائے اور کوئی مذہب بین الاقوامی قانون نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۷) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ باوجودیکہ وہ اپنے نبی کو مانتے ہیں مگر بین الاقوامی نبی کو نہیں مانتے، اس لئے ان کا شمار کفار میں ہو گا۔

ف۲۵۲۔ حقیقی کافروں اور ظالم جماعت کی سزا۔

(۱۶۸) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا[۲۵۲] یعنی اپنی ضد پر ہٹ دھرمی کرتے ہیں پھر لوگوں پہ ظلم کرتے ہیں اور اس بین الاقوامی تعلیم کو جاری نہیں ہونے دیتے، یعنی سمجھ کر انکار کرنا اور پھر ایسی تجویز سوچنا جس سے یہ تعلیم نہ چل سکے۔ ایک جماعت تو یہ ہے اور دوسری جماعت (کا کام) صحیح تعلیم کو سمجھ کر انکار کرنا اور پھر لوگوں پہ ظلم کرنا تو ان ظالموں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ہے اور ان کے ظلم کو دور کرنا ہے۔ ان کو معافی نہیں دی جائے گی نہ ان کو ہدایت یاب (ہدایت پانے والی) جماعت میں شامل کیا جائے گا ورنہ یہ لوگ اس جماعت میں رہ کر لوگوں کو ظلم کی تعلیم دیں گے۔

درخت خبیث است بیخش برار

(یعنی درخت خبیث ہے اس کو جڑ سے نکال باہر کر!)

ف۲۵۳۔ سیدھا راستہ کا مطلب

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا:۔ ہدایت[۲۵۳] اس لئے دی جاتی ہے تاکہ انسان آگے بڑھے مگر انہیں ہدایت

---

[۱] ملاحظہ ہو تفسیر موضح القرآن ص ۱۰۷ طبع ملک دین محمد لاہور ۱۳ ع سی۔

نہیں دی جائے گی، یعنی ان کا ظلم قائم نہیں رہے گا اور انہیں جلدی ختم کر دیا جائے گا۔

ٹ ۲۵۴ "قانون شکنوں کی جہنم"

(۴:۶۹) اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ۔ قانون شکنی کی ان کو سزا دی جائے گی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ ظالموں سے تمام طاقت سلب کر کے ان کو ذلیل کر دیا جائے۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔[۲۵۴]

ٹ ۲۵۵ "بین الاقوامی قانون کی طرف دعوت"

(۴:۷۰) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ اے[۲۵۵] تمام دین ماننے والے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے اس کا رسول بین الاقوامی قانون حقیقی لے کر آیا ہے۔

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس قانون پر عمل کرنا تمہارے لئے بہتری کا باعث ہوگا۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ الخ۔ وہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے وہ جانتا ہے کہ تم ظلم کر رہے ہو اسلئے وہ بین الاقوامی قانون تمہارے ہاتھ میں نہیں دے گا بلکہ وہ حکیم ہے وہ اسے ایسی قوم کے حوالہ کرے گا جو اس پر عمل کرے گی اور پھر بتدریج دُنیا میں ترقی کرے گی۔

ٹ ۲۵۶ "قانونِ الٰہی کی پابندی سے عظیم الشان انقلاب"

اب[۲۵۶] سمجھایا جائے گا کہ دیکھو اس قانونِ الٰہی کی پابندی سے تم دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دو گے، تمام دُنیا کو انصاف سے بھر دو گے، اور مُسلمانوں نے واقعی دُنیا میں اس انقلاب کو کر کے دکھلایا کہ مدینہ میں ایک بُڑھیا عورت خلیفہ کو ٹوکتی ہے اور مصر میں جو ظلم ہو رہا تھا کہ ہر سال ایک کنواری لڑکی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا تاکہ نیل میں طغیانی آئے، اسے بند کرا دیا گیا۔ سلطان محمود غزنویؒ ایک ہندو عورت کی عصمت بچانے کے لئے اپنے ایک عزیز کو خنجر کا نشانہ بناتا ہے اور شیر شاہ جیسا بامروّت بادشاہ ہندوستان میں ایک ہندو عورت کو ولی عہد سلطنت سے پورا انصاف دلاتا ہے۔ غرض مسلمانوں کو تنبیہہ ہو رہی ہے کہ دیکھو یہ انقلاب جو تم پیدا کرو گے واقعی نہایت عظیم الشان ہوگا مگر دیکھنا کہیں یہ نہ ہو کہ تمہارے پیچھے جو لوگ آئیں وہ تمہیں خُدائی کا رُتبہ دے دیں، اور تم بھی اس طرح ضلالت میں مُبتلا ہو جاؤ۔

ٹ ۲۵۷ "عیسائی اُمت کی مثال"

اب[۲۵۷] عیسیٰ علیہ السلام کی امّت کی مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے کہ عیسائی اپنے نبی کو خُدا کے مرتبہ تک لے گئے، اور اس طرح تباہ ہو گئے۔[۲۵۸]

ٹ ۲۵۸ "تثلیث کا عقیدہ"

(۴:۷۰) لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ الآية۔ اے نصاریٰ حد سے آگے نہ بڑھو اور دین کی جو اصلی باتیں ہیں وہ بیان کرو۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ الآية۔ تمام انبیاء پر ایمان رکھو اور عیسیٰ علیہ السلام کو تخصیص مت دو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ[لے]۔ اس کی تفسیر سورۃ مائدہ میں ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔ یعنی اللہ اپنے تمام کام خود کر سکتا ہے، وہ اپنے لئے کسی وارث کا محتاج نہیں۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ الآية۔ یعنی فرشتے اور فرشتہ خصلت نیک بندے۔

لے وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ فلاسفروں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) وجود (۲) علم (۳) قدرت۔ اور اس کا نتیجہ ہے کہ فلاسفروں میں توحید کی جگہ تثلیث کا خیال پیدا ہوا۔ اگر دیکھا جائے تو تثلیث فلسفہ کی غلط تعبیر ہے۔ (ع۔ ق)

وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الآیۃ ۔ یعنی انہوں نے اللہ کے قانون کو چھوڑ دیا اب انہیں کون مدد دے سکتا ہے۔

(۱۷۴) يَا اَيُّهَا النَّاسُ ! اے لوگو! تمہارے پاس ایک حجّت قائم ہوگئی ہے اور تمہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ یہی ظاہر روشنی ہے اس کے بعد تم اندھا مت بننا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ع ۲۴

ترجمہ: سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اُس کو مضبوط پکڑا تو اُن کو داخل کرے گا اپنی رحمت میں اور فضل میں اور پہنچائے گا اُن کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر (۱۷۵) حکم پوچھتے ہیں تجھ سے، سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا، اگر کوئی مرد مرگیا اور اُس کے بیٹا نہیں اور اُس کی ایک بہن ہے تو اُس کو پہنچے آدھا اُس کا جو چھوڑ مرا، اور وہ بھائی وارث ہے اُس بہن کا اگر نہ ہو اُس کے بیٹا، پھر اگر بہنیں دو ہوں تو اُن کو پہنچے دو تہائی اُس مال کا جو چھوڑ مرا، اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے، بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۱۷۶)

"۱۷۵". فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الاٰیۃ جو لوگ [۲۵۹] قانونِ الٰہی پر عمل کریں گے اللہ ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے گا اور ان کو اپنا فضل یعنی حکومت عطا کرے گا اور ان کو راہِ راست یعنی اس قانون پر چلنے کی ہمت دے گا۔ اب سورت کا خلاصہ بتلایا جاتا ہے "۱۷۶" یَسۡتَفۡتُوۡنَكَ الاٰیۃ [۲۶۰] یعنی جس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو جو اسکو اس کے حقوق دلا سکے یعنی نادار مسکینوں کو ان کے حقوق انصاف سے پہنچاؤ یعنی غریب قوموں کو ان کے حقوق انصاف سے دو۔ اقتصادی تقسیم کا طریقہ بتلانے کے بعد کہا یُبَیِّنُ اللّٰہُ یعنی اللہ نے تمہیں صاف [۲۶۱] صاف اور واضح کر کے بتلا دیا کہ اس راستہ پر چلو گے تو دھوکا نہ کھاؤ گے اور نہ ہی کسی غلطی میں مبتلا ہو گے۔

۲۵۹۔ قانونِ الٰہی پر عمل کرنے والوں کو بدلہ رحمت، فضل اور ہدایت۔

۲۶۰۔ رحمت کا خلاصہ مطلوبہ اقتصادی تقسیم۔

۲۶۱۔ قانونِ الٰہی پر چلنے کا فائدہ۔

قرآنی معارف و مطالب میں مجھے شاہ ولی اللہ صاحب کے علاوہ کسی اور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ مَیں نے قرآن سے جو کچھ اخذ کیا ہے اور جو بھی معانی مضامین قرآن سے استنباط کیے ہیں، مجھے ان کے تعیّن اور تائید کے لیے شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں مَیں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے وہاں مَیں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اصُول کو اپنے لیے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ مَیں نے شاہ عبدُالعزیزؒ، شاہ رفیع الدّینؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمّد قاسم نانوتویؒ کے اقوال کو حُجّت بنایا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہُوا ہے کہ مَیں نے محض اپنے فکر و رائے کی بنا پر دوسرے مفسّرین سے اختلاف کیا ہو جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے مَیں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہُوئی بات ہے۔ سُننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا ردّ کر دیں۔ مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو۔ اور انکی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہلِ علم اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کریں۔

امام عبید اللہ سندھیؒ

حضرت سندھیؒ کی بقیہ قرآن کریم کی پوری تفسیر المقام المحمود کتابت و طباعت میں ہے بہت جلد انشاء اللہ منظر عام پر آ جائے گی ——— (ا

مکّی دارُالکتُب
غزنی سٹریٹ یُوسف مارکیٹ
اُردُو بازار۔ لاہور
فون : 7241778